بسم اللہ الرحمن الرحیم
سید التفاسیر
المعروف بہ
تفسیر اشرفی
شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

سید التفاسیر
المعروف بہ
تفسیر اشرفی
جلد دوم
لن تنالوا ۴ — والمحصنٰت ۵ — لا یحب اللہ ۶
شیخ الاسلام والمسلمین
حضرت علامہ
سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ٥ پاکستان

اشاعت ھٰذا بہ اجازت شیخ الاسلام ٹرسٹ

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' جلد دوم

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کور ڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی (نیویارک، یو ایس اے)

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010
9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

اجازت نامہ طباعت واشاعت برائے اردو تفسیر قرآن، بنام سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی (کامل)

فہرست

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔۔۔امَّا بَعْدُ

عرض ناشر

تمام تعریفیں اللہ ﷻ کیلئے ہیں، جو تمام عالموں کا رب ہے، اور بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ جو تمام خلق کا خالق، تمام ملک کا مالک، اور اپنے ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں جسکو چاہے، ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ہم پر اسکا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمیں پیدا فرما کر اپنے حبیب ﷺ کی امت میں رکھا۔ اسی کے کرم اور توفیق سے ہم اپنے نیک کاموں کے خیالات کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے قابل ہوتے ہیں اور اسی کی مدد سے اپنے جائز پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا پاتے ہیں۔

ہمارے خیالات اور پروگراموں کا تعلق اگر اسلام اور مسلمانوں کی کسی عظیم خدمت سے وابستہ ہو، تو ان خیالوں کا حقیقت کے رنگ میں ظاہر ہونا۔۔یا۔۔ان پروگراموں کا تکمیل کے مراحل طے کرنا، اور پایۂ تکمیل تک پہنچنا، تائید الٰہی ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور توفیق الٰہی ہی کا ثمرہ ہوتا ہے ۔۔یہ بھی یاد رہے۔۔کہ یہ تائید اور توفیق رب تبارک وتعالیٰ کے پیارے حبیب اور آقائے دو جہاں ﷺ کی سچی غلامی اور پر اخلاص نسبت کے بغیر شامل حال نہیں ہوسکتی۔ اسی تائید الٰہی کے شامل حال ہونے اور مفسر مدظلہ کے نائبین رسول میں سے ایک ہونے، کا جیتا جاگتا ثبوت تفسیر اشرفی کی صورت میں ہمارے سامنے آیا۔

اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ مفسر مکرم کے مبارک قلم سے ہوتے ہوئے، پر اخلاص محنت کرنے والوں کی محنت کے ذریعے، آج تفسیر اشرفی کا آپکے ہاتھوں میں ہونا تائید الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا، کہ اتنے تھوڑے سے عرصہ میں اتنا کام ہوگیا۔ ہم اپنے اوپر اس کرم کیلئے اللہ ﷻ کے شکر گزار ہیں کہ پروردگارِ عالم نے ہمیں اس خدمت سے وابستہ فرمایا۔۔۔اور ہماری دعا ہے کہ اب اس خدمت کے وسیلے سے ہمیں اپنے حبیب ﷺ کی محبت اور سچی غلامی پر قائم فرمادے۔ ﴿امین﴾

۹، اکتوبر ۲۰۰۸ء کو احمد آباد، انڈیا میں منعقد ہونے والے حضرت مفسر مدظلہ العالی کی اہلیہ مرحومہ مغفورہ کے پہلے عرس مبارک کے موقع پر تفسیر اشرفی ﴿جلد اول﴾ جو تین پاروں پر مشتمل تھی، کا تعارف کرایا

گیا، جسے گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، امریکہ) نے حضور شیخ الاسلام کی اجازت بہ سعادت سے شائع کیا تھا۔۔ بعدازاں۔۔ تفسیر اشرفی ﴿جلداول﴾ کوانڈیا میں شائع کرنے کا آغاز شیخ الاسلام ٹرسٹ (احمدآباد، انڈیا) کی طرف سے کیا گیا اور پھر ۲۳ دسمبر ۲۰۰۸ء کو ہونے والی بورسد، گجرات کی محدث اعظم ہند کانفرنس میں حضور شیخ الاسلام ہی کے مبارک ہاتھوں سے اسکا باضابطہ، اجراعمل میں آیا۔۔۔

باضابطہ، اجرا کے فوراً بعد تفسیر اشرفی ﴿جلداول﴾ ہزاروں ہاتھوں میں پہنچتی چلی گئی اور یہ سلسلہ صرف انڈیا تک ہی محدود نہ رہا، بلکہ گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، امریکہ) کے تحت، پہلی اشاعت اور اسکے فوراً بعد، تصحیح شدہ ایڈیشن کی اشاعت کے ذریعے چند ہی مہینوں میں یہ کتاب پاکستان کے مقتدر علماء، قابل قدر اساتذہ، مختلف طبقاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین اور طلباء و طالبات کے ہاتھوں اور اہلسنّت و جماعت کے دارالعلوموں، بڑے بڑے شہروں کی لائبریریوں اور مدرسوں تک پہنچتی چلی گئی ۔۔۔امریکہ، کینیڈا، انگلینڈ، ہالینڈ، ساؤتھ افریقہ، بنگلادیش اور دیگر کئی ممالک میں بھی اس تفسیر کو بے حد پسند کیا جارہا ہے اور اسکی ترسیل برابر جاری ہے۔

مفسر مکرم حضور قبلہ شیخ الاسلام، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی کو اس عظیم کام کا بیڑا اٹھانے پر صحت اور درازیء عمر کی دعاؤں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور جسکے بھی ہاتھوں میں یہ کتاب پہنچتی ہے، بے اختیار، آنکھوں سے لگا کر، لب پر دعائیہ کلمات کے ساتھ، وہ حضرت کا شکر گزار بھی ہوتا ہے، کہ وقت کی ایک اہم ضرورت، کہ عوام الناس کو ایک سادہ انداز اور آسان اردو میں، اختصار کے ساتھ قرآن کریم کے مفہوم و مطلوب سے متعارف کرایا جائے، کو آپ پورا فرمارہے ہیں۔

ساتھ ہی امریکہ، انگلینڈ، انڈیا اور پاکستان میں رہنے والے وہ خادم بھی دعاؤں میں شامل ہوتے ہیں جن کی انتھک محنت سے اردو کی یہ انوکھی تفسیر، ایک خوبصورت اور منفرد انداز میں شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں تک پہنچی ہے۔۔۔ دعاؤں کے ساتھ ساتھ قارئین کے قیمتی تاثرات سن کر اور پڑھ کر، کتاب کی افادیت کا اور بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ جس عظیم مقصد کے تحت اس کام کا آغاز کیا گیا، وہ حاصل ہو رہا ہے۔ یہ جان کر اس کام سے وابستہ افراد کو خوب خوب تقویت حاصل ہو رہی ہے، جو بارگاہِ الٰہی اور دربارِ حبیب ﷺ میں اس کام کی مقبولیت کی طرف ایک واضح اشارہ ہے۔

ہم حضور شیخ الاسلام کے بے حد شکر گزار ہیں کہ آپ عمر کے اس حصے میں، اور تمام تر مصروفیات

سے وقت نکال کر، اس عظیم کام کو آگے بڑھانے اور انشاء اللہ پایہء تکمیل تک پہنچانے میں شب و روز مصروف ہیں۔ پوری عمر دنیائے سنیت کی مختلف انداز میں خدمت کرنے کے بعد ماشاء اللہ ۷۰ سال کی عمر میں اللہ رب العزت پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے اس عظیم تفسیری کام کا آغاز کرنا، آپ کے 'توکل الی اللہ' پر قائم ہونے، اور امت مسلمہ۔۔۔نیز۔۔مسلک حقہ کی آخری دم تک خدمت کرتے رہنا، 'نیابت رسول' پر فائز ہونے اور مجسم پیکر اخلاص ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔

اِدھر پہلی جلد شائع ہو کر ۹، اکتوبر ۲۰۰۸ء کو ہاتھ میں آئی، اُدھر شیخ الاسلام نے دوسری جلد کیلئے اپنا قلم اٹھالیا اور ماشاء اللہ دیکھتے ہی دیکھتے چند مہینوں ہی میں تین اور پاروں یعنی چوتھے، پانچویں اور چھٹے پارے کی تفسیر مکمل فرمادی۔۔۔ دوسری جانب گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، امریکہ)، شیخ الاسلام ٹرسٹ (احمد آباد، انڈیا)، محدث اعظم مشن، (انڈیا اور انگلینڈ) کی شاخوں اور ساتھ ہی مدنی آفسیٹ پرنٹرز، (کرجن، گجرات)۔۔۔ کے خادمین کی ٹیمیں پہلی جلد کی مزید طباعت اور ڈسٹری بیوشن کے ساتھ ساتھ جلد دوم کی اشاعت کیلئے بھی مستعدی کے ساتھ کوشاں رہیں، جسکے نتیجے میں اب تفسیر اشرفی ﴿جلد دوم﴾ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔

ہم ہندوستان اور پاکستان کے مقتدر علماء کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس کوشش کو تحریری اور زبانی طور پر سراہا اور دعاؤں سے نوازا۔۔۔ خاص طور سے شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، امریکہ) کے منصور احمد اشرفی جو اس کتاب کو خوبصورت شکل میں ڈھالتے ہیں۔ جناب علامہ مفتی محمد ایوب صاحب اشرفی جو مسجد نور الاسلام (بولٹن، انگلینڈ) اور اسکے مدرسے کی مصروفیات سے اپنا قیمتی وقت نکال کر نہایت ہی عرق ریزی کے ساتھ کمپیوٹرائزڈ متنِ تفسیر کی پروف ریڈنگ فرماتے ہیں، جناب علامہ مفتی محمد فخر الدین علوی اشرفی (نیوجرسی، امریکہ) جو کتاب کی تیاری میں اہم معاملات میں مشن کی معاونت فرماتے ہیں، اور جناب سلیم الدین صاحب جو سخت محنت کر کے کتاب کی طباعت کا کام انجام دیتے ہیں۔

۔۔مزید برآں۔۔ہم نہایت مشکور و ممنون ہیں، شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام جیلانی خان اشرفی صاحب، جناب حاجی حنیف طیب صاحب اور دیگر مقتدر علماءِ اہلسنّت و جماعت کے جنھوں نے ہماری کوششوں کو سراہتے ہوئے اس کتاب کا تعارف کرانے اور ڈسٹری بیوشن میں ہماری مدد فرمائی۔۔۔ جن اصحاب و افراد کے بغیر گلوبل اسلامک مشن کے کاموں کا خاصہ حصہ کراچی، پاکستان میں تکمیل کے مراحل

طے نہیں کرسکتا، انکے ذکر کے بغیر ہماری بات مکمل نہیں ہوسکتی۔ہم جناب سید ریاض علی اشرفی صاحب، جناب عبدالقادر صاحب بمعہ اہل خانہ، جناب مسرور علی قریشی صاحب اور جناب عزیز علی خان صاحب کے بھی بے حد شکر گزار ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام اصحاب جنکا ذکر اوپر کیا گیا اور جنکا ذکر باعث طوالت زیر تحریر نہ آسکا، ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔حضور مفسر محترم اور اہلسنّت و جماعت کی تمام مقتدر ہستیوں اور علماءِ کرام کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور ان سب کا سایہ تادیر دنیائے سنیت پر قائم ودائم رکھے۔اسکے ساتھ ہی حضور ﷺ کے سچے ماننے والوں کی زمانے کی گردشوں سے حفاظت فرمائے۔۔نیز۔۔گلوبل اسلامک مشن ﴿نیویارک، امریکہ﴾ کو دین کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ امین ! بِجَاهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمُ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ﴾

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یوایس اے

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

۱۸ شوال ۱۴۳۰ھ ۔۔بمطابق۔۔ ۷ اکتوبر ۲۰۰۹ء

ایک اہم اضافہ:

متن تفسیر کے چند ایک مشکل الفاظ کے معانی کو قارئین کی آسانی کیلئے کتاب کے آخیر میں شامل کر دیا گیا ہے، تا کہ قاری کو فی الفور، کسی مشکل لفظ کے معنی معلوم کرنے کیلئے کہیں دور کسی لغت تک جانا نہ پڑے۔۔۔امید ہے اس کوشش کو پسند کیا جائیگا۔۔ ﴿ادارہ﴾

ایک دلچسپ نوٹ: تفسیر اشرفی کی اس جلد دوئم کے متن تفسیر میں ۱۱،۹۰،۷۶۹ (گیارہ لاکھ، نوے ہزار، سات سو انہتر) حروف۔۔۔۱،۲۸،۴۷۶ (ایک لاکھ، اٹھائیس ہزار، چار سو چھہتر) الفاظ ۔۔۔۹،۳۳۷ (نو ہزار، تین سو سینتیس) سطریں۔۔۔اور ۳،۵۸۵ (تین ہزار، پانچ سو پچیاسی) پیراگراف شامل ہیں۔۔۔کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے، تو ہمیں اطلاع دیکر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں۔۔۔ ﴿ادارہ﴾

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔۔۔اَمَّابَعْدُ

محاسن تفسیر اشرفی

اس میں کوئی شک نہیں کہ رب تبارک وتعالیٰ دعا کرنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے۔۔۔تو یہ اسکا کرم ہے۔۔۔اسکے بندے جس طرف اپنا رخ کر لیتے ہیں، وہ انھیں اسی طرف پھیر دیتا ہے۔۔۔تو یہ اسکا طریقہ ہے۔۔۔نیکوں کی تھوڑی نیکی پر بھی انھیں زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔۔۔تو یہ اسکا فضل ہے۔۔۔اور اگر وہ کسی کو 'منعم علیہم' کا قرب نصیب فرمادے، تو یہ اسکی طرف سے نعمت عظمیٰ ہے۔

تفسیر اشرفی لکھے جانے اور اسکی اشاعت کے تعلق سے اللہ ﷻ نے دعاؤں کو قبول فرمایا، جو اسکا کرم ہے۔اس کام کی چاہت رکھنے والوں کا رخ اسی طرف موڑ کر آسانی فراہم کی، یہ اسکی مدد ہے۔تھوڑی محنت پر بہت مقبولیت، عزت اور کامیابی عطا فرمائی، یہ اسکا فضل ہے۔اب اس محنت کے طفیل دعا ہے کہ دین کے سچے خادموں کو اپنے محبوبین کی قربت بھی عطا ہو، تو یہ اسکی طرف سے نعمت عظمیٰ ہوگی۔

کلامِ الٰہی کے ہر ہر حرف کے حق ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا ہر ہر فرمان بھی حق ہے۔قرآن کریم کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی سنت مبارکہ کے ذریعے ہمارے لئے صراطِ مستقیم پر چلنے کو آسان بنانے کا انتظام کیا۔۔۔اپنے اہل بیت سے ہماری غلامی کا رشتہ جوڑ کر اور انھیں نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح فرما کر، آپ نے ہمیں گمراہی سے بچانے کا انتظام کیا۔۔۔اپنے اصحاب کو تیار کر کے اور انھیں ستاروں کی طرح فرما کر، آپ نے ہماری رہنمائی کا بھرپور انتظام فرمایا۔۔۔اور یہ سارے انتظامات اسی لئے ہیں کہ آپ ہادئ برحق ہیں۔اور یہ سب بندوبست اسی لئے ہے تاکہ آپ کی امت میں آنے والے انسان، کلامِ الٰہی اور کلامِ رسول کو تھام کر اور اہل بیت رسول اور اصحاب رسول کا دامن پکڑ کر اس منزل کو پالیں، جہاں تک آپ انھیں پہنچانے کے خواہشمند ہیں۔

یہ تھامنا اور پکڑنا تو ہم جیسے گنہگاروں کیلئے ہے۔مگر وہ، جو خود اہل بیت رسول اور اصحابِ رسول سے خونی نسبت رکھتے ہیں، اور کلامِ الٰہی اور کلامِ رسول کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے رہتے ہیں، تو پھر ایسے برکت والوں ہی کو نائبین رسول ﷺ کے مقامِ عظمیٰ پر فائز فرما کر امت کی ہدایت اور رہنمائی

کیلئے چن لیا جاتا ہے۔۔۔ یہ بندوبست ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور قیامت تک ہر دور میں ہوتا رہیگا ۔۔۔ یہ انعام والے ہر دور میں آتے رہے ہیں اور ہر دور میں آتے رہیں گے، تاکہ روشنی اور ہدایت کے خواہاں، انکے دامانِ کرم سے وابستہ ہوکر اندھیرے اور گمراہی سے نکلنے کیلئے انکی مدد لیتے اور اپنے عقائد کی حفاظت کرتے رہیں۔ امت رسول ﷺ کا درد رکھنے والے یہ حضرات کبھی تقریر، کبھی تحریر اور کبھی دوسرے مختلف انداز میں تبلیغ دین کر کے امت مسلمہ کی ظاہری اور باطنی رہنمائی اور ٹرینگ کا بندوبست فرماتے رہتے ہیں۔

آج مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے۔ عقائد کو بگاڑ کر، سوچ میں ایک نیا رنگ پیدا کر کے، غیر ضروری مسائل میں انھیں الجھا کر، ضروری باتوں سے دور کر کے، اور پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے، اور دوسرے ہر ممکن طریقوں سے، انھیں گمراہ کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔ سیدھے سادھے عوام الناس کو یہ سمجھ نہیں آرہا ہے، کہ کون اپنا ہے اور کون پرایا، کس کی سنی جائے اور کس کی رد کردی جائے، کس کی مانی جائے اور کس کی طرف سے منہ موڑ لیا جائے۔

ایسے میں سچائی کا علم حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والوں میں سے ایک طبقے نے اپنا رخ قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر کی طرف موڑا ہے، کہ وہ علم حاصل کر کے خود ہی اپنی رہنمائی کریں۔ اس طبقہ میں خواص کے ٹھکرائے ہوئے عوام، علماء واساتذہ سے نالاں طلبا وطالبات، نام نہاد پیروں اور شیوخ کے چکروں سے نکلے ہوئے مریدین ومعتقدین، اور اخلاق وکردار سے خالی اماموں سے باغی ہونے والے نوجوان شامل ہیں۔

ایسے میں اس بات کو شدید طور پر محسوس کیا گیا کہ قرآن کریم کے مفہوم ومطلوب کو نہایت ہی آسان انداز اور سادہ زبان میں بصورت ایک مختصر تفسیر، پیش کر کے اس طبقے کی رہنمائی کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ اسکا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اردو زبان میں قرآن کریم کی تفاسیر کی کوئی کمی ہے۔ ماشاء اللہ آپ گنواتے چلے جایئے، علماءِ حق، علماءِ اہلسنّت کی شاندار تفاسیر آپ کے سامنے آتی چلی جائینگی، مگر کوئی بہت مختصر اور کوئی بہت ضخیم۔۔۔ کسی کا انداز بہت شاندار، مگر ان سے استفادہ صرف علماء اور اساتذہ کے ہی بس کی بات۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں ان تفاسیر کی بھی ضرورت ہے، مگر فی الوقت عوامی سطح پر ایک

تفسیر قرآن ایسی بھی ہونی چاہئے، جسے لوگ ایک کتاب کی طرح آسانی سے پڑھتے چلے جائیں اور عوامی انداز میں سادہ الفاظ کے ذریعے جتنا قرآنی مفہوم ومطلوب انکے لئے سمجھنا ضروری ہو، انکو ملتا چلا جائے۔۔۔ایسی تفسیر کے مطالعے کے بعد اب انکے لئے دوسری ضخیم تفسیروں کا مطالعہ کرنا بھی آسان ہوجائیگا اور وہ اس قابل بھی ہوجائینگے کہ اپنے عقائد کا دفاع اور اپنے اعمال کو درست کرنے کیلئے صحیح راہ متعین کرسکیں اور 'گندم نما جوفروشوں' کے فتنوں سے اپنے کو بچا سکیں۔

اسی ضرورت کے پیش نظر راقم الحروف اور دوسرے مقتدر احباب واصحاب نے حضور شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب اشرفی جیلانی، مدظلہ العالی سے بالواسطہ اور بلاواسطہ مودبانہ درخواست کی، کہ آپ نے خطابت کے ذریعے دین اسلام اور مسلک حقہ کی خوب خوب خدمت کی، اب کچھ تحریری کام کیلئے بھی وقت نکالیں اور ایک آسان اردو میں مختصر، مگر جامع تفسیر قرآن قلمبند فرمادیں، تو عوام اہلسنّت وجماعت پر ایک احسان ہوگا۔ حضرت نے اس درخواست کو منظور فرمایا اور وقت نکالتے ہوئے، جسکی پوری تفصیل تفسیر اشرفی ﴿جلداول﴾ میں موجود ہے، تفسیر قرآن قلمبند فرمانے کا آغاز کردیا اور اللہ رب العزت کے کرم اور توفیق سے، پہلی جلد جو پہلے تین پاروں پر مشتمل ہے، قارئین کی نذر ہوچکی ہے اور دوسری جلد کی بھی بس آمد آمد ہی ہے۔

تفسیر اشرفی ﴿جلداول﴾ بہت تیزی سے جب ہندوستان، پاکستان اور دوسرے ممالک میں علماء، طلباء اور دوسرے بے شمار قارئین تک پہنچی اور تفسیر کے تعلق سے تاثرات کا تانتا بندھا، تو اُس خیال کو، جسکے تحت ایسی تفسیر لکھنے کی درخواست اور اسکا آغاز کیا گیا، حقیقت کے آئینے میں دیکھنے کا موقع ملا۔ قارئین کو اس کامیابی کی اطلاع دینے اور دوسروں کو اس تفسیر کے مطالعے کی رغبت دلانے کیلئے ہی اس مضمون کو قلمبند کیا جارہاہے تاکہ زیادہ سے زیادہ افرادِ امت، جن کی مادری زبان اردو ہے، اسکے مطالعے سے فیضیاب ہوسکیں اور کلامِ الٰہی کے لامتناہی سمندر میں غوطہ زن ہونے سے پہلے سطح پر پیراکی کرنا سیکھ لیں اور علم کے وہ موتی جو بعض دوسرے، برسوں میں چن پاتے ہیں، چند ہی دنوں میں اپنے دامن میں سمیٹ لیں، کہ انھیں علمی مفلسی کی حالت میں آگے کی منزلیں طے نہ کرنی پڑیں۔ اس سلسلے میں چند مقتدر علماءِ کرام کے تاثرات بھی انشاء اللہ اس مضمون میں شامل کرلئے جائینگے۔

یہ بات بالکل بجاہے اور جو مفسر تفسیر ھٰذا مدظلہ العالی نے بھی تفسیر کے تعلق سے اپنے مضمون 'منظور

ہے گزارش احوال واقعی، میں تحریر فرمائی ہے، جسے قارئین جلد اول میں پہلے ہی ملاحظہ فرما چکے ہیں، کہ اس تفسیر میں جو کچھ ہے، وہ کسی نہ کسی مستند تفسیر سے ماخوذ ہے جسے ترجمہ معارف القرآن کی لڑیوں میں پرو دیا گیا ہے۔ اس بیان کے بعد اب تفسیر ھٰذا کے محاسن بیان کرنے والے کیلئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا حضرت مفسر کے قلم کی تعریف کرے، یا ماخذ کی۔۔۔ چونکہ ماخذ پر ہر ایک کی نظر نہیں اور ہمارے ہاتھ میں تفسیر اشرفی ہی ہے، اسلئے اسی کے مفسر کے قلم ہی کی ہم تعریف کرینگے جسکے ذریعے یہ پیغام ہم تک پہنچا ہے۔۔۔ ویسے بھی تعریف کیلئے اگر پیچھے کی جانب کا سفر کیا جائے، تو ہر ایک پیچھے کے پیچھے جاتے ہوئے، یہ سفر اسی ذات پر ختم ہوگا جو اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ اور تمام تعریفیں اسی کیلئے ہیں۔۔ لہٰذا۔۔ مفسر محترم یا انکے ماخذ کے مفسرین کرام کی تعریف، دراصل اللہ ﷻ ہی کی تعریف ہے۔

۔۔ بہر حال۔۔ مستند تفاسیر قرآن سے اپنا حاصل مطالعہ قلمبند کرتے اور ترجمہ معارف القرآن کی لڑیوں میں پروتے وقت، حضرت نے جس شان سے کلامِ الٰہی کے مفہوم و مطلوب کو آسان انداز اور سادہ اردو میں ظاہر فرمایا ہے، وہ قاری کیلئے کسی قسم کا ذہنی یا قلبی بوجھ نہیں بنتا اور وہ تیزی سے تفسیری مضامین کا مطالعہ کرتا چلا جاتا ہے۔۔ مزید براں۔۔ غور کرنے والوں کیلئے جن مقامات پر بات کو سمجھنے میں تھوڑی سی بھی کسی رکاوٹ کا اندیشہ ہو، وہاں حضرت کسی تفصیل میں جائے بغیر، صرف چند ہی کلمات میں مطلب کو واضح کر کے، قارئین کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کا اٹھنے سے پہلے ہی جواب تحریر فرما دیتے ہیں۔

ایک آیت کی تفسیر کو دوسری آیت کی تفسیر سے اس طرح مربوط فرما دیتے ہیں کہ بعض جگہ آیتوں کا پیغام الگ الگ ہونے کے باوجود، قاری روانی سے مضمون کو پڑھتا چلا جاتا ہے اور اسے یہ محسوس بھی نہیں ہوتا کہ کس مقام پر مضمون کا رخ بدل گیا ہے۔۔ یا۔۔ جو مضمون کافی پہلے چل رہا تھا، اب دوبارہ اسکا سلسلہ وہیں سے جڑ گیا ہے، جہاں کسی مصلحت کی وجہ سے بیان کو روکا گیا تھا۔ اسطرح مختلف واقعات اور اسلامی قوانین، ایک ہی مضمون بن کر قاری کے ذہن میں پنہا ہوتے چلے جاتے ہیں اور قاری کا ذہن تفسیر کے مطالعے سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا۔

بار بار یہ بتائے بغیر کہ کس آیت کا شانِ نزول کیا ہے اور کیا نہیں، اسپر کس نے کیا تبصرہ کیا ہے اور کیا نہیں، اور کس کے اقوال کیا ہیں اور کیا نہیں، آیت کی تفسیر کو اسطرح بیان کر دیا جاتا ہے، کہ شانِ نزول اور اسکے تعلق سے مختلف روایات واقوال، اور ان آیات سے جو شرعی قوانین وضع ہوئے اور ہو سکتے

ہیں، اور کون سی آیت آیا کسی آیت کی ناسخ ہے یا منسوخ وغیرہ، سارے خود بخود سامنے آتے چلے جاتے ہیں، جس سے صرف مفہوم و مطلوب کی طلب رکھنے والا قاری بھی بغیر کسی رکاوٹ کے، اپنے مطلوب سے بہرور ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری ضروری معلومات بھی حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔

تفسیر میں اردو کے الفاظ کے استعمال کا اسطرح اہتمام کیا گیا ہے اور اسطرح ان کو تفسیری مضمون میں مناسب مقامات پر پرویا گیا ہے کہ شان خداوندی اور مقامِ نبوت پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ جن آیات میں کوئی شرعی قانون بیان کیا گیا ہے، انکی تفسیر میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ عام قاری بھی اُس قانون کو پوری طرح سے، جتنا کہ ایک عام قاری کو ضرورت ہے، سمجھ لے۔ اور ساتھ ہی اُس قانون کی مصلحت، اسپر عمل کرنے کے فوائد، اسکے خلاف کرنے کے نقصانات اور دورِ حاضر کے مطابق اسکے تعلق سے مثالیں، اور دوسری ضروری باتیں، سبھی اس آیت کی تفسیر میں رقم کر دی جاتی ہیں۔۔۔ بیان کا انداز اتنا دلچسپ اور انوکھا ہے، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے قاری عالم بالا میں تفسیر کی سماعت کر رہا ہو۔۔۔

چند صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد پاکستان میں ایک طالبہ نے مجھ سے کہا، مسعود ماموں، تفسیر پڑھنے سے پہلے ہی سمجھ میں آرہی ہے۔ یعنی اگلی آیت پر نظر جانے سے پہلے ہی، پچھلی آیت کو پڑھ کر محسوس ہو جاتا ہے کہ آگے یہ پیغام ہونا چاہئے اور جب نظر آگے جاتی ہے، تو تقریباً وہی بات درج ہوتی ہے، جو چند لمحوں پہلے ذہن میں وارد ہوئی تھی۔۔۔ یعنی آگے جانے سے پہلے ہی پچھلا حصہ پڑھنے کی وجہ سے ذہن کے خلیے اتنے کھل چکے ہوتے ہیں کہ آگے کی بات سمجھ میں آنا شروع ہو جاتی ہے۔۔۔ یعنی تفسیر پڑھنے سے پہلے ہی سمجھ میں آتی چلی جاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ غور کرنے والے قاری کو تفسیر کا مطالعہ کرتے وقت جہاں جہاں بات کو سمجھنے میں کسی رکاوٹ کا اندیشہ ہوتا ہے، وہاں چند ہی لفظوں کا اضافہ کر کے مناسب وضاحت کر دی جاتی ہے اور اسطرح رکاوٹ کا اندیشہ ہی رفع ہو جاتا ہے۔۔۔ محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمۃ جنکا ترجمۂ قرآن اس تفسیر میں استعمال کیا گیا ہے، کا مطالعہ کرتے وقت، چوتھے پارے میں سورۃ آلِ عمران، آیت ۹۹ کے مفہوم کو سمجھنے میں کچھ رکاوٹ پیش آئی۔۔ ملاحظہ ہو:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

کہو کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اس کو جو ایمان لا چکا،

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

تم راہِ خدا کوٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ اور نہیں ہے اللہ بے خبر تمہارے کرتوتوں سے●

۔۔۔یہاں سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا واقعی کوئی خدا کی راہ کوٹیڑھا کرسکتا ہے؟۔۔۔چاہے اہل کتاب، ایمان والوں کواللہ کی راہ سے پھیرنے میں خدانخواستہ کتنے ہی کامیاب ہوجائیں۔۔یا۔۔مسلمان خود ہی اللہ کی راہ سے پھر جائیں، تو بھی خدا کی راہ توٹیڑھی نہیں ہوتی۔۔۔کافی سوچ بچار کے باوجود بات سمجھ میں نہیں آئی۔۔۔خوش قسمتی سے چند ہی دنوں میں حضور شیخ الاسلام کی چوتھے پارے کی تفسیر موصول ہوئی تو دل باغ باغ ہوگیا، کہ ایک ہی لفظ کومحدث صاحب کے ترجمہ میں پروکر حضرت نے بات کوسمجھا دیا۔ ۔۔۔ملاحظہ ہو:

(کہو کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو) اور باز رکھنا چاہتے ہو (اللہ) کی طرف لیجانے والی سیدھی (راہ سے اسکوجوایمان لاچکا)، یعنی عمار ابن یاسر اور انکے رفقاء۔۔یہود انکواپنے دین کی طرف بلاتے تھے۔۔تواے یہودیو!، کیا (تم راہ خدا کو) جس پر ایمان والے ثابت قدم ہیں (ٹیڑھا) ثابت (کرنا چاہتے ہو) اور مسلمانوں کو یہ یقین دلانا چاہتے ہو کہ انکے دین میں کجی ہے؟

۔۔۔اب جب ہم یہ بات سنتے ہیں کہ '(تم راہِ خدا کوٹیڑھا) ثابت (کرنا چاہتے ہو)'، تو صرف ایک لفظ یعنی 'ثابت' کوترجمہ کے درمیان پرونے سے بات پوری طور پر واضح ہوگئی، کہ یہودیوں کی کوشش راہ کو، ٹیڑھا، ثابت کرنے کی تھی۔۔۔راہ کوٹیڑھا تو وہ کر نہیں سکتے تھے، البتہ ٹیڑھا ثابت کرنے کی کوشش انھوں نے ضرور کی۔۔۔مزید دلچسپی کیلئے دیکھئے سورۃ آلِ عمران، آیت ١٦٩:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ

اور خیال بھی نہ کرنا جوشہید کیے گئے اللہ کی راہ میں ان کومردہ،

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

بلکہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس روزی دیئے جاتے ہیں●

۔۔۔عام قاری پڑھ کرگزر جائیگا، کہ شہداء اپنے رب کے پاس ہیں اور روزی دیئے جاتے ہیں۔مگر غور کرنے والا قاری سوچے گا، کہ 'رب کے پاس ہیں'، سے کیا مراد ہے؟۔۔۔حضرت نے مختصر سے

جملوں میں سمجھا دیا۔۔۔کہ:

'یہاں معیت سے مراد، معیت تشریف وتکریم ہے، اسلئے کہ معیت مکانی اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ کلام کا حاصل صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت مکرم و معظم ہیں۔'

۔۔۔علامہ مفتی سید محمد فخر الدین علوی اشرفی فرماتے ہیں:

حضرت مفسر مدظلہ کی تفسیری کاوش پر اگر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو آپکی تحریر، بیک وقت رومی کا ساز، رازی کا پیچ وتاب، غزالی کی حکمت، خواجہ اجمیر کی دعوت، غوث صمدانی کی نصیحت و موعظت اور امام احمد رضا کا علمی طمطراق۔۔نیز۔۔اکابرواسلاف کی پرسوز داعیانہ تڑپ، قاری کو ہر موڑ پر دعوت علم وفکر دیتی ہوئی نظر آئیگی۔۔۔اس دور میں اگر میں یہ کہوں کہ یہ تفسیر سب سے بہتر اور عمدہ تفسیر ہے، تو شاید ہمارے اپنے حلقہء احباب ہی میں تملق و چاپلوسی یا اور دیگر الزامات سے نوازدیا جاؤنگا۔۔۔لیکن ایک صاحب بصیرت عالم جب مسائل کی کثیر ترین روایات میں راجح اور معتمد روایات کو تلاش کرنا چاہے، تو یہ تفسیر اپنی فقیہانہ نگارش کے ساتھ ضرور دعوت فکر دیگی۔۔۔دورانِ تفسیر حضرت مفسر زیدمجدہ کے پرازحکمت جملے تعلیماتِ اسلام کیلئے سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۔۔۔دارالعلوم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (احمد آباد، انڈیا) سے علامہ مفتی مطیع الرحمٰن نعیمی مدظلہ نے فرمایا:

عربی زبان میں قرآنِ پاک کے مفسرین کرام کا طرز تفسیر یہ ہے کہ پہلے آیت کریمہ کا سہل الفاظ سے ترجمہ، پھر تفسیر احادیث کریمہ، اقوالِ صحابہ وغیرہ سے کیا کرتے ہیں۔ تفسیر جلالین، تفسیر مدارک، تفسیر بیضاوی میں یہی اندازِ تفسیر ہے۔۔۔اردو مترجمین ومفسرین کا تقریباً یہی طریقہ ہے کہ اولیٰ آیت کریمہ کا ترجمہ، پھر کہیں کہیں نمبر ڈال کر بعض الفاظ کی نحوی، صرفی، لغوی تحقیق کرتے ہوئے شانِ نزول، احادیث، اقوال صحابہ وعلماء سے مزید تفسیر کرتے ہیں۔

لیکن سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی میں تفسیر وترجمہ کو جدید اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں فوراً آیت کا ترجمہ، تفسیر، واضح وروشن ہوجاتا ہے۔ عربی داں حضرات کیلئے مزید انکشاف ہوتا ہے کہ ایک ایک لفظ کا ترجمہ سمجھ میں آتا ہے۔۔نیز۔۔تفسیر اشرفی زیادہ طویل بھی نہیں ہے کہ پڑھتے پڑھتے ماقبل کو بھول جائے اور اتنا مختصر ومغلق بھی نہیں کہ قاری آیت کے واضح معنی ومطلب سے تشنہ رہے۔۔۔خیر الامور اوسطھا۔۔۔

پھر شیخ المفکرین، عمدۃ المحققین، مصباح المفسرین، مراۃ المشائخین، منیر المرشدین، شیخ الاسلام

والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں قبلہ کی طرزِ تحریر نہایت سلیس وآسان وعام فہم تقریر کی طرح ہے۔ جس طرح تقریر علماء وعوام میں مقبول ہے، تحریر بھی خواص وعوام میں مقبولِ عام ہے۔ اندازِ تحریر وتفہیم ہی کچھ ایسا نرالا ہے کہ بڑی سے بڑی مشکل بات اور الجھے ہوئے علمی مسائل کو سہل الفاظ میں سمجھا دیتے اور تحریر فرماتے ہیں کہ فوراً بہ آسانی ذہن ودماغ میں اتر جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے تلمیذ رشید سید الخطباء حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے جس عظیم ترجمہ وتفسیر کا آغاز فرمایا، اسکا اختتام کرنا آسان کام نہ تھا۔ حضرت شیخ الاسلام ہی کی جرأت وحوصلہ اور خداداد صلاحیت ہے کہ اس عمر شریف میں یہ عظیم ترین کام کو انجام دینے میں مصروف ہیں۔۔۔ جسم شریف اگرچہ شیخ ہے، مگر علوم واعمال پر شباب ہیں۔۔۔ ہمہ جہتی علوم سے سینہء مبارک معمور ہے۔ شریعت، طریقت، معارفت، حقیقت، منطق وفلسفہ، جس فن میں بھی سوال کیا جائے، ہر ایک کے تسلی وتشفی بخش جواب سے سائل مسرور ومطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ عظیم شخصیت ہے، برسوں میں ایسے گوہر نایاب نمودار ہوتے ہیں۔ جس نے سمجھا، دامن بھرلیا۔۔۔ مَنْ جَدَّ وَجَدَ۔۔۔

مت سہل اسے سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

۔۔۔ جامعہ نضرۃ العلوم (کراچی، پاکستان) سے شیخ الحدیث، علامہ غلام جیلانی خان اشرفی مدظلہ نے فرمایا:

تفسیر اشرفی میں قبلہ مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ نے قرآنی آیات کو انتہائی اختصار کے ساتھ سمجھانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور کامیابی سے ایک عام مسلمان قاری کو قرآن کا پیغام پہنچایا ہے ۔۔۔ فی زمانہ مسلمانوں میں بدقسمتی سے کچھ ایسے لوگ سامنے آئے اور آرہے ہیں جو قرآن کی تفسیر محض اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق کررہے ہیں جو احادیث وسنن، آثارِ صحابہ واسلاف کے طریقے کے بالکل خلاف ہے۔۔۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ قرآن کی وہ تفسیر جو اسلاف کے طریقہء کار کے مطابق ہو، اسے عام مسلمانوں تک پہنچایا جائے اور انھیں گمراہی کی دلدل میں پھنسنے سے بچایا جائے۔

گلوبل اسلامک مشن کے تحت جتنی بھی تصانیف اشاعت پذیر ہوتی ہیں، انکو پیش کرنے اور دست بوسی کی سعادت حاصل کرنے کیلئے میں کراچی میں نمونہء اسلاف علامہ مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہ ابن تاج العلماء حضرت مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہٗ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا ہوں۔۔۔ اس دفعہ حضرت کو تفسیر اشرفی ﴿جلد اوّل﴾ پیش کی تو حضرت نے اسپر اپنے کچھ تاثرات سے نوازا۔ آپ فرماتے ہیں:

۔۔۔اس مرتبہ مسعود میاں سلمہ جو علمی تحفہ لیکر آئے، وہ کتاب ہدایت، قرآن کے تین پاروں کی تفسیر ہے۔ پہلا پارہ حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کا علمی شاہکار ہے جبکہ بقیہ پاروں کی تفسیر کی ذمہ داری کو حضرت مولانا مدنی میاں نے اپنی ذمہ داریوں میں شامل کرلیا ہے۔ 'پدر نتواند پسر تمام کند' پر عمل پیرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے حوصلے بلند رکھے، انشاء اللہ یہ تفسیر مکمل ہوکر ملت مسلمہ کی طرف علمی تحفہ ہوگی۔

ہمارے سامنے کنز الایمان، نور العرفان، ضیا القرآن اور دیگر تراجم وتفاسیر موجود ہیں لیکن محدث اعظم علیہ الرحمۃ کا ترجمہ اپنے انداز کا انوکھا ہے۔ ترجمۂ قرآن کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کا جو انداز ہے، اسکے بارے میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں، 'مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید'۔ تفسیر اشرفی کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کرسکا، جستہ جستہ نظر ڈالی ہے، پڑھ کر بے ساختہ زباں وزیر قلم یہ جملہ آ گیا۔۔۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

تفسیر پر تبصرہ تو اہل علم حضرات ہی کرسکتے ہیں۔ ہمیں تو اسی بات پر فخر ہے کہ ہمارے پیر خانے سے قرآن وحدیث کی خدمت کا جو بیڑا اٹھایا گیا، قدرت کاملہ نے اسکی اشاعت کا بھی بہترین انتظام فرمایا۔ مفسر گرامی اور محدث بن محدث نے جو علمی خدمات انجام دیں، اسپر وہ قابل تحسین ہیں اور وابستگانِ سلسلہ کیلئے باعث اعزاز، کہ ہم اس قابل قدر خاندان سے روحانی طور پر وابستہ ہیں جو روحانی اور علمی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو شاد و آباد رکھے۔۔۔آمین بجاہِ سید المرسلین۔۔۔

آج جہاں مسلمان، دنیا کے کونے کونے میں پہنچ کر آباد ہو چکے ہیں، وہیں انکی دینی تربیت اور رہنمائی کا انتظام کرنے کیلئے دین کے سچے خدمت گزار بھی ان سے پیچھے نہیں رہے۔ انہیں میں ایک نام مفتی محمد ایوب صاحب کا بھی ہے، جو عرصۂ دراز سے مسجد و مدرسہ نور الاسلام، بولٹن، انگلینڈ میں دین متین اور مسلک حقہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔۔۔اپنے مشہور و معروف درسِ شفاء شریف کی چھبیسویں ماہانہ نشست کے دوران، تفسیر اشرفی کے تعلق سے علامہ مولانا مفتی محمد ایوب صاحب اشرفی فرماتے ہیں:

تفسیر اشرفی کے مفسر مکرم، مرجع العلماء والصلحاء، رئیس المحققین، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ ومولانا سید مدنی میاں صاحب قبلہ اشرفی جیلانی مدظلہ عالی نے تفسیر قرآن قلمبند کرتے وقت اپنے مخصوص انداز میں جس خوبصورتی کے ساتھ اپنے جچے تلے، عقدہ کشا، سلیس اور رواں دواں

جملوں کے ذریعے ہر خاص وعام قاری کے ذہن میں اٹھ سکنے والے ضروری سوالات کے جوابات دیئے ہیں، اسکا اندازہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں۔ تھوڑی سی بھی معلومات رکھنے والے اس بات کا بآسانی اندازہ لگالینگے کہ تفسیر اشرفی کے ان بظاہر سیدھے سادھے جملوں کی اوٹ میں کیسی کیسی مشکلات کا حل ہے اور یہ جملے اپنے تلے کیسی کیسی بہاریں لئے ہوئے ہیں۔۔۔اختصار کے پیش نظر میں سب کو تو نہیں سمیٹ سکتا، ہاں مگر چلو صرف ایک جملے ہی کے گلستان کی کچھ سیر کرتے ہیں۔ حضرت نے مذکورہ آیت کریمہ[1] کی تفسیر کے تحت شروع میں لکھا:

'اور صاحب اذان ومستجاب الدعوات حضرت عبداللہ انصاری جیسے شکستہ دلانِ فراق کو یہ مژدہ وصال مبارک ہو۔۔۔الآیہ'

۔۔میں سوچنے لگا کہ جب پوری کتاب میں، اختصار، حضرت مصنف کے پیش نظر ہے، تو پھر صحابیٔ رسول، حضرت عبداللہ انصاری کے ساتھ، 'صاحب اذان ومستجاب الدعوات' کے تعارفی الفاظ بڑھا کر، عبارت کو طویل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟۔۔۔غور کرنے پر پتہ چلا کہ الاصابة فی تمیز الصحابة ﴿جلد چہارم﴾ کے مطابق جماعتِ صحابہ میں 'عبداللہ' نامی، کل ۵۱۴ حضرات کرام ہیں اور اسد الغابة فی معرفة الصحابة ﴿جلد سوم﴾ کے مطابق ۴۴۹۔ ان حضرات کرام میں کچھ انصاری ہیں اور اکثر غیر انصاری۔ اور ان میں بھی 'عبداللہ بن زید' نامی خاص سات حضرات کرام ہیں۔۔۔چنانچہ۔۔انکو دیگر 'عبداللہ' اور 'عبداللہ بن زید' سے موسوم حضرات کرام کے درمیان تمیز دینے کیلئے انکا نام اسطرح ذکر کیا جاتا ہے:

'عبد الله بن زيد بن ثعلبه بن عبد ربه انصاری حارثی'

(نسیم الریاض، صفحہ ۳۴۹، جلد ۳)

اس مقام پر تفسیر میں صاحب تفسیر اشرفی کی جدت فکر اور اندازِ بیان ملاحظہ فرمائیں، کہ آپ نے بجائے 'عبدالله بن زيد بن ثعلبه بن عبد ربه انصاری حارثی' لکھنے کے، انکے نام 'حضرت عبداللہ انصاری' سے قبل 'صاحب اذان ومستجاب الدعوات' کے القابات کا اضافہ کردیا، تاکہ قارئین کو بن، بن، بن، بن، کہہ کر اتنا لمبا نام یاد نہ رکھنا پڑے، اور انکے دوایسے وصف بھی زیر بیان آجائیں جو کثیر عبادِلہء کرام کے درمیان انہیں ممتاز بھی کردیں اور انکی حیات و خدمات کے دو عظیم واقعات کی طرف ایک تلمیحی اشارہ بھی ہوجائے۔

---

(۱)۔۔یعنی جس آیت کریمہ کا ذکر اسوقت درسِ شفاء شریف میں چل رہا تھا۔ یعنی سورۃ النساء، آیت ۶۹، جس میں انعام والوں کا ذکر ہے۔ دیکھئے تفسیر اشرفی، جلد دوئم، صفحہ ۲۰۶۔

--چنانچہ--فرمایا،'صاحب اذان ومستجاب الدعوات حضرت عبداللہ انصاری'۔
اس میں لطف عجیب یہ ہے کہ ان ۵۱۴ حضرات کرام میں ایسے مستجاب الدعوات عبداللہ انصاری، جوصاحب اذان (۱) بھی ہوں، سوائے انکے کوئی اور ہے ہی نہیں---سبحان اللہ!

یوں تو مقبول الدعاء ہونے کا شرف دیگر اور صحابہءکرام کے درمیان بھی ظہور پزیر تھا، مگر استجابت دعا کا جو منظر یہاں دیکھنے کو ملتا ہے، اسے پڑھ کر بدن پر ایک رقت سی طاری ہوجاتی ہے؛ گویا کہ یہ بھی ایک نمایاں وصف ہے۔اور بہ حوالہءتفسیر قرطبی، قبولیت دعا کا یہ واقعہ خاص اسی مذکورہ آیت کریمہ سے متعلق ہے---تواب خوبی یہ ٹھہری کہ خاص اس مقام پر حضرت عبد اللہ انصاری کے ساتھ 'مستجاب الدعوات' پڑھتے ہی، واقف کار کا تبادرِ ذہنی فوراً انکی حیات مقدسہ کے اس عظیم واقعہ کی طرف بھی ہوجاتا ہے کہ جو بظاہر یہاں تحریر نہیں---سبحان اللہ!

--مزید برآں--یہاں تفسیر اشرفی میں واقعہ شانِ نزول درج نہیں---مگر واہ رے لطافت حسن ادا، اور قوت دلالت الفاظ، کہ اس صورت مین بھی وہ طائر خیال کو اِدھر اُدھر بھٹکنے نہیں دیتی، بلکہ بڑی ہی سرعت سے صحیح مقام کی طرف اسکی رہنمائی کردیتی ہے---مثلاً: اسکے بعد آنے والا ایک اور چاتلا حقیقت آگاہ جملہ ملاحظہ فرمائیں---فرماتے ہیں:

'ان جیسے جملہ شکستہ دلانِ فراق کو یہ مژدہٗ وصال مبارک ہو'۔

---اس میں خاص طور سے 'شکستہ دلانِ فراق' کہہ کر غم ہجر نبی سے نڈھال، حضرت عبداللہ انصاری کی اس دیدنی کیفیت کو اور تصور فراقِ یار سے اشکبار اور جدائیگیءمحبوب کے خیال سے رنجیدہ ونمدیدہ، انکی اس حالت زار کو بیان فرمایا گیا ہے، کہ جو درحقیقت وجہ نزولِ آیت کریمہ بنی۔تفسیر میں پورا واقعہ تو موجود نہیں، مگر سمجھنے والوں کیلئے واقعہ کو سمجھنے کیلئے اشارہٗ لطیف ضرور موجود ہے---سبحان اللہ!

ادائے خاص سے اختؔر ہوا ہے نکتہ سرا --- صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

یہ تو محواۓ 'مشتے ازخروارے' فقط ایک بات تھی، جوضمناً درسِ شفاءشریف میں آئی، ورنہ تفسیر اشرفی میں بہت سے مقامات ہیں کہ جن پر سیر حاصل گفتگو کی جاسکتی ہے۔

کہتے ہی کہتے عمر گزرجائیگی مری --- انکا بیاں ہے یہ کوئی داستاں نہیں

(۱)--صاحب اذان، یعنی جنھوں نے خواب میں حضرت جبرائیل امین کو اذان پڑھتے سنا اور پھر حضور صاحب شرع علیہ التحیہ والثنا نے اس خواب کی تائید فرماتے ہوئے، اذان کو قبل نماز ہمیشہ کیلئے مشروع فرمادیا۔

اس تفسیر اشرفی کی پروف ریڈنگ کی خدمت کے دوران ہر سطر میں الفاظ کی ظاہری صورت اور انکے خدوخال پر نظر جانے کے علاوہ ایسے مقامات بھی سامنے آئے، جنکی انفرادیت، جاذبیت و خصوصیت نے، اور بعضوں میں نزاکت مضمون کی مناسبت سے رواں دواں سادے جملوں کے حسن بیان نے، اور کہیں پر قرآن واسلام پر اٹھائے جانے والے بیجا اعتراضات کے اسلوب جدید کی مناسبت سے جوابات نے، اور پھر اس زمانے میں انکی ضرورت واہمیت نے، دل کو اوّل نظر ہی میں متاثر کرلیا۔

اگر توفیق سعید رفیق کار رہے، تو انشاء المولیٰ القدیر کبھی بعد میں ان پر بھی کچھ تفصیلی گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کرونگا۔ آخیر میں دعا ہے کہ رب ذوالعطا اپنے مصطفیٰ ﷺ کے صدقے، مفسر محترم، حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو صحت وامن وعافیت میں رکھے۔۔نیز۔۔اشاعت وطباعت کے تعلق سے جتنے بھی محبین ومخلصین کوشاں ہیں، ان سب کو اللہ رب تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے دین ودنیا کی سعادتیں نصیب فرمائے۔۔۔﴿امین﴾

مولانا ایوب صاحب نے تاثرات کے دوران اس بات کا بھی اعادہ کیا کہ انکے سامنے کئی باذوق صاحبانِ علم ونظر نے تفسیر کے اس اسلوبِ جدید کو سراہا۔ استاذ العلماء حضرت علامہ ومولانا مفتی اشرف القادری صاحب (شیخ الحدیث وتفسیر دارالعلوم قادریہ، نیک آباد، گجرات، پاکستان) نے اس تفسیر کو تھوڑی سی بھی اردو سے سمجھ بوجھ رکھنے والے حضرات۔۔نیز۔۔طلباء علوم اسلامیہ کیلئے بڑا مفید بتایا۔

۲۳ دسمبر ۲۰۰۸ء کو ہونے والی محدث اعظم ہند کانفرنس (بورسد، گجرات، انڈیا) جہاں تفسیر اشرفی ﴿جلد اوّل﴾ کا باضابطہ اجرا بھی عمل میں آیا، میں کانفرنس کے مہمانِ خصوصی، استاذ العلماء، حضرت علامہ ومولانا مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی صاحب مدظلہ العالی (صدر مفتی: جامعہ سجادیہ رضویہ، گھوسی، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا) نے اپنے خصوصی خطاب میں تفسیر اشرفی کا مفصل ذکر فرمایا۔ آپ نے تفسیر اشرفی کی کئی ایک مقامات سے سامعین کو سیر کراتے ہوئے، حضور محدث اعظم ہند قدس سرہٗ کے اسلوبِ جدید اور حضور شیخ الاسلام کے اسی تفسیری انداز کی، جوانھوں نے اپنے والد بزرگوار کی پیروی کرتے ہوئے اختیار فرمایا، خوب خوب تعریف فرمائی۔

اپنے چالیس منٹ کے خطاب کو ایک جملے میں سمیٹتے ہوئے، صدر مفتی صاحب نے فرمایا کہ 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' کا اردو تفاسیر قرآن میں وہی مقام ہے، جو عربی زبان کی تفاسیر قرآن

میں جلالین شریف کا ہے۔آخیر میں آپ نے حضرت مفسر کی درازیٔ عمر وصحت کی دعا فرمائی۔

انڈیا،اور پاکستان کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں،تفسیر اشرفی ﴿جلداوّل﴾ ۱۴ہزار کی تعداد میں شائع ہوکر قارئین تک پہنچ چکی ہے،جن میں تقریباً ۱۰۰۰سے زائد علماء کرام اور اہل علم حضرات اور ہزاروں طلباء وطالبات شامل ہیں۔انڈیا،پاکستان،انگلینڈ،کینیڈااور امریکہ کے علماءِ کرام کے تمام زبانی اور قلمی تاثرات کو یکجا کرنے کیلئے علیحدہ سے ایک کتاب کی ضرورت پیش آئیگی۔۔لہٰذا۔۔تفسیر اشرفی کی شان کو اجاگر کرنے کیلئے اور قارئین کی مزید رغبت کے واسطے،میں نے چند ایک تاثرات یہاں شامل کئے۔۔۔میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضور شیخ الاسلام والمسلمین کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور اس عظیم تفسیری کام کو پایہء تکمیل تک پہنچانے کیلئے ہر قسم کی آسانی اور کامیابی سے ہمکنار کرے۔اور اس تفسیر کو ہر ایک کیلئے مینارۂ نور وہدایت بنائے۔

﴿ امین ! بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمُ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ﴾

ناچیز
محمد مسعود احمد سہروردی،اشرفی

۱۸ شوال ۱۴۳۰ھ ۔۔بمطابق۔۔ ۷ اکتوبر ۲۰۰۹ء

۴
لن تنالوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سابقہ آیاتِ کریمہ میں واضح کیا جاچکا ہے کہ کفر پر مرنے والے جہنم کے عذاب سے چھٹکارا پانے کیلئے، اگر مرنے سے پہلے ہی دنیا میں زمین بھر سونا بطور فدیہ صدقہ کردیں ---یا---میدانِ قیامت میں جہاں وہ کھجور کی ایک گٹھلی کے بھی مالک نہ ہونگے، فرض کرلیجئے کہ زمین بھر سونے کے مالک ہوجائیں، اور پھر وہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کیلئے فدیہ دینا چاہیں، دونوں صورتوں میں انکا یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائیگا---الحتصر--- وہ کسی طور پر جہنم کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔اور ہر حال میں انکا صدقہ نامقبول رہے گا، اب اگر یہ سمجھنا ہو کہ کس کا صدقہ مقبول ہوگا؟ کب مقبول ہوگا؟ کون سے صدقہ کی مقبولیت کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے؟ تو غور سے سنو کہ---

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا

ہرگز نہ پاؤ گے نیکی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس سے جس کو پسند کرتے ہو، اور جو خرچ کرو

مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾

تم کچھ، تو بیشک اللہ اس کا جاننے والا ہے●

(ہرگز نہ پاؤ گے) تم اس (نیکی) کی حقیقت (کو) جس تک پہنچنے کی تمہاری خواہش اور رغبت ہے اور نہ ہی اسکے اصلی منشاء تک تمہاری رسائی ہوسکتی ہے۔اور نہ ہی تم نیک لوگوں کے زمرے میں شمولیت کا حق رکھ سکتے ہو--یا--تم اللہ تعالیٰ کے احسان اور اسکے ثواب اور رحمت ورضا وجنت کو نہیں پاسکتے۔اور اس 'بِرّ تک' جو ایک بلند وبالا مقام ہے' نہیں پہنچ سکتے (یہاں تک کہ خرچ کرو اس) مال (سے جس کو پسند کرتے ہو) اور محبوب رکھتے ہو۔جسکا اپنے سے جدا کرنا تمہارے نفس پر گراں ہو --یا--راہِ خدا میں وہ چیز خرچ کرو جو فی نفسہٖ صحیح اور لائق استعمال ہو، ردی اور ناکارہ نہ ہو۔

--الحتصر--اگر تم مال والے ہو، تو راہِ خدا میں اپنا بہترین مال صدقہ واجبہ--نیز--صدقہ نافلہ کے طور پر نکالتے رہو اور اگر تم جاہ ومرتبہ والے ہو، تو اپنی قوت وطاقت سے عاجز اور درماندہ لوگوں کی اعانت کرتے رہو۔ بدن کی توانائی کو اسلامی فرائض وواجبات وموکدات کی ادائیگی میں لگادو اور شرعی محرمات ومنہیات ومکروہات سے اپنے کو بچاتے رہو۔ دل کو محبت الٰہی کی راہ میں وقف

کردو، رضائے حق کی راہ میں جان پر کھیل جاؤ اور باطن کو ماسوا اللہ کی آلائش سے پاک رکھو ۔۔الغرض۔۔ دنیا میں اپنی مرغوب ومحبوب چیز کو خرچ کردو تاکہ عقبیٰ میں اپنے مطلوب کو پہنچو اور اگر ہوسکے تو دنیا وعقبیٰ دونوں سے درگزرو، تاکہ حضرت مولیٰ کے قریب پہنچ جاؤ۔۔المختصر۔۔راہِ خدا میں اپنا پسندیدہ مال خرچ کرکے اپنی مطلوبہ نیکی تک وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کے جملہ اوامر ونواہی پر عمل پیرا ہیں۔

(اور جو خرچ کروتم کچھ)، خواہ وہ اچھا مال ہو جو تمہیں محبوب ہے۔۔یا۔۔خبیث اور خراب مال ہو جس سے تم خود کراہت کرتے ہو، (تو) یہ نہ سمجھ لو کہ اسکا کوئی دیکھنے والا جاننے والا نہیں، کیونکہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (اسکا جاننے والا ہے) وہ تمہیں پوری جزا دیگا۔اگر اچھا مال ہے تو اچھی جزا ہوگی اور اگر خراب اور ردی مال ہوگا، تو اسکی سزا ملے گی۔ کیونکہ وہ کریم جل شانہ ہر شے کو جانتا ہے۔تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اسکا بھی اسے علم ہے اور اسکا علم اتنا کامل ہے کہ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ شے کی حقیقت اور اسکی ذات وصفات کو ہر طرح جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی خوشنودی کیلئے اپنی محبوب اور مرغوب چیزوں سے اپنے کو کنارہ کش کرلینا حضرت یعقوب علیہ السلام کی سیرت طیبہ سے بھی ظاہر ہے۔آپ علیہ السلام کو اونٹ کا گوشت اور اسکا دودھ بہت مرغوب تھا، مگر ایک بار جب آپ شدید بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اس بیماری سے رب کریم نے مجھے نجات دیدی، تو میں نہ اونٹ کا گوشت کھاؤنگا اور نہ ہی اسکا دودھ نوش کرونگا۔۔ چنانچہ۔۔آپ کو صحت کاملہ حاصل ہوگئی، اور پھر آپ نے ان دونوں چیزوں کا استعمال ترک کردیا۔

اب ان دونوں چیزوں کا اپنے اوپر حرام کرلینا، حضرت یعقوب کے تشریعی اختیارات اور نبوی اجتہاد کی بنیاد پر ہو۔۔یا۔۔خود انکی شریعت میں ایفائے نذر کے وجوب کے قانون کی وجہ سے ہو۔۔یا۔۔یہ تحریم، 'شرعی تحریم' نہ ہو بلکہ 'عرفی تحریم' ہو، جس میں کسی حکمت بالغہ کے تحت انسان کسی ایسے جائز کام کو جو واجب نہ ہو، انجام دینے سے اپنے کو کنارہ کش کرلیتا ہے۔ اسکی حالت ایسی ہوجاتی ہے کہ گویا اس نے اس کام کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہو۔ اس مقام پر یہودیوں کی سرکشی اور بے جا کٹ حجتی کو سمجھنے کیلئے اس واقعہ کا علم فائدہ سے خالی نہیں کہ۔۔۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ

سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کیلئے، مگر وہ جس کو حرام کرلیا تھا خود یعقوب

عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ

نے اپنے اوپر قبل اس کے کہ اتاری جائے توریت۔ کہدو کہ لاؤ توریت،

فَاتۡلُوۡهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۳﴾

پھر اس کو پڑھو، اگر سچے ہو●

---وہ کھانے جنکے متعلق یہود نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی شریعت سے لیکر آج تک چلے آرہے ہیں، وہ (سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کیلئے)۔ ان میں خنزیر اور مردار شامل نہیں، اسلئے کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی شریعت میں ان دونوں کی حلت ثابت نہیں ---نیز--- یہ محل نزاع بھی نہیں تھے۔ (مگر وہ) یعنی اونٹ کا گوشت اور اسکا دودھ (جسکو حرام کرلیا تھا خود یعقوب نے اپنے اوپر)، پھر یہودی بھی انکی پیروی کی راہ سے ان چیزوں سے پرہیز کرکے، بولے کہ توریت میں ان چیزوں کی حرمت کا حکم ہے۔

حالانکہ یہودیوں کی یہ بات غلط تھی اور حقیقت کے خلاف تھی، جیسا کہ ارشادِ خداوندی سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان چیزوں کو حرام نہیں فرمایا تھا بلکہ یعقوب علیہ السلام نے نذر کی وجہ سے وہ چیزیں اپنے اوپر حرام کرلیں تھیں ---علاوہ ازیں--- جب ارشادِ خداوندی ہوا کہ---"یہود کے ظلم و معصیت کی نحوست اور وبال سے بعض پاک اور حلال کھانے، جیسے مچھلیوں کے گوشت اور گائے بکری کی چربیاں وغیرہ ان پر ہم نے حرام کردیں" ---یہ سن کر یہودی بے حد خفا ہوئے اور دعویٰ کر بیٹھے کہ یہ چیزیں تو ہمیشہ سے حرام چلی آرہی ہیں۔حق تعالیٰ نے انکے اس قول کی تکذیب فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ---

---کھانے کی سب چیزیں یعقوب علیہ السلام اور انکی اولاد پر حلال تھیں، ان دو کے سوا، جنھیں آپ علیہ السلام نے نذر کی وجہ سے خود ہی اپنے اوپر حرام فرمالیا تھا (قبل اسکے کہ اتاری جائے توریت)۔

---الختصر--- یہودیوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ اونٹ کے گوشت اور اسکے دودھ کی حرمت پہلے ہی سے چلی آرہی ہے۔ جیسا کہ انکا یہ کہنا غلط ہے کہ جن حلال چیزوں کو انکی سرکشی اور انکے تمرد کی وجہ سے ان پر حرام فرمادیا گیا تھا، وہ ہمیشہ سے حرام تھیں، کبھی حلال نہیں تھیں۔

تو اے محبوب! واشگاف انداز سے ان یہودیوں کو چیلنج کر دو اور (کہہ دو کہ لاؤ) غیر محرف اور صحیح (توریت، پھر) اس کی (اس) آیت (کو پڑھو) جس میں یہ چیزیں حرام کی ہیں، (اگر) تم اپنے مذکورہ بالا دعویٰ میں (سچے ہو)۔ تمہارے صدق کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ تم اپنی کتاب ہی سے اپنا دعویٰ ثابت کر دو۔

یہودی اس چیلنج کو سن کر حضور ﷺ کے سامنے تورات سے دلیل پیش کرنے سے عاجز آ کر مبہوت ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر لوٹے۔ اور ہر خاص و عام پر انکا بہتان اور افتراء کھل گیا۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

تو جس نے جھوٹ افترا کیا اللہ پر اس کے بعد، تو وہی ظالم لوگ ہیں ●

(تو جس نے) کسی چیز کے حلال و حرام کر دینے کے تعلق سے (جھوٹ افتراء کیا اللہ) تعالیٰ (پر، اس) حقیقت (کے) واضح ہو جانے کے (بعد) کہ حرام کر لینا خود یعقوب علیہ السلام سے ہوا تھا، جناب الٰہی سے حرمت کا حکم نہیں آیا تھا، (تو وہی) افتراء کرنے والے (ظالم لوگ ہیں) جو عدل و انصاف کے تارک ہیں، اور ظاہر ہے کہ ترک انصاف سے بدتر کوئی ظلم نہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا

کہدو کہ سچ فرمایا اللہ نے ۔۔۔ تو پیروی کرو دین ابراہیم کی، حق پرست باطل شکن کی،

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

اور وہ مشرک نہ تھے ●

اے محبوب! فرما دو اور واضح طور پر (کہہ دو کہ) تحریم کی خبر میں جو کچھ فرمایا یقیناً (سچ فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے) اور اس سلسلے میں یہود کا کلام سراسر جھوٹ تھا۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے ضمناً یہ بھی واضح ہو گیا کہ سابقہ شریعتوں میں بھی نسخ کا قانون جاری تھا۔ لہٰذا۔۔ یہودیوں کا ضابطہء نسخ کو باطل قرار دینا خود باطل ہے۔

اے محبوب! ان یہودیوں کی ڈیدہ دلیری تو دیکھو جو شرک جیسی لعنت میں مبتلا ہو کر حضرت ابراہیم کی وراثت کا دم بھرتے ہیں، حالانکہ حضرت ابراہیم کا تو شرک سے دور کا بھی واسطہ

نہیں تھا۔اے یہودیو! سن لو کہ تمہیں حضرت ابراہیم سے ذرہ برابر بھی نسبت نہیں، حضرت ابراہیم کے حقیقی وارث میرے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جو توحید کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام معبودانِ باطلہ سے بیزاری کا اظہار فرماتے ہیں۔جنکی شان یہ ہے کہ انکا ہر ہر عمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کے سچے جانشین اور حقیقی وارث ہیں اور ملت ابراہیمی والے ہیں۔

(تو) اے محبوب! تم حسب معمول (پیروی کرو دین ابراہیم کی، حق پرست باطل شکن) دین اسلام پر ثابت قدم رہنے والے اور ہر باطل دین سے بالکلیہ کنارہ کش ہو جانے والے (کی)، جنکی عادت کریمہ یہ رہی ہے کہ مہمانوں پر مال و دولت لٹا دیا کرتے تھے۔آزمائش کے وقت بڑی سے بڑی قربانی کیلئے تیار رہتے تھے۔خدا سے قریب سے قریب تر ہونے کیلئے ہر گھڑی سر تسلیم و رضا کو خم رکھتے تھے (اور) بلاشبہ (وہ مشرک نہ تھے)۔نہ اصول میں مشرکین کے ساتھ تھے، نہ ہی فروع میں۔۔۔

حضرت ابراہیم اور ملت ابراہیمی کے ذکر کے بعد اس مرکز توحید کا ذکر بے حد مناسب ہے دعائے ابراہیمی نے جسکو انوار و تجلیات کا مرکز بنا دیا، تو سن لو کہ۔۔۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾

بیشک سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کو عبادت کرنے کیلئے ضرور وہ ہے جو مکہ میں ہے،

برکتوں سے بھرا اور دنیا بھر کیلئے مرکز ہدایت ●

(بیشک سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کو عبادت) اور زیارت **(کرنے کیلئے، ضرور وہ ہے جو مکہ میں ہے)۔**

زمین پر لوگوں کے رہنے کیلئے پہلے اور بھی گھر بنے ہوئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے جو گھر سب سے پہلے زمین پر بنایا گیا، وہ مکہ مکرمہ میں کعبہ تھا۔ابتداءً حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور اسکے چالیس سال بعد انھوں نے ہی بیت المقدس کو بنایا۔طوفانِ نوح کے بہت بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عہد آیا، تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم و ہدایت کے مطابق کعبہ کے آثار تلاش کر لینے کے بعد، اسکو پہلے کی پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا۔

یہ مبارک گھر (برکتوں سے بھرا) ہے۔ بڑے فائدے اور بہت خیر کا مکان ہے اور اسکی برکت اس درجہ ہے کہ بے طواف و نماز کے، فقط اسے یونہی دیکھنا ثواب میں سال بھر کی نماز کے برابر ہے۔

(اور دنیا بھر کیلئے مرکز ہدایت) ہے، جو تمام جہانوں کو ہدایت دینے والا ہے، کیونکہ منجانب اللہ وہ انکی عبادت گاہ اور انکا قبلہ ہے۔۔نیز۔۔مسلمانوں کو بہشت کی راہ دکھانے والا ہے۔۔اور۔۔

فِيهِ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ مَّقَامُ إِبْرَٰهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُۥ كَانَ ءَامِنًا ۗ

اس میں روشن نشانیاں ہیں مقام ابراہیم، اور جو اس میں داخل ہوا امان میں ہوگیا،

وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ

اور اللہ کی پرستش کیلئے لوگوں پر اس بیت اللہ کا حج کرنا ہے، جو سکت رکھے اس تک راہ پانے کی،

وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَنِىٌّ عَنِ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٩٧﴾

اور جس نے انکار کیا تو اللہ بے پرواہ ہے دنیا بھر سے ●

(اس میں روشن نشانیاں ہیں)۔پہلی نشانی (مقام ابراہیم) ہے۔

یعنی وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہوکر بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی، تو اس پتھر پر آپکے قدموں کے نشان پڑ گئے۔اس مبارک نشان کی برکت سے آج تک وہ پتھر بے نشان نہ ہوسکا، یہاں تک کہ آج کل جو قوم آثار و منسوبات کی دشمن ہے اور ہر ہر برکت والے نشانوں کو مٹا دینے کے درپے ہے، وہی قوم اس اثر ابراہیمی کی حفاظت کر رہی ہے ۔۔الغرض۔۔کثرت اعدا کے باوجود وہ مبارک پتھر محفوظ ہے۔

(اور) دوسری نشانی یہ ہے کہ (جو اس میں داخل ہوا) وہ (امان میں ہوگیا) اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ ہوگا۔

۔۔چنانچہ۔۔حرم شریف کے احاطے کے باہر 'حل' میں جس پر قصاص واجب ہوا اور وہ حرم شریف میں آکر پناہ لے لے، تو اسے حرم میں سزا نہ دی جائیگی جب تک کہ وہ حرم شریف کے احاطے سے خود باہر نہ نکل جائے۔البتہ اسکے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے کہ وہ احاطۂ حرم سے باہر نکلنے پر مجبور ہوجائے۔۔مثلاً: اسے نہ کھانا دیا جائے اور نہ ہی پانی اور نہ ہی رہنے سہنے کی کوئی جگہ۔۔یونہی۔۔اس سے بیع و شرا بھی نہ کی جائے، یہاں تک کہ مجبور ہوکر وہ احاطے سے باہر نکلے۔

یہ اسکے حق میں ہے جو قصاص کے موجب کا ارتکاب 'حل' یعنی حرم کے احاطے سے باہر

کر کے حرم میں پناہ لے۔ لیکن جو شخص 'حد' کے موجب کا ارتکاب احاطہء حرم میں کرے، تو اسے سزا دی جائیگی۔۔مثلاً: حرم میں چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ لیا جائیگا۔۔یونہی۔۔حرم میں قتل کرنے والے کو قتل کر دیا جائیگا۔۔الختصر۔۔یہ گھر دارالامان ہے، جو کوئی اس گھر میں آ گیا قتل و غارت سے بے خوف ہو گیا اور جب تک اس میں رہا ہر طرح کے تعرض اور دارو گیر سے بچ گیا۔

اے محبوب! بیت اللہ کے ان فضائل کو واشگاف انداز میں ظاہر فرما دو، تا کہ ساری دنیا پر واضح ہو جائے کہ کعبہ بیت المقدس سے افضل ہے، لہٰذا ہمیشہ کیلئے کعبہ کو قبلہ بنا دینا گھروں میں سب سے افضل گھر کو قبلہ بنانا ہے۔۔لہٰذا۔۔اہل کتاب کا یہ خیال کہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ کو قبلہ قرار دینا مفضول کو افضل پر ترجیح دینا ہے، بالکل باطل ہے۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں کہ یہ گھر دارالامن، ہے بلکہ اسکو سارے انسانوں کی توجہات کا مرکز بھی بنا دیا گیا۔۔چنانچہ۔۔(اللہ) تعالیٰ (کی پرستش کیلئے) اور اسکی عبادت کی غرض سے عاقل و بالغ ایمان والے (لوگوں پر) اسلئے کہ کفار شرائع کی ادائیگی کیلئے مخاطب نہیں۔ اگر چہ کعبہ کی طرف قصد کرنے کیلئے اعلانِ ابراہیمی انکے حال و مستقبل کے سبھی انسانوں کیلئے تھا، لیکن انکی آواز پر صرف ایمان والوں کی روحوں نے لبیک کہا۔

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے تمام ادیان والوں کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا تو حج کرو، اس پر صرف مسلمان ہی ایمان لائے۔ باقی نے ایمان لانے، کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے، اور کعبہ کا حج کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اب رہا یہ سوال کہ جو ایمان والے نہیں تھے، انھیں حج کرنے کا حکم کیوں دیا گیا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ انکو 'حج معتبر' کا حکم دیا گیا اور حج بغیر ایمان کے معتبر نہیں، اور جو عمل معتبر اور سود مند ہی نہ ہو، پیغمبر کی شان نہیں کہ ایسے لایعنی کام کا حکم دیں، تو ضمناً اسی ارشاد میں انھیں ایمان لانے کی بھی دعوت دیدی گئی۔ اور یہ بات ان مخاطبین نے سمجھ بھی لی، جبھی انھوں نے پہلے ایمان لانے اور اسلامی عبادت کو انجام دینے سے انکار کیا اور پھر حج سے انکار کیا۔

۔۔الختصر۔۔جہاں جہاں اللہ و رسول نے کافروں کو نیک عمل انجام دینے کا حکم دیا ہے، ان سب میں عمل سے پہلے ایمان لانے کی ہدایت لازمی طور پر ملحوظ رہتی ہے۔ ایمان کے بغیر نیک عمل صرف صورتاً نیک عمل لگتا ہے، حقیقتاً وہ نیک عمل نہیں۔

--الغرض--صرف ایمان والوں پر (اس بیت اللہ کا حج کرنا) اور اسکا قصد کرنا عمر میں ایک بار فرض (ہے، جو سکت رکھے اس تک راہ پانے کی)۔

یعنی جسے زادراہ، سواری، صحت بدنی اور امن طریق حاصل ہو، اسی کو استطاعت کہتے ہیں۔ کعبہ کا حج ملت ابراہیمی کا ایک اہم شعار ہے، تو پھر یہودیوں اور عیسائیوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ دعویٰ کریں کہ وہ ملت ابراہیمی والے ہیں، اسلئے کہ کعبہ کے حج کے دونوں ہی منکر ہیں۔ تو صرف مسلمان ہی ملت ابراہیمی والے ہیں۔

اے محبوب! سنادو (اور) سب کو خبردار کردو کہ (جس نے) حج کی فرضیت کا (انکار کیا)--یا--صحت جسمانی اور کشادگیٔ رزق--الغرض--استطاعت کے باوجود، حج کا فریضہ نہ ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی، (تو) وہ جان لے کہ (اللہ) تعالیٰ (بے پرواہ ہے دنیا بھر سے)۔ وہ نہ دنیا والوں کی عبادت کا محتاج ہے اور نہ ہی دنیا والوں کی شکر گزاری سے اسے کوئی فائدہ ہے۔

--الغرض--کسی کے کفر و ناشکری سے ذاتِ خداوندی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ ترکِ حج کا سارا وبال تارکِ حج ہی کیلئے ہے۔ حج فرضِ عین ہے، اسکی فرضیت پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ

کہہ دو کہ اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا،

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

حالانکہ اللہ شاہد جو تم کر رہے ہو●

تو اے محبوب! کتابیوں سے (کہہ دو کہ اے اہل کتاب کیوں) چھپاتے ہو اور ایمان نہیں لاتے اور (انکار کرتے ہو اللہ) تعالیٰ (کی) نازل فرمودہ ان (آیتوں کا) جو اللہ تعالیٰ نے حج فرض ہونے کے باب میں بھیجی ہیں، (حالانکہ اللہ) تعالیٰ (شاہد ہے) تمہاری اس حق پوشی و کفران و ناشکری پر (جو تم کر رہے ہو)--نیز--اے محبوب! ان توریت والوں سے فرمادو--

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

کہو کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اس کو جو ایمان لاچکا،

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

تم راہِ خدا کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ اور نہیں ہے اللہ بے خبر تمہارے کرتوتوں سے ●

اور (کہو کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو) اور باز رکھنا چاہتے ہو (اللہ) تعالیٰ کی طرف لیجانے والی سیدھی (راہ سے اسکو جو ایمان لاچکا)، یعنی عمار ابن یاسر اور انکے رفقا۔

یہود انھیں اپنے دین کی طرف بلاتے تھے۔

تو اے یہودیو! کیا (تم راہ خدا کو) جس پر ایمان والے ثابت قدم ہیں (ٹیڑھا) ثابت (کرنا چاہتے ہو) اور مسلمانوں کو یہ یقین دلانا چاہتے ہو، کہ انکے دین میں کجی ہے؟ اور جس پیغمبر پر وہ ایمان لائے ہیں، وہ وہ پیغمبر نہیں ہیں، جنکا خدا نے وعدہ فرمایا ہے؟ اور پھر اس پر اپنی تحریف کردہ توریت سے سند لاتے ہو، (حالانکہ تم خود گواہ ہو) اس بات پر کہ راہِ راست اور دین مقبول اسلام ہی ہے۔ تمہاری آسمانی کتابوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیتوں سے تمہیں یہ سب کچھ اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے، تو سن لو (اور) اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبر تمہارے کرتوتوں سے)۔ وہ تمہاری فریب کاریوں سے اہل ایمان کو باخبر فرماتا رہے گا اور تمہارے مکروفریب کے شر سے انہیں بچاتا رہے گا۔

مذکورہ بالا ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راہِ حق سے روکنے والے اہل کتاب کو زجر وتوبیخ فرمائی، تو ضروری ہوا کہ مومنین کو راہِ حق سے روکنے والے لوگوں کی اتباع سے منع کیا جائے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اے ایمان والو! اگر کہنے پر چلے تم کسی کے جن کو

الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

کتاب دی گئی ہے، تو پھر کردیں گے تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر ●

(اے ایمان والو! اگر کہنے پر چلے تم) شاش بن قیس یہودی۔۔یا۔۔اس جیسے (کسی کے، جن کو کتاب دی گئی ہے، تو) وہ (پھر کردینگے تم کو تمہارے ایمان لانیکے بعد کافر) اور تمہیں مرتد بنادینگے۔

شاش بن قیس ایک بوڑھا یہودی تھا اور کٹر کافر تھا جو مسلمانوں سے سخت بغض رکھتا تھا۔

ایک دن اس نے دیکھا کہ اوس اور خزرج کے کچھ لوگ آپس میں بیٹھے الفت اور محبت سے باتیں کرر ہے ہیں۔ وہ انکی الفت ومحبت دیکھ کر غصے سے جل بھن گیا۔ اس نے ایک یہودی کو وہاں بٹھالیا اور اسکے سامنے پرانے قصے چھیڑ دیئے اور جنگ بعاث کے متعلق اشعار پڑھنے لگا۔ اس دن اوس اور خزرج میں زبردست جنگ ہوئی تھی اور اوس فتحیاب ہوئے تھے، اس نے اس راکھ میں سے چنگاریاں نکال کر آگ بھڑکادی، جسکے نتیجہ میں اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنے لگے اور ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نکل آئے۔

قریب تھا کہ خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ دونوں فریق اپنے اپنے حمایتیوں کو بلا چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچ گئی، آپ چند مہاجرین صحابہ کے ساتھ آئے، آپ نے فرمایا اے مسلمانو، اللہ سے ڈرو! کیا تم زمانہ جاہلیت کی طرح چیخ وپکار کرر ہے ہو، حالانکہ تمہارے پاس اللہ کی ہدایت آچکی ہے اور اللہ تمہیں دولت اسلام سے مشرف کر چکا ہے اور تمہاری گردنوں سے جہالت کا جوا اتار پھینکا ہے اور تم کو کفر سے نجات دی ہے اور تم کو ایک دوسرے کا بھائی بنادیا ہے، کیا تم پچھلی جاہلیت اور کفر کی طرف لوٹ رہے ہو؟

تب مسلمانوں کو احساس ہوا، کہ یہ شیطان کا وسوسہ تھا اور انکے دشمنوں کا مکر تھا۔ انھوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے۔ اوس اور خزرج نے ایک دوسرے کو گلے لگایا، پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اطاعت اور موافقت کرتے ہوئے چلے گئے اور اللہ کے دشمن شاش بن قیس نے جو انکے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکائی تھی، اسکو اللہ تعالیٰ نے بجھادیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے شاش بن قیس کی اس ناکام سعی کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی، کہ اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کروگے، تو وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹا دینگے۔۔ الختصر۔۔ ایمان والوں کو ایمان کے دشمنوں سے ہر حال میں چوکنا رہنا چاہئے اور مکر وفریب سے اپنے کو بچاتے رہنا چاہئے، حالانکہ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔۔۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ

اور تم کیسے کفر کروگے حالانکہ تم ہو کہ تلاوت کی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں، اور تم میں اللہ کا رسول ہے،

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾

اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو، تو بے شک اس کو سیدھی راہ کی ہدایت دی گئی ●

(اور) ایک سچائی ہے کہ بھلا (تم کیسے کفر کرو گے حالانکہ تم ہو کہ تلاوت کی جاتی ہیں تم پر اللہ) تعالیٰ (کی آیتیں) جنکا اللہ تعالیٰ کا کلام ہونا اور جنکا معجزہ ہونا تم سب پر روشن ہے۔ گو کہ گمراہی سے بچنے کیلئے قرآن کریم کی ہدایت کا پاس ولحاظ رکھنا ہی کافی ہے، لیکن تم پر اللہ تعالیٰ کی یہ نوازش (اور) اسکا فضل عظیم ہے کہ (تم میں اللہ کا رسول ہے) جس کی ذات مقدسہ پر دن رات انواع واقسام کے معجزات ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور ان معجزات کو دیکھتے ہوئے کوئی صاحب عقل اور صاحب انصاف، رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے روگردانی نہیں کرسکتا۔

عہد رسالت کے بعد والے مسلمان بھی تنہا نہیں۔ آسمانی صحیفہ ہدایت، قرآن کریم کی شکل میں انکے پاس موجود ہے۔۔ یوں۔۔ رسول کریم کے اقوال وافعال واحوال کا مکمل اور مستند سرمایہ، سنت رسول کی صورت میں انکے پاس موجود ہے۔۔ الغرض۔۔ کتاب وسنت کے ارشادات سے انکی مخلصانہ وابستگی اور ان دونوں کی پرخلوص پیروی، انھیں انشاء المولیٰ تعالیٰ کبھی بھٹکنے نہ دے گی۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (جو مضبوط پکڑے اللہ) تعالیٰ کی رسی، قرآن کریم وسنت محمدی (کو، تو بیشک اسکو سیدھی راہ کی ہدایت) دے (دی گئی) اور وہ کسی کے مکروفریب کا شکار ہونے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کی گمراہ کرنے کی کوشش سے خبردار کردینے کے بعد تمام عبادات اور جملہ خیرات کے جامع احکام کو ظاہر فرمادیا، جن میں پہلا حکم یہ ہے کہ۔۔۔

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ

اے ایمان والو! اللہ کو ڈرو، جو اس سے ڈرنے کا حق ہے،

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾

اور مت مرو مگر اس حال میں کہ تم لوگ مسلمان ہو●

(اے ایمان والو! اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے) یعنی اسکی اطاعت کرو، نافرمانی نہ کرو۔۔۔ اسے یاد رکھو فراموش نہ کردو۔۔۔ اسکا شکر ادا کرتے رہو، ناشکری نہ کرو۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کی صورت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو، ہر حال میں عدل وانصاف قائم رکھو، خواہ تمہارا فیصلہ تمہارے ماں باپ، آل اولاد، بھائی برادر کے خلاف ہو

--الغرض--حق بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی اطاعت اور تمام نافرمانیوں سے اجتناب کرتے رہو--المختصر--تمہاری اپنی استطاعت کے مطابق خدا سے جس طرح کا ڈرنا تم پر لازم ہے، اسی طرح کا اسکا خوف دل میں قائم رکھو اور ہر حال میں اسکے اوامر ونواہی کی مخلصانہ پیروی کرتے رہو اور اسکے عذاب وعتاب سے اپنے کو بچانے کی کوشش کرتے رہو--نیز--کسی حال میں بھی اس سعی جمیل سے پہلوتہی، غفلت اور سستی نہ برتو--الغرض--تاحیات دین اسلام پر ثابت قدم رہو۔

(اور مت مرو مگر اس حال میں کہ تم لوگ مسلمان ہو) اور یہ اس وقت ممکن ہے جبکہ ایمان والا اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے گزارے۔ اسلئے کہ موت کا وقت متعین نہیں، وہ اچانک آنے والی ہے--المختصر--ہر آنے والی گھڑی کو موت کی گھڑی گمان کرتے ہوئے، اک آن کیلئے بھی اسلام سے اپنی سچی وابستگی کا رشتہ نہ توڑو۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور مضبوط پکڑ لو اللہ کی رسی سب کے سب، اور الگ الگ نہ ہو۔ اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا

جب کہ تم باہم دشمن تھے، تو الفت پیدا کی تمہارے دلوں میں، تو ہو گئے تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا

اور تھے تم کنارے پر ایک غار جہنم کے، تو نکالا تم کو اس سے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں کہ اب تو ہدایت پا جاؤ●

(اور) دوسرا حکم یہ ہے کہ (مضبوط پکڑ لو اللہ) تعالیٰ (کی رسّی) قرآن کریم اور سنت محمدی کو، وہ قرآن حکیم، بقول رسول کریم جسکی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی مضبوط رسّی ہے، جسکے عجائبات ومعجزات ناختم ہونے والے ہیں۔ جسکی شادابی وتازگی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ جسکی بکثرت تلاوت سے کسی طرح کی اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ سچا وہی ہے، جو قرآن

کریم کی روشنی میں بات کرے اور ہدایت یافتہ وہی ہے، جو اسکے احکام پر عمل کرے۔ بیشک جس نے اسے مضبوطی سے پکڑا، وہ صراط مستقیم تک پہنچ گیا۔

--یوں--اطاعت محمدی جسکی شان یہ ہے کہ خود قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ بیشک قرآن کریم ایک ایسی عظیم کتاب ہے جس میں ہر شے کا واضح بیان ہے، مگر کس کیلئے؟ اس عظیم ذات کیلئے جس پر وہ نازل کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہر دور میں قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے ساری مخلوق رسول کریم کی محتاج رہے گی۔

--الغرض--سید انام علیہ السلام کی متابعت کا دامن خوب مضبوط پکڑنے میں تم (سب کے سب) مجتمع رہو، (اور الگ الگ نہ ہو) دین اسلام اور سنت مصطفوی کی خدمت انجام دینے میں۔ اس واسطے کہ جب تک آنحضرت ﷺ کی اتباع ظاہری و باطنی خوب مضبوطی کے ساتھ مل جل کر نہ کرو گے، منزل مقصود کی راہ نہ پاسکو گے اور مطلوب حقیقی تک نہ پہنچ سکو گے۔

اب اس سلسلے کا تیسرا حکم یہ ہے جس میں نعمتوں کو یاد کرنے کی ہدایت ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے، تو اسکی دو وجہ ہوتی ہیں۔ ایک اسکے عذاب و عتاب سے اپنے کو محفوظ رکھنے کیلئے اور دوسری اس سے ملنے والی نعمتوں کے شوق میں، اور چونکہ دفع ضرر حصول نفع پر مقدم ہے، اسلئے خوف و خشیت پر مشتمل ارشاد کو مقدم رکھا گیا ہے اور نعمتوں کے ذکر کو مؤخر کر دیا گیا۔ اور ارشاد فرمایا گیا کہ۔۔۔

(اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو جبکہ تم) ایام جاہلیت میں **(باہم دشمن تھے)** آپس میں برابر جنگ کیا کرتے تھے، **(تو) اللہ تعالیٰ** نے تمہاری ہدایت و نجات کیلئے رسول کریم کو تم میں مبعوث فرما کر اور اسلام و قرآن کی دولت سے تمہیں نواز کر، تمہاری ہدایت فرمائی اور پھر اسطرح اسلام کی برکت اور رسول کی بدولت **(الفت پیدا کی تمہارے دلوں میں)** اپنے کھلے دشمنوں سے بھی، **(تو ہوگئے تم اللہ)** تعالیٰ **(کے فضل)** اور اسکی رحمت **(سے بھائی بھائی)**، بے مثال اخوت و محبت والے، حالانکہ تمہارا حال یہ تھا کہ ضلالت **(اور)** جہالت کے سبب **(تھے تم کنارے پر ایک غار جہنم کے)**۔ قریب تھا کہ تم اس میں گر پڑو۔

اگر اسی حال میں تمہاری موت آتی، تو یقینی طور پر تم جہنم میں چلے جاتے، **(تو) اللہ تعالیٰ** نے فضل فرمایا اور **(نکالا تم کو اس)** جہنم کے گڈھے **(سے)** اور بچالیا تم کو دوزخ کی آگ میں گرنے سے۔

اور سنو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی تمہارے حال میں قدیمی نفرت اور نئی محبت، (اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارے) فائدے اور تمہاری ہدایت کے (لئے اپنی آیتیں) اور ظاہر فرماتا ہے اپنی وحدانیت کی دلیلیں، تا (کہ اب توہدایت) پر ثابت قدمی (پاجاؤ)، اور اِدھر اُدھر بھٹکنے سے بچے رہو۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب کی دو وجہ سے مذمت فرمائی تھی۔ ایک تو یہ کہ وہ خود کافر و گمراہ ہیں، اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ایسی صورت میں مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی جد و جہد صرف اپنی ہی نجات و فلاح کیلئے مخصوص نہ رکھیں بلکہ ہدایت کی جن نعمتوں سے خدا نے انھیں نوازا ہے، اسکو سارے انسانوں تک پہنچانے کی سعی جمیل کریں۔خود بھی ہدایت پر قائم رہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت پر لانے کی کوشش کرتے رہیں۔

رحمۃ للعالمین کی امت کو ساری انسانیت کیلئے رحمت بننا ہے اور ایک ایسی امت ہونا ہے جو دعوت الی الخیر، 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'، کرنے والی ہو۔ ہر فرد مسلم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کاموں کو انجام دے، مگر چونکہ یہ بات اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے کہ ہر فرد میں دعوت و تبلیغ کی صلاحیت نہیں، اسلئے کہ دعوت و تبلیغ کے بھی کچھ لازمی آداب و شرائط ہیں جنکے بغیر یہ فریضہ صحیح طور پر ادا ہی نہیں ہوسکتا۔ بے صلاحیت افراد کو عقلاً اور شرعاً حق نہیں، کہ وہ مسند دعوت و تبلیغ کے تقدس کو پامال کریں۔اسکی دعوتی و تبلیغی کوششوں سے صرف منفی اثرات ہی مرتب ہونگے۔

دعوت و تبلیغ ایک مہتم بالشان کام ہے اور اسطرح کے اہتمامی امور کو علماءِ کرام ہی انجام دے سکتے ہیں، کیونکہ عالم دین کو مراتب احتساب و کیفیت ادائے تبلیغ معلوم ہوتے ہیں۔۔نیز۔۔وہ خوب سمجھتے ہیں کہ خیر کیا؟ شر کیا ہے؟ عقلاً و شرعاً معروف کیا ہے؟ اور منکر کیا ہے؟ کس وقت کس سے نرم گفتگو کی جائے؟ اور کس وقت سخت لب و لہجہ اختیار کیا جائے؟۔۔الغرض۔۔مختلف حالات میں کیا کیا حکمت تبلیغ اپنائی جائے، یہ صاحب فراست عالم دین ہی کے سمجھنے کی چیز ہے۔

ہر دور میں صرف تین قسم کے لوگ ہی یہ فریضہ بحسن و خوبی ادا کرتے رہے:

﴿۱﴾۔۔سلطان اسلام

﴿۲﴾۔۔ مامور من السلطنت: یعنی سلطان اسلام اس کام کیلئے جسکو مامور فرمادیں، اور وہ لوگ بھی کوئی بے علم نہیں ہوا کرتے تھے، بلکہ صاحب علم اور صاحب فراست ہوا کرتے تھے۔

﴿۳﴾۔۔ مامور من اللہ: یعنی علماء اور اولیاء۔۔نیز۔۔مجاہدین اسلام جنھیں خود رب تعالیٰ نے دعوت الی الحق اور اعلاء کلمۃ الحق کے فریضے کی ادائیگی پر مامور فرمایا ہے۔ علماء اپنے اقوال سے، اولیاء اپنے کردار سے، اور مجاہدین اپنی تلوار سے، دین حق اور صراط مستقیم کی دعوت دیتے رہے۔

یہ دور ایسا ہے کہ ہم جہاں ہیں وہاں کوئی حاکم اسلام نہیں اور جب اسلامی حکومت ہی نہیں، تو پھر مامور من السلطنت کے ہونے کا کیا سوال۔ اب صرف مامور من اللہ، یعنی علماء واولیاء ہی رہ گئے، جو اس فریضے کے ادا کرنے کے اہل ہیں، لہٰذا انہیں کو یہ فریضہ ادا کرنا ہے۔ اب اگر انکے سوا کوئی دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیتا ہے، تو اسکے لئے ارشادِ رسول میں 'مختال' کا لفظ استعمال کیا گیا، جسکا معنی ہے 'متکبر'، یعنی اپنی بڑائی چاہنے والا اور 'طالب ریاست' یعنی اپنی امارت وقیادت کا خواہشمند۔

اس مقام پر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سب اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتے، تو پھر اسے پوری امت مسلمہ کا فرض کیوں قرار دیا گیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کا کام ساری امت کیلئے نماز روزے کی طرح 'فرض عین' نہیں کہ ہر ہر فرد پر اسکی ادائیگی لازم ہوجائے۔۔بلکہ۔۔'فرضِ کفایہ' ہے۔ اب اگر امت محمدیہ کے بعض باصلاحیت افراد اس فرض کو ادا کردیتے ہیں، تو ساری امت سبکدوش ہوجاتی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ کسی نے بھی اس فرض کو ادا نہ کیا، تو ساری امت گنہگار قرار پاتی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور تمہاری ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بلائیں بھلائی کی طرف اور حکم دیں نیکی کا،

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور روکیں برائی سے۔ اور وہی کامیاب لوگ ہیں●

(اور) سب کو ہی بارگاہِ الٰہی میں اسکے تعلق سے جوابدہ ہونا پڑے گا۔۔الحاصل۔۔اے مسلمانو! (**تمہاری ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بلائیں بھلائی کی طرف**) ایسی بھلائی جسکا بھلا

ہونا قرآن وسنت نے ظاہر فرمادیا ہے(اور حکم دیں نیکی کا) یعنی اس چیز کا، عقل وشرع جسے پسند کریں (اور روکیں برائی سے) یعنی ان چیزوں سے عقل وشرع جسے ناپسند کریں، تو سن لو(اور) یادرکھو کہ (وہی کامیاب لوگ ہیں)۔

اور وہ کیوں نہ کامیاب ہوں، جبکہ خودسرکار نے فرمایا ہے کہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کرنے والا زمین پراللہ ورسول کا اور کتابِ الٰہی کا خلیفہ ہے۔ بقول مولائے کائنات سیدنا علیٰ مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' سب سے افضل جہاد ہے۔ تو اے مسلمانو!۔۔۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ

اور مت ہو ان کی طرح جو الگ الگ ہو گئے اور جھگڑ پڑے، بعد اس کے کہ آ چکی تھیں

مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾

ان کے پاس کھلی نشانیاں۔ اور وہی ہیں جنکے لیے بڑا عذاب ہے●

اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو (اور مت ہو) جاؤ (ان) یہودیوں اور نصرانیوں (کی طرح، جو الگ الگ ہو گئے) یعنی مختلف فرقوں میں بٹ گئے، ہر فرقہ دوسرے فرقے کو اپنا دشمن سمجھتا رہا۔ (اور جھگڑ پڑے) یعنی اختلاف کیا اپنے دین میں یہود نے حضرت موسیٰ کے وصال کے پانچ سو برس کے بعد۔۔۔ یونہی۔۔۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھ جانے کے تین سو برس کے بعد، اور یہ سارے اختلافات (بعد اسکے کہ آ چکی تھیں انکے پاس کھلی نشانیاں)، واضح دلیلیں اور ہدایت انکی کتابوں میں، (اور وہی) مخالف ومتفرق لوگ (ہیں، جن کیلئے بڑا عذاب ہے)۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ

جس دن کہ گورے ہونگے کچھ چہرے، اور کالے ہونگے کچھ منہ۔ تو جن کے منہ کالے ہیں۔۔۔

أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾

کیا تم نے کفر کیا تھا ایمان لانے کے بعد؟ تو چکھو عذاب، بدلہ اس کا جو کفر کرتے تھے●

اس دن (جس دن کہ گورے) روشن وتابناک (ہونگے کچھ چہرے) انکے ایمان کے نور سے

(اور کالے) سیاہ فام کریہہ المنظر (ہونگے کچھ منہ) کفر کی تاریکی کے سبب، (تو جنکے منہ کالے ہیں) خواہ وہ عام کفار ہوں یا منافقین ۔۔یا۔۔ کفار اہل کتاب، ان سب سے بطور ملامت کہا جائیگا، جسکا مقصد انکو مزید دکھ پہنچانا اور رسوا کرنا ہوگا، کہ اے کافرو! (کیا تم نے کفر کیا تھا) یوم میثاق میں (ایمان لانے کے بعد)۔۔یا۔۔ اے منافقو! کیا تم نے اپنے دلوں میں انکار کیا تھا، بظاہر زبانوں سے ایمان کا اقرار کرنے کے بعد۔۔یا۔۔ اے کتابیو! کیا تم نے نبی آخر الزماں کی تکذیب کی تھی انکے ظہور سے پہلے انکا مکمل اعتراف کرلینے کے بعد؟ (تو چکھو) جہنم کا (عذاب، بدلہ) نتیجہ وثمرہ (اسکا جو کفر کرتے تھے) اور نبی برحق کی اطاعت سے روگردانی کرتے تھے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور وہ جن کے چہرے گورے ہوگئے، وہ اللہ کی رحمت میں ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ●

(اور وہ) ایمان صحیح اور عمل صالح ۔۔الغرض۔۔ اپنے نبی علیہ السلام کی پرخلوص غلامی کے نتیجے میں (جنکے چہرے گورے) روشن وتابناک (ہوگئے)، تو (وہ) جنت میں (اللہ) تعالیٰ (کی رحمت) کے سائے (میں ہیں) اور (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں) نہ وہ اس سے کبھی نکالے جائینگے اور نہ ہی ان پر کبھی موت طاری ہوگی۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم جس کو پڑھتے ہیں تم پر بالکل ٹھیک۔ اور اللہ نہیں چاہتا ظلم اہل دنیا پر ●

(یہ) ارشادات جن میں نیک لوگوں کو نعمتوں سے نوازنے اور کفار کو عذاب میں مبتلا کئے جانے کا بیان ہے، (اللہ) تعالیٰ (کی آیتیں ہیں کہ ہم جس کو) اے محبوب! جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے سناتے ہیں تم کو، اور بالواسطہ (پڑھتے ہیں تم پر)، وہ (بالکل ٹھیک) حق وعدل سے ملی ہوئی ہیں، اور حق وعدل سے ملانے والی ہیں۔

۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں عدل ہی عدل ہے۔ اسکے فیصلوں میں جوروستم کا شائبہ بھی نہیں، کہ کسی نیک کی نیکی میں کمی کردے۔۔یا۔۔ مجرم کی سزا میں زیادتی فرمادے ۔۔یا۔۔ کسی غیر مجرم کو مجرمانہ سزادے، بلکہ ہر ایک کو اسکے حق کے مطابق جزاوسزا دیتا ہے۔ جیسے اعمال ہونگے، ویسے ہی وعدہ۔۔یا۔۔ وعید ہونگے۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں چاہتا ظلم اہل دنیا پر)۔

اب اگر ظلم کا معنی یہ لے لیا جائے کہ شئے کو غیر محل میں استعمال کرنا، تو اسکی دونوں صورتیں یعنی مستحق کو استحقاق سے مانع ہونا۔۔یا۔۔ممنوع امر کو محل عمل میں لانا، خدا کی ذات کیلئے غیر متصور ہیں۔اور اگر ظلم کا معنی یہ لیا جائے کہ غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا، تو یہ بھی خدائے عزوجل کی ذات سے کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرائے جاتے ہیں سارے کام●

(اور) اسکی بھی اسکی ذات سے کیسے گنجائش نکل سکتی ہے، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے)۔

۔۔الغرض۔۔وہ اکیلا ہی تمام آسمانی زمینی اشیاء کا مالک ہے، کوئی بھی اسکا ان میں شریک نہیں، کیونکہ تمام املاک کی ملکیت 'ملکاً وخلقاً' اس سے مختص ہیں۔زندگی اور موت دینے میں۔۔یونہی۔۔ثواب وعذاب دینے میں، وہی واحد مالک ہے۔دنیا میں تو تدبیر کے لحاظ سے ہر شئے کسی نہ کسی کے مِلک میں ضرور تھی اور خدائے کریم نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت دنیا والوں کو بھی، بعض چیزوں پر تصرف کا حق دیکر انھیں مجازی طور پر ایک متعینہ وقت تک کیلئے مالک بنا دیا تھا۔۔مگر۔۔دنیا میں یہ ہونے والے سارے امور مٹا دیئے جائینگے ۔۔پھر۔۔بعد ہلاکت اس کی طرف جائینگے۔

تو جان لو (اور) اس حقیقت کو یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ کی قضا اور اسکے حکم (ہی کی طرف) نہ کہ اسکے غیر کی طرف، کہ کسی کو اسکے ساتھ شرکت ہو یا کسی دوسرے کو استقلالاً ملکیت حاصل ہو (رجوع کرائے جاتے ہیں) لوٹا دیئے جائینگے (سارے کام)، تو وہ جسے چاہے عزت سے سرفراز کرے اور جسے چاہے ذلیل فرمادے، جسکو چاہے ہدایت بخشے اور جسکو چاہے، گمراہ رہنے دے۔

سابقہ ارشادات میں مومنین کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے کے بعد اب مومنین کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ تم اپنی اس فضیلت کو ضائع نہ کرو، جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تمہیں حاصل ہے۔۔المختصر۔۔اپنی سیرت محمودہ کو زائل ہونے سے بچاتے رہو۔غور کرو کہ اللہ کے فضل وکرم سے تمہاری کیا شان ہے۔ ہر جگہ تمہارا ذکر خیر ملتا ہے، اور صرف علم

خداوندی ہی میں نہیں، بلکہ لوحِ محفوظ، انبیاء سابقین پر نازل فرمودہ کتابوں، اور صحیفوں، اور پہلی امتوں کے تذکروں میں۔۔۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

تم ان ساری امتوں میں بہتر ہو جو لوگوں کیلئے ظاہر ہوئیں، کہ بھلائی کا تو تم حکم دو

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ

اور برائی سے روکو، اور اللہ پر یقین رکھو۔ اور اگر ایمان لے آتے اہل کتاب، تو ضرور

خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾

ان کے لیے بہتر تھا۔ ان میں کچھ ایمان لانے والے ہوئے اور ان کے زیادہ لوگ سب نافرمان ہیں●

(تم ان ساری امتوں میں بہتر ہو، جو) غیب کے خلوت خانہ سے (لوگوں کیلئے ظاہر ہوئیں) 'خیر الانبیاء' کی ذات پاک سے نسبت غلامی نے تم کو 'خیر الامم'، تمہارے دین کو 'خیر الادیان'، تمہارے لئے نازل شدہ کتاب کو 'خیر الکتب' اور تمہارے زمانے کو 'خیر القرون' بنادیا۔ تو تمہارے 'خیر الامم' ہونے کی ایک سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ تم 'خیر الانبیاء' کے امتی ہو، اور دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ تم اپنے نبی علیہ السلام کی نیابت و وراثت کا فریضہ ادا کرتے ہو۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ تمہاری شان یہ ہے (کہ بھلائی کا تو تم حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ) تعالیٰ (پر یقین رکھو) اور ایمان باللہ پر تاحیات ثابت قدم رہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ ایمان کی سلامتی کے ساتھ ایمان اور طاعت رسول کی دعوت دیتے رہنا، اور کفر و ممنوعات سے روکتے رہنا ہی، تمہیں دوسری ساری امتوں سے ممتاز کرتا ہے اور تمہیں 'خیر الامم' قرار دیتا ہے، اسلئے کہ دوسری امتیں ان خصوصیات کی حامل نہیں تھیں۔

چونکہ دعوت الی اللہ، 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کا تعلق 'حقوق العباد' سے ہے، اسلئے کہ اسکا رشتہ بندوں کی صلاح و فلاح اور انکی دنیا و آخرت کی کامیابی اور فیروز بختی سے ہے۔ اسی لئے ذکر میں اسکو مقدم رکھا اور ایمان کے ذکر کو موٴخر کردیا، حالانکہ ایمان ہر نیک عمل پر مقدم ہے۔ اسکے باوجود اسکو ذکر میں موٴخر کرنا شاید اسلئے ہو، کہ ایمان کا تعلق حقوق اللہ سے ہے جس سے بندے کی خود اپنی صلاح و فلاح اور نجات و مغفرت وابستہ ہے۔ بخلاف دعوت

وتبلیغ کے، جس سے سارے انسانوں کیلئے ہدایت ونجات کے راستے کھلتے ہیں۔

اے ایمان والو! تم جیسے مومنین (اور) مخلصین کی طرح (اگر ایمان لے آتے اہل کتاب) محمد عربی ﷺ پر اور دل کی سچائی کے ساتھ انھیں مان جاتے، **(تو ضرور ان کیلئے بہتر تھا)۔**

انھوں نے اپنی ریاست وامارت کو برقرار رکھنے کیلئے، جاہل عوام کو اپنے پیچھے چلانے کیلئے، دین اسلام پر اپنے دین کو ترجیح دی، لیکن اگر ایسا ہوتا کہ وہ ایمان لاکر اسلام قبول کر لیتے، تو انکا یہ عمل انکی مطلوبہ ریاست، اتباع عوام، اور دنیاوی آسائش حیات سے جنکے لئے انھوں نے دین باطل کو اپنا رکھا' بہتر ہوتا۔ اسلئے کہ ایمان لے آنے کی صورت میں عظیم الشان کامیابی انھیں حاصل ہوتی اور وہ دگنے اجر کے مستحق قرار پاتے۔ ایک خود اپنے نبی برحق پر ایمان لانے کا، دوسرے نبی آخرالزماں پر ایمان لانے کا۔

ایسا بھی نہیں کہ سارے اہل کتاب نے ایمان لانے سے انکار کر دیا، بلکہ **(ان میں)** حضرت عبداللہ ابن سلام اور انکے اصحاب کی طرح **(کچھ ایمان لانے والے ہوئے)**، اگرچہ یہ بھی صحیح **(اور) درست ہے کہ (انکے زیادہ لوگ سب) اپنے کفر میں بے پناہ سرکش و (نافرمان ہیں)۔** مگر مسلمانو! تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

یہ لوگ تم لوگوں کا کوئی نقصان نہ کرسکیں گے مگر بس ستانا، اور اگر لڑیں تم سے تو پھیر لیں گے تم سے پیٹھ۔۔ پھر کوئی مدد نہ دیے جائینگے ●

یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ پائینگے۔۔ نیز۔۔ **(یہ لوگ تم لوگوں کا کوئی نقصان نہ کرسکیں گے، مگر بس ستانا)**۔ کبھی تم کو کفر کی دعوت دیکر رنج دینگے، کبھی کسی مسلمان پر بہتان باندھیں گے اور کبھی ایمان والوں کو قتال سے ڈرائینگے۔۔ الغرض۔۔ زبانی تیر ونشتر چلانے کے سوا یہ کچھ نہ کرسکیں گے۔ انکی کم ہمتی **(اور)** بزدلی کا عالم یہ ہوگا کہ **(اگر)** بالفرض **(لڑ)** پڑ **(یں)** یہ **(تم سے تو)** اسکے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا ان کیلئے کہ **(پھیر لینگے تم سے)** اپنی **(پیٹھ)** اور فرار ہو جائینگے اور پھر شکست کے بعد **(پھر کوئی مدد نہ دیئے جائینگے)**۔ نہ مخلوق انکی یار ہوگی اور نہ حق تعالیٰ مددگار ہوگا۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ

سوار کر دی گئی ان پر ذلت غلامی جہاں بھی رہیں، مگر یہ کہ تھام لیں رسی اللہ کی،

وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ

اور لوگوں کی رسی، اور لوٹ گئے وہ اللہ کے غضب میں، اور چھاپ دی گئی ان پر بے مسکنی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ

یہ اس لیے کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ کی آیتوں کا، اور شہید کرتے تھے پیغمبروں کو

بِغَيۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

ناحق۔ یہ سزا ہے اسکی جو نافرمانی کی اور سرکشی کرتے تھے●

(سوار کردی گئی) ہے (ان پر ذلت غلامی)، اسطرح کہ ہرگز ان سے جدا ہی نہ ہو، اور یہ ذلت یہ ہے کہ ہمیشہ جزیہ دیتے رہیں اور اسکے بغیر کہیں رہ نہ سکیں۔۔ الغرض۔۔ (جہاں بھی رہیں) یہ ذلت انکے ساتھ ہوگی، (مگر یہ کہ تھام لیں رسّی اللہ) تعالیٰ (کی) اور جزیہ ادا کرنے کا عہد کرلیں (اور) تھام لیں اذن الٰہی کے بعد فیصلہ کرنے والے (لوگوں کی رسّی)، یعنی مسلمانوں سے جو عہد ہو جائے، اس پر قائم رہیں اور مسلمانوں کی سیاسی ماتحتی میں رہیں اور جزیہ وغیرہ ادا کرتے رہیں، مسلمانوں کے سامنے کبھی سر اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔۔۔

جزیہ لینا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، تو اسکو قبول کرلینا گویا اللہ تعالیٰ کی رسّی کو تھام لینا ہے۔۔ مگر۔۔ کس پر کتنا جزیہ نافذ کیا جائے۔۔ یا۔۔ کسی حکمت و مصلحت کے پیش نظر کس کو رعایت دیدی جائے، اسکا فیصلہ حاکم وقت اپنی صوابدید پر کریگا۔ جسکا اسے اذن الٰہی حاصل ہے۔۔ الحاصل۔۔ حاکمان وقت سے اس سلسلے میں جو عہد کیا جائیگا، اس عہد کو قبول کرلینا گویا لوگوں کی رسّی کو تھام لینا ہے۔۔ الغرض۔۔ 'حبل اللہ' اور 'حبل الناس' میں صرف اعتباری فرق ہے، حقیقت میں دونوں ایک ہی ہیں۔

اس مقام پر اس ناچیز کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ 'اللہ کی رسّی' سے اسلامی حکومت کی سیاسی ماتحتی قبول کرکے جزیہ ادا کرتے رہنا مراد لیا جائے، اور 'لوگوں کی رسّی' سے غیر اسلامی حکومت کو مستقل طور پر اپنا پشت پناہ قرار دینا اور انکی غلامی اور انکی مدد کے بغیر اپنی حکومت، سلطنت قائم کرنے اور پھر اسکے قائم رکھنے کی طاقت سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم رہنا مراد لیا جائے، جیسا کہ آج کل عہد حاضر کے یہودیوں کا حال ہے، کہ اگر آج امریکہ اور دوسری طاغوتی طاقتیں ان کو سہارا دینا چھوڑ دیں تو یہ یا تو صفحۂ ہستی سے فنا کردیئے جائیں۔۔ یا۔۔ ان

کیلئے مجبور و مقہور ہو کر دوسروں کا طوق غلامی گلے میں پہن کر رہنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ جائے۔ میری اس ذکر کردہ توجیہہ پر 'حبل اللہ' اور 'حبل الناس' میں فرق 'اعتباری' نہیں رہ جاتا، بلکہ 'حقیقی' ہو جاتا ہے۔

۔۔الغرض۔۔ ذلت و دائمی رسوائی کی ان پر چھاپ لگا دی گئی **(اور لوٹ گئے وہ اللہ) تعالیٰ (کے غضب میں)**، اپنے کو عذاب الٰہی کا مستحق بنالیا **(اور) پھر (چھاپ دی گئی ان پر بے مسکنی)** دربدر پھرنا انکا مقدر بنا دیا گیا۔

اپنے بل بوتے پر یہودی ریاست قائم کرنا انکے بس کی بات نہ رہی۔ وہ کرۂ ارض پر ہر خطہ میں ذلیل و خوار ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس زمانہ میں انگلینڈ، امریکہ اور روس نے باہمی اشتراک سے فلسطین میں اسرائیل کے نام سے ایک یہودی ریاست قائم کر دی ہے اور آج کل امریکہ انکا پشت پناہ ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ کی مدد نے انکو ایٹمی قوت والا بنا دیا ہے مگر۔۔ بایں ہمہ۔۔ فقر و محتاجی اور ذلت و رسوائی کی قدرتی چھاپ ان پر لگ گئی ہے۔ ان کے نشانات انکے چہروں سے اور انکے حالات سے صاف ظاہر ہیں۔

مال و دولت رکھنے کے باوجود، وہ فقیرانہ صورت ہی میں نظر آتے ہیں اور خود بھی اپنے کو محتاج اور مسکین ہی سمجھتے ہیں، جبھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لینے کی فکر میں رہتے ہیں اور ہر وقت خوف و ہراس کے عالم میں رہتے ہیں، کہ اگر ان سہارا دینے والوں نے اپنا سہارا ہٹا لیا اور انکا دست تعاون ہمارے سروں سے اٹھ گیا، تو ہم اپنا غاصبانہ قبضہ کیسے بچا سکیں گے، اور پھر اس وقت دربدر کی ٹھوکر کھانے کے سوا، ہمارے لئے کوئی اور چارۂ کار نہ ہوگا۔ اسی مذکورہ بالا خدائی چھاپ کا اثر ہے کہ یہودی اکثر مسکینی میں گزارتے ہیں، اب خواہ وہ نفس الامر میں مسکین ہوں۔۔یا۔۔ اپنے کو مسکین ظاہر کرنے کی عادت ہو۔

(یہ) ذلت و رسوائی اور دربدری و بے مسکنی **(اسلئے)** ہے، کیوں **(کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا)** جو آیتیں حضور نبی پاک ﷺ کی نبوت پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں، بلکہ تمام آیاتِ الٰہیہ میں تحریف کرتے ہیں **(اور)** انکے مورثین **(شہید کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق)**۔

حیرت و تعجب کی بات تو یہ ہے کہ علماءِ یہود بھی اسکو ناحق ہی سمجھتے تھے، مگر بغض و حسد اور خبث باطنی کے سبب اپنی قوم کے جاہلوں کو اس کام کیلئے ورغلا کر ان سے اسطرح کے کام انجام دلاتے تھے۔ انھوں نے اپنی عوام کو سمجھا دیا تھا کہ انبیاء کرام کو شہید کر دینا، ان پر واجب

ہے۔عہد حاضر کے یہودیوں سے اگر چہ یہ امر شنیع سرزد نہیں ہوا،مگر چونکہ یہ لوگ اپنے مورثین کے اس کام کو حق وصحیح سمجھتے ہیں،تو یہ بھی اسی لعنت و ملامت اور عذاب ورسوائی کے مستحق ہوئے جو انکے مورثین کیلئے مقدر کردی گئی تھی۔اسلئے کہ اگر یہ بھی اس دور میں ہوتے،تو وہی کرتے جو ان کے مورثین نے کیا۔

یہ کفر اور قتل انبیاء علیہم السلام جیسے افعال قبیحہ ان سے اسلئے سرزد ہوئے،کہ ان لوگوں نے نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کے حدود سے تجاوز کرنے کی اپنی عادت بنالی تھی۔ظاہر ہے کہ چھوٹا گناہ لاشعوری طور پر بڑے گناہ کی طرف لیجاتا ہے۔۔چنانچہ۔۔جو شخص صغیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے،اور اس پر مداومت کرتا ہے،تو اسکے قلب پر رفتہ رفتہ گناہوں کی ظلمتیں ہجوم کرنے لگتی ہیں اور اسکے دل کا نور آہستہ آہستہ بجھتا رہتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد اسکے قلب سے نور ایمان چھن جاتا ہے اور اس پر کفر کی ظلمتیں چھا جاتی ہیں۔۔المختصر۔۔گناہِ صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہوجاتا ہے اور کبیرہ پر مداومت کرنے سے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔بعض عارفین کا کہنا ہے کہ جس شخص کو مستحبات کے ترک کرنے کی عادت ہوتی ہے اس سے لامحالہ سنتیں چھوٹنے لگتی ہیں،اور جب سنتوں کے ترک کی عادت پڑ جاتی ہے،تو اس سے فرائض کے چھوٹنے کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں،اور پھر جب فرائض کے ترک کی عادت بن جاتی ہے،تو ایسا شخص شرعی امور کو حقیر سمجھنے لگتا ہے،اور پھر جس سے شریعت کے امور کی حقارت سرزد ہوتی ہے،اسکی کفر تک نوبت پہنچتی ہے۔

۔۔الغرض۔۔کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرنا نہیں چاہئے اور کسی نیکی کو چھوٹی سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے۔چھوٹے گناہ بڑے بڑے گناہوں تک پہنچادیتے ہیں۔۔یونہی۔۔چھوٹی نیکیاں بڑی بڑی نیکیوں تک پہنچنے کا سبب بن جاتی ہیں۔حضرت مترجم قدس سرہ کے ارشاد کے مطابق۔۔۔

(یہ) یعنی مذکورہ بالا ذلت ومسکنت اور رسوائی ومحتاجی دنیا ہی میں (سزا ہے اسکی،جو نافرمانی کی اور سرکشی کرتے تھے)۔

حضرت مترجم قدس سرہ نے یہ پہلو شاید اسلئے اختیار کیا ہو،کہ انکی بے راہ روی،کفر وقتل انبیاء کا ایک امکانی سبب تو ہوسکتا ہے،لیکن لازمی سبب نہیں۔اسکے برخلاف انکا کفر وقتل انبیاء بطورِ سزا انکی ذلت ورسوائی کا یقینی اور لازمی سبب ہے۔۔۔اس مقام پر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ سارے ہی اہل کتاب ایسے ہیں۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ۔۔۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ

سب برابر نہیں ہیں، کہ اہل کتاب ہی میں ایک وہ کمربستہ جماعت ہے جو تلاوت کریں اللہ کی آیتوں کی

اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

رات کی گھڑیوں میں، اور وہ سجدہ کریں●

(سب برابر نہیں ہیں)، کیوں (کہ اہل کتاب ہی میں ایک وہ) دین حق پر قائم رہتے ہوئے اعمال صالحہ انجام دینے کیلئے (کمربستہ جماعت ہے)۔۔مثلاً: حضرت عبداللہ ابن سلام اور انکے اصحاب، نجران کے چالیس[۴۰] آدمی، حبشہ کے بتیس[۳۲] اور روم کے آٹھ[۸] لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، اور پھر آخری نبی ﷺ پر بھی ایمان لائے اور شریعت محمدیہ اور قرآنی احکام کی تعلیم حاصل کی، اور (جو تلاوت کریں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی) یعنی قرآنِ کریم کی (رات کی گھڑیوں میں)، مغرب وعشاء کے درمیان ۔۔یا۔۔ رات کو عشاء کی نماز میں 'جو صرف دین اسلام ہی میں ہے دوسرے دینوں میں نہیں'، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں (اور وہ) اُسی نماز میں قیام ورکوع کے ساتھ، خشوع وخضوع کے ساتھ (سجدہ) بھی (کریں)۔۔الغرض۔۔وہ پکے عبادت گزار ہیں۔اور انکی شان یہ ہے کہ۔۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

مانیں اللہ کو اور پچھلے دن کو، اور حکم دیں نیکی کا اور روکیں

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

برائی سے، اور تیزی کریں نیک کاموں میں۔ اور وہی لوگ نیکوکار ہیں●

وہ (مانیں اللہ) تعالیٰ (کو) جیسا ماننے کا حق ہے (اور) مانیں (پچھلے دن) یوم آخرت (کو) شریعت اسلامیہ کی ہدایت کے مطابق، نہ کہ کفار یہود کی طرح، کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں، مگر انکے ایمان کا حال یہ ہے کہ وہ حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور بعض نبیوں اور کتابوں کو بھی نہیں مانتے ۔۔یونہی۔۔ یوم آخرت کا مفہوم بھی کچھ ایسا ظاہر کرتے ہیں، جو اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہے۔ اس صورت میں انکا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانا، نہ لانے کے برابر ہے۔

(اور) انکی شان یہ ہے کہ وہ (حکم دیں نیکی کا اور روکیں برائی سے)۔

کفار یہود کا حال بالکل اسکے برعکس ہے، کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، انھیں سیدھے راستے سے روکتے ہیں۔۔الغرض۔۔ برائی کا حکم دیتے ہیں اور اچھائی سے روکتے ہیں، پھر ان یہودیوں کا معاملہ ایمان والوں کی طرح کیسے ہوسکتا ہے؟

(اور) یہ وہ لوگ ہیں جو **(تیزی کریں نیک کاموں میں)**، چونکہ انھیں نیک کام انجام دینے کی کمال درجہ کی رغبت ہے، تو ہر کام کا جو صحیح وقت ہوتا ہے، اسی وقت اسکو انجام دینے میں تیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کسی طرح کی سستی اور غفلت کو قریب نہیں آنے دیتے۔۔ہاں۔۔ یہ ضرور ہے کہ وہ کسی کام کو انجام دینے میں ناپسندیدہ اور ممنوع عجلت سے کام نہیں لیتے اور جس نیک کام کا وقت مؤخر ہوتا ہے اسکو اسکے وقت سے پہلے نہیں انجام دے لیتے۔

ذہن نشین رہے کہ جس کام کو مؤخر کرنا چاہئے، اگر اس کو مقدم کردیا جائے تو یہ ہے وہ 'عجلت' جو ممنوع اور ناپسندیدہ ہے، اسکے برعکس جس کام کو پہلے کرنا چاہئے، اسکو پہلے کیا جائے، یہ ہے 'سرعت' جو ممدوح و پسندیدہ ہے۔

۔۔الغرض۔۔ یہ نفوسِ قدسیہ والے پوری رغبت اور خوش دلی کے ساتھ بروقت نیکی کے امور انجام دینے میں سرعت و تیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔۔برخلاف۔۔ یہودیوں کے، جو نیکی کا کام انجام دینے میں کوئی رغبت نہیں رکھتے اور اگر کسی میں اسکی رغبت ہو بھی، تو وہ اسکے حصول اور اسکو انجام دینے میں کافی سست رفتاری اور بے دلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ رہ گیا شر پھیلانے کا معاملہ، تو اس میں سارے یہودی استاد نظر آتے ہیں، جن میں ہر ایک اپنے غیر پر سبقت لیجانے کی پوری جد و جہد کرتا ہے۔۔۔ الحاصل۔۔۔ جو مذکورہ بالا اوصافِ حمیدہ (اور) صفاتِ محمودہ والے ہیں، **(وہی لوگ نیکوکار ہیں)**، جنکے احوال اللہ تعالیٰ کے یہاں صلاحیت سے مزین اور اسکی رضا و ثنا کے مستحق ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾

یہ لوگ جو بھلائی کریں تو ہرگز اس سے محروم نہ کئے جائیں گے، اور اللہ پرہیزگاروں کو جاننے والا ہے●

اور انکی یہ شان ہے کہ **(یہ لوگ جو بھلائی کریں، تو ہرگز اس سے محروم نہ کئے جائینگے)** انکے نیک اعمال کی ناقدری ہرگز نہ کی جائیگی۔ یعنی ان لوگوں کو انکے نیک اعمال کی جزا سے ہرگز محروم نہ کیا جائیگا۔ نہ تو ایسا ہوگا کہ انھیں انکے نیک اعمال کی جزا ہی نہ دی جائے، اور نہ یہی ہوگا کہ ثواب ملے، مگر کم ملے۔ اللہ تعالیٰ شاکر ہے یعنی نیکیوں کی جزا عطا فرمانے والا ہے۔

جب شکر نیکی کی جزا دینے کا نام ہے تو اسکے مقابل میں کفر اس جزا کو نہ دینے کا نام ہوا۔
چونکہ کفر کا معنی چھپانے کے بھی ہیں، تو اب نیکی کی جزا نہ دینا اسکے چھپانے کے مترادف ہوا۔
تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسا نہیں کریگا (اور) نیکوکاروں کو کبھی بھی ثواب سے محروم نہیں فرمائیگا۔ کیونکہ (اللہ) تعالیٰ (پرہیزگاروں کو) اچھی طرح (جاننے والا ہے) اسکی بارگاہ میں لاعلمی کا گزر نہیں، لہٰذا جو جتنے ثواب کا بفضلہٖ تعالیٰ مستحق ہے وہ ثواب اسکو انشاء المولیٰ تعالیٰ ملنے والا ہے۔
آیات سابقہ میں مومنین کے صفات بیان کردینے کے بعد، اب ان آیتوں میں کفار کے احوال بیان فرمارہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ

بے شک جنھوں نے کفر کیا تو نہ بے پرواہ کرے گا ان کو ان کا مال، اور نہ ان کی اولاد،

مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۶﴾

اللہ سے کچھ بھی۔ اور وہی جہنم والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(بیشک) کعب ابن الاشرف، اسکے یار لوگ اور انکے سوا (جنھوں نے) بھی (کفر کیا)، قرآن کریم اور صاحب قرآن حضور ﷺ پر ایمان نہیں لائے، (تو نہ بے پرواہ کرے گا انکو انکا مال) جو بطورِ رشوت اپنے عالموں کو دیتے ہیں۔۔یا۔۔بطورِ رشوت اپنی قوم کے لوگوں سے لیتے ہیں۔۔یا۔۔حق کی آواز کو دبانے کیلئے اور باطل کو پھیلانے کیلئے اپنے پاس سے نکالتے ہیں، (اور نہ انکی اولاد)، جنکی اعانت اور امداد پر انھیں بھروسہ ہے (اللہ) تعالیٰ کے عذاب (سے کچھ بھی)۔۔الغرض۔۔مال و دولت کی کثرت کو اپنی حقانیت کی دلیل سمجھنا اور یہ سوچنا کہ مال و دولت خرچ کرکے ہم عذابِ الٰہی سے بچ جائینگے، یہ انکی خام خیالی ہے۔ انھیں سمجھ لینا چاہئے (اور) بخوبی جان لینا چاہئے کہ (وہی جہنم والے ہیں)۔۔نیز۔۔(وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔ اب اگر وہ کچھ ایسے کام انجام دیں، جو بظاہر کارِ خیر معلوم ہوتے ہوں، تو چونکہ یہ خود ایمان والے نہیں، اور کسی عمل کا حقیقی معنوں میں نیک عمل ہونا ایمان پر موقوف ہے، تو عدم انتفاع و غیر مفید ہونے میں۔۔یا۔۔تباہ و ہلاک ہوجانے میں۔۔۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا

مثال اس کی جو خرچ کریں دنیاوی زندگی کے بارے میں جیسے ہوا، جس میں

صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ ؕ

پالا ہے، وہ پہنچی ایک قوم کی کھیتی پر جنھوں نے خود اپنا بگاڑ رکھا تھا تو، اسکی کھیتی کو تباہ کر دیا اس ہوا نے،

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں فرمایا لیکن وہ خود اپنے اوپر ظالم ہیں●

(مثال) انکے (اس) مال (کی جو) وہ (خرچ کریں) اپنے باطل اغراض۔۔نیز۔۔نام و نمود اور دکھاوے کیلئے (دنیاوی زندگی) کے مزعومہ مفادات کو حاصل کرنے (کے بارے میں) ایسی ہے، (جیسے ہوا، جس میں پالا ہے، وہ پہنچی ایک) ایسی (قوم کی کھیتی پر جنھوں نے) شرک و معاصی کی وجہ سے (خود اپنا بگاڑ) کر (رکھا تھا)، اپنی جانوں پر ظلم کر کے اور خدا کا حق نہ ادا کر کے، (تو اسکی کھیتی کو تباہ) و برباد (کر دیا اس) سرد (ہوا نے)۔

۔۔الغرض۔۔کفر و معاصی کی سرد ہوا نے انکے اعمال کی کھیتیوں کو ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ انکے ہاتھ مایوسیوں اور ناکامیوں کے سوا کچھ نہیں لگا۔ اب اگر خود انکی بداعمالیوں اور زبوں کرداریوں کے نتیجے میں انکے اعمال کی کھیتی نیست و نابود ہوگئی اور وہ محروم ہو کر رہ گئے، تو اس حالت کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

(اور) یہ حقیقت ہے کہ (ان پر اللہ) تعالیٰ (نے ظلم نہیں فرمایا، لیکن وہ خود اپنے اوپر ظالم ہیں) اور ایسے کام انجام دیتے ہیں جو انھیں عقوبت کا مستحق بنا دیتا ہے۔۔چنانچہ۔۔وہ واجبی طور پر خدائی گرفت میں آجاتے ہیں۔

۔۔الغرض۔۔بے موقع خرچ کیا جائے۔۔یا۔۔ناپسندیدہ امور میں صرف کیا جائے۔۔یا۔۔ایمان کے بغیر بظاہر اچھے معلوم ہونے والے کاموں میں خرچ کیا جائے، یہ تمام صورتیں ہلاک کرنے میں ایسی ہی ہیں، جیسے مہلک ہوا کھیتی کو تباہ اور نیست و نابود کر دیتی ہے۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی فتنہ انگیزیوں، رسول کریم سے انکی عداوت اور مسلمانوں سے انکی مخالفت کو تفصیلی طور پر بیان فرمادیا، اسکے باوجود بعض صحابہء کرام اپنی نیک نفسی کے سبب اپنے معاملات میں یہودیوں سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اس خیال سے کہ اگرچہ یہودیوں سے ہمارا دینی اختلاف ہے، لیکن وہ اسکے باوجود دنیاوی معاملات اور معاشرتی امور میں ہماری خیر خواہی کریںگے، کیونکہ ایامِ جاہلیت میں ہمارے حلیف بھی رہ چکے ہیں، اسلئے

وہ ہم کو غلط مشورہ نہیں دینگے۔

ایسے ہی بعض صحابہء کرام منافقین سے رازداری کے تعلقات قائم کئے ہوئے تھے، کیونکہ وہ منافقوں کی ظاہری باتوں سے دھوکا کھاجاتے تھے اور انکو انکے دعویٰ ایمان میں سچا تصور کرتے تھے۔۔حالانکہ۔۔۔وہ مسلمانوں سے انکی راز کی باتیں سن کر انکے دشمنوں تک پہنچادیتے تھے۔اسی طرح بعض سیدھے سادھے مسلمان اپنی قرابت ورضاعت ورشتہ داری کی بنیاد پر بعض مشرکین کیلئے اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھتے تھے، چنانچہ ان سے میل وملاپ میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔

اب آگے کے ارشادِ ربانی نے سارے اہل ایمان کو چوکنا کردیا اور ہر طرح کے کافروں کے باطنی حالات کو واضح کردیا اور واشگاف انداز میں ظاہر کردیا، کہ یہ مسلمانوں کے کبھی خیر خواہ نہیں ہوسکتے ،لہٰذا مسلمانوں کو بھی ان پر اعتماد وبھروسہ نہیں کرنا چاہئے،اور ہر حال میں ان سے ایک مناسب دوری بنا کر رہنا چاہئے۔ چند شرطوں کے ساتھ ان سے، وہ بھی کھلے کافروں سے، نہ کہ مرتدین سے، دنیاوی معاملات رکھنے کی اجازت ہے۔لیکن کسی حال میں بھی ان سے دلی دوستی وموالات کی اجازت نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ

اے ایمان والو! نہ بناؤ رازدار اپنے کسی غیر کو، وہ نہ چھوڑ رکھیں گے کچھ

خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا

بدخواہی میں۔ان کی تو آرزو ہے، جتنی دشواری تمہیں ہو۔ان کے منہ سے ان کا بغض ظاہر ہو چکا۔ اور وہ

تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

جو ان کے سینے چھپائے ہیں بہت بڑا ہے، ہم نے ساری نشانیاں تمہارے لیے بیان کردیں، اگر تم عقل سے کام لو●

تو (اے ایمان والو!) صرف اپنے ذاتی حسن ظن کی بنیاد پر دھوکا نہ کھاؤ اور (نہ بناؤ) اپنے دینی۔۔یا۔۔دنیوی معاملات میں (رازدار) مسلمانوں کے سوا' جو تمہارے ابنائے جنس ہیں' (اپنے کسی غیر کو)، خواہ وہ یہودی ہو۔۔یا۔۔منافق۔۔یا۔۔انکے علاوہ عام کافر۔کیونکہ وہ تمہارے خیر خواہ کبھی نہیں ہوسکتے۔چنانچہ (وہ) ہرگز (نہ چھوڑ رکھیں گے کچھ بدخواہی میں)۔فساد وتباہی کے جتنے حربے ہیں، وہ

سب تم پر استعمال کر کے ہی دم لینگے۔ (انکی تو) دلی (آرزو ہے) اور وہ چاہتے ہی ہیں ان امور کو جو تم کو رنج ومشقت میں ڈال دیں۔۔ الغرض۔۔ (جتنی دشواری تمہیں ہو) اور جو چیز تمہیں رنج وتکلیف پہنچائے، وہ سب انکا مدعائے دل اور منتہائے تمنا ہے۔

فضل خداوندی دیکھو، وہ اپنا خبث باطنی چھپا نہ سکے۔ خود (انکے) ہی (منہ سے انکا بغض ظاہر ہو چکا) اور خود انھیں کی باتوں سے مسلمانوں سے انکی عداوت کی علامتیں کھل کر سامنے آگئیں۔

یہودیوں کا ہمیشہ مسلمانوں کا عیب ڈھونڈنا اور منافقوں کا رسول کریم سے ایسی باتیں کرنا جن سے فتنہ وفساد برپا ہو، یہ واضح نشانیاں ہیں کہ مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں۔ انکی عداوتوں کو سمجھنے کیلئے انکی باتوں سے جو کچھ ظاہر ہوا، وہ تو بہت ہی کم ہے۔۔۔

(اور) تھوڑا ہے، اسکے برعکس (وہ جو انکے) لوگ اپنے (سینے) میں (چھپائے ہیں)، وہ تو (بہت) ہی (بڑا ہے) جن سے مسلمانوں سے انکی عداوتیں اظہر من الشمس ہو جاتی ہیں۔

(ہم نے) آشناؤں سے دوستی اور بیگانوں سے دشمنی رکھنے کے تعلق سے (ساری نشانیاں تمہارے لئے بیان کردیں)، جس سے تم بآسانی نفع ونقصان کے موقعوں کو سمجھ سکتے ہو۔ (اگر تم عقل سے کام لو) تو معمولی غور وفکر سے ہی تم پر یہ واضح ہو جائیگا، کہ نفع کے محل دوستان جانی ہیں اور ضرر کے مقام دشمنانِ دلی ہیں۔۔تو۔۔

هَآأَنتُمْ أُولَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَٰبِ كُلِّهِۦ

سنو کہ ایک تو تم ہو تو تم ان کو دوست رکھتے ہو اور وہ تم کو دوست نہیں رکھتے اور تم کل کتاب کو مانتے ہو

وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْا۟ عَضُّوا۟ عَلَيْكُمُ ٱلْأَنَامِلَ مِنَ ٱلْغَيْظِ

اور وہ جب تم سے ملے، تو کہدیا کہ ہم بھی مان چکے۔ اور جب الگ ہوئے تو چباڈالا تم پر انگلیوں کو غصہ سے۔

قُلْ مُوتُوا۟ بِغَيْظِكُمْ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿۱۱۹﴾

کہدو کہ مرجاؤ اپنی جلن میں۔ بے شک اللہ جانتا ہے سینوں والی باتوں کو●

(سنو) اور خبردار ہو جاؤ کہ جفا کاروں سے دوستی کی طرح ڈال کے تم نے زبردست بھول کی۔ تمہاری اپنی سادہ لوحی سے سرزد ہونے والی تم اپنی خطا کاری پر غور تو کرو اور ذرا سوچو تو، (کہ ایک تو تم ہو، تو تم انکو دوست رکھتے ہو، اور) حال یہ ہے کہ (وہ تم کو دوست نہیں رکھتے)۔ انکا رویہ تمہارے حق

میں منافقانہ ہے۔ بھلا یہ کیسے دوست ہیں، جو سب سے بدتر چیز یعنی کفر کی طرف تمہیں بلاتے ہیں۔

سوچو (اور) غور کرو کہ تمہارا حال تو یہ ہے کہ (تم) انکے انبیاء کرام پر، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہر ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہو، اور ایسا نہیں کہ کتاب کے بعض حصے کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں ۔۔ بلکہ۔۔ (کل کتاب کو) یعنی ہر ہر کتاب الٰہی کے ہر ہر حکم کو اللہ تعالیٰ ہی کا حکم اور اسی کا فرمان (مانتے ہو، اور) ان منافقین کا حال یہ ہے کہ بعض کتب الٰہیہ کے منکر ہونے کے باوجود، (وہ جب تم سے ملے تو کہہ دیا کہ ہم بھی) تمہاری طرح تمام کتب الٰہیہ کو (مان چکے) اور ان پر ایمان لا چکے، (اور جب الگ ہوئے) یعنی خلوت میں سب اکٹھا ہوئے، (تو) مسلمانوں کے خلاف شدید غیظ وغضب کا مظاہرہ کیا۔

اپنی حالت اس شخص کی طرح بنالی جو غصے کی شدت میں اپنی انگلیاں چبانے لگتا ہے، تو انکا بھی حال کچھ ایسا ہی ہے، گویا انھوں نے (چباڈالا اتم پر) اپنی (انگلیوں کو غصے سے)۔ اس سے انکی اپنی بے کسی اور بے بسی کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، سوائے اسکے کہ بغض و حسد سے اپنے دل کو جلاتے رہیں۔ تو اے محبوب! (کہہ دو کہ مرجاؤ اپنی جلن میں)، اور تمہارا غیظ و غضب اسقدر زیادہ ہو جائے کہ تم اسکی زیادتی سے ہلاک ہو جاؤ۔

یہ ان کے خلاف بظاہر دعائے ضرر ہے اور حقیقت میں یہ اسلام اور مسلمانوں کی عزت و کرامت میں زیادتی اور انکی سربلندی وسرفرازی کی دعا ہے، کیونکہ انکے غیظ وغضب کا سبب اسلام اور مسلمانوں کی ترقی ہے، اور جوں جوں یہ ترقی زیادہ ہوگی انکا غیظ وغضب زیادہ ہوگا، حتیٰ کہ مسلمانوں کی بہت زیادہ سربلندی اور سرفرازی سے وہ جل بھن کر مر جائینگے۔

اب حاصل ارشاد یہ ہوا کہ 'اے منافقو! تمہارا غصہ بڑھتا رہیگا، جبکہ اسلام کی ترقی ہوتی رہے گی اور اسلام کے ماننے والے ایسے ہی بڑھتے رہیں گے یہاں تک کہ اے منافقو! تم فنا ہو جاؤ گے ۔۔یا۔۔ انکی یہ ترقی تمہیں اے منافقو! برباد کر ڈالے گی' ۔۔ المختصر ۔۔ اس سے انکی لعنت اور پھٹکار کا اظہار ہے، نہ یہ کہ یہ امر ایجابی ہے اور ۔۔ بالفرض ۔۔ یہ انکے مرجانے کا حکم ہوتا، تو وہ اس جملہ کے بعد فوراً مر جاتے۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے سینوں والی باتوں کو) اے منافقو! اللہ تعالیٰ تمہارے دل کے بغض و عداوت کو خوب جانتا ہے اور اسے علم ہے کہ تمہارے دل مسلمانوں کیلئے بغض و عداوت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اے ایمان والو! اپنے اسی دلی بغض وعداوت کے سبب تمہارا دشمنوں پر فتحیاب ہونا،

کفار پر فتح ونصرت کے بعد مال غنیمت کا حاصل ہونا، لوگوں کا تمہارے دین میں جوق در جوق داخل ہونا اور تمہاری خوشحالی۔۔نیز۔۔انکے سوا کوئی فائدہ بخش کام۔۔۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ

اگر تم کو فائدہ ہو تو برا لگے ان کو، اور اگر تم کو کوئی نقصان پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوں۔ اور اگر

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

تم صبر کرو اور پرہیزگاری سے کام لیتے رہو، تو نہ بگاڑ سکے گا تمہارا انکا مکر کچھ۔ بیشک اللہ انکے کرتوتوں کو گھیرنے والا ہے●

ع ۱۲/۱۱

(اگر تم کو) اس میں (فائدہ) حاصل (ہو، تو برا لگے ان) منافقین (کو، اور) اسکے برخلاف (اگر تم کو کوئی نقصان پہنچے)۔۔مثلاً: تمہارے جنگی فوجی کہیں مقید ہوجائیں، تمہیں اپنے دشمنوں سے کوئی دکھ پہنچے، تمہارا آپس میں اختلاف ہوجائے اور تم قحط اور تنگدستی کا شکار ہوجاؤ، وغیرہ وغیرہ (تو اس سے وہ خوش ہوں) اور تمہاری پریشانیوں کی داستانیں سن کر شادیانے بجائیں۔

مسلمانو سنو! (اور) یاد رکھو! کہ (اگر) انکی عداوت اور تکالیف ومشقتوں پر (تم صبر کرو) گے (اور پرہیزگاری سے کام لیتے رہو) گے، اور اپنے کو شرعی محرمات ومنہیات سے بچاتے رہوگے، (تو) یقین کرلو کہ (نہ بگاڑ سکے گا تمہارا انکا مکر کچھ)، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اسکے اس وعدے 'کہ صابرین ومتقین کی حفاظت کی جائیگی' کی وجہ سے منافقین کا داؤں پیچ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا، اسلئے کہ حکم الٰہی کا پابند اور اتقاوصبر کا خوگر، دشمن پر حملہ کرنیکی بہت بڑی جرأت رکھتا ہے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (انکے) جو تمہارے ساتھ دشمنی اور مکروفریب کررہے ہیں (کرتوتوں کو گھیرنے والا ہے)، علم الٰہی کے احاطے سے وہ باہر نہیں۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر تم صبر سے کام لیتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے، تو انکا مکروفریب تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اب اگلی آیتوں میں جنگ بدر اور احد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جنگ احد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ جنگ کی تیاری بھی کرکے گئے تھے، لیکن چونکہ بعض مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی، تو وہ شکست کھاگئے اور جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور وہ چالیس آدمیوں کے ایک تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کیلئے نکلے تھے، کسی بڑے لشکر سے معرکہ آرائی

کرنے کیلئے گھروں سے نہیں نکلتے تھے، لیکن چونکہ سب نے رسول اللہ ﷺ کے احکام پر پورا پورا عمل کیا تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح ونصرت سے نوازا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ فتح کا مدار عددی کثرت اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں ہے، بلکہ اسکا مدار صبر اور تقویٰ ہے، غزوہ بدر میں جسکا لحاظ کیا گیا اور جنگ احد میں جس سے ایک وقت بعض لوگوں سے بے اتفاقی برتنے کی خطا سرزد ہوگئی۔۔ چنانچہ۔۔ تم اپنی توجہ جنگ احد کے واقعات کی طرف مبذول کرو۔۔۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ

اور یاد کرو جب تم صبح کو نکلے اپنے گھر سے کہ بٹھا دو مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں پر،

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

(اور یاد کرو)۔۔نیز۔۔اپنے ساتھیوں کو یاد کراؤ (جب تم) صحیح ترین اور مشہور قول کے مطابق جنگ احد کے ارادے سے ۷ شوال ۳ ہجری کی (صبح کو نکلے) اپنی اہل بیت یعنی حضرت عائشہ کے مکان، بلفظِ دیگر (اپنے گھر سے) مہاجرین وانصار پر مشتمل ایک ہزار کی جماعت لیکر چلے۔

اس میں سے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کچھ آگے چل کر اپنے تین سو پیروکاروں کو لیکر واپس ہوگیا اور حوصلہ شکن باتیں کرنے لگا۔ اس صورت حال کے پیش آجانیکی وجہ سے اب آپکی خدمت میں صرف ساتھ سو اصحاب رہ گئے۔ آپ انھیں کو لیکر احد کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس جنگ کیلئے آپ ﷺ کو اسلئے نکلنا پڑا کہ آپ کو معتبر ذرائع سے یہ اطلاع مل چکی تھی، کہ ابوسفیان نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنیکی غرض سے سوار و پیادے ملا کر تین ہزار افراد لیکر، 'جن میں سات سو آدمی زرہ پوش اور دو سو گھوڑ سوار تھے' میدانِ احد میں پڑاؤ ڈال دیا ہے۔

ابتداءً نبی کریم نے خیال فرمایا کہ ہم مدینہ ہی میں ٹھہرے رہیں، پھر جب وہ اس شہر میں داخل ہوں، تو ان سے قتال فرمائیں۔ کچھ لوگوں نے اسکی رائے بھی دی تھی، لیکن وہ بہادر صحابہ جو جنگ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے، انھوں نے نکلنے میں اصرار و مبالغہ کیا۔ سرکارِ رسالت نے بھی انکے پر خلوص جذبات کو ملاحظہ فرما کر یہی طے فرمالیا، کہ شہر سے باہر ہوکر ہی ان سے مقابلہ کرنا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ منافقین کے نکل جانے کے بعد باقی ماندہ افراد

کولیکر میدانِ احد میں تشریف لے آئے۔

اے محبوب! تمہارا گھر سے نکلنا اسلئے تو تھا (کہ بٹھادو مسلمانوں کو) کفار کے مقابلے میں (جنگ کے مورچوں پر)۔

--چنانچہ--آپ نے مکمل مورچہ بندی فرمادی، وہ اسطرح کہ میمنہ لشکر زبیر بن عوام کے نامزد فرمایا اور میسرہ مقداد بن اسود کو دیا اور قلب حضرت حمزہ کو سپرد کیا اور حضرت علی کو اپنی ملازمت میں متعین کرلیا۔

تو اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال وافعال اور اپنے ارادوں اور نیتوں سے بے خبر نہ سمجھو، اسلئے کہ تم لوگوں نے مدینہ میں رہ کر قتال کرنے--یا--مدینہ سے باہر ہوکر جہاد کرنے کے تعلق سے جو جو کہا ہے (اور) مشورہ دیا ہے، (اللہ) تعالیٰ ان سب کا (سننے والا) ہے اور مشورہ دینے میں تمہاری نیتیں کیا تھیں اور ارادے کیا تھے، ان سب کا (جاننے والا ہے) اپنے علم قدیم سے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ

جبکہ قصد کرلیا تھا تمہارے دو گروہوں نے، کہ بزدلی کر جائیں جبکہ اللہ ان دونوں کا مددگار ہے،

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور اللہ ہی پر ایمان والے بھروسہ رکھیں●

اے محبوب! اس وقت کو بھی یاد کرو اور اپنے اصحاب کو بھی یاددہانی کرادو (جبکہ) عبداللہ ابن ابی کے اپنے گروہ کے ساتھ پلٹ جانے کو دیکھ کر (قصد کرلیا تھا)، قبیلہ اوس کے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنو سلمہ--الغرض--(تمہارے دو گروہوں نے) پست ہمتی کا، اور سوچنے لگے (کہ بزدلی کر جائیں) حالانکہ منافقین کے طرز عمل کو دیکھ کر انھیں بھاگنے اور پھر جانے کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے (جبکہ اللہ) تعالیٰ (ان دونوں کا مددگار ہے) اور انکا یار اور نگہبان ہے۔ (اور) جب اللہ تعالیٰ سارے مومنین کا یار و مددگار ہے، تو شایانِ شان بات یہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی پر ایمان والے بھروسہ رکھیں)، اور اسی کی ذات پر توکل کریں، تاکہ وہ انھیں فتح و نصرت سے نوازے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور بے شک مدد دی تم کو اللہ نے بدر میں، جب کہ تم بے سروسامان ہو۔ تو ڈرو اللہ کو کہ اب شکرگزار ہو جاؤ●

اہل ایمان کے دلوں میں خدائے تعالیٰ کی کامل خشیت (اور) اسکی ذات پر پورا توکل کرنے ہی کا یہ ثمرہ تھا، کہ (بیشک مدد دی تم کو اللہ) تعالیٰ (نے) فرشتوں کے ذریعہ (بدر میں)، اس وادی میں جہاں بدر بن کلدہ نے ایک کنواں کھدا رکھا تھا، جس کنویں کا نام ہی بدر پڑ گیا اور پھر پوری وادی ہی کو بدر کہا جانے لگا، ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری کو جب اس میدان میں اس حال میں (جبکہ تم بے سرو سامان ہو) تمہارا نزول ہوا۔

مال واسباب اور آلات حرب وضرب کی قلت کا یہ حال تھا، کہ تمہارے پاس معمولی چند سواریاں تھیں جن پر باری باری تم سوار ہوتے تھے، صرف حضرت مقداد بن الاسود ہی تھے جنکے پاس ایک گھوڑا تھا۔ یہ پہلا وہ خوش بخت گھوڑا تھا جس پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ لڑی گئی۔ اسکے سوا ستر اونٹ، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔۔۔ نیز۔۔۔ کل تین سو تیرہ نفوس مقدسہ تھے، ان میں چھہتر ۷۶ مہاجرین، باقی سب انصار تھے اور انکے بالمقابل دشمنوں کا یہ حال تھا کہ انکے ایک ہزار جنگی فوجی تھے، انکے ساتھ ایک سو گھوڑے اور پھر ساز و سامان کی فراوانی تھی۔ اس غزوۂ بدر میں حضور ﷺ کا جھنڈا، حضرت علی کے دست پاک میں تھا اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ کے مبارک ہاتھ میں تھا۔۔ الختصر۔۔ غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے مسلمانوں کی ثابت قدمی، اور نبی کریم کی اطاعت نے انھیں کامیابی سے ہمکنار کردیا۔

(تو) اے ایمان والو! (ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) اور مشرکوں کی کثرت اور منافقوں کی مراجعت سے بددل نہ ہو جاؤ، بلکہ رسول پاک کے ساتھ ثابت قدم رہو، جیسے تم نے غزوۂ بدر میں خوفِ خدا دل میں رکھ کر ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا، تا (کہ) تمہارے تقویٰ وتوکل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں نعمتوں سے خوب خوب نوازے، اور تم اسکا شکر ادا کر کے (اب شکر گزار ہو جاؤ)۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ

جب تم کہہ رہے تھے مسلمانوں کو کہ کیا تمہیں کافی نہیں کہ مدد فرمائے تمہاری

رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ﴿۱۲۴﴾

تمہارا پروردگار، تین ہزار فرشتوں سے، جو اتارے گئے ہوں●

اے محبوب! یاد کرو اس وقت کو (جب تم کہہ رہے تھے مسلمانوں کو) جب انھوں نے جنگ کرنے پر عاجزی کا اظہار کیا، (کہ کیا تمھیں کافی نہیں) ہے (کہ مدد فرمائے تمہاری تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے، جو اتارے گئے ہوں) آسمان کی بلندیوں سے۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

ہاں ہاں اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو، اور سب دشمن آپڑیں تم پر اسی دم، تو مدد کریگا تمہاری

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

تمہارا رب پانچ ہزار نشانی والے فرشتوں سے●

(ہاں ہاں) کیوں نہیں کفایت فرمائیگا، بشرطیکہ تم دشمنوں کے ملنے اور انکے مقابلے کے وقت (اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو)، یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے ڈرو، (اور) سن لو کہ اگر اب (سب دشمن آپڑیں تم پر اسی دم)، یا جب بھی آئیں، (تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار نشانی والے فرشتوں سے)، جو اپنی خاص شناخت اور اپنے گھوڑوں کی پہچان کیلئے، انکی مخصوص علامت اور نشان کے ساتھ اترینگے۔

ملائکہ کے نزول کے وعدہ کو پہلے بیان کرنے میں یہ حکمت ہے، کہ خوش خبری سن کر انکے دل مضبوط ہو جائیں اور ثابت قدمی کا عزم بالجزم کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد سے قوت پالیں ---الغرض--- اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے کھلم کھلا مدد فرمائی۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ

اور نہیں کیا اسکو اللہ نے مگر خوش کرنے کو تمہیں، اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ ۙ

اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کے پاس سے، غلبہ والا حکمت والا●

(اور نہیں کیا) ملائکہ کے ذریعے (اس) مدد (کو اللہ) تعالیٰ (نے مگر خوش کرنے کو تمہیں اور) اسلئے (تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں) جیسے نزول سکینہ بنی اسرائیل کے دلوں کا سکون بنا۔ ملائکہ کی غائبانہ مدد، وہ بھی تمہارے ساتھ رہ رہ کر، یقیناً تمہیں اپنی فتح و کامیابی کا یقین دلاتی ہے، جو حالت

جنگ میں تمہاری ثابت قدمی کا سبب ہے۔
بنیادی طور پر ملائکہ کرام کو مومنین کی اسی سکون قلبی، ثابت قدمی کی ترغیب اور یقینی طور پر فتح و کامیابی حاصل ہوجانیکی بشارت ہی کیلیئے نازل فرمایا گیا۔ انکے نازل کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ سارے کافروں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے میدان کو صاف کر دیں اور مسلمانوں کو قتال کرنیکی زحمت ہی نہ دیں، اور اگر یہی مقصود ہوتا تو پھر اس کام کیلیئے ایک فرشتہ ہی کافی تھا۔
مومنین نے بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ فرشتوں کی امداد کی نوعیت کیا ہوگی، جبھی فرشتوں کے نزول کی خوشخبری سننے کے بعد انھوں نے حضور ﷺ سے یہ عرض نہیں کیا کہ سرکار جب قتال و جہاد کیلیئے فرشتے ہی آرہے ہیں، پھر ہماری کیا ضرورت کہ ہم میدانِ جنگ میں اتریں؟ وہ خوب سمجھ رہے تھے قتال و جہاد ہم ہی پر فرض ہے اور ہم ہی کو یہ کام انجام دینا ہے۔۔ہاں۔۔ فرشتوں کے نزول سے ہمیں یہ یقین حاصل ہوگیا، کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ ہے، توانشاء المولیٰ تعالیٰ فتح و کامرانی ہمارا ہی مقدر ہے۔
اب اگر صرف بعض غیر معروف کافروں کو قتل کردینے کا اذن الٰہی بعض فرشتوں کو مل گیا ہو اور پھر انھوں نے انھیں قتل بھی کردیا ہو، تو اس میں بھی حکمت یہی ہے کہ دیکھنے والوں کا سکون و اطمینان دوبالا ہوجائے، اور انھیں فرشتوں کے ذریعے خدائی مدد کا یقین ہی نہیں بلکہ عین الیقین حاصل ہوجائے۔۔علاوہ ازیں۔۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر کوئی جماعت کسی کو قتل کرنے کو نکلے، تو اسکا ہر ہر فرد اپنے ارادۂ قتل کے سبب۔۔یا۔۔کم از کم قتل کی حمایت کی وجہ سے قاتل ہی قرار دیا جائیگا۔ خواہ قتل کسی نے بھی کیا ہو۔
اسی لئے قاتلین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں ان تمام لوگوں کو شمار کیا جاتا ہے، جنھوں نے آپکو شہید کردینے کے ارادے سے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا، گو شہید کرنے والا شخص ایک ہی تھا، جو اتفاق سے سب سے پہلے آپ تک پہنچ گیا۔۔بالفرض۔۔اگر اس گروہ کا دوسرا فرد وہاں پہنچ جاتا، تو وہ بھی یہی کرتا جو پہلے نے کیا۔۔یونہی۔۔اگر قاتلین امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی فہرست تیار کی جائیگی تو اس میں ان تمام لوگوں کا نام لکھا جائیگا جو امام کو شہید کرنے کیلیئے میدانِ کربلا میں اکٹھا ہوئے تھے۔۔بلکہ۔۔جسکے حکم اور جسکی ایما پر یہ فعل قبیح انجام دیا گیا، اسکو بھی قاتل امام ہی سمجھا جاتا ہے اسلیئے ابن زیاد اور یزید کو میدانِ کربلا میں موجود نہ ہونے کے باوجود قاتل امام ہی قرار دیا گیا ہے۔۔۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کا کردار تو ان واقعات سے زیادہ واضح اور صاف ہے کہ اگر انھوں نے ایک طرف قتال کرنے والے مجاہدین کے ساتھ رہ رہ کر انکی ہمنوائی اور حوصلہ افزائی کی، تو دوسری طرف حکمت الٰہی کے پیش نظر، اذن خداوندی سے چند کفار کو اپنے حرب وضرب کا نشانہ بنا کر نصرتِ الٰہی کو مومنین کا چشم دید بنا دیا۔۔الغرض۔۔وہ غزوۂ بدر میں جنگ کرنے میں مومنین کے شریک رہے۔۔بایں ہمہ۔۔یہ بات صحیح ہے کہ اکثر وبیشتر کافروں کو مومنین ہی نے قتل کیا اور انکو انکے کیفر کردار تک پہنچایا، خاص کر کفار کے ان متکبرین کو جنکا شمار سردارانِ قریش میں ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا وضاحت سے ان تمام احادیث وروایات کی صحت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے جن میں غزوۂ بدر کے موقع پر فرشتوں کے حرب وضرب کا ذکر ہے۔اب اس بات کی ضرورت نہیں رہ جاتی، کہ عقلی موشگافیوں کا سہارا لیکر اس تعلق سے جمہور علماء وائمہ کرام کے مسلک سے عدول کیا جائے۔یہ مسلک قرآن کریم کی ہدایت کے بھی خلاف نہیں۔۔بلکہ۔۔سورہ انفال کی آیت ۱۲ کے ظاہری معنی سے اسی مسلک کی تائید ہو رہی ہے۔اس مقام پر آیت قرآنی کی ظاہری عبارت سے جو سمجھا جارہا ہے، اس سے ہٹ کر ظاہر کے خلاف تاویلی معنی کو منوانے کی کوشش میں قرآن کریم کو اپنے ذاتی نظریہ کے مطابق کرنیکی بو آرہی ہے۔اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ فرشتوں کے نزول کی حیثیت، فتح ونصرت کے اسباب میں صرف ایک سبب کی ہے۔

(اور) حقیقی طور پر **(نہیں ہے)** کوئی اور کسی طرح کی **(مدد)** ہونے والی **(مگر اللہ)** تعالیٰ **(کے پاس)** اور اسکی جانب **(سے)** نہ کہ ساز وسامان سے اور نہ ہی لشکر کی کثرت سے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ مدد دینے کیلئے کسی سبب کا محتاج نہیں، وہ بغیر سبب بھی مدد فرما سکتا ہے۔ اب اگر کوئی سبب بنایا گیا ہے، تو تمہارے خوش کرنے کیلئے ہے، تا کہ تمہارے دل مضبوط ہو جائیں، یعنی اسباب اسلئے بنائے گئے ہیں کہ عوام کے دل اسباب دیکھ کر ہی خوش ہوتے ہیں۔ مومن کو چاہئے کسی سبب پر سہارا نہ کرے۔اللہ تعالیٰ کی مدد بغیر سبب کے بھی پہنچ سکتی ہے۔

بیشک وہ **(غلبہ والا)** ہے۔ایسا غالب جو مغلوب ہوتا ہی نہیں۔اسکے حکم اور فیصلے کے آگے سبھی کو سرنگوں ہونا پڑتا ہے اور بڑا ہی **(حکمت والا)** ہے۔اسکا ہر کام مبنی برحکمت ہوتا ہے، خواہ وہ غزوۂ بدر کی فتح ہو یا غزوۂ احد کی شکست۔اب اگر اس نے تمہیں جنگ بدر میں کامیابی عطا فرمائی تو وہ اسلئے۔۔۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَآئِبِينَ ﴿١٢٧﴾

تا کہ کاٹ دے ایک کنارہ ان کا جنھوں نے کفر کیا، یا ان کو ذلیل وخوار کر دے تو وہ لوٹیں نامراد ہو کر ●

(تا کہ) نیست و نابود کر دے، ہلاک کر دے، گھٹا دے اور (کاٹ دے ایک کنارہ انکا جنھوں نے کفر کیا)، یعنی کفار کے ایک گروہ کو قتل کر کے، یا قید کر کے۔۔ چنانچہ۔۔ایسا ہی ہوا کہ انکے ستر بڑے سردار مارے گئے اور ستر قیدی ہوئے (یا انکو ذلیل وخوار کر دے، تو وہ لوٹیں نامراد ہو کر) اپنے غیظ وغضب میں جل بھن کر، سینہ کوبی کرتے ہوئے، اپنی ساری آرزوؤں سے ناامید ہو کر۔

حق تعالیٰ نے احد کے قصے میں بدر کا قصہ اس واسطے ذکر فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صبر وشکر دونوں کریں، اسلئے کہ ان دونوں قصوں میں سے ایک میں تو فتح ہوئی اور غنیمت ہاتھ لگی، اس پر شکر کرنا چاہئے اور دوسرے میں قتل اور ہزیمت ہوئی، اس پر صبر چاہئے۔

جنگ احد کا حال مجملاً یہ ہے کہ جب مجاہدین اسلام صفیں برابر کر کے لڑنے کیلئے کھڑے ہوئے، تو قریش کے علمدار ایک کے بعد ایک قتل ہو گئے اور مکہ کے لشکر نے ہزیمت پائی۔ اہل مدینہ انکے لشکر گاہ میں گھسے اور لوٹنا شروع کیا اور تیر اندازوں کی وہ جماعت جس سے درّہ کوہ کی حفاظت متعلق تھی، باوصف اسکے کہ جناب رسالتمآب ﷺ نے کمال اصرار اور تاکید سے انھیں فرمادیا تھا کہ ہم غالب ہوں خواہ مغلوب، زنہار تم یہاں سے قدم نہ اٹھانا، مگر مال غنیمت کی امید پر لشکر گاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

ہر چند کہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے باصرار تمام منع کیا اور حضرت ﷺ کی تاکید یاد دلائی، مگر ان لوگوں نے ایک نہ سنی، اور تھوڑے آدمی جو دس سے کم تھے انکے ساتھ ٹھہرے، باقی لوگوں نے اپنے امیر کی بات پر التفات نہ کی۔اور لوٹ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

حکم نبوی کے خلاف کرنے کی شامت لشکر اسلام پر آپہنچی اور خالد ابن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل جو بھاگ جانے کا ارادہ رکھتے تھے، انھوں نے جب درّہ کوہ کو نگہبانوں سے خالی دیکھا، تو گروہ کفار کے ساتھ عبداللہ بن جبیر کے سر پر آپڑے اور انھیں انکے ساتھیوں سمیت شہید کر ڈالا اور پشت کی جانب سے لشکر اسلام پر آپڑے اور فتح الٹی ہو گئی۔ یہ خبر بھاگے ہوئے کافروں کو پہنچی، وہ سب لوٹ پڑے اور مسلمانوں کو گھیر لیا اور سید الشہداء حضرت حمزہ اور بعضے اصحاب نے جام شہادت پیا اور کچھ صحابہ کے قدم اکھڑ گئے اور صحابہ کی ایک جماعت حضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہی اور جانثاری پر آمادہ ہو گئی۔

القصہ لڑائی کا یہ انجام ہوا کہ ان بدگوہروں کے پتھر سے رسول مقبول ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوگیا۔ اور حضرت ﷺ شہیدوں میں گر پڑے اور پھر صحابہ کی ایک جماعت کی مدد سے اُحد کے ایک طرف تشریف لے گئے اور کفار لوٹ کر مکہ کی جانب چلے۔ حضرت ﷺ نے جب اپنے چچا کی شہادت اور انکی لاش سے کفار کی بے ادبیوں کی خبر پائی اور بعض شہیدوں کا یہی حال سنا، تو آپ کے دل مبارک میں گزرا کہ ان گمراہوں پر نفریں اور دعائے ہلاکت کریں، تو بارگاہِ خداوندی سے، اس آیت نے نزول اجلال فرمایا کہ۔۔۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ

نہیں ہے تمہاری ذمہ داری اس بارے میں کچھ کہ یا اللہ توبہ کرا لے ان سے یا

يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲۸﴾

عذاب دے ان کو، کیوں کہ وہ سب ظالم ہیں●

(نہیں ہے تمہاری ذمہ داری اس بارے میں کچھ) یعنی اس گروہ کو تباہ کر دینا۔۔یا۔۔ صلاحیت پر لانا، تمہارے اختیار میں نہیں ہے کیوں (کہ) یہ دونوں باتیں خدا ہی کے اختیار میں ہیں، تواب (یا) تو (اللہ) تعالیٰ چاہے اور (توبہ کرا لے ان سے۔۔یا۔۔عذاب دے انکو) اگر وہ اپنے کفر پر مصر رہیں (کیونکہ وہ سب ظالم ہیں) کہ جسکی عبادت نہیں کرنی چاہئے، اسکی عبادت کر رہے ہیں۔

۔۔المختصر۔۔نصرتِ الٰہی سے صنادید قریش کے قتل ہو جانے سے کفار کا پایہء دولت ٹوٹ جانا۔۔یا۔۔کفار کا لشکر اسلام کے سامنے سے فرار ہو جانا۔۔یا۔۔رب کریم کا انھیں توبہ کی توفیق عطا فرمانا اور انکا مسلمان ہو جانا۔۔یا۔۔کفر پر مصر ہونے کی صورت میں ان پر عذاب نازل فرمانا، ان میں ہر ایک شکل اہل اسلام کی فتح و کامیابی کی ہے، جو رب کریم کی طرف سے ہے۔ اور اسی کی مشیت کے تحت ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ خالق کل، مالک کل، قادر مطلق وہی ہے۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ بخشے جسے چاہے، اور عذاب دے

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٢٩

جس کو چاہے۔اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے) پیدائش اور ملکیت کے لحاظ سے (جو کچھ) اور جتنے موجودات ہیں (آسمانوں) میں (اور) یوں ہی (جو کچھ) از قسم موجودات (زمین میں ہے)۔۔الغرض۔۔سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہیں، اسکے سوا ذاتی طور پر کسی کو بھی دخل نہیں۔تمام امور اسی کے، ہیں تو وہ (بخشے جسے چاہے)۔جسے بخشنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے۔اسکی مشیت ہزاروں حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتی ہے (اور عذاب دے جس کو چاہے)۔

مغفرت کو عذاب پر اسلئے مقدم کیا ہے کہ اسکی رحمت و مغفرت اسکے غضب سے سابق ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ اپنے دوستوں کو (بخشنے والا) ہے اور اپنے بندوں پر (رحمت) نازل فرمانے (والا) بڑا مہربان (ہے)۔

۔۔۔المختصر۔۔۔اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے لیکن اسکی رحمت و مغفرت کو غلبہ حاصل ہے، وہ بھی 'علی سبیل الوجوب' یعنی لازمی طور پر نہیں، بلکہ 'علی سبیل الفضل والاحسان' یعنی فضل و کرم کے طور پر ہے، تو سمجھدار انسان کو چاہئے وہ ایمان کی سلامتی کے ساتھ ایسے اعمال کیلئے جدوجہد کرتا رہے جن سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جائے۔ویسے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اسلئے کہ اسکی رحمت سے کفار ہی ناامید ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ غزوۂ احد میں شکست کی وجہ مال دنیا کی محبت تھی جبھی تو مالِ غنیمت لوٹنے کیلئے مجاہدین خود رسول اللہ ﷺ کے حکم کی بھی تعمیل نہ کر سکے اور مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے، تو ضرورت تھی انکو ہوشیار کر دیا جائے اور حفظ ماتقدم کے طور پر انھیں خبردار کر دیا جائے، کہ جس طرح غزوۂ احد میں مال کی محبت میں تم رسول کریم کے حکم کا پاس و لحاظ نہ کر سکے، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ مال کی محبت تمھیں غلط طور پر مال حاصل کرنے پر آمادہ نہ کر دے، اور تم سودی کاروبار نہ شروع کر دو، اور پھر اسکے لئے سودی کاروبار کرنے والے کافروں سے راہ و رسم نہ بڑھا لو۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠

اے ایمان والو! مت کھاؤ سود دونا دون۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور اللہ کو ڈرو کہ اب مراد کو پا جاؤ●

(اے ایمان والو! مت کھاؤ) اور نہ استعمال کرو (سود) کے ذریعہ حاصل کردہ مال کو، خواہ وہ سود مفرد ہو جس میں اصل رقم مثال کے طور پر سو روپے ہو اور قرض خواہ اس رقم پر مقروض سے دس فیصد سالانہ کے حساب سے سود وصول کرے، اور خواہ وہ سود (دونا دون) ہو، یعنی سود مرکب ہو۔

جسکی شکل یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو۔۔مثلاً: ایک سال کی مدت کیلئے دس روپے کی زیادتی پر سو روپے قرض دے اور اگر ایک سال کے بعد مقروض قرض ادا نہ کر سکے، تو اب قرض خواہ ایک سو دس روپے پر، دس روپے فیصد کے حساب سے سالانہ سود مقرر کر دے اور اسی طرح ہر سال کرتا رہے۔۔یا۔۔یہ کہے کہ تمھیں ایک سال کی مزید مہلت دیتا ہوں، مگر تمہیں سو روپے کے بجائے دو سو روپے دینے ہونگے۔ اسی طرح عدم ادائیگی کی صورت میں ہر سال سو روپے کا اضافہ کرتا چلا جائے۔ یہی 'سود در سود' ہے اسی کو 'سود مرکب' کہتے ہیں۔ آیت زیر تفسیر بنیادی طور پر اسی سود مرکب کی حرمت کیلئے نازل فرمائی گئی۔ رہ گئی مطلقاً سود کی حرمت، خواہ وہ مفرد ہو یا مرکب ہو، تو اسکا ذکر سورہ بقرہ آیت ۲۷۴ میں واضح طور پر کیا جا چکا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔اے ایمان والو! سمجھ سے کام لو (اور اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) جن جن باتوں سے اس نے منع فرمایا ہے انکے قریب نہ جاؤ اور اپنے کو ان سے بچاتے رہو، تا (کہ اب) تم اپنی (مراد) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی نجات (کو پا جاؤ)۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے●

(اور) اپنے کو بداعمالیوں، بدکاریوں، حرام خوریوں اور حرام کاریوں سے مکمل طور پر بچا کر (بچو اس آگ سے جو) بنیادی طور پر (تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے) انکو دائمی عذاب دینے کیلئے۔ لیکن بداعمال اور بدکردار مسلمانوں کو بھی، انکی گناہوں سے تطہیر کیلئے، اس میں ڈالا جا سکتا ہے۔ تو پھر ایسے برے اعمال سے اپنے کو بچانا ضروری ہے جو اس آگ میں جانے کا مستحق بنا دیں۔ اس کیلئے ضروری ہے۔۔۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور فرماں برداری کرو اللہ اور رسول کی کہ اب تم رحم کیے جاؤ●

(اور) لازمی ہے کہ (فرمانبرداری کرو اللہ) تعالیٰ کی، قرآن کے جملہ اوامر ونواہی اور اسکے جملہ احکام کی پیروی کر کے، (اور) اطاعت کرو اسکے (رسول کی) جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اوامر و نواہی کے پیغامات لائے ہیں، تا (کہ اب تم) اس اطاعت وفرمانبرداری کے نتیجہ میں (رحم کیے جاؤ) یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہو جاؤ۔

اے ایمان والو! اللہ ورسول کی اطاعت کی توقع تمہیں سے کی جاسکتی ہے، اسلئے کہ وہ کفار جو سودی کاروبار اور سودخوری میں اسقدر منہمک ہیں کہ اسکو چھوڑنا ہی نہیں چاہتے، ان سے تو طاعت الٰہی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، تو اے ایمان والو! اللہ ورسول کی اطاعت کرتے رہو، اور کسی حال میں بھی اس سے غفلت نہ برتو۔ اب اگر خدانخواستہ تم میں سے کوئی ایمان لانے کے باوجود ایسے گناہ میں مبتلا ہو گیا، تو اس نے اپنے کو خود ہی رحمت الٰہی سے دور کرلیا ہے، اسلئے اسطرح کے گناہ میں مبتلا ہونے والے کو رحمت سے محروم رکھا گیا ہے۔ تو اے ایمان والو! ہوش وحواس سے کام لو۔۔۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ

اور تیزی کرو بخشش کی طرف اپنے رب کی، اور جنت کی طرف، جسکی چوڑائی ہے سارے آسمان

وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور زمین، تیار رکھی گئی ہے پرہیزگاروں کیلئے●

(اور تیزی) کا مظاہرہ (کرو بخشش) اور مغفرت کی جانب لیجانے والی راہ (کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف)، یعنی ایسے اعمال کی طرف عجلت کرو جو تمہیں مغفرت وجنت کا مستحق بنا دیں ۔۔۔مثلاً: ایمان کی سلامتی کے ساتھ توبہ واخلاص، ادائے واجبات اور ترک منکرات میں سستی اور غفلت سے کام نہ لو۔ کون سی جنت؟ جو پیدا کی جاچکی ہے۔ ایسا نہیں کہ پیدا کی جائیگی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جس شے کا عرض یہی عالم ہو، لازم ہے کہ وہ اس عالم سے خارج ہو۔ یہ جنت (جسکی چوڑائی ہے سارے آسمان اور زمین) یعنی اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کے تمام طبقات کو پھیلا دیا جائے تو وہ جنت

کاعرض ہوگا، اور جسکے عرض کی اسقدر وسعت ہے، اسکے طول کا کیا عالم ہوگا۔

کوئی صاحب فہم اپنے فہم مستقیم سے اسکا اندازہ لگانا بھی چاہے تو نہیں لگا سکتا۔ یہ سارا بیان بطور تمثیل ہے۔ ظاہر ہے اس دنیا والوں کو سمجھانے کیلئے مثال میں اسی چیز کو پیش کیا جاسکتا ہے جو کسی نہ کسی حد تک انکے علم وادراک کے دائرے میں ہو۔۔الغرض۔۔عالم غیب کی کسی چیز کی مثال عالم شہادت کی کسی چیز سے دینا، صرف تقریب فہم کیلئے ہوتا ہے، اس سے اس شے کی حقیقت و ماہیت سے باخبر کرنا مقصود نہیں۔ اس مقام پر صرف یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ جس طرح گردش فلک سے عالم کے ایک کنارے دن ہے اور دوسرے کنارے رات واقع ہے اسی طرح چودہ طبقات کی بلندی کے کنارے بہشت ہے، تو نیچے کے کنارے جہنم ہے۔

۔۔۔المختصر۔۔۔ یہ جنت جسکا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے **(تیار رکھی گئی ہے پرہیزگاروں کیلئے)** جو کفر وشرک سے اپنے کو بچائے ہوئے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ

جو خرچ کریں خوشحالی میں اور تنگدستی میں، اور پی جانے والے غصہ کو،

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور معافی دینے والے لوگوں کو، اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو●

(جو خرچ کریں خوش حالی میں اور تنگدستی میں) ۔۔۔الغرض۔۔۔تو نگری ہو یا درویشی، صحت ہو یا مرض، گرانی ہو یا ارزانی اور خوشی ہو یا رنج، ہر حال میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں **(اور پی جانے والے)** ہیں **(غصے کو)**، یعنی غصے کو روکنے والے ہیں، باوجود اسکے کہ اسکو جاری کرنیکی قدرت رکھتے ہیں **(اور معافی دینے والے)** ہیں ان **(لوگوں کو)**، جن سے انکو چھوٹی۔۔یا۔۔بڑی کوئی تکلیف پہنچی، خواہ وہ انکے غلام ہوں۔۔یا۔۔ان پر ظلم کرنے والا کوئی اور شخص، **(اور)** وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو)**، اور انھیں بہت بڑا اجر وثواب اور بہت ہی بڑا مرتبہ عطا فرماتا ہے۔

خیال رہے کہ احسان میں سب سے بہتر قسم یہ ہے، کہ ان لوگوں کے ساتھ بھلائی کرے جنھوں نے اسکے ساتھ برائی کی ہو۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ

اور وہ جو کر گزرے کوئی بے حیائی یا ظلم کر بیٹھے اپنے اوپر، تو یاد کیا اللہ کو

فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫

پھر بخشش چاہی اپنے گناہوں کی، اور کون بخشے گناہ سوا اللہ کے۔۔۔

وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور اصرار نہ کیا اس پر جو کر گزرے دیدہ ودانستہ●

(اور وہ جو کر گزرے کوئی بے حیائی) ناشائستہ کام، گناہ کبیرہ، سہواً گناہ اور بدکاری کر کے (یا ظلم کر بیٹھے اپنے اوپر) عمداً گناہ، گناہ صغیرہ، غیر شریفانہ بات اور بدکاری کی طرف لیجانے والے وہ امور جو اس سے مقدم ہوتے ہیں۔۔۔ مثلاً: بوس و کنار اور بدنظری وغیرہ کو انجام دے کر۔۔۔ الغرض۔۔۔ اولاً اپنے اوپر ظلم کیا، (تو) پھر (یاد کیا اللہ) تعالیٰ کے عذاب وعتاب (کو) جو ظالم بندوں کے ساتھ ہوگا، کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اور پھر یاد کیا رب کریم کے اس وعدہ مغفرت کو جو استغفار کے ساتھ لگا ہوا ہے، (پھر بخشش چاہی اپنے گناہوں کی) طلب مغفرت کیلئے، بارگاہِ خداوندی میں آنے کے سوا چارۂ کار ہی کیا ہے، کیونکہ (اور کون) ہے جو (بخشے گناہ سوا اللہ) تعالیٰ (کے)۔

اس میں بندے کو توبہ کی ترغیب اور رحم وفضل پر امید کی تحریص اور یاس ونا امیدی سے اپنے کو دور رکھنے کا سبق دیا گیا ہے۔۔۔ المختصر۔۔۔ مذکورہ بالا مغفرت چاہنے والے بندوں نے اپنے گناہوں سے مغفرت چاہ لی۔

(اور) پھر (اصرار نہ کیا اس پر جو کر گزرے دیدہ ودانستہ)، یعنی پھر دوبارہ اس کام کے قریب نہیں گئے اور اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کیا۔

اُولٰٓىِٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

وہ ہیں کہ بدلہ اُن کا بخشش ہے ان کے پروردگار کی اور جنتیں ہیں، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں اس میں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾

ہمیشہ رہنے والے۔ اور کیا خوب اجر ہے کارگزاروں کا●

یہی (وہ) لوگ (ہیں کہ بدلہ) دل کی سچائی کے ساتھ (ان) کے توبہ واستغفار (کا) عفو و

درگزر اور (بخشش ہے انکے پروردگار کی)۔ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا سایہ ہے۔(اور) آخرت میں ان کیلئے (جنتیں ہیں) شاندار باغات ہیں (بہتی ہیں جنکے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں)۔وہ خوش نصیب لوگ (اس میں ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اور) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ مغفرت وجنت (کیا) ہی (خوب اجر ہے) ایمان کی سلامتی کے ساتھ نیک اعمال انجام دینے والے (کارگزاروں کا)۔انھیں ایسا ذخیرہ نصیب ہوگا جس میں کبھی کمی نہیں ہوگی، ایسا اجر ملے گا جس میں کسی طرح کا نقص نہیں ہوگا، ایسے باغات حاصل ہونگے جنکی کوئی انتہا نہ ہوگی اور ایسی لذات پائینگے جو کبھی ختم نہ ہونگی۔

اس مقام پر یہ بھی خیال رہے کہ صرف زبانی استغفار کا دل پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی اس سے گناہ زائل ہوتے ہیں، وہ تو صرف زبان کی لذت کیلئے ہوتا ہے،اسکوُ کذابوں کی توبہ، یعنی جھوٹی توبہ کہا جاتا ہے۔لہٰذا توبہ جو رب کریم کے فضل وکرم کا مُستحق بناتی ہے، وہ وہی ہے جو دل کی سچائی کے ساتھ ہو، جس میں اپنے گناہوں پر کامل ندامت ہو اور آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو۔اس سے پہلے مسلمانوں کی وہ لغزشیں بیان فرمائیں تھیں جنکی وجہ سے مسلمانوں کو جنگ احد میں شکست ہوئی تھی اور آئندہ کیلئے اس قسم کے کاموں سے منع فرمایا تھا اور ایسے کاموں کی ترغیب دی تھی، جن کے کرنے سے مسلمان اپنی شجاعت کے جوہر دکھائیں اور جہاد میں کافروں کے خلاف فتح حاصل کریں۔

اب اس سلسلے میں مزید ہدایت دینے کیلئے فرمایا ہے کہ جو لوگ اسلام کی صداقت کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار ہیں، وہ زمین پر چل پھر کر دیکھ لیں کہ جن لوگوں نے گزشتہ زمانوں میں اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی، وہ کس طرح عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے اور اب بھی مختلف علاقوں میں ان پر کیے ہوئے عذاب کے آثار موجود ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور معصیت سے توبہ کرنے والوں سے مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا تھا، اب اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ پچھلی امتوں میں سے اطاعت گزاروں اور نافرمانوں کے احوال اور آثار کا مشاہدہ کرو، تاکہ اللہ کی اطاعت کرنے اور اسکی معصیت سے بچنے کی مزید ترغیب اور تحریک ہو۔تو اچھی طرح جان لو کہ۔۔۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا

ہو چکے ہیں تم سے پہلے بھی کچھ طریقے، تو زمین کی سیر کرو، پھر دیکھو کہ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۳۷﴾

کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا●

(ہو چکے ہیں تم سے پہلے بھی) گزشتہ انبیاء کرام کے زمانے میں جھٹلانے والی قوموں کی تباہی و بربادی کے معاملات سے متعلق اللہ تعالیٰ کے مبنی برحکمت (کچھ طریقے)، جو ان قوموں کے مطابق تھے۔
یعنی اللہ تعالیٰ نے حکمت سے اپنا حکم نافذ فرمایا اور ان پر عذاب نازل فرمایا اور اب اگر کسی کو ان پر عذابِ الٰہی نازل ہونے میں شک ہو اور گھر بیٹھے انکے حالات کے جاننے کا اسکے پاس کوئی معتبر ذریعہ نہ ہو۔
(تو) اس سے کہو کہ چلو (زمین کی سیر کرو) اور جا بجا ان پر ہونے والے عذاب الٰہی کے آثار و باقیات کا مشاہدہ کرو، (پھر) اسطرح اپنی چشم علم وادراک سے (دیکھو کہ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والونکا)
اب تک جو احد اور بدر کے قصے میں گزرا۔۔۔یا۔۔۔گزری ہوئی امتوں اور زمانہ کے واقعوں کی یہ تشریح جو ہم نے بیان کی۔۔۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۸﴾

یہ صاف بات ہے لوگوں کیلئے اور ہدایت ونصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے●

(یہ) سارا کلام واضح اور (صاف بات ہے) عام (لوگوں کیلئے) جس سے عام آدمی پر بھی حق بات ظاہر ہو جاتی ہے اور انکے سارے شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔
اگرچہ نظر کرنے اور سیر کرنے کا حکم صرف مومنوں کو ہے، لیکن اسکے موجب پر عمل کرنا کسی مخصوص جماعت کے ساتھ خاص نہیں۔ اس میں خود مکذبین کو بھی عبرت کی دعوت ہے کہ ان سے پہلے لوگوں کا جو بد انجام ہوا، انکا بھی ایسے ہی ہوگا، تاکہ انکی تباہی و بربادی دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ اگرچہ یہ کلام ان کیلئے بیان نہیں کیا گیا۔
۔۔المختصر۔۔ یہ کلام حق ظاہر کرنے والا ہے۔ (اور ہدایت) یعنی بصیرت کی زیادتی کا سبب ہے اور یہ مخصوص، اس دلالت وارشاد سے، جو دین قدیم اور صراط مستقیم کی طرف رہبری کرے، تاکہ

سالک صرف اس راہ پر گامزن ہو اور اپنی سیرت کو ڈھالے، (ونصیحت) دین کے خلاف عمل کرنے سے زجر وتوبیخ (ہے پرہیزگاروں کیلئے)۔ اسلئے کہ انکی ہدایت وموعظہ کا دارومدار انکے تقوی پر ہے، اسلئے جو اہل تقوی نہیں، وہ نہ کسی ہدایت پر دھیان دیتے ہیں اور نہ ہی کسی کی نصیحت سنتے ہیں۔ تو اے ایمان والو! جو زخم تمہیں غزوۂ احد میں پہنچے ہیں انکی وجہ سے جہاد میں کمزوری نہ کرو۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾

اور نہ سست ہو اور نہ رنج کرو اور تم ہی بلند اور غالب ہو، اگر ہو تم ایمان والے ●

(اور نہ) ہی (سست ہو) جاؤ اور نہ ان اپنے لوگوں کا جو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے غم کھاؤ (اور نہ رنج کرو)، بلکہ صبر وضبط سے کام لو۔

اس ارشاد سے صبر کی تلقین مقصود ہے، حزن سے روکنا مطلوب نہیں۔ اسلئے کہ حزن فطری اور غیر اختیاری چیز ہے۔

۔۔الحتصر۔۔ اے ایمان والو! تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں (اور) رنجیدہ ہونے کی حاجت نہیں، کیونکہ (تم ہی بلند اور غالب ہو)، نہ کہ تمہارے دشمن کافر۔ اسلئے کہ انکا انجام بربادی و تباہی ہے، جیسا کہ تم نے انکے اسلاف کو دیکھا اور سن پایا، کیونکہ آخر کار باطل مٹ کر رہتا ہے۔

اس ارشاد میں اس بات کی بشارت ہے کہ تم لوگ غالب ہوگے اور وہ مغلوب ہو جائینگے۔

(اگر ہو تم ایمان والے) تو کمزوری کا مظاہرہ نہ کرو اور نہ ہی غم کھاؤ، اسلئے کہ ایمان قوت قلبی میں اضافہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کاموں پر بھروسہ رکھنے کی اعانت کرتا ہے، اور بتاتا ہے کہ تمہارے اعدا تمہاری نظروں میں کچھ بھی نہیں۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

اگر لگے تم کو زخم تو بیشک لگ چکا ہے قوم دشمن کو بھی اسی طرح کا زخم۔ اور یہ ایام ہم باری باری پھیرتے ہیں

بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ

انکو لوگوں میں، اور تاکہ معلوم کرادے اللہ انکو جو ایمان لائے۔ اور بنائے تم میں سے کچھ شہادت والے۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۰﴾

اور اللہ نہیں پسند فرماتا ظالموں کو ●

غور کرو کہ (اگر لگے تم کو زخم) اور پہنچا تمہیں صدمہ، (تو) یہ بھی تو دیکھو کہ غزوۂ بدر میں (بیشک لگ چکا ہے قوم دشمن کو بھی اسی طرح کا زخم)۔ اگر غزوۂ احد میں کافروں نے ستر مسلمانوں کو شہید کر دیا، تو اس سے پہلے تم نے بھی تو غزوہ بدر میں بھی ستر کافروں کو قتل کر دیا اور مزید براں ستر کافروں کو قیدی بھی بنا لیا۔ تو اب اگر احد کی جنگ میں تمہیں کچھ تکلیف پہنچی ہے، تو تم نے بھی غزوۂ بدر میں انھیں اسی قدر پہلے تکلیف پہنچائی تھی، پھر تم ضعف قلبی کا شکار کیوں ہو رہے ہو، اور کیوں کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے گھبرائے ہوئے ہو، بلکہ تم اولیٰ و اعلیٰ ہو، لہٰذا کمزوری مت دکھاؤ اسلئے کہ تمہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر لاکھوں امیدیں ہیں، اور وہ بیچارے تو رحمت ایزدی پر امید ہی نہیں رکھتے۔

(اور یہ ایام) جو گردش لیل و نہار کا ثمرہ ہیں اور جن پر زندگی کا دارومدار ہے (ہم باری باری پھیرتے ہیں ان کو لوگوں میں)۔ کوئی دن دولت وعشرت کے ساتھ گزرتا ہے، تو کوئی دن مصیبت اور عسرت کی نذر ہو جاتا ہے۔ کبھی غلبہ کی تمہاری باری اور کبھی تمہارے دشمنوں کی۔ ایک ہی دن اگر کسی کیلئے باعث راحت ہے، تو کسی کیلئے رنج وغم والا ہے۔

کبھی ہمیں دکھ پہنچتا ہے اور کبھی فتح ونصرت، کیونکہ ایام، رنج وراحت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ فتح ونصرتِ الٰہی ایک عظیم منصب ہے جو صرف مومنین کیلئے ہے، لہٰذا ظاہری طور پر کسی جنگ میں کافروں کو مسلمانوں پر جو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے جسے وہ اپنی کامیابی سمجھتے ہیں، وہ مسلمانوں کیلئے سخت دن تو ضرور ہوتے ہیں، مگر اس حال میں بھی نصرت الٰہی مسلمانوں ہی کے شریک حال رہتی ہے اور مسلمانوں پر آنے والی یہ سختی نصرتِ خداوندی ہی سے مسلمانوں کیلئے رافع درجات اور کفارہ سیئات ہو جاتی ہے اور انھیں صابرین کے مقدس گروہ میں شامل کر دیتی ہے۔ اسکے برعکس کفار اپنی ظاہری کامیابی کے نشے میں اپنے کو شدید ترین غضب الٰہی کا مستحق بنا لیتے ہیں۔

---الختصر--- حقیقی نصرتِ الٰہی مومنین ہی کیلئے ہے۔ اب رہ گیا کافروں کو بھی ایمان والوں کے مقابلے میں ظاہری کامیابی دے دینا، تو اس میں بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ اگر ایسا ہو کہ ہر وقت کفار پر سختی ہی سختی اور اہل ایمان پر غلبہ ہی غلبہ ہو، تو پھر یہ امر بدیہی ہو جائیگا کہ اسلام حق ہے اور کفر باطل۔ ظاہری طور پر یونہی ہو تو اسلام کا مکلف بنانا اور سزا و جزا کا نظام معطل ہو کر رہ جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اہل اسلام کو دکھ میں مبتلا کرتا ہے اور

کبھی اہل کفر کو، تاکہ شبہات کا باب کھلا رہے اور انسان ان شبہات کو دلائل سے سمجھے کہ اسلام حق ہے اور کفر باطل۔ اس اعتبار سے اسے ثواب کا وافر حصہ نصیب ہوگا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ گردش ایام اور فتح وشکست مذکورہ بالا قدرتی اصول کی کئی علتیں (اور) حکمتیں ہیں۔ من جملہ انکے یہ ہے کہ مومن کو اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں، جنکا اسے علم تک نہیں۔ اس گردش ایام کی ایک حکمت یہ بھی ہے (تاکہ معلوم کرادے اللہ) تعالیٰ اور ظاہر فرمادے (انکو جو) سچے دل سے (ایمان لائے اور) پھر (بنائے تم میں سے کچھ) لوگوں کو شہداء احد کی طرح منصب (شہادت) پانے (والے)۔۔یا۔۔ یہ کہ تم میں سے ایک دوسرے کا گواہ بنائے کہ معرکہء جہاد میں کس نے جان دی اور کس نے منافقین کی طرح بھاگنے کی راہ نکالی۔ سنو (اور) یاد رکھو! کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا) ان (ظالموں کو) جنکی سرشت یہ ہے کہ انکا ظاہر کچھ ہے۔۔اور۔۔ باطن کچھ ۔۔یونہی۔۔ اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا کھلے ہوئے کافروں کو، اور درحقیقت کفار کی مدد نہیں فرماتا۔ اب اگر کسی وقت وہ غلبہ پا جاتے ہیں، یہ انکے لئے استدراج ہے اور انکو غفلت میں رکھنا ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور تاکہ خالص کھرا کردے اللہ انکو جو ایمان لائے اور مٹا ڈالے کافروں کو●

(اور) یہ چیز اہل ایمان سے آزمائش کے طور پر ہے، (تاکہ خالص کھرا کردے اللہ) تعالیٰ (انکو جو ایمان لائے) اور انھیں گناہوں سے پاک وصاف کردے۔۔یا۔۔ انکے درجات کو بلند سے بلند تر کردے، کیونکہ مسلمانوں کو جو سختیاں اور بلائیں پہنچتی ہیں وہ گناہوں کو زائل کردیتی ہیں اور بے گناہوں کے درجات کو بلند کردیتی ہیں۔ یہ تو رہا مومنین پر کفار کے غالب آنے کی صورت میں۔۔مگر ۔۔اس صورت میں جب مومنین غالب ہوں اور کفار مغلوب ہوں، تو اس میں یہ حکمت (اور) مصلحت ہے تاکہ (مٹا ڈالے) اللہ تعالیٰ (کافروں کو) اور انھیں نقصان میں ڈالدے۔۔نیز۔۔ انھیں ہلاک کردے۔۔الغرض۔۔ یہ دنیا مومنین کیلیے دارالامتحان اور آزمائش کا گھر ہے۔ ہر حال میں انکی آزمائش ہوتی ہے، کبھی راحت دیکر اور کبھی تکلیف پہنچا کر، تو غزوۂ احد میں شکست کھانے والو! کہ۔۔۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا

کیا تم نے خیال کر رکھا ہے کہ جنت میں جاؤ گے اور ابھی معلوم کرائے گا اللہ انھیں جنھوں نے تم میں سے جہاد

مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۲﴾

کیا ہے، اور ابھی معلوم کرائے گا صبر کرنے والوں کو●

(کیا تم نے) یہ (خیال کر رکھا ہے کہ جنت میں) بغیر آزمائش وامتحان چلے (جاؤ گے) حالانکہ تاحال جہاد اور شدائد پر صبر تمہارے میں جمع نہیں ہوئے۔ پس مناسب صورت حال یہی ہے کہ تم جنت میں داخلہ کا گمان مت کرو، جیسے وہ لوگ بہشت میں داخل ہوئے، جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور اپنی اپنی جان و مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دی، اور ہر دکھ درد پر ثابت قدم رہے۔ جب تک تم انکی طرح وہ راستہ اختیار نہ کرو گے اور انکی طرح صبر نہیں کرو گے، انکے مراتب کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور یہ تو بعید از قیاس ہے کہ انسان سعادت اور بہشت کو ان اعمال کے بغیر حاصل کر لے۔

۔۔الختصر۔۔ مجاہدین کون ہیں؟ اور صابرین کون ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکو پردۂ خفاء میں نہیں رکھے گا **(اور ابھی)** معرکہ کارزار سامنے آتے ہی **(معلوم کرا) د(یگا)** اور ظاہر فرما دیگا **(اللہ) تعالیٰ (انھیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور)** ۔۔نیز۔۔ **(ابھی معلوم کرا) د(یگا)** اور ظاہر فرما دے گا **(صبر کرنے والوں کو)**۔

وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ

اور تم بڑی آرزو رکھتے تھے مرنے کی، قبل اس کے کہ موت سے ملو،

فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۴۳﴾

تو اب تو تم نے اس کو دیکھ لیا اپنی نظر سے●

اے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکنے والو! یاد کرو لقائے الٰہی کے اشتیاق کی وجہ سے **(اور)** اعلاء کلمۃ الحق کے مقصد حسن کے پیش نظر **(تم بڑی آرزو رکھتے تھے مرنے کی)**، یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہونے کی۔۔الختصر۔۔ تمہاری یہ تمنا تھی کہ تم اللہ کے دین کو سربلند کرو اور اللہ کے دشمنوں کو قتل کرو، خواہ اس راہ میں تمہاری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ تم نے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کر دیا **(قبل اسکے کہ موت سے ملو)** اور اسکے اسباب کا مشاہدہ کرو، **(تو اب تو تم نے اسکو دیکھ لیا اپنی نظر سے)** مقاتلہ کفار کو جو تم چاہتے تھے، اور پھر اسکے نتیجہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں کو شہید ہوتے۔

تو ایسی صورت حال میں تم میں سے بعض کا حال یہ ہوگیا کہ رسول کریم کو اکیلا چھوڑ کر خود اپنے بچاؤ کی کوشش میں لگ گیا۔ اور جب دندانِ مبارک شہید ہونیکے سبب آنحضرت ﷺ کو زخم پہنچا اور آپ پھر شہیدوں میں پوشیدہ ہوگئے۔۔۔ نیز۔۔۔ ابلیس لعین نے ہر خاص و عام میں یہ آواز پھیلادی کہ آگاہ ہوجاؤ، بیشک محمد ﷺ مقتول ہوگئے۔ تو جنکا ایمان ضعیف تھا، ان لوگوں کے ایک گروہ نے چاہا کہ عبداللہ ابن ابی کی طرف رجوع کر کے التماس کریں کہ ابوسفیان سے انکے امان کی تحریر لے لے اور دوسرا گروہ بھاگ گیا۔

بعد میں جب حضور ﷺ نے ان شکست خوردہ بھاگنے والوں کو ملامت فرمائی اور ان سے دریافت کیا کہ تم بھاگے کیوں؟ ٹھہرے کیوں نہ رہے؟ میدانِ جنگ سے منہ کیوں پھیرا؟ انھوں نے عذر شروع کیا اور کہنے لگے کہ ہم نے آپ کی شہادت کا آوازہ سنا، زمانہ ہم پر سخت ہوگیا، خوف کے مارے ہم بھاگے۔ انکے اس عذر کو دفع کرنے کیلئے اور اسکی غیر معقولیت کو واضح کرنے کیلئے، ارشادِ ربانی ہوا کہ۔۔۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول۔ بیشک گزرے ان سے پہلے سارے رسول۔ تو کیا اگر وہ انتقال کریں یا شہید کردئے جائیں

انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ

تو تم پلٹ جاؤ گے الٹے پاؤں؟ اور جو الٹے پاؤں پلٹے تو کچھ نہ

يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

بگاڑ سکے گا اللہ کا۔ اور اللہ جلد جزا دے گا شکر گزاروں کو●

اچھی طرح سے سن لو (اور) سمجھ لو کہ (نہیں ہیں) میرا وہ بندہ جنکی مسلسل تعریف کی جاتی ہے یعنی (محمد، مگر) میری طرف سے بھیجے ہوئے (ایک رسول)، اور یہی صرف ایک میرے فرستادہ نہیں، بلکہ (بیشک گزرے ان سے پہلے) جن جن کو رسول بنا کر بھیجنا تھا سارے کے (سارے رسول)۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ رسالت ایک عظیم الشان منصب ہے، اشرف المخلوقات نوع انسانی کیلئے اس سے بلند و بالا اور کوئی منصب نہیں۔ 'رسالت' کے اوپر بس 'الوہیت' کا درجہ ہے، جو صرف خدائے وحدہ لاشریک ہی کیلئے مخصوص ہے، اور کسی بھی مخلوق کو نہ حاصل ہے اور نہ حاصل ہوسکتا ہے۔ کوئی مخلوق کتنی ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو، لیکن اسکا الوہیت والا یعنی اپنی ذات و

صفات میں واجب الوجود، مستقل بالذات، قدیم ولا زوال ہونا، محالات خرد میں سے ہے۔
اور یہ بھی الوہیت والے ہی کی شان ہے کہ ہمیشہ سے رہے اور ہمیشہ رہے، جسکا عدم محال ہے۔ اس ذات وحدہ لاشریک کے سوا موجودات میں کوئی بھی ایسا نہیں جو واجب الوجود ہو، اور جسکا وجود ضروری نہ ہو۔ وہ اپنے وجود سے پہلے عدم میں تھا، پھر خالق کائنات نے اپنی مرضی سے ایک مقرر وقت تک کیلئے اسکو وجود بخشا، اور جب اسکی حیات کے ایام پورے ہوگئے پھر اس پر موت طاری ہوگئی۔ ساری کائنات میں یہی ضابطہ ءفطرت رائج ہے۔
مخلوقات میں سب سے زیادہ باعظمت، حضرات انبیاء ومرسلین بھی اس ضابطے کے دائرے سے باہر نہیں۔۔ہاں۔۔ یہ ضرور ہے چونکہ انبیاء ومرسلین کو رب ذوالجلال نے ایک عظیم الشان منصب پر فائز کیا ہے جسکے کچھ فرائض ہیں۔ ہر نبی اور ہر رسول جب اپنے منصب سے متعلقہ فرائض کو مشیت الٰہی کے مطابق پورا کرلیتا ہے، تو رب کریم اس پر موت طاری فرما کر اسے اپنے قرب خاص میں طلب فرمالیتا ہے۔
۔۔مگر۔۔ اسکے وصال سے خود اسکے پیغام کی موت نہیں ہوجاتی، وہ آنکھوں سے اوجھل ہوجاتا ہے، لیکن اسکا لایا ہوا دین باقی رہتا ہے اور اسکے ماننے والوں پر ویسا ہی واجب القبول اور لازم العمل ہوتا ہے، جیسا کہ اسکی ظاہری حیات میں تھا۔ تو جس طرح تمام رسولوں کا دین انکے وصال کے بعد باقی اور موجود رہا، اور ان مرسلین کے سچے ماننے والے اس پر اپنا ایمان باقی رکھتے ہوئے اسکی ہدایات پر تاحیات عمل کرتے رہے، اور کسی کے دل میں یہ خیال بھی نہیں گزرا، کہ جب ہمارا رسول ہی نہ رہا، تو اسکے لائے ہوئے دین کو مان کر ہمیں کیا حاصل ہوگا؟
بالکل اسی طرح محمد عربی ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے عظیم رسول ہیں، اگر بالفرض وفات پاجائیں، تو اس سے آپ کا لایا ہوا دین کہاں باطل ہوجاتا ہے؟ جس سے آپکے ماننے والوں کو بے دین ہونے کی گنجائش نکل آئے؟۔۔۔الختصر۔۔۔ انبیاء ومرسلین کو صرف احکام کی تبلیغ کیلئے بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ توحید الٰہی کی حجت قائم کریں، نہ یہ کہ وہ دائمی طور پر اپنی امت میں زندہ رہیں۔ تو بس یہی شان ہے محمد عربی ﷺ کی، جو اپنے سے پہلے مبعوث ہونے والے رسولوں کے ہم منصب رسول ہیں۔

(تو کیا اگر وہ) اپنے خانہءاقدس میں **(انتقال کریں یا)** میدانِ جہاد میں **(شہید کردیئے جائیں، تو تم پلٹ جاؤ گے الٹے پاؤں)** اوران کے دین سے پھر جاؤ گے، حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ ان

سے پہلے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے پھر انکا وصال ہوا، اسکے باوجود انکی امتیں انکے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں، تو خبردار ہو جاؤ (اور) غور سے سن لو، کہ (جو) کوئی مرتد ہو کر۔۔یا۔۔ جہاد چھوڑ کر (الٹے پاؤں پلٹے) گا، (تو) وہ (کچھ نہ بگاڑ سکے گا اللہ) تعالیٰ (کا)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اسکا برگشتہ ہو جانا اور عملی اور اعتقادی طور پر خلاف کرنا اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا نقصان نہیں دیگا، بلکہ اسکا نقصان وہ خود اٹھائیگا، کہ اس نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکے عذاب کے سامنے خود کو پیش کر دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نفع ونقصان سے منزہ ہے۔ رہ گئے اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو مشکل سے مشکل وقت میں بھی دین اسلام پر ثابت قدم رہتے ہیں، تو انکی یہ ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں اور نہایت ہی اعلیٰ نیکیوں سے ہے۔

(اور) اپنے فضل وکرم سے (اللہ) تعالیٰ (جلد) از جلد (جزا) ئے خیر (دے گا) ان نیک شعاروں اور (شکر گزاروں کو)۔ اے ایمان والو! منافقین کی یہ بکواس کہ اگر شہید ہونے والے ہمارے یہاں رہ جاتے، تو نہ وہ مرتے اور نہ ہی مارے جاتے، انکی کم عقلی اور سوء فہمی کی روشن دلیل ہے، اسلئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ نہ کوئی اپنے وقت سے پہلے مرتا ہے اور نہ ہی اسے وقت معین سے مہلت ملتی ہے۔ نہ وہ جنگ سے بھاگنے سے رکتی ہے، اور نہ ہی جنگ میں لڑنے سے آتی ہے۔۔الغرض۔۔ مجاہد اپنی موت سے پہلے نہیں مرتا اور نہ ہی جہاد سے منہ موڑنے والا آئی ہوئی موت سے بچ سکتا ہے۔ تو سنو!۔۔۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُّرِدْ

اور کسی جان کو حق نہیں کہ مر جائے بغیر حکم اللہ کے، لکھا ہوا ہے وقت مقرر کردہ۔ اور جو چاہے

ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ

دنیا کا پھل تو ہم اسکو اس سے دیں۔ اور جو چاہے آخرت کا ثواب

نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۗ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

تو ہم اسکو اس سے دیں۔ اور جلد ہم جزا دیں گے شکر والوں کو ●

(اور) یاد رکھو کہ (کسی جان کو) اللہ تعالیٰ نے یہ (حق نہیں) دیا ہے (کہ) وہ اپنی مرضی سے

(مرجائے بغیر حکم اللہ) تعالیٰ (کے)، وہ حکم جو (لکھا ہوا ہے) لوح محفوظ میں جسکا (وقت) خود اللہ تعالیٰ کا (مقرر کردہ) ہے۔

اس ارشاد میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب وتحریص ہے اور معرکۂ قتال میں انھیں دشمنوں پر دلیر کردینا ہے، اسلیئے کہ جو کوئی یہ جانے گا کہ اسکی عمر مقرر ہے اور اسکی اجل کا اندازہ ٹھہرا ہوا ہے، یقیناً لڑائی کے معرکہ میں دلیر ہوکر تہلکہ مچادیگا۔۔الغرض۔۔موت وحیات کا دارومدار صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے، اس میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں۔۔ہاں۔۔اعمال کے ثمرات میں کسی نہ کسی حد تک اپنے ارادوں اور اپنی نیتوں کا دخل ہے۔لہٰذا انھیں چاہئے کہ اعمال کے ثمرات کو اغراض دنیا سے ہٹا کر، بہترین مطالب میں لگادیں اور جس طرح حالات کے تقاضے کو نظر انداز کر کے غزوۂ احد میں بعض لوگ مال غنیمت کے حصول کے درپے ہوگئے، اس طرز عمل سے اپنے کو بچائیں۔

۔۔الحاصل۔۔اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں (اور) اپنے ارادوں پر ہے، تو ہم سے (جو چاہے) گا (دنیا کا پھل) اور دنیا کی بھلائی (تو ہم اسکو اس سے دیں) گے۔۔الغرض۔۔جو صرف مالِ غنیمت کیلیئے جہاد کرتا ہے، تو اسے یہ مال حاصل ہوجائیگا اور بس ایسے کو اپنے اس عمل سے آخرت کی بھلائی میں کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔(اور) اسکے برخلاف (جو چاہے) گا (آخرت کا) قسم قسم کا اجرو (ثواب، تو ہم اسکو اس سے دیں) گے (اور جلد) از جلد (ہم جزا) ئے خیر (دینگے)۔مشکل سے مشکل وقت میں اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں، غزوۂ احد میں شہید ہوجانے والوں، اور اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والوں۔۔المختصر۔۔سارے (شکر والوں کو)۔

وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ

اور کتنے پیغمبروں نے جہاد کیا جن کے ساتھ بکثرت اللہ والے تھے، تو وہ سست نہ ہوئے اس مصیبت سے جو ان کو پہنچی

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿١٤٦﴾

اللہ کی راہ میں، اور نہ کمزور پڑے، اور نہ دبے، اور اللہ دوست رکھتا ہے صبر کرنے والوں کو●

مسلمانو ذرا غور تو کرو، کہ غزوۂ احد میں کفار کا غلبہ دیکھ کر سست ہوجانے والے، مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرنے میں ڈھیلے پڑجانے والے، اور انکے سامنے عجز وانکسار کا مظاہرہ کرنے والے،

عبداللہ ابن ابی، رئیس المنافقین کو اپنا سفارشی بنا کر ابوسفیان سے اپنے امان کی تحریر چاہنے والے، یہاں تک کہ جب کفار آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے پر آمادہ ہوں، آپکو چھوڑ کر بھاگ نکلنے والے، انھیں خوب معلوم تھا، کہ اپنے نبی کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے میں انھوں نے کوئی پہل نہیں کی ہے۔

(اور) ایک دو نہیں بلکہ (کتنے پیغمبروں نے) اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کیا، جنکے ساتھ) فقہا، علماء، حکماء، اتقیا۔۔الختصر۔۔(بکثرت اللہ) تعالیٰ (والے تھے، تو) انکی شان یہ تھی کہ دورانِ جہاد (وہ ست نہ ہوئے)، نہ ڈھیلے پڑے، اور نہ ہی ہمت ہارے، (اس مصیبت سے جوانکو پہنچی اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)۔ ہر مصیبت کا انھوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور کسی طرح کی بزدلی کا مظاہرہ نہ کیا (اور نہ کمزور پڑے) وہ دشمنوں سے۔۔یا۔۔جہاد سے۔۔یا۔۔اپنے دین کے معاملات میں۔۔الغرض۔۔کسی طرح کی کمزوری نہیں دکھائی (اور نہ) ہی (دبے) یعنی دشمنوں کے آگے جھکے بھی نہیں۔۔بلکہ۔۔شدائد و مصائب میں صبر کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں دکھ اور تکلیف کو سر آنکھوں پر رکھتے رہے، تو اللہ تعالیٰ انکی عزت و عظمت کو بڑھاتا رہا۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے صبر کرنے والوں کو)۔ وہ حضرات دشمنوں کے مقابلہ اور جنگ کی سخت سے سخت کارروائیوں اور شدائد و مصائب کے وقت جو کہ جنگ کے باعث ان پر پہنچتیں، صرف یہی کہتے۔۔۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيٓ

اور نہ تھا انکا کچھ کہنا، سوا اسکے کہ دعا کی پروردگارا ہم کو بخش دے، ہمارے گناہوں کو اور ہماری زیادتی

أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿١٤٧﴾

کو اپنے کام میں، اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہماری مدد فرما کافر قوم پر ●

(اور نہ تھا انکا کچھ کہنا سوا اسکے، کہ دعا کی پروردگارا ہم کو بخش دے، ہمارے) صغیرہ گناہوں کو اور) عفو و مغفرت کے دامن میں چھپالے، ہمارے کبیرہ گناہوں اور (ہماری زیادتی کو) جو (اپنے کام میں) ہم سے ہوگئی ہے۔

ان نفوسِ قدسیہ والوں کی بارگاہِ خداوندی میں تواضع اور انکی کسر نفسی تو دیکھئے، کہ جو گناہ ان سے سرزد بھی نہیں ہوئے، اس سے بھی مغفرت چاہی۔۔یا۔۔انھوں نے اپنے طور پر خود کو

قصوروار گمان کر کے بخشش چاہی۔۔یا۔۔یہ کہ مصائب وآلام کوخوداپنی کسی نہ کسی کمی اور تقصیر کاثمرہ گمان کیااوراس سے مغفرت چاہی۔ویسے بھی مغفرت کی دعائیں بندے کی عاجزی، محتاجی، بے بسی، اور شانِ بندگی کا اظہار ہوتا ہے، اسی لئے نفوسِ قدسیہ رکھنے والے، قطع نظر اس سے کہ وہ معصوم ہیں۔۔یا۔۔غیر معصوم، اپنے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں، اسلئے کہ یہ دعاایک طرف اگر دافع سیئات ہے، تودوسری طرف رافع درجات بھی ہے۔

(اور) انکی عرض یہ بھی ہے کہ (ہم کوثابت قدم رکھ) دین حق پر۔۔یا۔۔میدانِ جنگ میں، کہ ہمارے ہاتھ سے تقویٰ کا دامن نہ چھوٹے اور ہر وقت تیری طرف سے تائید غیبی ہمارے شامل حال رہے، (اور ہماری مدد فرما کافر قوم) یعنی ہمیں قوم کفار (پر) فتح ونصرت عطافرما۔

۔۔الغرض۔۔وہ حضرات ایسی دعا پر مواظبت کرتے اور ان سے ایسا کوئی کلمہ ہرگز نہیں صادر ہوتا تھا، جس میں میدانِ جنگ۔۔یا۔۔دین کے امور میں کسی قسم کی جزع۔۔یا۔۔تزلزل کا شائبہ ہو۔۔الغرض۔۔وہ شکست کھا کر بھاگنے والوں میں نہیں تھے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ

تو دیاانکواللہ نے دنیا کی بھلائی اورثواب آخرت کی خوبی

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

اوراللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو●

(تو دیاانکو) انکی اس دعا کی وجہ سے (اللہ) تعالیٰ (نے دنیا کی بھلائی)، یعنی فتح ونصرت اور عزت ونیک نامی (اور ثواب آخرت کی خوبی)، یعنی بہشت اور دائمی نعمتیں، جس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔اور جس میں خصوصی طور پر فضل الٰہی شامل رہتا ہے۔ (اور) سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے (اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو)، یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہتا ہے اور انکے ساتھ خصوصی بھلائی کاارادہ رکھتا ہے۔دراصل یہی ہر سعادت کا مبدا ہے۔

غزوۂ احد میں شکست کے وقت منافقین اہل ایمان سے بول پڑے، کہ اب اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ اور روٹھے ہوئے بھائیوں سے مل جاؤ، اگر نبی سچے ہوتے، تو وہ مغلوب ہوتے، نہ شہید۔۔یونہی۔۔بعض ضعیف الاعتقاد نے مرتد ہوکر ابوسفیان سے امان چاہی، توانکے تعلق سے ارشاد ہوا کہ۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ

اے ایمان والو! اگر کہے پر چلو گے ان کے جو کافر ہیں، تو لوٹا دیں گے تم کو الٹے قدم،

عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

تو تم ہی الٹے گھاٹا اٹھاؤ گے●

(اے ایمان والو! اگر کہے پر چلو گے ان) منافقین **(کے، جو)** چھپے ہوئے **(کافر ہیں)**۔۔یا ۔۔ان مرتدین کے، جو ابوسفیان سے امان چاہنے والے ہیں۔۔الحتصر۔۔ان دو میں سے کسی کے بھی کہے پر چلو گے **(تو)** وہ **(لوٹا دینگے تم کو الٹے قدم)**، اپنے دین میں داخل کر کے، اسی کفر کی طرف رب کریم نے اپنے حبیب کے ذریعے جس سے تمہیں نجات دی ہے۔اب اگر خدانخواستہ یہ صورت پیش آ گئی **(تو تم ہی الٹے گھاٹا اٹھاؤ گے)**۔

وہ اسطرح کہ تم سے دنیا کی عزت بھی چھن جائیگی اور آخرت کی سعادت سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔دنیا کی عزت اسلئے سلب ہو جائیگی، کہ انسان کو اس سے بڑھ کر اور کون سی ذلت ہوگی کہ وہ اپنے دشمن کا تابع ہو کر زندگی گزارے، ہمیشہ اسکا نیاز مند رہے اور ہر ضرورت کیلئے اسکے آگے ہاتھ پھیلائے۔رہ گئی آخرت کی سعادت سے محرومی تو وہ یہی ہے کہ وعدہ دیئے ہوئے ثواب سے محروم ہو کر دائمی عذاب میں مبتلا رہو گے۔تم ان کافروں کو اپنا مددگار نہ سمجھو۔اگر۔۔بالفرض۔۔تم انکی اطاعت بھی کرو گے، جب بھی یہ جھوٹے بدعہد مکار لوگ تمہاری مدد کرنے والے نہیں ہیں۔۔۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے، اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے●

(بلکہ اللہ) تعالیٰ **(تمہارا مولیٰ)** اور تمہارا مددگار **(ہے، اور وہ)** ایسا ویسا کوئی معمولی مدد فرمانے والا نہیں، بلکہ **(سب سے بہتر مددگار ہے)**۔تو صرف اسی کی اطاعت کرو اور اسکی مدد پر بھروسہ کر کے دوسروں سے مستغنی ہو جاؤ۔

غزوۂ احد میں مالِ غنیمت کی لالچ اور اطاعت رسول سے انحراف کا نتیجہ دکھا کر، فوراً ہی رب کریم نے اپنے کرم کی شان دکھائی، اور اپنا فیصلہ سنا دیا کہ۔۔۔

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ

جلد ڈال دیں گے ہم دلوں میں انکے جو کافر ہیں رعب کو، کیونکہ انھوں نے شریک بنایا اللہ کا اس کو جس کی اللہ نے کوئی

يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۖ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾

سند نہیں اتاری۔ اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور کتنا برا ہے ٹھکانہ ظالموں کا●

(جلد) ہی **(ڈالدیں گے ہم دلوں میں انکے جو کافر ہیں رعب کو)**۔

--چنانچہ--حق تعالیٰ نے جنگ احد کے دن کفار کے دلوں میں ایسا خوف ڈالدیا کہ باوجود فتح اور غلبہ کے، بے سبب لڑائی چھوڑ کر پھر گئے۔

اور انکے دلوں میں یہ خوف کیوں ڈالا، **(کیونکہ انھوں نے شریک بنایا اللہ)** تعالیٰ **(کا اسکو جس)** کے شریکِ خدا ہونے **(کی اللہ)** تعالیٰ **(نے کوئی سند نہیں اتاری)**، اسلئے کہ اسکی کوئی سند موجود ہی نہیں--بالفرض--اگر اسکی کوئی سند اور دلیل موجود ہوتی، تو وہ ضرور نازل فرماتا--الغرض--دلیل وہی مفید ہے جو منجانب اللہ ہو، نہ کہ اپنے خیالات فاسدہ اور قیاسات باطلہ سے۔

ان مشرکین کو سمجھ لینا چاہئے **(اور)** یقین کر لینا چاہئے کہ **(انکا ٹھکانہ جہنم ہے)**۔ ان کیلئے جہنم کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہوگی، **(اور کتنا برا ہے ٹھکانہ)** کفر و شرک میں مبتلا رہ کر خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے **(ظالموں کا)**۔ کفر پر مرنے والوں کا یہ ٹھکانہ کوئی عارضی نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہیں۔

جنگ احد سے واپسی میں بعض مسلمانوں کو خیال ہوا کہ اس جنگ میں ہمیں شکست کیوں ہوئی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک سے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا، وہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے تیر اندازوں کو فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرے رہنا، انشاء اللہ تعالیٰ فتح و نصرت ہمیں حاصل ہوگی، بشرطیکہ تم اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ اسکے بعد ہوا بھی ایسا ہی۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ

اور بیشک ضرور سچ کر دکھایا تم کو اللہ نے اپنے وعدہ کو، جبکہ تم قتل کر رہے تھے انکو اسکے حکم سے، یہاں تک کہ جب تم بزدل ہوگئے

وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّن بَعْدِ مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ

اور تعمیل حکم میں جھگڑنے لگے، اور نافرمانی کی، بعد اس کے کہ دکھا دیا تم کو جو تم چاہتے ہو۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ

تم میں کوئی چاہے دنیا کو اور کوئی چاہے آخرت کو۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ

پھر تو پھیر دیا تم کو ان کی جانب سے، تا کہ آزمائے تم کو، اور بے شک اس نے تم کو معافی دے دی،

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور اللہ فضل والا ہے ایمان والوں پر●

(اور بے شک ضرور سچ کر دکھایا تم کو اللہ) تعالیٰ (نے اپنے وعدہ کو)۔۔الغرض۔۔خدا نے جو وعدہ فرمایا، اسے پورا بھی فرما دیا **(جبکہ تم قتل کر رہے تھے انکو اسکے حکم)** اور اسکی مدد (سے)۔۔چنانچہ۔۔ کچھ دن چڑھے تمہاری فتح تھی تو جس فتح کا تم سے وعدہ کیا گیا اور جس شرط پر کیا گیا، جب تک تم نے اس شرط کا لحاظ کیا، وہ فتح تم کو حاصل ہوگئی اور تم فاتح ہوگئے **(یہاں تک کہ جب تم بزدل ہوگئے)** اور تمہاری رائے کمزور پڑگئی۔۔یا۔۔ یہ کہ تم مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، اسلئے کہ حرص، ضعف قلبی کی وجہ سے ہوتا ہے، **(اور)** صرف یہی نہیں بلکہ **(تعمیل حکم میں جھگڑنے لگے)** اور تمہارے بعض افراد یہ کہنے لگے، اب کفار شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کر چکے ہیں اور ہمارے مسلمان بھائی انکا پیچھا کئے ہوئے ہیں اور انکی گردنیں اڑا رہے ہیں، پھر ہمارا یہ ٹھہرنا بے سود ہے۔

ان لوگوں نے یہ سوچا **(اور)** پھر اپنے امیر عبداللہ بن جبیر کی **(نافرمانی کی)** اور انکا کہنا نہ مانا **(بعد اسکے کہ دکھا دیا تم کو)** فتح و نصرت، مالِ غنیمت اور کفار کی شکست۔۔الختصر۔۔ **(جو تم چاہتے ہو)** تمہارے یہ سارے مطلوب تمہیں نظر آئے، تو تم اپنے امیر کے حکم کی تعمیل کا خیال نہ کر سکے اور یہ بھی سنجیدگی کے ساتھ نہ سوچ سکے، کہ یہی حکم رسول بھی ہے۔اس سے انحراف خود اطاعت رسول سے انحراف ہے۔

چاہئے یہ تھا کہ جب انھیں یقین ہوگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا ہے، تو انکا فرض منصبی تھا کہ وہ گناہ سے بچ جاتے، نہ کہ الٹا گناہ کا ارتکاب کرتے۔

اور ایسا اسلئے ہوگیا کہ **(تم میں کوئی)** وہ ہے جو **(چاہے دنیا)** کے مال و اسباب **(کو)**، یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے حکم نہیں مانا اور لوٹنے کو دوڑ پڑے **(اور)** تم ہی میں سے **(کوئی)** وہ ہے جو **(چاہے آخرت)** کی بھلائی **(کو)** اور شہادت کی سعادت کو، یہ وہ لوگ ہیں جو ثابت قدم رہے اور مرکز پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔

(پھر تو پھیر دیا تم کو انکی جانب سے) اور باز رکھا تمھیں انکے قتل سے اور دوبارہ ان پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا، (تا کہ) اس تخفیف کے ذریعہ (آزمائے تم کو) اور یہ ظاہر فرمائے کہ تم میں سے کتنے لوگ دوبارہ جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں، (اور) اس بار جو تم سے چوک ہوگئی اس پر تمہاری ندامت وشرمندگی کی وجہ سے (بیشک اس نے تم کو) اپنے فضل وکرم سے (معافی دے دی، اور) ایسا کیوں نہ ہوا سلئے کہ (اللہ) تعالیٰ بڑا ہی (فضل) وکرم (والا ہے ایمان والوں پر)۔ حکم رسول کی مخالفت کی نحوست سے یہ ہوسکتا تھا، کہ کفار تم سب کو قتل کر ڈالتے، مگر اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں میں تمہارا رعب ڈال کر تمھیں بچالیا اور تم کو ہلاک نہیں کیا، بلکہ تمہیں شکست فاش سے بچا کر، بالآخر فاتح و غالب بنا دیا۔ ذرا غور تو کرو اپنی اس حالت پر۔۔کہ۔۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُنَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٓ أُخْرَىٰكُمْ

جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور مڑتے نہ تھے کسی پر، اور رسول تم کو بلا رہے تھے تمہاری پچھلی جماعت میں،

فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا

تو غم کے بدلے تم کو غم دیا، تاکہ رنج کرو اس پر جو جاتا رہا تم سے، اور نہ

مَآ أَصَٰبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٣﴾

اس پر جو آپڑے تم پر، اور اللہ باخبر ہے جو تم کرو●

(جب تم چڑھے چلے جاتے تھے) اور ہزیمت کے سبب میدانِ جنگ سے بہت دور نکل چکے تھے (اور مڑتے نہ تھے کسی پر)۔۔الغرض۔۔ پیچھے کی طرف تم مڑ کر دیکھتے بھی نہیں تھے، اور نہ پیچھے والوں کی طرف تمہاری کوئی توجہ تھی۔ تمہارا کوئی اپنے کسی دوسرے ساتھی کیلئے ٹھہرتا بھی نہیں تھا (اور) تمہارے (رسول تم کو بلا رہے تھے) کہ اے اللہ کے بندوں میرے پاس آجاؤ، میں ہی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور زندہ ہوں۔ جو شخص واپس لوٹے گا، اسے انعام میں بہشت نصیب ہوگی۔ اس وقت تمہارا حال یہ تھا کہ تم رسول کو کوئی جواب بھی نہیں دے رہے تھے۔

رسول کریم کا یہ بلانا خود اپنی ضرورت کے پیش نظر نہیں تھا، اور نہ ہی آپ ان سے اپنے لئے کسی مدد کے طلبگار تھے۔۔بلکہ۔۔ جب وہ شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اور کفار سے جنگ کرنے کو چھوڑے جا رہے تھے، تو ایسی صورت میں رسول کریم کا فرض تھا کہ اس 'منکر'

سے روک کرانھیں 'معروف' کی دعوت دیں۔ اسلئے کہ 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' ہر نبی کے اہم فرائض میں سے ہے۔

بلاتے وقت رسول کریم (تمہاری پچھلی جماعت) یعنی آخری صف (میں) تھے، یعنی بھاگنے والے بھاگتے ہوئے آپ سے آگے نکل گئے اور آپ پیچھے ہی کھڑے رہ گئے، اور وہیں سے انھیں آواز دیتے رہے۔ (تو) اللہ تعالیٰ نے تمہارے کئے ہوئے عمل کی جزا میں (غم کے بدلے تم کو غم دیا)۔

ایک غم تو رسول مقبول کی شہادت کی خبر ہے اور دوسرا غم بعضے صحابہ کے شہید ہونے کی خبر ۔۔ یا یہ کہ ۔۔ ایک غم ہزیمت اور دوسرا غم فوت غنیمت۔

اور یہ جزا تمہیں اس واسطے دی کہ شدتوں اور سختیوں میں تمہیں صبر کی عادت ہو جائے (تاکہ) نہ (رنج کرو اس پر جو جاتا رہا تم سے)، یعنی فتح وغنیمت۔ (اور نہ) ہی (اسپر جو آپڑے تم پر) قتل وزخم وہزیمت وغیرہ۔ (اور اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے جو تم کرو)، یعنی وہ تمہارے اعمال ومقاصد کو بخوبی جانتا ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ

پھر اتارا تم پر غم کے بعد پر سکون نیند جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا رہی تھی، اور ایک جمعیت

قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ

ان کو غم میں ڈال دیا تھا ان کی جانوں نے، گمان رکھتے تھے اللہ سے ناحق، جاہلیت کا گمان۔

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ

کہیں کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار ہے۔ کہہ دو کہ اختیار تو بالکل اللہ کا ہے،

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ

چھپاتے ہیں اپنے اندر وہ جو ظاہر نہیں کرتے۔ تم سے کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ اختیار ہوتا،

شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ

تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے ضرور نکل آتے وہ، لکھ دیا گیا ہے

عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ

جن پر قتل ہو جانا اپنی اپنی قتل گاہ میں، اور تاکہ آزمائے اللہ جو تمہارے سینوں میں ہے

وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۵۴﴾

اور تا کہ چھانٹ کر رکھ دے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ سینوں کی بات کو جانتا ہے●

(**پھر اتارا تم پر غم کے بعد پر سکون نیند، جو تم میں سے**) حقیقی مسلمانوں اور سچے ایمان والوں میں سے (**ایک جماعت**) یعنی مہاجرین میں سے حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، علی مرتضیٰ شیر خدا، حضرت طلحہ، حضرت سعد ابن وقاص اور حضرت زبیر اور انصار میں سے حضرت حارث بن صمہ اور حضرت سہیل ابن حنیف (**پر چھا رہی تھی**)۔ اس ہلکی سی نیند کا فائدہ یہ تھا کہ قوت پھر آجائے اور ملال دفع ہو جائے۔ (**اور**) اسکے برعکس منافقین کی (**ایک جمعیت، انکو غم میں ڈالدیا تھا انکی جانوں نے**) اور انکی ذاتی خام خیالیوں نے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ (**گمان رکھتے تھے اللہ**) تعالیٰ (**سے ناحق**)، نازیبا، (**جاہلیت**) والوں (**کا گمان**)، کہ محمد ﷺ کی مہم اتمام کو نہ پہنچے گی۔

یہ منافقین وہ ہیں جو (**کہیں**)، کہہ پڑے (**کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار ہے**) موعودہ فتح و نصرت کے معاملے میں، کیا ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ صورت حال تو دیکھنے میں یہ آرہی ہے کہ ابوسفیان کے لشکر پر غالب ہونے کی ہم آرزو رکھتے تھے وہ پوری نہیں ہوئی، اور غلبہ میسر نہیں ہوا۔ (**کہہ دو کہ اختیار تو بالکل اللہ**) تعالیٰ (**کا ہے**)، بیشک سب کام خواہ وہ غنیمت ہو۔۔یا۔۔ ہزیمت، وہ اسی کے حکم سے ہیں۔ بالآخر غلبہ اللہ تعالیٰ اور اسکے اولیاء کو ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ یہ منافقین (**چھپاتے ہیں اپنے اندر وہ جو ظاہر نہیں کرتے تم سے**) مسلمانوں کی تلوار کے خوف سے ۔۔یا۔۔ اس ڈر سے کہ انکے برے کام اور خراب نیتیں کھل جائینگی، دل میں انکار و تکذیب رکھتے ہیں اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ ہدایت حاصل کرنے کیلئے سوال کر رہے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ یہ منافقین تنہائی میں آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے چپکے چپکے (**کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ اختیار رہوتا**)، اور فتح و نصرت میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا۔۔یا۔۔ ہمارا دین اسلام برحق ہوتا، (**تو ہم**) یعنی ہمارے لوگ (**یہاں مارے نہ جاتے**)۔

اے محبوب! ان ناسمجھوں سے واضح لفظوں میں (**کہہ دو**) کہ (**اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے**) تو (**ضرور نکل آتے**) تم میں سے (**وہ**) لوگ (**لکھ دیا گیا ہے**) لوحِ محفوظ میں روزِ ازل ہی سے (**جن پر قتل ہو جانا اپنی اپنی قتل گاہ میں**)۔

۔۔الغرض۔۔وہ لوگ جنکے متعلق لوحِ محفوظ میں لکھا جاچکا ہے، کہ یہ غزوۂ احد میں مرینگے، تو کوئی نہ کوئی سبب انھیں غزوۂ احد کیلئے حاضری میں مجبور کردیتا۔ یہ منافقین کی خام خیالی ہے کہ اگر شہید ہونے والے لوگ مدینہ میں ہوتے، تو قتل سے بچ جاتے۔ اسلئے کہ تقدیر الٰہی ہرگز نہیں ٹلتی اور نہ ہی اسکے حکم میں کوئی خلاف ہوتا ہے۔

اب مسلمانوں سے خطاب ہوتا ہے کہ۔۔۔

اے ایمان والو! جوغم والم تم پر تھا، ایسے غم والم کے بعد امن وآرام تم کو بھیجا، تاکہ اسکے وعدہ پر یقین کامل رکھو (اور) اس میں یہ بھی حکمت ہے (تاکہ آزمائے اللہ) تعالیٰ (جو تمہارے سینوں میں ہے) اخلاص وغیرہ۔۔الغرض۔۔دلوں کے اسرار اور مخفی بھید واضح ہوکر باہر آجائیں (اور تاکہ چھانٹ کر رکھ دے) اور خالص کردے (جو تمہارے دلوں میں ہے) تمہارے دلوں کا ہر بھید، ہر معاملہ کھرے سونے کی طرح صاف وشفاف اور بے داغ ہوجائے، جان لو (اور) یقین کرلو کہ (اللہ) تعالیٰ (سینوں کی بات کو جانتا ہے) یعنی وہ اسرار اور بھید جو کہ سینوں میں چمٹے ہوئے ہیں، ایسا کہ کسی وقت اس سے جدا نہیں ہوتے، بلکہ ہر وقت اسکے ساتھ ملازمت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم وخبر سے باہر نہیں۔

مسلمانوں اپنے دلوں کو اس اندیشے سے پاک کرلو کہ نصرت الٰہی تمہارے ساتھ نہیں۔ غزوۂ احد میں تمہیں جو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا، اس میں شیطانی وسوسوں کا دخل ہے، جس نے تمھیں کوتاہ فکری اور سوءِ عملی کی راہ دکھادی اور پھر تم اس پر عمل کر بیٹھے۔ غور کرو کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ

بے شک جولوگ پھر گئے تم میں سے جس دن ملیں دونوں فوجیں، انکو شیطان ہی نے ڈگمگادیا،

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

بسبب اسکے جو بعض کمائی کی تھی انھوں نے۔ اور بیشک ضرور اللہ نے معاف فرمادیا ان سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے●

ع

(بیشک جولوگ پھر گئے تم میں سے) اور ہزیمت اٹھائی اس دن، (جس دن ملیں) مسلمانوں اور کافروں (دونوں) کی (فوجیں) جنگ احد میں، تو (انکو شیطان ہی نے ڈگمگادیا) یا ان سے لغزش چاہی اور انھوں نے اس امر کی اسکی فرمانبرداری (بہ سبب اس) شامت اعمال (کے، جو بعض) تھی اس (کمائی)، جو (کی تھی انھوں نے)، یعنی حکم رسول کی تعمیل نہ کرنا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ بے حد فضل فرمانے والا ہے

(اور) کرم فرمانے والا ہے، لہٰذا (بیشک ضرور اللہ) تعالیٰ (نے معاف فرمادیا ان سے) انکی اس فرو گذاشت کو، انکے عذر و توبہ اور کمالِ ندامت کی وجہ سے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) اور (حلم والا ہے)۔ گنہگار کے گناہ کے سبب اسکے عذاب میں عجلت نہیں کرتا، بلکہ توبہ کرنے کا موقع عنایت فرماتا ہے اور پھر صدق دل سے توبہ کرنے والوں کی توبہ، قبول بھی فرمالیتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

اے مسلمانو! مت ہوانکی طرح جنھوں نے کفر کیا، اور اپنے بھائیوں کیلئے کہا

اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا

جب کہ وہ سفر گئے زمین میں یا مجاہد تھے کہ اگر ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے

وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ

اور نہ قتل کیے جاتے تا کہ کردے اللہ اس کو حسرت ان کے دلوں میں۔

وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

اور اللہ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اور اللہ جو کرو دیکھ رہا ہے●

(اے مسلمانو!) تم نے شیطانی وسوسوں کا تو حال دیکھ ہی لیا، جسکی وجہ سے غزوۂ احد میں تمہیں ہزیمت اٹھانی پڑی، تو اب منافقین جو شیطان کے مددگار ہیں، کے وسوسوں سے بھی خبردار اور ہشیار ہو جاؤ اور (مت ہو) جاؤ اپنے عقائد و نظریات اور اعمال و کردار میں (ان) منافقین (کی طرح جنھوں نے) کئی ایک (کفر کیا)، جن میں ایک تقدیر الٰہی کا انکار بھی ہے۔ جبھی تو وہ مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے سے عار دلاتے تھے اور جو مسلمان انکے نسبی یا بظاہر دینی بھائی تھے 'کیونکہ منافق بھی بظاہر مسلمان تھے' جب وہ کسی دور دراز سفر پر جاتے ۔۔یا۔۔ کافروں کے خلاف جہاد کرنے کیلئے جاتے اور اس سفر میں فوت ہوجاتے ۔۔یا۔۔ قتل کردیئے جاتے، تو وہ انکے متعلق کہتے کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے، تو نہ مرتے اور نہ ہی قتل کیے جاتے۔

۔۔الختصر۔۔ ایک طرف تو انھوں نے کفر کیا (اور) دوسری طرف (اپنے) نسبی ۔۔یا۔۔ سببی (بھائیوں کیلئے کہا) اور انکے متعلق اظہارِ خیال کیا (جبکہ وہ) تجارت کیلئے یا اپنے دوسرے اہم مقاصد

کیلئے (سفر) میں (گئے) اور اپنے گھروں سے (زمین میں) سفر کرتے ہوئے دور چلے گئے، (یا) وہ (مجاہد تھے) اور جہاد کی غرض سے نکلے تھے، پھر وہ وفات پا گئے یا شہید ہو گئے (کہ اگر) وہ (ہوتے ہمارے پاس) ہمارے شہر مدینہ میں، (تو نہ مرتے، اور نہ) ہی (قتل کئے جاتے)۔

تو اے مسلمانو! منافقین کے ان شبہات پر توجہ نہ دو اور اس سلسلے میں وہ اپنی بکواس کرتے رہیں، مگر تم انھیں درخور اعتناء نہ سمجھو اور انکی فریب دہی کی کوششوں کو رائگاں کر دو، (تاکہ کر دے اللہ) تعالیٰ انکی (اس) بکواس (کو) سامان (حسرت انکے دلوں میں)، اور سوچنے لگیں کہ کاش کہ ہم نے ایسی بات نہ کہی ہوتی، جو ان سچے ایمان والوں پر اثر نہ کر سکی اور پھر اس وقت انکا کیا حال ہوگا، جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمان انکے بزدلانہ پروپیگنڈے کے باوجود، جہاد کیلئے نکل رہے ہیں اور جہاد کر کے سلامتی کے ساتھ مال غنیمت لیکر واپس لوٹ رہے ہیں۔

اب اگر بالفرض انکے چکر میں کوئی آ بھی گیا ہوگا، تو وہ بھی سوچے گا کاش اس نے ان منافقین کا کہانہ مانا ہوتا اور جہاد میں چلا گیا ہوتا۔ یہ تو رہی دنیا کی بات، آخرت میں قیامت کے دن جب منافقین دیکھیں گے، کہ مجاہدین اور شہداء کو اللہ تعالیٰ کس قدر انعام و اکرام سے نواز رہا ہے، اور انکو بے پناہ اجر و ثواب مل رہا ہے، اور منافقوں کو اپنے اس قول کی بنا پر ذلت اور رسوائی کے عذاب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، تو وہ حسرت سے کہیں گے، کہ کاش ہم نے یہ نہ کہا ہوتا۔ ویسے دنیا میں بھی ان مسلمانوں پر جو انکے فریب میں آ گئے تھے، جب انکے مکر و فریب کا حال کھل جائیگا اور پھر وہ ان سے بیزار ہو جائینگے، تو پھر وہ منافقین حسرت سے کہیں گے، کہ کاش ہم نے یہ نہ کہا ہوتا۔

تو مسلمانو! منافقین کی بکواس پر کان نہ دھرو (اور) یقین رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ ہی (جلاتا ہے) زندگی عطا فرماتا ہے اور اسے بچاتا ہے (اور) صرف یہی نہیں بلکہ وہی (مارتا ہے) اور وفات دیتا ہے۔ ان میں اقامت و سفر کا کسی قسم کا دخل نہیں۔ بسا اوقات مسافر و غازی کو زندہ رکھتا ہے، باوجود اسکے کہ موت کے بادل انکے سروں پر منڈلا رہے ہیں اور مقیم اور جنگ پر نہ جانے والوں کو موت دیتا ہے باوجود اسکے کہ انکے پاس عافیت و سلامتی کے اسباب موجود ہوتے ہیں۔ سنو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (جو کرو) اسے (دیکھ رہا ہے)، لہٰذا تم اپنے عقیدہ و نظریہ اور قول و فعل میں ان منافقین کی طرح نہ ہو جاؤ۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ

اور بے شک اگر تم شہید کردیئے گئے اللہ کی راہ میں یا مرے، تو اللہ کی بخشش

وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

اور رحمت ضرور زیادہ بہتر ہے اس سے جو وہ کافر جمع کریں●

(اور) اچھی طرح سمجھ لو کہ (بیشک اگر تم شہید کر دیئے گئے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں، یا) خدا ہی کی رضا وخوشنودی کی حالت میں (مرے)، یعنی زندگی دین کی تبلیغ میں گزاری، قرآنِ کریم کو پڑھتے پڑھاتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو لوگوں تک پہنچاتے رہے، اب اگر اس دوران میں موت آگئی تو یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنا ہے۔۔المختصر۔۔خدا تک جو راہ لیجاتی ہے، اسی پر چلتے ہوئے مرنا ہی 'موت فی سبیل اللہ' ہے۔

تو جو خدا کے عذاب سے بچنے کیلئے خدا کی راہ پر چلا، (تو) اسکے لئے (اللہ) تعالیٰ (کی بخشش) ہے (اور) جو جنت اور اس کی نعمتوں کی خواہش میں صراط مستقیم پر چلتا رہا، تو اسکے لئے اللہ تعالیٰ کی (رحمت) ہے اور یہ مغفرت ورحمت (ضرور زیادہ بہتر ہے اس سے جو وہ کافر جمع کریں)۔

اسلئے کہ دنیا کے مال ومتاع کی حیثیت ہی کیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جمع کرنے والا اسے جمع کرے اور اسکو استعمال کرنے سے پہلے فوت ہوجائے۔ یہ سارا مال کسی اور کا ہوجائے اور وہ خالی ہاتھ قبر میں چلا جائے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مال جمع کرنے والا تو زندہ رہے، لیکن اسکے پاس یہ مال نہ رہ جائے، اور ناگہانی حادثے میں سب ضائع اور برباد ہوجائے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مال تو رہ جائے، لیکن وہ خود کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوجائے اور اسکے لئے کوئی اندوہ گیں حادثہ پیش آجائے، جسکے سبب وہ مال استعمال نہ کرسکے۔

ویسے بھی دنیاوی لذتوں کے ساتھ ہزاروں پریشانیاں لگی رہتی ہیں اور ہر نعمت خطرات کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر ان سب باتوں سے صرف نظر کرلیا جائے، تو بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ دنیا اور اسکی ساری نعمتیں اور لذتیں فانی ہیں، جن کو بقا نہیں۔۔۔اسکے برخلاف۔۔۔جو شخص اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت حاصل کرنے کیلئے علمی اور عملی جہاد کررہا ہے، وہ اگر اس راہ میں مارا بھی گیا، تو کل آخرت میں اسکو رحمت اور مغفرت مل جائیگی۔

اب اگر اس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی ہے، تو وہ اسکا اجر پائیگا، آخرت کی خیرات

ختم نہیں ہوتی۔ آخرت میں صاحبان مغفرت و رحمت کیلئے ایسا اندوہ گیں حادثہ بھی پیش آنے والا نہیں، جو ان کو آخرت کی نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھانے دے، اور آخرت ہی کی نعمتیں ہیں جنکے ساتھ کوئی غم نہیں ہوتا۔ ساتھ ہی ساتھ آخرت کی نعمتیں اور لذتیں ہمیشہ باقی رہیں گی۔ ظاہر ہے کہ جس نعمت اور لذت کے ساتھ ہر وقت اسکے ختم ہو جانے۔۔یا۔۔چھن جانے کا خوف ہو، تو انسان عین حصولِ لذت کے عالم میں بھی ملول اور پریشان رہتا ہے۔۔المختصر۔۔غور وفکر کے بعد ہر انسان پر منکشف ہو جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت دنیاوی لذتوں سے بہت بہتر ہے۔

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور بیشک تم اگر مرے یا شہید کئے گئے تو ضرور اللہ ہی کی طرف اٹھائے جاؤ گے●

(اور بیشک تم اگر مرے یا شہید کئے گئے)۔۔الغرض۔۔جس طرح بھی تمہاری موت واقع ہوئی، وہ ارادۂ الٰہیہ ہی سے ہوئی، اسکے بغیر موت واقع نہیں ہوسکتی۔۔الغرض۔۔فی سبیل اللہ وفات پانے کے بعد تم (تو ضرور اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف اٹھائے جاؤ گے) جو معبودِ برحق، عظیم الشان واسع الرحمۃ اور جزیل الاحسان ہے۔ اسکے غیر کی طرف تمہیں نہیں لے جایا جائیگا، پھر وہ اجر وثواب پورے طور پر عطا فرمائیگا اور بہت بڑے بڑے عطیات سے نوازے گا۔ اگر مغفرت، عذاب سے بچنے کی خواہش رکھنے والے عبادت گزاروں کیلئے ہے اور رحمت، جنت کی تمنا رکھنے والے عابدین کیلئے ہے، تو یہ مرتبۂ خاص، یعنی قربِ الٰہی میں حاضری، تو یہ ان خوش بخت ایمان اور نیک عمل والوں کیلئے ہے، جنھوں نے صرف رضائے الٰہی، قربِ خداوندی اور اپنی شان بندگی کے اظہار کیلئے ہی عبادت کی ہے۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کے مناظر بہت سارے ہیں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

تو اللہ کی رحمت ہی کا سبب ہے کہ تم نرم دل ہوئے ان کیلئے۔ اور اگر ہوتے تم طبیعت کے تند اور دل کے سخت،

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

ضرور وہ سب ادھر اُدھر ہو جاتے تمہارے گرد سے، تو ان کو معاف کرو اور انکے لیے بخشائش چاہو، اور کام میں ان سے

فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ ﴿۱۵۹﴾

مشورہ لیا کرو، پھر جب تم نے مضبوط ارادہ کرلیا تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک اللہ دوست رکھتا ہے توکل والوں کو●

(تو) یہ بھی (اللہ) تعالیٰ (کی رحمت ہی کا سبب ہے کہ تم نرم دل ہوئے انکے لئے)۔

یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہیں۔ مومنین کیلئے آپ نرمی کرتے ہیں۔ آپ انھیں اپنے سینے سے لگاتے ہیں اور اپنے مکارم اخلاق سے مخصوص رکھتے ہیں اور آپکی ہر نرمی کا پہلو انہی کی طرف ہوتا ہے، باوجودیکہ کبھی کبھی ان سے آپ کی حکم عدولی ہوجاتی ہے اور آپکے دشمنوں سے ساز باز کرلیتے ہیں، لیکن آپ ان سے لطف وکرم کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ غزوۂ احد میں ہزیمت کھاکر مسلمان جب پھرے، تو رسولِ مقبول ﷺ نے ان سے کدورت اور شدت نہ فرمائی، بلکہ دلجوئی اور خوش خوئی کے ساتھ آپ ان سے پیش آئے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری میٹھی باتیں اور نیک خوئی میری رحمت کے سبب سے تھی۔

(اور اگر) بالفرض (ہوتے تم طبیعت کے تند)، بدخو۔۔یا سخت گو۔۔یا ظالم (اور دل کے سخت) شقی القلب، (تو ضرور وہ سب اِدھر اُدھر ہوجاتے تمہارے گرد سے)، یعنی آپکے اصحاب بکھر جاتے اور آپ کے قریب کوئی نہ آتا اور نہ ہی کوئی آپ کے پاس ٹھہرتا، (تو انکو معاف کر) د(و)، انکی تقصیر جو انھوں نے تمہاری خدمت میں کی ہے (اور ان کیلئے بخشائش چاہو) مجھ سے، اس سستی کی جو میرے حقوق ادا کرنے میں انھوں نے کی ہے، اور کفار سے محاربہ ومقاتلہ کے تعلق سے۔

(اور) ہر اس (کام میں) جس میں حق تعالیٰ کی طرف سے حکم قطعی نہیں ہے، (ان سے مشورہ لیا کرو) اسطرح سے انکے دل بھی خوش ہوجائینگے اور اس سے انکے مراتب کی بلندی بھی سب کو معلوم ہوجائیگی۔۔۔علاوہ ازیں۔۔۔امت کیلئے سنت کا اجراء بھی ہوجائیگا۔ (پھر جب تم نے) مشورہ کرلینے کے بعد اور تمہیں اطمینان قلبی حاصل ہوجانیکے بعد، کسی کام کے کرنے کا (مضبوط ارادہ کرلیا، تو) اس بات کے اجراپر (اللہ) تعالیٰ (پر بھروسہ رکھو) نہ کہ مشورہ پر، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر توکل آپ کی شان کے لائق اور مناسب ہے، اسلئے کہ آپ کیلئے زیادہ موزوں اور زیادہ بہتر کیا ہے، اسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، نہ کہ یہ مشورہ دینے والے۔ متوکلین کی عظمت کیلئے یہی کافی ہے کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے) اس پر (توکل) کرنے (والوں کو)۔ غزوۂ بدر کے متوکلین نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ۔۔۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ

اگر مدد فرمائے تم لوگوں کی اللہ، تو کوئی تمہارے اوپر غالب نہیں، اور اگر چھوڑ دے تم لوگوں کو، تو کون وہ ہے

يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

جوتمہاری مدد کرے اس کے بعد۔ اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ایمان والے●

(اگر مدد فرمائے تم لوگوں کی اللہ) تعالیٰ (تو کوئی تمہارے اوپر غالب نہیں) جیسا کہ غزوۂ بدر میں ہوا (اور) اسکے برخلاف (اگر چھوڑ دے تم لوگوں کو، تو کون وہ ہے جوتمہاری مدد کرے اسکے بعد) جیسا کہ غزوۂ احد میں دیکھا گیا۔۔المختصر۔۔فتح وکامرانی اور سربلندی وسرفرازی کیلئے لائق وفائق (اور) مناسب بات یہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی پر بھروسہ رکھیں ایمان والے)۔

حقیقی متوکل کی پہچان یہی ہے کہ وہ شخص خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور نہ امید رکھے۔

اے ایمان والو! سابقہ ارشادِ الٰہی میں تم نے جہاد کے احکام سنے اور جہاد کے احکام میں ایک حکم مالِ غنیمت تقسیم کرنا ہے اور مالِ غنیمت کی تقسیم میں خیانت سے خود کو بچانا ہے اور ظاہر ہے کہ مالِ غنیمت کی عادلانہ تقسیم نبی سے بہتر اور کون کر سکتا ہے، چونکہ۔۔۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

ممکن نہیں نبی کیلئے کہ کچھ دبا بیٹھیں۔ اور جو شخص کچھ دبالے وہ لائے گا جو کچھ دبالیا ہے قیامت کے دن۔

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

پھر بھرپور دیا جائے گا ہر ایک جو کمار کھا ہے، اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے●

(ممکن) ہی (نہیں) کسی (نبی کیلئے) چہ جائیکہ وہ سید الانبیاء ہو، (کہ کچھ دبا بیٹھے) یا کسی مستحق کو اسکا حصہ نہ دے۔۔یا۔۔اشراف کو زیادہ حصہ دے اور کمزوروں کو کم عطا فرمائے۔۔تو۔۔غزوۂ بدر کے موقع پر ایک سرخ رنگ کی چادر گم ہو جانے کی صورت میں، منافقین کا یہ سوچنا کہ اسے نبی کریم نے لے لیا ہوگا۔۔یا۔۔غزوۂ احد میں ایک مقام خاص پر متعین بعض تیر اندازوں کا خیال کرنا، کہ اگر ہم نے مالِ غنیمت نہیں حاصل، تو شاید اس میں سے ہمیں حصہ نہ دیا جائے، اسی لئے وہ اسکی طرف کو دوڑ پڑے۔

آیت کریمہ نے ان تمام خیالات کا رد فرما دیا، کہ خیانت کرنا کسی نبی کی شان نہیں ہے، تو

جو سید الانبیاء اور امام المرسلین ہیں، انکے متعلق یہ گمان کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ کی شان رفیع تو یہ ہے کہ آپ قرآنِ کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے جس میں مشرکین کے دین کی مذمت تھی اور انکے باطل خداؤں کا بطلان ظاہر کیا گیا تھا۔ آپ ان آیتوں کو برملا تلاوت فرماتے رہے اور مشرکین کی اس خواہش کو کہ 'آپ ان آیات کو نہ پڑھا کریں' لائق اعتناء نہیں سمجھا۔ ظاہر ہوگیا کہ نبی کریم کسی طرح کی خیانت کرنے والے نہیں، خواہ وہ مالِ غنیمت کی تقسیم ہو۔۔یا۔۔احکامِ الٰہی کا اظہار ہو۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ نبی سے بہتر اس حقیقت کو کون سمجھ سکتا ہے کہ (جو شخص کچھ دبالے) مالِ غنیمت میں سے، (وہ لائے گا جو کچھ دبالیا ہے)، یعنی اس چیز کو جس میں خیانت کی ہے ۔۔یا۔۔خیانت کرنے کے گناہ کا بوجھ (قیامت کے دن)۔۔الغرض۔۔وہ اس دن سب کے سامنے رسوا اور ذلیل ہوگا، خیانت کا مال خواہ ایک سوئی۔۔یا۔۔تاگا ہی کیوں نہ ہو۔

۔۔چنانچہ۔۔ایک شخص نے غنیمت تقسیم ہونے کے قبل، ایک پرانی رسّی اٹھالی تھی اور غنیمت تقسیم ہوچکنے کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ کے پاس لایا۔ حضرت نے اس رسّی کو قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ رکھ چھوڑ، تاکہ قیامت میں تو لائے۔

(پھر بھرپور دیا جائیگا ہر ایک) اس دن بدلہ، اسکا (جو کمار کھا ہے) اچھا۔۔یا۔۔برا (اور) جزا دیتے وقت (وہ ظلم نہ کئے جائینگے)۔ اس وقت خوش نصیب وہی لوگ ہیں، جو اپنے کو خیانت اور ہر ایسے کام سے بچاتے ہیں، جس سے خدا راضی نہ ہو۔

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ

تو کیا جس نے پیروی کی اللہ کی مرضی کی وہ اس کی طرح ہے جو لوٹ آیا اللہ کے غضب میں

وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶۲﴾

اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور کیا بری پھرنے کی جگہ ہے●

(تو کیا جس نے پیروی کی) خیانت وغیرہ برائیوں سے اپنے کو بچا کر (اللہ) تعالیٰ (کی مرضی کی، وہ اسکی طرح ہے جو لوٹ آیا) خیانت وغیرہ کر کے (اللہ) تعالیٰ (کے غضب میں، اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے)۔ (اور) غور کرو، کہ دوزخ (کیا) ہی (بری پھر) جا (نے کی جگہ ہے)۔ رہ گئے۔۔۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

وہ اللہ کے یہاں درجہ درجہ ہیں اور اللہ ان کے کیے کو دیکھنے والا ہے●

(وہ) یعنی انبیاء کرام اور دوسرے امانت دار لوگ جو رضائے الٰہی کے تابع ہیں، ان کیلئے (اللہ) تعالیٰ (کے یہاں درجہ) پر (درجہ) یعنی درجات (ہیں)، اور وہ بلند درجوں والے ہیں (اور اللہ) تعالیٰ (انکے کئے) ہوئے امانت داری کے کام (کو دیکھنے والا ہے)۔ یونہی خیانت کرنے والوں کی خیانت گزاری کا بھی مشاہدہ فرمانے والا ہے۔۔لہٰذا۔۔انسان کو چاہیئے کہ گھڑی بھر بھی غفلت نہ کرے۔رضائے الٰہی کے مطابق اپنی زندگی گزارنے والوں کی آخرت میں جو شان ہوگی، وہ تو ہوگی ہی، خود اس دنیا میں بھی انعاماتِ الٰہیہ سے سرفراز کیے گئے ہیں۔۔چنانچہ۔۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

البتہ بے شک احسان فرمایا اللہ نے ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول، انھیں سے، تلاوت کرے

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ

ان پر اللہ کی آیتیں، اور پاک کرے ان کو، اور سکھائے ان کو کتاب وحکمت،

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

ورنہ ضرور وہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے●

(المصنف)

(البتہ بیشک احسان فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ایمان والوں پر)۔

اگرچہ رسولِ کریم کی بعثت سارے انسانوں، جنوں بلکہ ساری مخلوق کیلئے ہے، لیکن اس احسانِ عظیم سے کماحقہ فائدہ اٹھانے والے صرف مومنین ہی ہیں، اسلئے خاص طور پر انکا ذکر کر دیا گیا اور فرما دیا گیا، یہ مومنین پر اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان ہے۔

(جو بھیجا) انکی ہدایت کیلئے (ان میں) ایک عظیم (رسول) جو (انھیں) کی طرح نوعِ انسانی (سے) ہے۔ انکی شان یہ ہے کہ (تلاوت کرے ان پر اللہ) تعالیٰ کے نازل فرمودہ قرآنِ کریم کی آیتیں) اور توحید کی نشانیاں۔ (اور) احکام شریعت یا احکامِ زکوٰۃ جاری فرما کر، (پاک کرے ان کو) طبیعت کی خواہشوں کی میل اور نجاست سے۔۔یا۔۔انکے کاموں کی اصلاح کرے، اور انکی پاکی کی گواہی دے۔

(اور سکھائے انکو کتاب)، قرآن وعلوم شرعیہ (وحکمت) سنت اور شریعت کے اسرار ومعارف ۔۔یا۔۔شریعت کے بیان کردہ وہ اصول جن پر عمل کرنے سے ایک فرد، ایک خاندان اور ایک ملک کی اصلاح ہوتی ہے، جسکو تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کہا جاتا ہے۔رسول کریم کی بعثت ان کیلئے اسلئے بھی احسان عظیم ہے کہ اسی بعثت رسول کی برکت سے وہ ہدایت یافتہ ہوئے (ورنہ ضرور وہ لوگ) آپ کے مبعوث ہونے کے (پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے)۔نہ حق جانتے تھے، نہ ہی باطل سے دور رہ سکتے تھے۔

اس سے پہلی آیتوں میں مسلمانوں کو نبی کریم کے ساتھ جہاد کرنے کی تلقین کی تھی۔اس آیت میں یہ بتایا کہ اس عظیم رسول کی بعثت تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، سوتم پر لازم ہے کہ تم اپنی تمام تر قوتوں سے انکے ساتھ ملکر جہاد کرو اور کسی حال میں بھی نبی کریم کی حکم عدولی نہ کرو۔اور یاد کرو حکم نبوی سے انحراف کا نتیجہ۔اور غور کرو کہ۔۔۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ

کیا جب پہنچی تم کو ایسی مصیبت کہ تم خود مصیبت دے چکے تھے اس سے دونی، تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے؟

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

جواب دو کہ وہ خود تمہاری طرف سے ہے۔بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

(کیا جب پہنچی تم کو ایسی مصیبت) یعنی دشمنوں کی طرف سے قتل وزخم اور ہزیمت غزوۂ احد میں (کہ تم خود مصیبت دے چکے تھے اس سے دونی) غزوۂ بدر میں۔یعنی اگر جنگ احد میں تمہارے سترّ افراد شہید ہوگئے، تو تم نے بھی تو غزوۂ بدر میں سترّ کافروں کو قتل کیا اور سترّ کافروں کو قیدی بنایا، اور جب تم پر مصیبت پڑی (تو تم کہنے لگے کہ یہ) مصیبت (کہاں سے) آ گئی۔اے محبوب! ایسوں کو (جواب) دے (دو، کہ وہ خود تمہاری طرف سے ہے)۔تم نے رسول کریم کے حکم کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ اور جس مقام پر تمہیں متعین کردیا گیا تھا، اسکو چھوڑ کر غنیمت لوٹنے کیلئے کیوں نکل پڑے؟ اپنے امیر کی ہدایت کو کیوں نظر انداز کردیا؟ اچھی طرح جان لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قدرت والا ہے)، جس کو چاہے فتح وغنیمت سے نوازے اور جسکو چاہے قتل وہزیمت سے دوچار کردے۔

رب تعالیٰ جس کو فتح دینا چاہتا ہے، اسے فتح کے اسباب کے قریب کردیتا ہے اور جسے شکست دینا چاہتا ہے، اسے شکست کے اسباب کے قریب کردیتا ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور جو کچھ مصیبت آئی تم پر جس دن ملی دونوں فوجیں تو یہ اللہ کے حکم سے، اور تاکہ معلوم کرادے ایمان والوں کو●

(اور) یاد رکھو کہ (جو کچھ مصیبت آئی تم پر) یعنی جو کچھ پہنچا تمھیں ان چیزوں میں سے جو تمہاری طبیعتوں کو مکروہ اور ناگوار تھیں، مصیبت کس دن پہنچی؟ (جس دن ملیں دونوں فوجیں) ایک طرف مسلمانوں کی فوج اور دوسری طرف ابوسفیان کا لشکر، (تو یہ) جو کچھ ہوا، یہ سب (اللہ کے حکم) اور اسکی قضاوقدر (سے) ہوا۔ (اور) اس میں حکمت یہ تھی (تاکہ) اللہ تعالیٰ (معلوم کرادے ایمان والوں کو) انکی ثابت قدمی اور اطاعت شعاری کو۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور تاکہ معلوم کرادے ان کو جو منافق ہوئے، اور ان کو حکم دیا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو،

اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ

یا دشمنوں کو ہٹاؤ، بولے اگر ہم جان لیتے لڑائی ہونے کو، تو ضرور تمہاری پیروی کر چکے ہوتے۔ وہ لوگ علانیہ کفر سے آج زیادہ

اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ

نزدیک ہیں بہ نسبت ایمان کے۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ہے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

ان کے دل میں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں●

(اور تاکہ معلوم کرادے)، ظاہر فرمادے (انکو جو منافق ہوئے)، یعنی منافقین کی اہل اسلام سے خصومت وعداوت کو نمایاں کردے۔

--چنانچہ-- عبداللہ ابن ابی اور اسکے تین سو ۳۰۰ ساتھی جنگ احد کے دن نبی ﷺ کی نصرت سے انحراف کر کے لشکر اسلام سے نکل گئے تھے، ان کے پیچھے حضرت جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حزام گئے، اور ان سے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنے نبی کا ساتھ نہ چھوڑو۔ اللہ کی راہ میں قتال کرو یا کم ازکم اپنے شہر کا دفاع کرو۔ تمہارے یہاں ٹھہرنے سے کم ازکم اتنا تو

فائدہ ہوگا، کہ دشمن کو ہماری کثرت محسوس ہوگی۔ اسطرح سے وہ گھبرائیں گے اور ان کے دلوں میں رعب پڑیگا، تو عبداللہ ابن ابی نے کہا کہ میرے خیال میں جنگ نہیں ہوگی اور محمد ﷺ اپنے قرابت والوں سے صلاح کرلینگے۔ اگر ہمیں جنگ کا یقین رہتا، تو ہم تمہارے ساتھ رہتے۔ جب حضرت عبداللہ ان سے مایوس ہوگئے، تو انھوں نے کہا، کہ اے اللہ کے دشمنوں، عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے مستغنی کردیگا، اور پھر نبی کریم کے ساتھ گئے اور شہید ہوگئے۔

۔۔الغرض۔۔انکو سمجھایا گیا (اور ان کو) نبی کریم کا (حکم) پہنچا (دیا گیا، کہ آؤ اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں جہاد کرو یا دشمنوں کو) جو مدینہ والوں کو قتل اور غارت کرنے کا داعیہ رکھتے ہیں، اپنے شہر سے (ہٹاؤ) اور انھیں دفع کردو۔ یہ سن کر منافقین اپنے رئیس عبداللہ ابن ابی کے توسط سے بطور استہزاء (بولے، اگر ہم جان لیتے) کہ (لڑائی ہونے کو) ہے، (تو ضرور تمہاری پیروی کرچکے ہوتے)، اور تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، مگر چونکہ ہمارا گمان غالب ہے کہ یہ جنگ ہونے والی ہی نہیں، تو ہم کو اسلامی لشکر کا ساتھ دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۔۔یوں بھی۔۔اگر یہ قتال ہو بھی جائے تو یہ اس لائق نہیں کہ اسے راہِ خدا میں جہاد کا نام دیا جائے، اسلئے کہ اس میں تو صرف اپنی جان کی ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اپنے انھیں خیالات اور انھیں بے ہودہ اقوال کی بنا پر (وہ لوگ علانیہ کفر سے آج زیادہ نزدیک ہیں بہ نسبت ایمان کے)، یعنی انکا آج کے دن ایمان کے بجائے کفر میں اضافہ ہوا، کہ اس سے قبل وہ منافقت سے کفر کو مخفی رکھتے تھے اسلئے بظاہر کفر سے دور تر تھے اور جب انھوں نے کفر کو ظاہر کردیا، تو کفر کے قریب تر ہوگئے۔۔یا۔۔مدد دینے میں مسلمانوں کی بہ نسبت کافروں سے اقرب ہیں۔

(کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ہے انکے دل میں)۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ لڑائی ہوگی، مگر زبان سے کہتے ہیں نہیں ہوگی۔۔یونہی۔۔ان پر اچھی طرح واضح ہے کہ یہ قتال جہاد فی سبیل اللہ ہے، مگر زبان سے اسکو وہ صرف اپنی جان کی ہلاکت قرار دے رہے ہیں، تو سن لو (اور) یقین رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں)۔ انکی منافقت، تنہائی میں ان کے آپس کے مشورے اور سرگوشیاں، اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔

منافقین کی یہ دلی خواہش تھی، کہ جس طرح ہم گھر بیٹھے رہ گئے اور جنگ کیلئے نہیں نکلے اور

لشکرِ اسلام سے بغاوت کرلی، اسی طرح ہمارے رشتہ دار لوگ بھی جنگ سے علیحدگی اختیار کرلیں، اور بغاوت کرجائیں۔۔المختصر۔عبداللہ ابن ابی کے اصحاب یا انکے سوا۔۔۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ

جنھوں نے کہا اپنے رشتہ کے بھائیوں کیلئے اور خود بیٹھ رہے کہ اگر ہمارے کہے پر چلے ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے۔

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

جواب دو کہ تمہیں ہٹالو اپنے سے موت کو اگر سچے ہو●

(جنھوں نے کہا اپنے رشتہ کے بھائیوں کیلئے) جنکا تعلق خزرج سے تھا اور جو جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے (اور خود) وہ (بیٹھ رہے) یعنی شریک جہاد نہیں ہوئے، (کہ اگر ہمارے کہے پر چلے ہوتے) اور اپنے ہی گھر میں رہ جاتے اور شریک جہاد نہ ہوتے، (تو قتل نہ کئے جاتے)، جس طرح ہم لوگ اپنے گھروں میں رہنے کی وجہ سے قتل سے محفوظ رہے۔اے محبوب! انکی اسی کوتاہ فکری کا (جواب دو، کہ) اگر موت کا اختیار تمہارے ہی ہاتھ میں ہے، تو ذرا (تمہیں ہٹالو اپنے سے موت، کو اگر) تم اس بات میں (سچے ہو)، کہ گھر بیٹھنے میں قضا و قدر ٹل جاتی ہے۔

منافقین نے جس دن یہ بات کہی، اسی دن انکے ستر آدمی مرگئے، تو پھر گھر بیٹھنا ان کو موت سے کہاں بچاسکا۔وہ مرے اور مرکر مٹی میں مل گئے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ

اور خیال بھی نہ کرنا جو شہید کیے گئے اللہ کی راہ میں ان کو مردہ،

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

بلکہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس روزی دیئے جاتے ہیں●

(اور) اسکے برعکس اے دامن رسول ﷺ سے وابستہ ایمان والو! (خیال بھی نہ کرنا) انکے حلق سے (جو شہید کئے گئے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں انکو مردہ، بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی دیئے جاتے ہیں)۔

یہاں معیت سے مراد، معیت تشریف و تکریم ہے، اسلئے کہ معیت مکانی اللہ تعالیٰ کے حق

میں محال ہے۔کلام کا حاصل صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت مکرم و معظم ہیں۔۔نیز ۔۔اگرچہ بظاہر یہ خطاب حضور ﷺ سے ہے، مگر اسکا مخاطب آپکا ہر امتی ہے۔اس خطاب سے مخاطب فرما کر انھیں مشرف کیا گیا اور انھیں جہاد کی رغبت دلائی گئی۔۔نیز۔۔انھیں یہ یقین دلا دیا گیا کہ جہاد کی جزا بہتر واعلیٰ نصیب ہوتی ہے۔انھیں ہر سال جہاد کا ثواب پہنچتا ہے، زمین انھیں نہیں کھاتی، مردوں کی طرح انھیں غسل نہیں دیا جاتا، زندوں کی طرح اپنے زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور بہشت کے پھلوں اور میووں سے انھیں رزق دیا جاتا ہے۔۔الغرض۔۔اس خطاب سے آپ ﷺ کی امت کو گمان سے روکنا مطلوب ہے۔رہ گئی نبی کریم کی شان، تو آپ کی ذات ستودہ صفات اس طرح کے گمان سے پاک و صاف ہے۔ان شہداء کرام کی شان یہ ہے کہ۔۔۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ

خوش خوش اس سے جو دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے۔اور شاد ہو رہے ہیں ان سے،

لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۷۰

جو ابھی نہیں ملے ان سے بعد والے۔کہ نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں۔۔۔ ●

وہ (خوش) اور بہت ہی (خوش) ہیں (اس) اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی خوشنودی (سے، جو دیا ہے انکو اللہ) تعالیٰ (نے اپنے فضل سے)۔ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اتنی بڑی دولت، ایسی عظیم عطا ہے، جس سے بڑھ کر کسی اور چیز کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا (اور شاد ہو رہے) ہیں، اپنے (ان) عزیزوں (سے) جن سے متعلق انھیں بشارت سنادی گئی اور (جو ابھی) دنیا ہی میں باحیات ہیں اور (نہیں ملے) ہیں (ان) پہلے شہید ہوجانے والوں (سے)، جو (بعد) میں آنے (والے) ہیں۔جن کے تعلق سے بتا دیا گیا ہے کہ تم جن بھائیوں کو چھوڑ آئے ہو، انکا حال یہ ہے کہ جب وہ وفات پائینگے ۔۔یا۔۔شہید ہونگے، تو وہ بھی حیاتِ ابدیہ سے فائز ہو کر بزرگی میں تمہارے شریک ہونگے، کیوں (کہ نہ) تو (ان پر) قیامت میں آنے والے خطرات میں سے کسی بھی خطرے کا (کوئی خوف ہے اور نہ) ہی دنیا کی لذات اور دنیاوی نعمتوں کے چھوٹنے سے (وہ رنجیدہ) خاطر (ہوں) گے۔انکی شادمانی کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ وہ خوف وحزن کا شکار نہیں ہونگے۔۔بلکہ۔۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

شادشاد ہورہے ہیں اللہ کی نعمت وفضل سے۔ اور یہ کہ بے شک اللہ نہیں بیکار کرتا ایمان والوں کے اجرکو●

وہ (شادشاد ہورہے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی) ان پر ہونے والی مخصوص (نعمت وفضل) خاص (سے)، جن نعمتوں کو صرف وہی قادر مطلق جانتا ہے۔ فضل کہتے ہیں نعمت پر بقدر استحقاق زیادتی کو، تو نعمت پر جو چیز زیادہ بندے کو عطا ہو، وہی فضل ہے (اور) شہیدوں اور اطاعت خداوندی کے سایہ میں وفات پانے والوں کی مسرت کی وجہ (یہ) بھی ہے، کیونکہ انھیں معلوم کرادیا گیا ہے (کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں بیکار کرتا ایمان والوں کے اجر کو)۔ لہٰذا ایمان والے مجاہدین کا اجر بھی ضائع نہیں فرمایا جائیگا، بلکہ انکے اعمال صالحہ اور انکی سرفروشی کا انھیں پورا پورا اجر ملے گا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ یہ وہ لوگ ہیں۔۔۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ

جو بلانے پر حاضر ہوگئے اللہ ورسول کے بعد اس کے کہ پہنچ چکا تھا ان کو زخم، انکے لیے جنھوں نے

اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾

اچھے کام کیے ان میں سے اور پرہیزگار ہوئے بڑا ثواب ہے●

(جو بلانے پر حاضر ہوگئے اللہ) تعالیٰ (ورسول کے)، اس وقت جبکہ مدینہ سے باہر نکلنے کا حکم کیا اور وہ بھی (بعد اسکے کہ پہنچ چکا تھا انکو زخم)۔

وہ اسطرح پر تھا کہ ابوسفیان جب احد سے واپس ہوگیا، تو اسی دن کہ ہفتہ کا روز اور شوال کی ساتویں تاریخ تھی، اخیر وقت سید عالم ﷺ مدینہ کو تشریف لائے اور اتوار کی صبح کو حکم فرمایا کہ احد کے لشکری دشمنوں کا پیچھا کریں اور جو شخص جنگ احد میں حاضر نہ تھا، وہ اس لڑائی میں باہر نہ آئے۔ صحابہء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس حکم نبوی کی اطاعت کی اور تھکے ماندے اور زخمی ہونے کے باوجود، مکہ کی راہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور حمراء الاسد میں لشکر ہمایوں پیکر کا قیام ٹھہرا۔ شب کو بہت سی آگ روشن کی، تاکہ لشکر اسلام کی عظمت کا آوازہ قبائل عرب کے سرداروں کو پہنچے اور وہ اچھی طرح جان لیں کہ مسلمان کچھ کمزور اور عاجز نہیں ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اطاعت شعاروں کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے انکے لئے فرماتا ہے کہ:

(ان کیلئے جنھوں نے اچھے کام کئے، ان) وفا شعاروں (میں سے) اور نبی کریم سے جو عہد کیا، اسے پورا فرمادیا۔۔ نیز۔۔ حکم پیغمبر کی مخالفت میں غضب خدا سے ڈرے (اور پرہیزگار ہوئے)، ایسے خوش نصیبوں اور فیروز بختوں کیلئے بہشت کی شکل میں (بڑا ثواب ہے)۔

ابوسفیان کو اپنے واپس ہوجانے سے بڑی ندامت ہوئی اور لشکر اسلام کے استیصال کی نیت سے پھر سے دوبارہ لشکر اسلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ناگاہ حمراء الاسد میں آنحضرت ﷺ کے پہنچنے کی خبر لوگوں نے اس کو دیدی، جس سے ان لوگوں کے دلوں میں خوف وہراس پیدا ہوگیا، تو جہاں تھے، وہیں سے مکہ معظمہ کی طرف بھاگ چلے۔ راہ میں مدینے کی طرف آتے ہوئے تاجروں یا بدّووں کے جو قافلے ان کو ملتے، ان سے بڑی تاکید اور بڑے ہی اصرار کے ساتھ کہہ دیتے کہ اسلامی لشکر جہاں دیکھنا، ہماری طرف سے ڈرا دینا، اور یہ ظاہر کردینا وہ لوگ اپنا لشکر نئے سرے سے آراستہ کرکے تمہاری طرف آنے کیلئے تیار ہیں، اور تم سے جدال وقتال کرنے اور تمہارا بالکلیہ استیصال کردینے کیلئے کمربستہ ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ جب لوگ حمراء الاسد میں مسلمانوں سے ملے، تو ابوسفیان کے سکھائے ہوئے حربے کو استعمال کیا، تو نبی کریم کے۔۔۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ بے شک لوگوں نے ایک جمعیت بنالی ہے تمہارے لیے تو ان کو ڈرو، تو اس خبر نے

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

بڑھادیا ان کو ایمان میں، اور بولے کہ کافی ہے ہمارے لیے اللہ، اور کیسا اچھا کارساز ہے●

(وہ) اطاعت شعار لوگ (جن سے) ابوسفیان کے مخبر (لوگوں نے کہا کہ بیشک) مکہ کے مشرک (لوگوں نے) ابوسفیان کی قیادت میں (ایک جمعیت بنالی ہے تمہارے لئے)، تم کو تباہ وبرباد کردینے کیلئے، (تو ان کو ڈرو)۔

۔۔الغرض۔۔ ابوسفیان کے کہنے کے مطابق ان تاجروں یا بدّووں نے مسلمانوں کو ڈرانا اور دھمکانا شروع کیا، مگر چونکہ عنایت الٰہی مسلمانوں کے شامل حال تھی، اسلئے کسی طرح انکے خلوص میں تزلزل اور فتور نہ پڑا۔

(تو اس خبر نے بڑھادیا انکو ایمان میں) انکا یقین واذعان اور بھی بڑھ گیا۔

اسلئے کہ وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں انسان کا شرح صدر ہوتا ہے اور وہ دلائل پر مطلع ہوتا ہے، تو اسکا ایمان اور پختہ اور قوی ہو کر ایمانِ کامل ہو جاتا ہے۔ تو پھر ایسے لوگ بفضلہٖ تعالیٰ ذرّہ برابر خوف زدہ نہیں ہوئے۔

(اور) نہ ڈرے، بلکہ (بولے کہ کافی ہے ہمارے لئے اللہ) تعالیٰ، جو ہماری مدد فرمانے والا ہے اور کفایت کرنے والا ہے (اور) وہ (کیسا اچھا کارساز ہے)۔

بعضوں کے نزدیک یہ آیت اور اسکے بعد جو آیت ہے، وہ جنگ بدر صغریٰ سے متعلق ہے۔ روایت ہے کہ ابوسفیان نے جنگ بدر کے روز یہ بات ٹھہرائی کہ ہماری لڑائی کی میعاد دوسرے برس موضع بدر ہے، اور پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اسکے جواب میں کہہ دو کہ ایسا ہی ہوگا۔ دوسرے برس جب وعدہ قریب آیا، تو ابوسفیان نے پشیمان ہو کر نعیم بن مسعود کو مقرر کیا کہ وہ مدینے میں جائے اور لشکر اسلام کو قریش سے ڈرائے اور ایسا کرے کہ وہ سفر بدر کا قصد ملتوی رکھیں۔

نعیم مدینے میں آیا اور ہر چند خوف دلانے کے واسطے باتیں بنائیں، کہ لشکر کفار بہت ہے اور ہتھیار انکے پاس کثرت سے ہیں، اور باہم بڑا اتفاق ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کے سوا کوئی جواب نہ پایا اور آنحضرت ﷺ احد کے غازیوں اور دوسری جماعت کے ساتھ کہ سب ڈیڑھ ہزار آدمی تھے، بدر کو تشریف لے گئے اور آٹھ دن وہاں قیام فرمایا۔ بازاریں لگ گئیں اور خرید و فروخت میں بڑا نفع ہوا، اور اہل اسلام کے خوف سے کفار وہاں نہ آئے اور حق تعالیٰ نے یہ آیتیں بھیجیں۔ وہ لوگ کہ پہلی آیت میں جن سے قافلہ مراد لیا تھا، اس صورت میں یہاں نعیم بن مسعود ہوگا اور بہر تقدیر دوسری جگہ 'ناس' کے لفظ سے ابوسفیان اور اسکے اتباع مراد ہیں۔ اور مسلمانوں کے حال کا تتمہ یہ ہے کہ۔۔۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ

تو وہ لوٹے اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ۔ نہ چھوا ان کو کسی برائی نے۔

وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

اور وہ چلے اللہ کی مرضی پر۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے●

(تو وہ لوٹے) پہلے قول کے مطابق 'حمراء الاسد' سے اور دوسرے قول کے مطابق 'موضع بدر' سے (اللہ) تعالیٰ (کی نعمت و فضل کے ساتھ)، یعنی عافیت تمام اور ثواب لاکلام کے ساتھ، (نہ چھوا انکو) قتل،

جرح اور ہزیمت جیسی (کسی برائی نے)، بلکہ صحیح وسلامت گئے۔ بزرگی اور کرامت کے ساتھ واپس آئے، (اور وہ چلے اللہ کی مرضی پر) رسول خدا کی فرمانبرداری کر کے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (بڑے) ہی (فضل والا ہے) اور یہ اسکا فضل ہی ہے کہ اس نے مومنوں سے مشرکوں کو دفع فرما دیا۔ ابوسفیان کے مخبر، خواہ وہ تاجر ہوں۔۔یا۔۔بدّو ہوں۔۔یا۔۔نعیم ہو، درحقیقت یہ سب شیطان کے دوست ہیں۔۔تو۔۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ

بس یہ شیطان ہی ہے ڈرواتا ہے اپنے دوستوں سے، تو تم ان کو نہ ڈرو۔

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

تم تو مجھ سے ڈرو اگر ایمان والے ہو●

(بس یہ شیطان ہی ہے) جو (ڈرواتا ہے اپنے) انہی (دوستوں سے) یعنی شیطان نے انکے دلوں میں القاء کیا تھا کہ ڈرائے منافقوں کو تاکہ پیغمبر اسلام کے لشکر سے منافق پھر جائیں اور اس سبب سے مسلمانوں کو شکست ہو جائے، (تو) اے مسلمانو! (تم ان) شیطان کے دوستوں (کو نہ ڈرو) بلکہ (تم تو) صرف (مجھ سے) ہی (ڈرو)، اور میرے احکام کی مخالفت سے بچتے رہو (اگر) تم (ایمان والے) اور میرے وعدہ و وعید کی تصدیق کرنے والے (ہو)۔ یعنی تمہاری ایمانی شان متقاضی ہے کہ تمہارے دلوں میں میرے خوف اور میری خشیت کے سوا کسی کا خوف نہ ہو، اور اس خوف وخشیت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تم میرے اطاعت شعار بنے رہو۔

اے محبوب! یہ کفار قریش آپ سے جنگ کرنے کیلئے جو منصوبے بنا رہے ہیں اور بار بار مدینہ پر لشکر کشی کر رہے ہیں۔۔۔یونہی۔۔۔یہ منافقین جنگ احد کے بعد اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں، کہ اگر نعوذ باللہ 'سیدنا' محمد ﷺ' سچے نبی ہوتے تو جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست نہ ہوتی۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک بادشاہ کی طرح ہیں، جس طرح بادشاہ کو کبھی فتح اور کبھی شکست ہوتی ہے، انکا بھی یہی حال ہے۔۔اسی طرح۔۔وہ کافر جو مسلمان ہو گئے اور پھر کفار قریش سے ڈر کر مرتد ہو گئے، تو مذکورہ بالا کفار ومنافقین اور مرتدین کی حرکتیں بنیادی طور پر دکھ پہنچانے والی اور رنجیدہ خاطر کر دینے والی ہیں۔۔مگر۔۔ اے محبوب! آپ فکر نہ کریں، پورے طور پر مطمئن رہیں۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

اور نہ رنجیدہ کریں تم کو جو دوڑ کر رہے ہیں کفر میں۔ بلاشبہ وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اللہ چاہتا ہے کہ نہ رکھے ان کے لیے کوئی حصہ آخرت میں۔ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ●

(اور) تمہاری یہ شان رہے کہ (نہ رنجیدہ کریں تم کو) انکے اسلام دشمنی پر مشتمل اعمال (جو دوڑ کر رہے ہیں کفر میں، بلاشبہ وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ) تعالیٰ (کا)۔ یہ کفار قریش لاکھ چاہیں، مگر یہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اسکی نشر و اشاعت کو مٹا نہیں سکتے۔ ان جنگوں کے نتیجے میں جو مسلمان زخمی -- یا -- شہید ہو جاتے ہیں، اس سے نہ تو دین اسلام کو کوئی ضرر پہنچتا ہے، اور نہ ہی مسلمانوں کا کوئی نقصان ہوتا ہے، کیونکہ وہ آخرت میں بہت اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔ ایسے ہی منافقین کی مخالفانہ باتیں اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔

-- الغرض -- بلاشبہ یہ سارے کے سارے کفار و منافقین و مرتدین، جو دین الٰہی کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ تعالیٰ کے دین کا اور اسکے دوستوں کا۔ -- چنانچہ -- آخرکار دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ کفار اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اور ایک وقت وہ آیا کہ سرزمین عرب میں اسلام کے سوا کوئی اور دین باقی ہی نہیں رہا، اور آج تک وہاں ایسا ہی ہے۔ اور اسکے بعد مسلمان دنیا کے کئی براعظموں میں فتوحاتِ اسلام کے جھنڈے گاڑتے رہے، سو اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

اس تعلق سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو تسلی دی کہ آپ کفار کی مخالفت سے آزردہ نہ ہوں۔ انکی مخالفت دین اسلام کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی -- گو -- بنیادی طور پر کافر کے کفر اور فاسق کے فسق پر، رنج اور افسوس کرنا دین کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور یہ عین عبادت ہے -- لیکن -- چونکہ نبی کریم بہت ہی رحیم الفطرت تھے، اور لوگوں کے اسلام لانے پر بہت حریص تھے، آپ کو دشمنوں کی ہلاکت کا خیال بھی گراں خاطر تھا، اسلئے انکے کفر پر ڈٹے رہنے سے آپ کو بہت زیادہ رنج ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو بہت زیادہ رنج کرنے سے 'مشفقانہ ممانعت' فرما دی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ سے بہت زیادہ محبت ہے، وہ آپکو آزردہ خاطر نہیں دیکھنا چاہتا۔ -- الغرض -- یہاں 'نہی تشریعی'

نہیں ہے، کہ سوال ہو کہ جو چیز عین عبادت ہو، اس سے منع کیوں فرمایا گیا؟

اب رہ گیا دنیا میں کافروں کو جو ڈھیل دی جارہی ہے اور وہ مادی ترقی میں سب کے آگے نکل رہے ہیں۔ صنعت وتجارت، آلاتِ حرب اور مال ودولت کی فراوانی کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہ کرے، کہ انکا دین اور انکا نظریہ برحق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں، بلکہ یہ سب کچھ صرف اسلئے ہے کہ۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ (چاہتا ہے کہ نہ رکھے انکے لئے کوئی حصہ آخرت میں، اور انکے لئے بڑا عذاب ہے) وہاں وہ صرف ذلت وخواری کے عذاب میں مبتلا رہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کا دنیا میں شوکت اور قوت کے ساتھ رہنا اور مسلمانوں کا ان سے کم آسودگی سے رہنا، انکے مقبول اور مسلمانوں کے نامقبول ہونے کو مستلزم نہیں۔ اس مقام پر یہ ذہن نشیں کرلیا جائے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۚ

بے شک جنھوں نے خریدا کفر کو ایمان کے بدلے، ہرگز نہ بگاڑسکیں گے اللہ کا کچھ،

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

اور انکے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(بیشک) منافقین ومرتدین اور یہود۔۔الغرض۔۔(جنھوں نے خریدا)، راغب ہوئے اور پسند کیا (کفر کو ایمان کے بدلے)۔ ایمان لانا انکے اختیار میں تھا اور اسکے محرکات بھی موجود تھے، تو گویا ایمان انکے قبضے میں تھا، انھوں نے اس کو خرچ کر کے کفر خریدلیا۔ منافقین مسلمانوں کے ساتھ رہے، نبی کریم کے معجزات کو دیکھا، انکے لئے موقع تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ ایمان لے آتے، لیکن انھوں نے یہ موقع ضائع کردیا اور اپنے باطنی کفر پر قائم اور مصر رہے۔ مرتدین نے تو اور بھی غضب کیا کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے۔

یہودیوں کا حال بھی عجیب رہا جو آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لاچکے تھے اور آپ کے وسیلے سے فتح کی دعائیں کرتے تھے، اور آپ کے ظہور کے بعد توارات میں درج علامتوں کی وجہ سے آپ کو پہچانتے تھے، لیکن انھوں نے بغض اور عناد کی وجہ سے آپکا

کفر کیا اور انکار کیا، کیونکہ آپ بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل سے مبعوث ہوئے تھے، سو اسطرح ایمان کے بدلے میں کفر کو خرید لیا۔ وہ چاہتے تو ایمان والے ہو جاتے، مگر انھوں نے کفر ہی میں رہنا پسند کیا اور ایسے شدید کفر اور گستاخیوں پر اتر آئے جسکے نتیجے میں، اللہ تعالیٰ نے بطورِ سزا انکے دلوں پر مہر لگادی اور انکو ڈھیل دی، تاکہ وہ زیادہ گناہ کریں اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوں، یہ بھی انکی سزا کا ایک حصہ ہے۔

۔۔الغرض۔۔ انکی طویل عمر اور اس میں انکا زیادہ گناہ کرنا گو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق نہیں، لیکن قضا و قدر کے مطابق ہے، انکے لئے تقدیر الٰہی یہی تھی۔۔الحاصل۔۔ ان بدبختوں کا کفر پر قائم اور مصر رہنا، منافقوں کا پر خلوص ایمان نہ لانا اور یہودیوں کا جان بوجھ کر رسولِ کریم پر ایمان لانے سے انکار کر دینا، تو یہ سارے لوگ اپنی ان حرکتوں سے (**ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے اللہ**) تعالیٰ کے دوستوں (**کا کچھ**)، بلکہ اسکا نقصان انہیں کو اٹھانا پڑے گا (**اور**) ایسا کیوں نہ ہو؟ اسلئے کہ (**ان کیلئے دکھ دینے والا عذاب ہے**) جس عذاب کا صدمہ انکے دل تک پہنچے گا۔ اس مقام پر لازم ہے کہ غور کریں، سوچیں۔۔۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّمَا نُمْلِى لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ

اور نہ گمان کریں کافر لوگ، کہ جو ہم ڈھیل دیتے ہیں ان کو یہ بہتر ہے انکے لیے،

إِنَّمَا نُمْلِى لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾

ہم ڈھیل دیتے ہیں ان کو صرف اس لیے کہ خوب بڑھیں گناہ میں، اور انکے لیے رسوا کن عذاب ہے●

(**اور نہ گمان کریں کافر لوگ کہ جو ہم ڈھیل دیتے ہیں انکو یہ بہتر ہے ان کیلئے**)۔ طویل العمری اور آسائش حیات کی فراوانی سے وہ دھوکا نہ کھائیں اور سمجھ لیں کہ (**ہم ڈھیل دیتے ہیں انکو صرف اسلئے کہ خوب بڑھیں گناہ میں اور**) یہ اسلئے کہ (**انکے لئے رسوا کن عذاب ہے**)۔

۔۔۔المختصر۔۔۔ عدل خداوندی کا تقاضہ یہ ہے کہ انکے لئے جو دردناک اور رسوا کن عذاب مقدر کیا جا چکا ہے، ان کی بداعمالیاں بھی اتنی ہو جائیں جو انھیں اس عذاب کا مستحق بنا دیں۔ منافقین کس خوش فہمی میں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انکا نفاق ہمیشہ چھپا رہے گا۔ انھیں سمجھ لینا چاہئے کہ۔۔۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ

نہیں ہے اللہ، کہ چھوڑ دے تم مدعیان اسلام کو جس پر ہو، یہاں تک کہ الگ کر دے خبیث کو

مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

اچھے سے۔ اور نہیں ہے اللہ، کہ آگاہی بخشے تم سب کو غیب پر، لیکن اللہ

يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے، تو مان جاؤ اللہ اور اس کے رسولوں کو۔

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اور اگر مان جاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے●

(نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (کہ چھوڑ دے تم مدعیان اسلام کو جس پر) تم (ہو، یہاں تک کہ الگ کر دے خبیث کو اچھے سے)۔

چنانچہ اس نے غزوۂ احد کے موقع پر مومنین کی جماعت سے منافقین کو الگ کر کے ممتاز کر دیا۔ جبھی تو عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لیکر مسلمانوں کے لشکر سے نکل گیا، تو مومن اور منافق الگ الگ ہوگئے۔۔ اسی طرح۔۔ جب معلوم ہوا کہ 'حمراء الاسد' کے مقام پر ابوسفیان دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے، تو آپ نے مسلمانوں کو اسکا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت مسلمان زخمی اور دل شکستہ ہونے کے باوجود آپکے حکم کی تعمیل میں چل پڑے اور منافقوں نے آپکا ساتھ نہیں دیا۔ اسطرح مومن اور منافق الگ الگ ہوگئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ساتھ دینے والے تمام صحابہ کو مومن اور طیب فرمایا اور یہ سات سو صحابہ تھے اور ان میں خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی ہیں۔ اس خدائی شہادت کے بعد اب کسی ایمان والے کیلئے یہ گنجائش نہیں رہ جاتی کہ وہ انکو برا، کافر، ظالم، منافق کہہ سکے۔ عہد رسالت کے منافقین کی کھوپڑی بھی عجیب تھی، وہ نبی کریم کی چشم پوشی اور صرف نظری کو آپ کی لاعلمی پر محمول کرتے تھے، تو ضرورت تھی کہ انکے دلی خیالات سے بذریعہ وحی نبی کریم کو واقف کر کے اور انکا راز کھول کر انکو مومنین کی جماعت سے الگ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک بار سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس طرح حضرت آدم کو حق تعالیٰ نے انکی ذریت

دکھادی تھی، اسی طرح میری ساری امت کی شکل وصورت دکھادی گئی ہے اور مجھے معلوم کرادیا گیا ہے، کہ کون شخص اسلام قبول کرے گا اور کون گمراہی میں پھنسا رہے گا۔

جب یہ بات منافقین نے سنی، تو آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ بطورِ استہزاء کہنے لگے کہ محمد ﷺ 'دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ انھوں نے مومن وکافر کو جان لیا، حالانکہ ہم انھیں کے ساتھ ہیں، مگر وہ ہمیں نہیں پہچان سکے، چنانچہ وہ ہمیں مومن ہی سمجھتے ہیں۔ وہ ہمارے دلِ متزلزل کے حال سے غافل ہیں۔ اگر سچ کہتے ہیں تو صاف صاف ایک ایک کا حال ہم سے بیان کردینا چاہئے اور واضح کردینا چاہئے کہ کون شخص مخلص ہے اور کون منافق۔

جبکہ صورت حال یہ تھی کہ ہر ہر منافق اپنے نفاق سے بخوبی واقف تھا۔ ایسے ہی اہل اخلاص کے اخلاص کا عملی مظاہرہ دیکھ کر انکے اخلاص کو بھی سمجھ چکا تھا۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ ایک طرف رسول کے علم غیب کا انکار کرتا ہے، کہ رسولِ کریم ہم کو نہیں پہچانتے ۔۔تو۔۔ دوسری طرف خود اپنے لئے غیر شعوری طور پر غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، اسلئے کہ رسولِ کریم کے تعلق سے یہ کہنا کہ 'وہ ہمیں نہیں پہچانتے' یہ بھی تو غیب ہی ہے، پھر اسکا علم منافق کو کیسے ہوگیا کہ اللہ کے رسول اسکو نہیں پہچانتے۔ رب کریم کے فضل وعطا سے رسولِ کریم منافقین کو ایسا پہچانتے تھے کہ جب انھیں حکم الٰہی ملا، کہ اے محبوب! اب طیب وخبیث کو ایک دوسرے سے ایسا الگ الگ کردو کہ ہر عام وخاص انکو پہچاننے لگے۔

آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں ممبر پر رونق افروز ہوکر سامنے حاضر ایک ایک منافق کا نام لیکر فرمادیا کہ اے فلاں تو نکل جا، اسلئے کہ تو منافق ہے۔ سرکار جس جس کا نام لیتے گئے، وہ مسجد سے نکلتا گیا۔ اسوقت کسی منافق کو یہ نہ سوجھی کہ وہ سرکار سے سوال کرتا کہ نفاق تو دل کی کیفیت کا نام ہے، آپ ہمارے دل کا حال کیا جانیں؟ اسوقت رسولِ کریم کے علم کی تکذیب نہ کرسکنا ظاہر کررہا ہے کہ منافقین اچھی طرح سمجھ رہے تھے، کہ اللہ کے رسول سچ فرمارہے ہیں۔ اور عجب نہیں کہ انکے دماغ میں یہ بات بھی آگئی ہو کہ جو رسول ہمارے نفاق سے واقف ہے، وہ یقیناً ہمارے دوسرے عیوب سے بھی باخبر ہوگا، تو بہتری اسی میں ہے کہ خاموشی سے مسجد سے باہر ہوجاؤ، اسلئے کہ اگر کٹ حجتی کی، تو دوسرے عیبوں کے بھی کھل جانیکا امکان ہے۔

رسول کریم کی محفل سے ذلیل کرکے نکال دیئے جانے والے منافقین کے وارثین، آج بھی کسی ایسی محفل میں جانے سے کتراتے ہیں، جسے رسول کے ذکر کیلئے آراستہ کیا گیا ہو۔

غالبًا سوچتے ہونگے کہ جسکی محفل سے ہمارے مورثین ذلیل کر کے نکال دیئے گئے، اب اسکی محفل میں ہم کیسے جائیں؟ اس مقام پر سارے مدعیانِ اسلام سن لیں۔۔۔

(اور) یاد رکھیں کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (کہ آگاہی بخشے تم سب کو غیب پر، لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے)۔

چنانچہ خدا پر نہ تو یہ لازم ہے کہ ہر ہر رسول کو ہر ہر غیب کا علم دیدے اور نہ ہی یہ لازم ہے کہ جس غیب کا علم کسی ایک رسول کو دے، اسے دوسرے رسول کو بھی عطا فرمائے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسماء اور اسکے مسمیات کا علم عطا فرمایا، جو حضرت آدم علیہ السلام ہی کے ساتھ مخصوص رہا۔ اس سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات سے کافی روشنی ملتی ہے۔ رہ گئے اللہ کے محبوب ﷺ، تو اللہ تعالیٰ نے انکو 'ما کان وما یکون' کا علم عطا فرمایا۔ لوح وقلم کا علم آپ کے علم کا بعض رہ گیا۔ اولین وآخرین کے علوم کو اگر اکٹھا کر دیا جائے تو اسکی حیثیت علم رسول عربی کے آگے وہی ہوگی، جو ایک قطرہ آب کی حیثیت سمندر کے سامنے ہوتی ہے، بلکہ اس سے بھی کم۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو جس غیب کا علم دینا چاہتا ہے اور جب دینا چاہتا ہے، تو وہ اپنے فضل وکرم سے اسے عطا فرمادیتا ہے۔۔ بنیادی طور پر۔۔ اللہ تعالیٰ کے سارے رسول چنے ہوئے اور برگزیدہ ہیں اور سبھی کو بہت سارے غیبوں کا علم دیا گیا ہے، لیکن ان میں کسی رسول کو کسی خاص غیب کا علم عطا فرمانے کیلئے چن لینا، یہ اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہء کرم میں ہے۔ رہ گئے اولیاءِ کرام اور صاحبانِ کشف صحیح، تو انکو بھی غیب کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔۔ مگر۔۔ انبیاء کرام کے واسطے سے۔۔ اور۔۔ انبیاء کرام کو جو عطا فرمایا گیا ہے، وہ بلاواسطہ ہے۔

(تو) اے ایمان والو! حقیقی طور پر (مان جاؤ اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسولوں کو)، یعنی اللہ ورسول پر اپنے ایمان کو برقرار رکھو، کیونکہ حقیقی طور پر ماننا یہی ہے۔ (اور) سنو کہ (اگر مان جاؤ) گے (اور پرہیزگاری کرو) گے، یعنی اپنے ایمان وتقویٰ پر رہو گے، اور اپنے کو منافقت سے بچا رکھو گے، (تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے)، جسکی حقیقت کو سمجھا نہیں جا سکتا اور اس اجر کی عظمت، تقویٰ کی عظمت کی وجہ سے ہے، اسلئے کہ اعلیٰ مقاصد اور برگزیدگی کی منزلوں کو تقویٰ وطہارت کے قدموں سے طے کیا جاسکتا ہے۔

اب اگر خطاب منافقین سے ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ اے منافقو! دل کے اخلاص کے ساتھ، اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولوں کو مان جاؤ۔ اب اگر تم سچے دل سے ایمان لائے، اور پرہیز گاری کی، تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنیکا حکم دیا تھا، اور اب اللہ تعالیٰ نے انکو مال کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں بخل کرتے ہیں، انکے لئے شدید وعید بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا۔۔۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ

اور نہ خیال کریں جو کنجوسی کرتے ہیں اس میں جو دے دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے، کہ وہ

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

بہتر ہے انکے لیے، بلکہ وہ برا ہے انکے لیے، جلد طوق پہنائے جائینگے اسکا جس میں کنجوسی کی ہے قیامت کے دن۔

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ ہی کیلئے وارثی آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ تمہارے سب کیے سے باخبر ہے ●

(اور) ظاہر فرمادیا کہ (نہ خیال کریں جو) لوگ پست ہمتی سے (کنجوسی کرتے ہیں اس میں جو دے دیا ہے انکو اللہ) تعالیٰ (نے اپنے فضل) وکرم (سے، کہ وہ بہتر ہے ان کیلئے، بلکہ) حقیقت حال یہ ہے کہ (وہ) بہت ہی (برا ہے انکے لئے)، دنیا میں بھی، کیونکہ مال سے برکت جاتی رہتی ہے اور آخرت میں بھی، کہ شدائد اور دردناک تکالیف کے مستحق ہونگے۔ اور قریب ہے کہ (جلد طوق پہنائے جائینگے اس) چیز (کا جس میں کنجوسی کی ہے قیامت کے دن)۔

یعنی جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے، تو قیامت کے دن اسکے مال کو سانپ کی صورت پر بنائیں گے، ایسے سانپ کہ زہر کی شدت اور حدت سے اسکے سر پر بال نہ رہے ہونگے اور سیاہ دو نقطے اسکی آنکھوں کے نیچے ظاہر ہونگے۔ ایسا کالا سانپ سب سانپوں سے بدتر ہوتا ہے۔ وہ سانپ آئیگا اور اس بخیل کے دونوں کلے پکڑ کر کہے گا، کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، یعنی میں وہ تیرا مالِ دنیا ہوں، جسکے سبب تو ڈینگیں مارتا تھا اور میں تیرا خزانہ ہوں، جسکے سبب سے تو فخر کرتا تھا اپنے زمانے کے لوگوں پر۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے کہ جہاں خرچ کرنا واجب ہو، وہاں خرچ نہ کرنا 'بخل' ہے۔
اور جہاں خرچ نہ کرنا واجب ہے، وہاں خرچ کرنا 'اسراف' و 'تبذیر' ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان جو متوسط کیفیت ہے، وہ محمود ہے۔ اسی کو 'جود و سخا' کہتے ہیں۔

بخیلوں کو سوچنا چاہئے (اور) سمجھنا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کیلئے) ہے (وارثی آسمانوں اور زمین کی)، یعنی جو کچھ زمین و آسمان میں ہے، اسکا حقیقی وارث اور مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

چنانچہ جب سارے اہل آسمان اور اہل زمین مر جائینگے، تو زمین و آسمان کی ملکیت مدعیوں کے دعوے، اور جھگڑنے والوں کے جھگڑے سے چھوٹ کر، اسی کے واسطے مسلم ہوگی۔
اور پھر اس وقت کی اس آواز کہ 'کون ہے آج کے دن کا مالک'، کا جواب یہی ہوگا کہ 'آج کے دن کی ملکیت اللہ واحد قہار ہی کیلئے ہے'۔ مجازی ملکیت کا نام و نشان بھی نہیں ہوگا۔ تو جب یہ بات واضح ہے، کہ زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ ہے، ان سب کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور اسی نے دنیا والوں کو چند دن کیلئے مجازی مالک بنا دیا ہے، تو پھر زمین و آسمان میں بخیل کا تو کچھ ہے ہی نہیں۔ اور جو کچھ اسکے پاس ہے، حق تعالیٰ کی ملک ہے، تو خدا کا مال، حکم خدا کے مطابق نہ خرچ کرنا اور بخل کرنا، کتنی بڑی شقاوت ہے۔

اس مقام پر یہ سمجھ لینا بھی بہت مفید ہے، کہ خرچ کرنا کہیں شرعاً واجب ہوتا ہے اور کہیں عرف و عادت کے اعتبار سے لازم ہوتا ہے۔۔ مثلاً: زکوٰۃ، فطرہ، قربانی، حج، جہاد اور اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا شرعاً واجب ہے۔ جو ان پر خرچ نہ کرے، وہ سب سے بڑا بخیل ہے۔ اور دوستوں، رشتہ داروں اور ہمسایوں پر خرچ کرنا عرف و عادت کے اعتبار سے واجب ہے۔ جو ان پر خرچ نہ کرے، وہ اس سے کم درجہ کا بخیل ہے۔

بخل کی ایک تیسری قسم بھی ہے کہ انسان فرائض و واجبات کی ادائیگی میں تو خرچ کرتا ہے، لیکن نفلی صدقات، عام فقراء و مساکین اور سائلین ۔۔ نیز۔۔ رفاہی اور فلاحی کاموں میں خرچ نہیں کرتا اور باوجود وسعت ہونے کے، اپنے ہاتھ کو روک کر رکھتا ہے اور پیسے گن گن کر رکھتا ہے۔ یہ بخل کی تیسری قسم ہے، لیکن یہ پہلے دو درجوں سے کم درجہ کا بخل ہے۔

غور سے سنو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (تمہارے سب کئے سے باخبر ہے) وہ تمہارے کسی بھی نیک و بد اعمال سے بے خبر نہیں ۔۔ تو ۔۔ یہودی لوگ اس گمان میں نہ رہیں، کہ انکے طنز و تعریض بھرے جملوں کو خدا سنتا نہیں ۔۔ تو ۔۔

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ ‌ۘ

بے شک ضرور سنا اللہ نے ان کی بولی، جو بولے کہ اللہ محتاج ہے اور ہم تونگر ہیں۔۔۔

سَنَكۡتُبُ مَا قَالُوۡا وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ

اب ہم ان کے کہے کو لکھ رکھیں گے اور ان کا قتل کرنا پیغمبروں کو ناحق،

وَّنَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿۱۸۱﴾

اور کہیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب●

(بیشک ضرور سنا اللہ) تعالیٰ (نے ان) بنوقینقاع کے یہودیوں (کی بولی)۔۔۔

جنھیں سرکارِ دوعالم ﷺ کی تحریری ہدایت کے مطابق صدیق اکبر نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا، اور ان سے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کی بات کی، اسکے جواب میں وہ۔۔

(جو بولے) وہ یہی تھا (کہ اللہ) تعالیٰ (محتاج ہے اور ہم تونگر ہیں) اسلئے کہ محتاج ہی قرض مانگتا ہے۔۔نیز۔۔ بولے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے قرض مانگتا ہے اور اس پر اصل رقم سے زیادہ اجر دینے کا وعدہ فرماتا ہے اور یہ بعینہٖ سود ہے۔ وہ مسلمانوں کو سود سے منع کرتا ہے اور خود سود دیتا ہے ۔۔نیز۔۔اسکا قرض مانگنا اسکے احتیاج کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسی بکواس کرنے والے اچھی طرح جان لیں کہ (اب ہم انکے کہے کو لکھ رکھیں گے، اور) ساتھ ہی ساتھ (انکا قتل کرنا پیغمبروں کو ناحق)، اس کو بھی محفوظ کررکھیں گے، نگراں فرشتوں کے صحیفوں میں ۔۔یا۔۔ ہم انھیں محفوظ کر کے رکھ دینگے ۔۔یا۔۔ ہم سے اپنے علم میں ثابت رکھیں گے، کہ وہ کسی وقت بھی نہ مٹائی جائیگی۔

یہودیوں کی یہ غلط کاریاں اور دیگر جرائم بہت ہیں، مگر انکے ذکر کی ضرورت اسلئے نہیں رہی کہ یہ سمجھنا اب کوئی مشکل نہیں رہا، کہ جو قرآنِ کریم کا استہزاء اور انبیاء کرام کے قتل جیسا جرم کرسکتے ہیں، وہ اور کیا نہیں کرسکتے۔ چونکہ قرآنِ کریم کا استہزاء اور انبیاء کرام کا قتل یہ دونوں جرم میں ہم پلہ ہیں، اسلئے ان دونوں کا اکٹھا ذکر کردیا۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں اور قاتلین کیلئے ایسا دردناک عذاب تیار ہے جو ایسی باتیں بکنے کا مزا چکھائے گا، انکی موت کے وقت۔۔یا۔۔ قیامت میں ۔۔یا۔۔ جب انکے اعمال پر مشتمل کتاب انکے سامنے پڑھی جائیگی۔

۔۔الغرض۔۔انکے کردار کولکھ کر (اور) انھیں دکھا کر، بطورِ بدلہ (کہیں گے، کہ چکھوآگ کا عذاب)۔تم نے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کوقتل کے کڑوے گھونٹ چکھائے، توتم بھی جلادینے والا عذاب چکھو۔۔۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

یہ بدلہ اُس کا جو پہلے کر رکھا ہے تمہارے ہاتھوں نے، اور بے شک اللہ نہیں ہے ظلم فرمانے والا بندوں کیلئے ●

(یہ بدلہ اسکا جو پہلے کر رکھا ہے تمہارے ہاتھوں نے) انبیاء کرام کوناحق شہید کیااور دوسرے بکواسات بکے۔۔نیز۔۔یہ سزا اسلئے بھی ہے، کہ یہی عدل خداوندی کا تقاضہ ہے، (اور بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں ہے ظلم فرمانے والا بندوں کیلئے)، چونکہ تم لوگ عذاب کے مستحق ہوتوعدل کی رو سے تم پر عذاب کرے گا۔اے محبوب! سنو، کعب بن اشرف، مالک بن صیف، حی بن اخطب، فخاص بن عازوراء، وھب بن یہوداا وران جیسوں کا قول۔۔۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا

جنھوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ نہ مانیں کسی رسول کو، یہاں تک کہ وہ لے آئے

بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ

ایسی قربانی جس کو کھاجائے آگ۔تم جواب دو کہ لائے تمہارے پاس بہتیرے رسول مجھ سے پہلے روشن نشانیوں کو،

وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

اور وہ جس کوتم نے کہا، توکیوں شہید کرڈالا تم نے ان کو اگر تم سچے تھے ●

(جنھوں نے کہا کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (نے ہم سے عہد لیا ہے، کہ نہ مانیں کسی رسول کو یہاں تک کہ وہ لے آئے ایسی قربانی جسکو کھاجائے آگ)۔

بنی اسرائیل کو قربانی کھانا حلال نہ تھا۔قربانی کو کھلے مکان کے بیچ میں رکھ دیتے، اور پیغمبر وقت اس گھر کے بیچ کھڑے ہوکر مناجات کرتا، اور بنی اسرائیل کے بڑے لوگ گھر کے باہر سر جھکا کر متوجہ ہوتے۔جب تک قربانی مقبول نہ ہوجاتی، یہی حال رہتا۔قربانی قبول ہوجانے کی علامت یہ تھی کہ سفید آگ بے دھویں کی مہیب آواز کے ساتھ آسمان سے اتر کر

قربانی میں لگ جاتی اور قربانی جل جاتی، تو یہودی کہتے تھے کہ توریت میں مذکور ہے، کہ اس پیغمبر کے سوا اور کسی پر ایمان نہ لانا، جو قربانی اسطرح پر لائے۔

تو اے محبوب! (تم جواب دو کہ لائے تمہارے) اسلاف کے (پاس بہتیرے رسول مجھ سے پہلے روشن نشانیوں کو، اور) ان نشانیوں اور ان معجزات میں (وہ) 'آگ کا قربانی کو جلا دینے والا' معجزہ بھی تھا، (جسکو تم نے کہا) اور جسکا تم نے مطالبہ کیا، (تو) تم ان صاحبانِ قربانی یعنی حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پر کیوں نہیں ایمان لائے، اور (کیوں شہید کر ڈالا تم نے ان کو، اگر تم سچے تھے) کہ صاحب قربانی پیغمبر پر ایمان لانا چاہئے اور انکی اطاعت کرنی چاہیے۔

ویسے بھی ان کوتاہ فکروں کو سوچنا چاہئے تھا، کہ قربانی کو آگ کا جلا دینا چونکہ بطورِ خرق عادت تھا، تو اسکو صرف ایک معجزہ کی حیثیت حاصل تھی، جس سے کسی نبی کے دعوۂ نبوت کی صداقت ظاہر ہوتی ہے، تو جو کام اس معجزہ کا ہے وہی کام دوسرے معجزات کا بھی ہے۔ چنانچہ کوئی نبی اپنے دعوۂ نبوت کو صحیح ثابت کرنے کیلئے کوئی بھی معجزہ پیش کرے، وہ اس نبی کی نبوت کی صداقت پر روشن دلیل ہے۔۔لہٰذا۔۔معجزات میں تفریق کرنا، کہ فلاں معجزہ دکھائیں گے تب مانیں گے، انکی کج فکری کی دلیل ہے۔

ان یہودیوں کا حال تو اور بھی گیا گزرا ہے کہ وہ پیغمبر پر ایمان لانے کیلئے جس معجزہ کا مطالبہ کر رہے ہیں، وہی معجزہ پیش کرنے والے بعض انبیاء کرام کو انکے اسلاف نے شہید کر ڈالا، تو پھر وہ اپنے اس قول میں کہاں سچے رہے، کہ ہم تو صاحب قربانی پیغمبر پر ایمان لانے والے ہیں۔ تو اے محبوب! آپ ان کوتاہ فکروں کی باتوں سے آزردہ خاطر نہ ہوں، اور مکمل طور پر تسلی رکھیں۔ انھوں نے آپ کی دعوت سنی۔۔۔

فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ

پھر اگر انھوں نے تکذیب کر دی تمہاری، تو بے شک تکذیب کئے گئے بہتیرے رسول تم سے پہلے، جو لائے تھے روشن نشانیاں

وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۱۸۴﴾

اور صحیفے اور روشن کتاب●

(پھر اگر انھوں نے تکذیب کر دی تمہاری، تو) یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ (بیشک تکذیب

کئے گئے بہتیرے رسول تم سے پہلے، جولائے تھے روشن نشانیاں) دلائل واضحہ اور معجزات ظاہرہ (اور) احکام شرعیہ اور زجر کرنے والی نصیحتوں پر مشتمل (صحیفے اور روشن کتاب)، جیسے زبور اور انجیل جو حلال وحرام کو ظاہر کر دینے والی تھیں۔

نبی کریم کی تصدیق کرنے والے ہوں۔۔یا۔تکذیب کرنے والے، اس دنیا میں وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں۔ یہ ضابطہء قدرت سب کا دیکھا بھالا اور ہر ایک کیلئے معروف و متعارف ہے کہ۔۔۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

ہر ایک چکھنے والا ہے موت کا۔ اور پورا پورا دئے جاؤ گے اپنا سارا اجر قیامت ہی کے دن۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ

تو جو بچالیا گیا جہنم سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو بے شک کامیاب ہوا۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۱۸۵

اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر دھوکے کی پونجی●

(ہر ایک چکھنے والا ہے موت کا) ہر جان کو موت کا شربت پینا ہے اور موت جب آنی ہے اور جہاں آنی ہے، اسی وقت وہاں آ کر رہے گی۔ کسی بھی تدبیر سے اسکے وقت کو ٹالا نہیں جا سکتا۔۔ہاں۔۔یہ ضرور ہے کہ یہ موت ایمان والوں اور اطاعت رسول والوں کیلئے بے شمار نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔

ویسے تو ایمان والوں کو دنیا ہی میں بہت ساری نعمتوں سے نوازا گیا۔ مثلاً: غزوۂ بدر میں فتح، مکہ شریف میں کافروں کے بیچ میں رہنا اور قتل سے محفوظ رہنا، ہجرت کر کے مدینہ شریف کی پرسکون فضا میں آجانا، جہاد میں فتح وظفر، مال غنیمت اور دشمنوں پر تسلط حاصل کر لینا۔

مگر یہ سب تو تھوڑا سا اجر ہے، (اور پورا پورا دیئے جاؤ گے اپنا سارا اجر، قیامت ہی کے دن) قبروں سے اٹھنے کے بعد۔ اسی طرح کفار کو جو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا ہوتا ہے اور انکا جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے، یہ بہت تھوڑا عذاب ہے، انکو تو پورا پورا عذاب آخرت میں دیا جائیگا جو دائمی عذاب ہوگا، (تو جو بچالیا گیا جہنم سے اور داخل کیا گیا جنت میں، تو بیشک کامیاب ہوا) دنیا سے اسے چھٹکارا مل گیا اور وہ اپنی مراد کو پہنچ گیا۔

سنو (اور) یاد رکھو کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں، اسلئے کہ (نہیں ہے دنیاوی زندگی، مگر دھوکے کی پونجی)۔ دنیا کی زندگی لوگوں کو فریب دیتی ہے اور دنیاوی کاروبار میں الجھا کر آخرت فراموش بنا دیتی ہے۔ اسکے مال و متاع حاصل کرنے والے کو غرور ہو جاتا ہے۔ تاحیات انسان اسکے حصول میں لگا رہتا ہے، پھر اچانک اسکی موت آجاتی ہے اور یہاں کا سب کچھ یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ یہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کتنا زبردست دھوکا کہ جب تک زندہ رہتا ہے، اسے خیال بھی نہیں آتا کہ اسے مرنا ہے۔ ایک پل کی خبر نہ ہونے کے باوجود، سو برس کیلئے سامان اکٹھا کرنے میں لگا رہتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔ اگر دنیا کی حقیقت سے لوگ واقف ہو جائیں، تو انھیں اعتراف کرنا پڑ جائے کہ دنیا کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ دنیا کی زندگی میں کامیاب صرف وہی ہیں، جو ایمان والے اور نیک عمل والے ہیں۔ ہر دور میں انکو کھرا سے کھرا بنانے کیلئے۔۔یا۔۔ انکے کھرے پن کو ظاہر کرنے کیلئے، انکی آزمائش ہوتی رہی ہے۔ اور آئندہ بھی۔۔۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۚ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ

ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے اپنے مال اور جان میں۔۔۔۔ اور ضرور سنو گے ان سے جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِیْرًا ؕ

کتاب دی گئی تم سے پہلے، اور ان سے جنھوں نے شرک کیا ہے، بہت کچھ موذی باتیں۔

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

اور اگر تم لوگ صبر کرو اور متقی رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے●

(ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے اپنے مال اور جان میں)۔ مال کے تعلق سے تو آزمائش اس وقت ہوئی، جبکہ مہاجر لوگ مدینے کو ہجرت کر گئے اور مکہ میں اپنا سارا مال چھوڑ گئے، تو مشرکین ہر ایک کا مال ضائع کرنے پر لگ گئے اور بیچنے لگے اور جس مہاجر کو راہ میں پا جاتے، اس پر سختی کرتے۔۔ یونہی۔۔ فی سبیل اللہ جہاد کا حکم دیکر انکی جان کی آزمائش کی گئی۔

(اور) اے ایمان والو! یہ بھی تمہاری آزمائش کا ایک حصہ ہے کہ (ضرور سنو گے ان) یہود و نصاریٰ (سے جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے، اور ان سے جنھوں نے شرک کیا ہے) اور مشرک ہو گئے ہیں (بہت کچھ) تکلیف دہ اور (موذی) اذیت پہنچانے والی (باتیں)، تو یاد رکھو (اور) یقین جان لو

کہ اس گروہ کی ایذا رسانی پر (اگر تم لوگ صبر کرو) گے، (اور متقی رہو) گے، ان سے کسی طرح کا بدلہ نہ لوگے بلکہ اپنے معاملے منتقم حقیقی کے حوالے کردو گے، (تو) جان لو کہ (یہ) صبر و اتقا (بڑی ہمت کا کام ہے) اس سے دینی امور میں مضبوطی ایمان کی درستگی ظاہر ہوتی ہے جو ایمان کے حقائق میں ہے۔

۔۔الغرض۔۔ یہ پختہ امور میں سے ہے، یعنی وہ بہترین امر جسکی طرف ہر رغبت کرنے والا رغبت کرے اور جس سے ہر پختہ کار محبت رکھے، اسلئے کہ اس میں بہت بڑا کمال اور بہت بڑی بزرگی ہے۔۔یا یہ۔۔من جملہ ان امور میں سے ہے کہ جسے حق تعالیٰ بھی محبوب رکھتا ہے اور حکم دیتا ہے، بلکہ تاکید فرماتا ہے، یعنی یہ امر اللہ تعالیٰ کی 'عزیمت' ضروریہ میں سے ایک ہے۔لہٰذا لازم ہے کہ اس پر صبر اور پرہیزگاری کرو۔۔۔

اس سے پہلی آیات میں حق تعالیٰ نے نبی کریم کی نبوت میں یہود کے طعن اور انکے طعن کا جواب ذکر فرمایا، اور اب اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں کی عہد شکنی اور حق پوشی کی یاددہانی کرا رہا ہے۔۔۔اے محبوب یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور جبکہ لیا تھا اللہ نے مضبوط وعدہ ان کا جن کو کتاب دی گئی کہ ضرور بیان کردو گے تم لوگوں سے،

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ

اور نہ چھپاؤ گے اس کو۔ تو پھینک دیا انھوں نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے، اور لیا اس کے بدلہ میں

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

قیمت ذلیل چیز۔ تو کتنا برا ہے جو وہ لیتے ہیں●

(اور) ذہن میں حاضر کرلو (جبکہ لیا تھا اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے انبیاء کے ذریعہ (مضبوط وعدہ ان) علمائے یہود و نصاریٰ (کا، جن کو کتاب دی گئی) اور توریت و انجیل سے سرفراز کیا گیا۔ کیا عہد لیا؟ یہی (کہ ضرور بیان کردو گے تم لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے اسکو) ان احکام کو جو ان کتابوں میں ہیں اور وہ چیزیں جو اس میں محمد ﷺ کی شان میں بیان کی گئی ہیں۔ ان آسمانی کتابوں میں مذکور نعت مصطفیٰ کو من و عن بیان کردینا اور اسکو نہ چھپانا۔۔یا۔۔اس میں اپنی طرف سے کتر بیونت نہ کرنا، اس عہد کا مطلوب اصلی تھا۔ (تو) باوجودیکہ ان سے طرح طرح کی تاکید کرکے وعدے لئے گئے تھے،

لیکن پھر بھی (پھینک دیا انھوں نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے)، یعنی اسے پس پشت ڈالدیا اور بدعہدی کر بیٹھے اور انھوں نے نہ تو اس وعدہ کی حفاظت کی اور نہ ہی اسکی طرف ذرا بھی متوجہ ہوئے۔

سابقہ آیات میں یہودیوں کی جن ایذارسانیوں پر صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے، انھیں ایذاء رسانیوں میں سے انکی ایک ایذاء رسانی یہ بھی تھی کہ توریت اور انجیل میں آپ ﷺ کی نبوت کے جو دلائل تھے، وہ انکو چھپالیتے تھے۔

(اور) اپنی جاہل عوام سے (لیا اس) حق پوشی (کے بدلہ میں) بطور رشوت دنیا کے اسباب و اعراض میں سے (قیمت)، اور وہ بھی نہایت حقیر و (ذلیل چیز)۔ انھیں خطرہ تھا کہ اگر ہم ایمان لائینگے، تو ہم کو عامی لوگوں سے کچھ نہیں ملے گا، تو اسلئے صرف یہی نہیں کہ جو جانتے تھے اسے چھپادیا بلکہ عامی لوگوں کو حکم دیدیا کہ، وہ اسکی تکذیب کریں (تو کتنا برا ہے جو وہ لیتے ہیں)۔

یہ آیت اگرچہ بظاہر ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی، جو اخفائے حق کرتے ہیں، تاکہ اسکے ذریعے دنیا کا تھوڑا سا مال حاصل کرلیں، لیکن اسکا حکم عام ہے۔ ان مسلمانوں پر بھی یہ حکم لاگو ہوتا ہے جو اشرف الکتب یعنی قرآنِ کریم کے احکام دنیا کی لالچ میں چھپاتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ اہل کتاب سے اشرف و اعلیٰ ہیں، تو جب ادنیٰ کی حق پوشی کو گوارا نہیں کیا گیا، تو پھر جو اعلیٰ ہے، وہ اگر حق پوشی کرتا ہے، تو اسے کیسے پسند کیا جاسکتا ہے۔۔ الغرض۔۔ اس وعید میں ہر وہ شخص داخل ہے جو حق کو چھپاتا ہے، تو اے محبوب!۔۔۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا

ہرگز خیال نہ کرو، کہ جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے سے اور چاہتے ہیں کہ تعریف کئے جائیں اس سے جس کو کیا ہی نہیں،

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

تو ان کو یہ نہ خیال کرو کہ عذاب سے بچاؤ میں ہیں۔ اور انھیں کیلئے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(ہرگز خیال نہ کرو کہ جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے سے) آپ کی نعت پوشی سے (اور چاہتے ہیں کہ تعریف کئے جائیں، اس سے جسکو کیا ہی نہیں)۔

ایک بار آنحضرت ﷺ نے یہود سے ایک بات پوچھی، یہود نے اسکا جواب چھپا کر دوسری طرح پر بات شروع کی اور ایسی بات بنا کر ظاہر کی، کہ گویا سچا جواب دیا اور اپنے اس جھوٹے جواب پر تحسین کے خواہاں بھی تھے۔۔ یونہی۔۔ جن منافقین نے لڑائی سے منہ پھیر

لیا تھا، جب انکا رسولِ مقبول سے سامنا ہوا، تو عذر کرنے لگے اور اپنی تعریف و تحسین کے متوقع ہوئے۔ یہ منافقین ایمان کا اظہار کرتے اور انکے قلوب کفر سے مطمئن تھے، اور وہ اپنی اس کارگزاری سے بہت خوش تھے، اور وہ اس انتظار میں رہتے کہ ایمان کے اظہار سے اہل اسلام ہماری تعریف کرینگے۔ بظاہر اہل اسلام کی محبت کا دم بھرنے والے، اور حقیقت میں اہل اسلام کے جانی دشمن۔

(تو) اے محبوب! اور دامنِ محبوب سے وابستہ ایمان والو! (ان کو یہ نہ خیال کرو کہ) یہ سارے یہود اور منافقین (عذاب سے بچاؤ میں ہیں اور) ایسا اسلئے ہے کہ (انھیں کیلئے) تو (دکھ دینے والا عذاب ہے)، خواہ وہ قیامت کا عذاب ہو۔۔یا۔۔قتل، جلائے وطن، ذلت اور قبول جزیہ کی صورت میں دنیا کا عذاب ہو۔ آخرت کا عذاب تو انھیں ملنے ہی والا ہے، رہ گیا دنیا کا عذاب تو وہ اس پر مستزاد ہے۔ کیا ان کو خبر نہیں۔۔۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٨٩﴾

اور اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی ملکیت۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے●

(اور) اس سچائی کا علم نہیں کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی ملکیت)۔

یعنی وہ قاہر حکومت جو ان میں ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ کسی کو پیدا کرنا یا مٹا دینا۔۔۔زندگی دینا یا موت طاری کرنا۔۔۔کسی کو ثواب دینا یا کسی پر عذاب نازل فرمانا۔۔۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، اس میں کسی غیر کو کسی معاملہ میں کسی وجہ سے دخیل ہونے کا شائبہ تک بھی نہیں، وہی انکے امور کا مالک ہے، جو وہ عمل کرتے ہیں اسی پر وہی انھیں عذاب دیتا ہے، اسکے قبضۂ قدرت سے کوئی بھی نہیں نکل سکتا اور نہ ہی اسکے عذاب سے کوئی نجات پا سکتا ہے، انکی گرفت فرماتا ہے جب چاہتا ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (ہر چیز پر قدرت والا ہے) خواہ وہ نیکوں کا ثواب ہو یا بروں کا عذاب ہو۔ خدا کی ملکیت، اسکی قدرت کو سمجھنے اور اسکی توحید کی نشانیوں کو دیکھنے کی خواہش رکھنے والو، آؤ! اور دیکھو۔۔۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بے شک! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں،

لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾

ضرور نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے●

(بیشک آسمانوں) اور جو کچھ اس میں ہے، (اور زمین) اور جو کچھ اس پر ہے، ان سب (کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں)، کہیں دن ہے تو رات نہیں اور کہیں رات ہے، تو دن نہیں۔ جہاں سے دن نکل گیا وہاں رات پہنچ گئی اور جہاں سے رات نکل گئی وہاں دن پہنچ گیا۔ کہیں رات گھٹتی ہے اور دن بڑھ جاتا ہے۔۔یوں۔۔کبھی دن گھٹتا ہے تو رات بڑھ جاتی ہے۔ رات تاریک ہے تو دن روشن۔ ان میں کا ہر ایک دوسرے کا پیچھا کئے ہوئے ہے۔۔الختصر۔۔اس گردش لیل ونہار میں (ضرور نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے)، جنکی عقلیں حس اور وہم کے شائبوں سے پاک وصاف ہیں، اور دقائق اسرار اور حقائق آثار پہچاننے میں کامل ہیں۔ یہ صاحبان عقل وہ لوگ ہیں۔۔۔

الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ

جو یاد کیا کریں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر، اور غور وفکر کریں

فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔ پروردگارا نہیں پیدا فرمایا تو نے اس کو بیکار۔

سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

پاک ہے تو، تو بچالے ہم کو جہنم سے●

(جو یاد کیا کریں اللہ) تعالیٰ (کو) ہمیشہ ہر حال میں (کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر)، یعنی ہمیشہ خدا کی یاد میں اور ہمیشہ اسکی محبت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں، اسلئے کہ جو شخص جس چیز سے محبت رکھتا ہے، اکثر اسی کا ذکر کرتا ہے۔ یہ وہ عبادت گزار لوگ ہیں جو اپنی استطاعت اور طاقت کے موافق کھڑے، بیٹھے، اور لیٹے، ہر طرح سے نماز پڑھتے ہیں اور کسی مجبوری میں بھی نماز سے غفلت نہیں برتتے۔

اور یہ وہ شکر گزار لوگ ہیں کہ اپنے کھڑے ہونیکی قدرت پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اس واسطے کہ اسی پر معاش کا قیام ہے۔۔یوں۔۔بیٹھنے کی نعمت پر شکر ادا کرتے ہیں، اسلئے کہ

صحبت کی پائیداری اسی سے ہے، اوراسی طرح کروٹ پر لیٹنے اور سونے پر شکر کرتے ہیں، کہ اسی کے سبب سے بڑی آسائش ہے۔ یہ وہ ذکر کرنے والے ہیں، جو صرف زبان کے ذکر پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ انکا دل ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ ویسے بھی زبانی ذکر ہمیشہ ممکن نہیں اور دلی ذکر میں نہ تو کچھ فطور ہوتا اور نہ ہی قصور۔

۔۔الغرض۔۔ یہاں ذاکرین سے وہ صاحبانِ دل مراد ہیں جو دل وجان سے ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتے ہیں، اس حال میں کہ کھڑے ہیں یعنی امرالٰہی کی طرف متوجہ ہیں۔۔یا۔۔ بیٹھے ہیں، یعنی لہو ولعب سے منہ پھیر کر بیٹھے ہیں۔۔یا۔۔ کروٹ لئے ہوئے ہیں، یعنی ارتکاب منہیات کو پس پشت ڈال کر اس سے پھر کر لیٹ گئے ہیں۔۔یا۔۔ کھڑے ہیں آستانہء خدمت پر، بیٹھے ہیں فرش قربت پر اور لیٹے ہیں بارگاہِ وجد وحال میں، اور وہم و غرور وخیال سے دور ہیں۔

(اور) یہی وہ لوگ ہیں جو (غور وفکر کریں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں) تاکہ وہ فکر صانع قدیم کی طرف راہ دکھائے، دوری اور محرومی کے پردے انکے دیدۂ دل پر سے اٹھ کر غیبت سے حضور میں آئیں، اور مشاہدہ کر کے زبانِ نیاز سے کہیں (پروردگارا نہیں پیدا فرمایا تو نے اس) مخلوق (کو) جو آسمان وزمین میں ہے، (بیکار) بے فائدہ۔ (پاک ہے تو) اس بات سے کہ کسی چیز کو تو باطل پیدا کرے۔ نہ تو تیری تخلیق باطل ہے اور نہ ہی تیری پیدا کردہ کوئی مخلوق بیکار وبے فائدہ۔ (تو بچالے) اپنی مہربانی کی بدولت (ہم کو) آتش (جہنم) کے عذاب (سے)۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ

پروردگارا بے شک جسے ڈال دے جہنم میں تو تو نے رسوا کر دیا اس کو۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

اور نہیں ہے ظالموں کیلئے کوئی مددگار●

(پروردگارا بیشک جسے ڈال دے جہنم میں) ہمیشہ ہمیش کیلئے، (تو تو نے) عذاب کے ساتھ ساتھ (رسوا کر دیا اس کو اور نہیں ہے) مشرکین اور یہود ونصاریٰ جیسے (ظالموں کیلئے کوئی مددگار)، جو ان سے اس خدائی عذاب کو دفع کر دے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ

پروردگارا بیشک ہم نے سنا ایک منادی کو، کہ اعلان کرتے ہیں ایمان کیلئے کہ لوگو اپنے پروردگار کو مان جاؤ، تو ہم تو مان گئے۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

پروردگارا بخش دے ہمارے گناہوں کو اور مٹادے ہمارے گناہوں کو، اور وفات دے ہم کو نیک کرداروں کے ساتھ●

(**پروردگارا، بیشک ہم نے سنا ایک منادی کو**) یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو، جو (**کہ**) اپنی صحبت کا شرف حاصل کرنے والوں اور اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے والوں کو براہِ راست اپنی زبانِ فیض ترجمان سے۔۔اور۔۔اپنے سے غائب یا بعد میں قیامت تک آنے والوں کو، قرآنِ کریم کی زبان و بیان کے واسطے سے، (**اعلان کرتے ہیں ایمان کیلئے کہ لوگو اپنے پروردگار کو مان جاؤ، تو ہم**) نے (**تو**) قبول کرلیا پکارنے والے کی پکار کو، اور (**مان گئے**) اور دل کی سچائی کے ساتھ ایمان لائے۔تو (**پروردگارا**) اس ایمان کے صدقہ میں (**بخش دے ہمارے**) سارے گزرے ہوئے (**گناہوں کو**) اپنے فضل وکرم سے، (**اور**) اپنی رحمت کاملہ اور شان ستاری سے (**مٹادے**)، دور کردے ہم سے (**ہمارے**) آئندہ ہونے والے (**گناہوں کو**)، یعنی ہماری برائیوں پر پردہ ڈال دے اور انھیں چھپا ڈال اور ہمیں تاحیات نیکی کرنے کی توفیق عطا فرما، (**اور**) پھر (**وفات دے ہم کو نیک کرداروں کے ساتھ**)، یعنی نیک کرداری ہی پر ہماری موت ہو، تاکہ نکوکاروں کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ

پروردگارا دے ہم کو جو تو نے ہم سے وعدہ فرمایا اپنے رسولوں پر، اور نہ رسوائی دے ہم کو قیامت کے دن

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

بے شک تو نہیں خلاف کرتا وعدہ کا●

(**پروردگارا دے ہم کو جو تو نے ہم سے وعدہ فرمایا اپنے رسولوں پر**) ایمان لانے اور اسکی تصدیق کرنے کی صورت میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں۔۔یا۔۔فتح کا وہ وعدہ جو رسولوں کی زبان سے مومنوں کیلئے فرمایا۔۔یا۔۔وہ مغفرت جسکو طلب کرنے کی ہدایت تو نے اپنے محبوب بندوں کو دی ہے،

یعنی تیرے محبوب بندے یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سرکارِ دوعالم ﷺ نے تیری بارگاہ میں مومنین ومومنات کیلئے جو مغفرت چاہی ہے، وہی مغفرت اپنے فضل وکرم سے اوران محبوبوں کی دعاؤں کے صدقے میں ہمیں عطا فرما، (اور نہ رسوائی دے ہم کو قیامت کے دن)، حشر کے روز، اہل محشر کے سامنے ہمیں رسوائی سے بچالے۔ ہمیں یقین ہے کہ تو اپنے کرم سے اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائیگا، کیونکہ (بیشک تو نہیں خلاف کرتا وعدہ کا)۔

اس یقین کے بعد کہ حق تعالیٰ سے وعدہ خلافی قطعاً محال ہے، اس سے اشاروں اور کنایوں میں دبے لفظوں میں وعدہ خلافی نہ کرنے کا معروضہ پیش کرنا، اس بنا پر ہے کہ انھیں اپنا خوف ہے، کہ کہیں ہم اس کے نااہل نہ ہوں اور ہمارا خاتمہ برا اور خراب نہ ہو۔ یہ کلام انکے تضرع اور عاجزی کی دلیل ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ

تو قبول فرمالیا ان کی دعا کو ان کے رب نے، کہ بے شک میں ضائع نہیں کرتا کام کسی کامی کا تم میں سے،

ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۖ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا

مرد ہو یا عورت، تم میں سب ایک دوسرے سے ہیں۔ تو جنھوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے

مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ

اپنے گھروں سے، اور ستائے گئے میری راہ میں، اور وہ لڑے اور شہید کیے گئے، ضرور مٹادوں گا

عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

ان سے ان کے گناہوں کو، اور ضرور داخل کروں گا ان کو جنتوں میں، کہ بہا کریں جن کے نیچے نہریں،

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

اللہ کی طرف سے ثواب۔ اور اللہ، اسی کے پاس ثواب کا حسن ہے●

(تو قبول فرمالیا انکی دعا کو انکے رب نے) اور انکا جو مطلوب تھا، انکی طلب کے مطابق انھیں عطا فرمادیا، کیونکہ اسکا فضل وکرم بہت بڑا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (کہ بیشک میں ضائع نہیں کرتا کام کسی کامی) یعنی نیک کام کرنے والے (کا تم میں سے)، خواہ وہ (مرد ہو یا عورت) تو

اے محبوب! بی بی ام سلمہ نے، آپ سے جو یہ سوال پوچھا ہے کہ کیا وجہ ہے؟ قرآنِ پاک میں ہجرت کے متعلق مردوں کا ذکر ہے مگر ہجرت کرنے والی عورتوں کا ذکر نہیں؟ تو انکو جواب عطا فرما دو، کہ بیشک اللہ تعالیٰ کسی نکوکار کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ جس عمل کا جو اجر ہے، اسکو جو بھی کرے، اسے اسکا اجر ملے گا، خواہ وہ عورت ہو یا مرد۔

۔۔الحاصل۔۔مہاجر مردوں کی تعریف انکے عمل ہجرت کی وجہ سے کی گئی، تو یہ عمل ہجرت جو بھی انجام دے، وہ قابل تعریف ہے، تو ہجرت کرنے کی جو بھی تعریف کی گئی اور انکے لئے، جو بھی اجر کا وعدہ کیا گیا، انکا روئے سخن ہر ایک ہجرت کرنے والوں کی طرف ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ اب رہ گیا اس مقام پر قرآن کریم میں بظاہر عورتوں کا ذکر نہ ہونا، تو یہ صرف اسلئے ہے کہ انکو مردوں کا تابع کر دیا گیا اسطرح انکا بھی حکماً ذکر ہو گیا جس طرح بہت ساری آیات میں۔۔۔مثلاً: **اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ** وغیرہا میں بظاہر مردوں کو خطاب فرمایا گیا ہے، لیکن انکے مخاطبین میں عورتیں بھی شامل ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔نماز و زکوٰۃ صرف مردوں ہی پر فرض نہیں، بلکہ عورتوں پر بھی فرض ہے۔۔
الغرض۔۔نیک عمل کرنے والے کوئی بھی ہوں، بفضلہ تعالیٰ انھیں انکا پورا اجر عطا فرمایا جائیگا۔ اسلئے کہ فضل خداوندی کو یہ گوارا نہیں، کہ کسی نیک عمل کے اجر دینے میں مردوں اور عورتوں میں فرق فرمائے۔۔مثلاً: مردوں کو زیادہ دے اور عورتوں کو کم۔ اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔جبکہ۔۔

(**تم میں سب ایک دوسرے سے ہیں**) عورتیں مردوں سے، اور مرد عورتوں سے یعنی مروجہ قانونِ قدرت یہی ہے کہ مرد کی اصل عورت ہے، اور عورت کی اصل مرد ہے، تو اگر فضیلت 'اصل' کو دی جائے، تو دونوں ہی ایک دوسرے کی 'اصل' ہیں۔ اور فضیلت 'فرع' کو دی جائے، تو دونوں ہی ایک دوسرے کی 'فرع' ہیں۔

۔۔المختصر۔۔صرف مرد ہونے سے کوئی افضل نہیں، اور صرف عورت ہونے سے کوئی مفضول نہیں، بلکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض مرد عورت سے اور بعض عورت مرد سے اچھے ہوتے ہیں۔ **بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ** کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ 'تمہارا بعض طاعت پر ثواب کے لحاظ سے اور معصیت پر سزا کے لحاظ سے بعض کی طرح ہے'۔

(تو جنھوں نے ہجرت کی) شرک سے ۔۔یا۔۔اپنے وطن سے (اور نکالے گئے اپنے گھروں سے)، جیسے سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ کے اصحاب، جنھیں مشرکوں نے مکہ معظّمہ سے باہر کردیا (اور ستائے گئے میری) اطاعت کی (راہ میں)، جیسے کہ حضرت بلال جنھیں مشرکین مسلسل اذیت پہنچاتے رہے اور حضرت صہیب رومی، جنکا مال واسباب لوٹ کر مشرکین نے تکلیف دی اور انکے علاوہ وہ عوامِ مہاجرین جو جہاد کیلئے نکلے، (اور وہ) مشرکین سے (لڑے اور) پھر (شہید کیے گئے)، تو (ضرور مٹادونگا) اور معاف کردونگا (ان) سب (سے انکے گناہوں) اور انکی برائیوں (کو)۔

اور صرف اسی قدر نہیں، بلکہ (ضرور داخل کرونگا انکو جنتوں میں) جنکی شان یہ ہے (کہ بہا کریں جنکے) درختوں یا مکانوں کے (نیچے نہریں)۔۔المختصر۔۔جو لوگ راہِ خدا میں قسم قسم کی آزمائشوں، محنتوں، تکلیفوں اور فتنوں سے گزرنے والے ہیں، ان سب کیلئے ہے (اللہ) تعالیٰ کی عظمت والی ذات (کی طرف سے) عظمت والا اجر و (ثواب)۔

سنو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ کی ہی ذات، وہ ذات ہے کہ (اسی کے پاس ثواب کا حسن ہے) یعنی ایسا ثواب جو اسکی ذات کے ساتھ مخصوص ہو، جس پر دوسرا قادر نہ ہو۔ یہی وہ ثواب مطلق ہے، جو اس لائق ہے کہ اسکے سوا دوسری چیز کو ثواب بھی نہ کہا جاسکے۔ گویا یہ ثواب ایک تحفہ ہے اس ذات کی طرف سے جو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ رب کریم کی طرف سے ملنے والے ان انعامات کے سامنے، کیا مقام ہے دنیا کی چندروزہ ان راحتوں کا جنھوں نے اہل دنیا کو اپنے چنگل میں لے رکھا ہے، تو اے محبوب!۔۔۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِی الۡبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾

ہرگز نہ دھوکہ دے تمہارے لوگوں کو اینٹھتے پھرنا کافروں کا شہروں میں●

(ہرگز نہ دھوکہ دے تمہارے) تنگدست اور تکالیف میں مبتلا (لوگوں کو) تکبر و غرور کے نشے میں (اینٹھتے پھرنا کافروں کا) مختلف (شہروں میں) تجارت کی غرض سے اور پھر تجارت کے ذریعے حاصل کردہ مال سے اپنی محفل عیش و عشرت سجانا۔ اسلئے کہ انکے یہ سارے مال و متاع اور انکی ساری عیش و آرام کی گھڑیاں، بالکل عارضی ہیں اور معمولی اسباب اور۔۔۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

تھوڑا برتنا ہے۔۔ پھران کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور کیسا برا بستر ہے●

(تھوڑا برتنا ہے) جنکا فائدہ چند روزہ ہے، جو بہت جلد ضائع ہوجائیگا (پھرانکا) ہمیشہ کیلئے (ٹھکانہ جہنم ہے)۔ یہ دنیا اگرچہ قلیل الاسباب ہے لیکن وہ جہنم میں ابدالآباد داخل ہونے کا سبب ہے ۔۔الغرض۔۔ دنیا کی وہ تھوڑی سی نعمت جو بہت بڑے نقصان کا سبب بن جائے، اس لائق نہیں کہ اسے نعمت کہا جائے، تو کفار و مشرکین جہنم کا جو بچھونا اپنے لئے بچھائینگے، وہ کتنا تکلیف دہ (اور کیسا برا بستر ہے) جس پر ہمیشہ انھیں رہنا ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

لیکن جو ڈرا کئے اپنے رب کو، ان کیلئے جنتیں ہیں، بہہ رہی ہیں ان کے نیچے نہریں،

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

ہمیشہ رہنے والے اس میں، مہمانی اللہ کی طرف سے۔ اور جو اللہ کے پاس ہے زیادہ بہتر ہے نیکو کاروں کیلئے●

(لیکن) انکے برخلاف وہ نفوسِ قدسیہ والے لوگ، (جو) ہمیشہ (ڈرا کئے اپنے رب کو)، اسکے حکم کے خلاف کچھ بھی کرنے سے خوفزدہ رہتے ہیں، تو انکی بڑی شان ہے اور آخرت میں (انکے لئے جنتیں ہیں، بہہ رہی ہیں انکے) مکانوں یا درختوں کے (نیچے) صاف وشفاف (نہریں)، وہ لوگ اس میں (ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔ (اس میں) یہ (مہمانی) اور خاص پیش کش ہے (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) اور ظاہر ہے کہ وہ پوشیدہ مہربانی (اور) فضل لافانی (جو اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے)، وہ کہیں زیادہ بہتر ہے نکوکاروں کیلئے) کفار و مشرکین کے فنا ہوجانے والے عیش وآرام سے۔

اب تک مومنین، صالحین اور مہاجرین کیلئے جن انعامات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ صرف انھیں کیلئے نہیں۔۔۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ

اور بے شک بعض اہل کتاب ہیں کہ مانیں اللہ کو، اور جو اتارا گیا تم پر، اور جو

(الخامسة)

أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

اتارا گیا ان پر، دبے لچے اللہ کے سامنے، نہیں لیتے اللہ کی آیات کے بدلے قیمت کم حقیقت۔

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

وہ ہیں جن کیلئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس۔ بے شک اللہ جلد حساب فرمانے والا ہے●

(اور) صرف انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں، کیونکہ (بیشک بعض اہل کتاب)۔۔مثلاً: حضرت عبد اللہ ابن سلام اور انکے اصحاب۔۔یا۔۔نجاشی اور اسکے اتباع۔۔یا۔۔نجران کے چالیس، حبشہ کے دو اور روم کے آٹھ افراد جو نصرانی عقیدہ رکھتے تھے، پھر اسلام قبول کرلیا، یہ سب وہ لوگ (ہیں) جن کی شان یہ ہے (کہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو، اور) اس قرآن کو (جو اتارا گیا تم پر اور) توریت وانجیل کو، (جو اتارا گیا ان) کے رسولوں (پر)، انکی ہدایت کیلئے، (دبے لچے اللہ) تعالیٰ (کے سامنے)۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے بھی ہیں اور اسکے ثواب کی امید پر سر جھکاتے بھی ہیں۔

وہ (نہیں لیتے اللہ) تعالیٰ (کی آیات) 'جن میں نعت مصطفیٰ اور آپ ﷺ کے اوصاف کا ذکر ہے،' (کے بدلے) یہود کے رشوت خور علماء کی طرح حقیر (قیمت)، اور وہ بھی جو (کم حقیقت) ہو جسکی کوئی خاص قدر و قیمت ہی نہ ہو۔ تو یہ متدین مومنین خاشعین (وہ ہیں) مہاجرین کی طرح، (جن کیلئے انکا اجر ہے انکے رب کے پاس) بلکہ انھیں دوہرا اجر ملنے والا ہے۔ ایک تو اس ایمان کا جو اپنے پہلے رسولوں پر لاچکے اور دوسرا اجر اس ایمان کا جو نبی آخر الزماں پر لائے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (جلد حساب فرمانے والا ہے)۔

یعنی جب وہ حساب فرمانا شروع کرے گا، تو مومنوں کا حساب بالکل آسانی کے ساتھ جھٹ پٹ کردیگا۔۔یوں بھی۔۔اس کیلئے جلد حساب کردینے میں دشواری ہی کیا ہے؟ اسلئے کہ اسکا علم تمام اشیاء کو حاوی ہے اور وہ ہر ایک عمل کرنے والے کے اجر کا علم رکھتا ہے کہ وہ کس قدر اجر کا مستحق ہے، اسے تامل کی ضرورت ہی نہیں، اور نہ اسے یاد رکھنے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی اسے یادداشت کیلئے کسی تحریر کی حاجت ہے۔۔الغرض۔۔جن سے جو وعدہ کیا گیا، وہ انھیں جلد تر نصیب ہوگا۔ اس میں کسی طرح کی تاخیر نہ ہوگی۔۔۔

سورۂ آلِ عمران میں جو مضامین تفصیلی طور پر ذکر کیے گئے ہیں، وہ تمام مضامین اجمالی طور پر اسکی آخری آیت میں ذکر کردیئے گئے ہیں۔ اس آیت میں عبادات کی مشقتوں کو

برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسکی طرف اصْبِرُوْا میں اشارہ ہے۔ اور مخالفین کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسکی طرف صَابِرُوْا میں اشارہ ہے اور کفار و مشرکین کے خلاف جہاد کیلئے تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے اسکی طرف رَابِطُوْا میں اشارہ ہے، اور اصول و فروع میں یعنی عقائد اور اعمال سے متعلق احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی طرف وَاتَّقُوا اللّٰهَ میں اشارہ ہے۔۔۔ تو۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا

اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں بڑھ جاؤ۔ اور حفاظت ملک اسلامی کیلئے کمر بستہ رہو۔۔۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

اور اللہ کو ڈرو کہ امیدوار کامیابی ہو جاؤ۔ ●

(اے ایمان والو! صبر کرو) اور قدرتی مصائب۔۔ مثلاً: مرض، فقر، قحط اور احکامِ شرعیہ کی تعمیل کی مشقتوں پر ضبطِ نفس سے کام لو (اور) دشمنوں کے قتال میں اور میدانِ جہاد میں قدم مضبوط رکھو۔۔ نیز گھر والوں پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی طرف سے جو ایذائیں پہنچتی ہیں، ان پر صبر کرو، بلکہ ان میں سے کسی سے انتقام نہ لیکر اپنے (صبر میں بڑھ جاؤ اور) صرف اسی قدر نہیں بلکہ (حفاظت ملک اسلامی کیلئے) ہر وقت (کمر بستہ) اور چاق چوبند (رہو) اس کیلئے آلاتِ حرب تیار رکھو۔

جب جہاد فرض کفایہ ہے، تو آلاتِ جہاد کو تیار رکھنا بھی فرض کفایہ ہوا۔۔ مگر۔۔ ہر حال میں خیال رہے کہ تمہارا ہر عمل اسلامی ہدایات کی روشنی میں ہو، اس میں کسی طرح کی زیادتی اور عدل و انصاف کے خلاف کوئی بات نہ ہو (اور) اپنی زندگی کے ہر ہر لمحہ میں (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) تا (کہ امیدوار کامیابی ہو جاؤ)۔ ہر طرح کی کامیابی، خوش نصیبی، اور فیروز بختی، کی امید اسی کی شان کے لائق ہے، جو اپنے دل میں خشیت الٰہی رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے کو بچائے رکھتا ہے۔

۔۔ بحمدہٖ تعالیٰ سورۂ آلِ عمران کی تفسیر آج بروز سنیچر۔۔

۱۹ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ ۔۔ بمطابق۔۔ ۲۰ ستمبر ۲۰۰۸

۔۔ کو مکمل ہوگئی۔۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ

اٰیاتہا ۱۷۶ — رکوعاتہا ۲۴
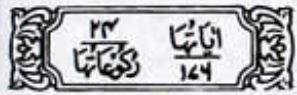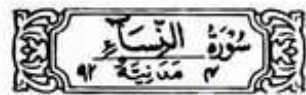
اس سورۂ مبارکہ میں ایک سو چھہتر ۱۷۶، اور ایک قول کے مطابق
ایک سو ستتر ۱۷۷ آیتیں ہیں اور چوبیس ۲۴ رکوع ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں، بچوں، یتیموں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے، ان پر شفقت کرنے، اور انکے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔۔نیز۔۔یتیموں کے مال کی حفاظت اور وراثت کا حکم دیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ طہارت حاصل کرنے، نماز پڑھنے اور مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ انسانی صلاح وفلاح کیلئے واضح ہدایات دینے والی اور عورتوں کے تعلق سے خاص ارشادات کی حامل ایسی مبارک سورۃ النسآء کو۔۔۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

شروع کرتا ہوں (نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے سارے انسانوں بلکہ ساری مخلوقات پر، اور خاص طور پر مومنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں مذکور تمام احکام پر عمل صرف خوفِ خدا سے ہوسکتا ہے، اسلئے اس سورۃ کے شروع ہی میں ہدایت فرمادی گئی کہ۔۔۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ

اے لوگو ڈرو اپنے پروردگار کو، جس نے پیدا فرمایا تم کو ایک جان سے، اور پیدا فرمایا

مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ

اس جان سے اس کا جوڑا، اور پھیلا دیا ان دونوں سے بہتیرے مرد اور عورتیں۔ اور ڈرو اللہ کو جس کے نام پر

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ①

مانگتے رہتے ہو، اور اپنے رشتوں کو، بے شک اللہ تم پر نگراں ہے●

(اے لوگو ڈرو اپنے پروردگار) کے غضب اور عذاب (سے جس نے پیدا فرمایا تم کو) محض

اپنی قدرت کاملہ سے، رنگوں، شکلوں اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود (ایک جان) یعنی سیدنا آدم علیہ السلام (سے، اور پیدا فرمایا اس جان) کی بائیں پسلی (سے اسکا جوڑا)، یعنی حضرت حوا کو تا کہ وہ اسی کے جسم کا حصہ ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس رہیں، (اور) پھر 'توالد و تناسل' کے ذریعہ (پھیلا دیا) ہے (ان دونوں سے بہتیرے مرد اور عورتیں)۔

یعنی ان دونوں کے ذریعے بلا واسطہ۔۔نیز۔۔بالواسطہ بکثرت مردوں اور عورتوں کی تخلیق فرما کر انھیں ظاہر فرما دیا، اور بات بالکل واضح ہے کہ جو خالق و مالک ہو، اسکی ہر مخلوق اور اسکے ہر مملوک پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے احکام کی اطاعت کرے۔ چونکہ تمام احکام کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ پہلی خالق کی عظمت، دوسری مخلوق پر شفقت۔ اسی لئے پہلے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا اور پھر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ہدایت دی اور ان سے قطع تعلق کرنے سے منع فرمایا۔

۔۔چنانچہ۔۔اے لوگو! احکام خداوندی کا پاس و لحاظ کرو (اور ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) وہ خدا (جسکے نام پر) تم ایک دوسرے سے (مانگتے)، سوال کرتے (رہتے ہو)، اور مہربانی کرنے کا مطالبہ کرتے رہتے ہو، اور حاجت مانگتے وقت جس خدا کی ایک دوسرے کو قسم دیتے ہو، اور یوں کہا کرتے ہو کہ 'میں تجھ سے اللہ کیلئے سوال کرتا ہوں'۔۔یونہی۔۔لحاظ کرو اپنے رشتہ داروں کا، (اور) ڈرو (اپنے رشتوں کو) کہیں وہ ٹوٹ نہ جائیں۔۔الحاصل۔۔اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو اور ان میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔

اچھی طرح سے جان لو، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (تم پر نگراں ہے) اور تھا۔۔نیز۔۔رہے گا۔ وہ تمہارا ایسا نگہبان ہے جو تمہارے سب اقوال اور افعال پر مطلع ہے، اور جب کوئی یہ جان لے کہ خدا اسکا نگہبان ہے، تو اسے چاہئے کہ اپنے حرکات اور سکنات میں احتیاط کرے اور ناپاکی و بے باکی کے قصد کے وقت اس سے شرم کرے۔۔تو۔۔اے یتیموں کے سرپرستو! جب یتیم بالغ ہو جائیں تو انکو دکھ نہ دو۔۔۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا

اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال کو، اور بدلے میں نہ لو ناپاک کو پاک کے، اور مت کھا جایا کرو

اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰۤی اَمۡوَالِكُمۡؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ۝۲

ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ، بے شک یہ گناہ کبیرہ ہے●

(اور دے ڈالو یتیموں کو انکے مال کو)۔اور غطفان کے اس شخص کی طرح نہ ہو جاؤ، جسکے پاس اسکے یتیم بھتیجے کا بہت سارا مال تھا، جب وہ بھتیجا بالغ ہوا، تو اس نے اپنا مال طلب کیا، لیکن اسکے چچا نے اسکو مال دینے سے انکار کر دیا۔

تو اسکی اور ان جیسوں کی ہدایت کیلئے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ جب نبی کریم نے اسے یہ آیت سنائی، تو اس نے برجستہ عرض کیا، ہم اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور بہت بڑے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں، چنانچہ اس نے اپنے بھتیجے کو اسکا سارا مال دے دیا۔ وہ بھتیجا بھی بڑا ہی نیک بخت تھا، کہ اس نے اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔

اس ارشادِ خداوندی میں 'دے ڈالو' فرما کر فوراً ہی دے ڈالنا مقصود نہیں، کیونکہ اسکے لئے رشد و بلوغت کا پایا جانا شرط ہے۔ یعنی یتیم بالغ ہو جائے اور اس میں اپنے مال کی حفاظت کا شعور آجائے۔ یہ 'دے ڈالنے' والی بات صرف اسلئے فرمائی گئی ہے، تاکہ یتیموں کے کفیلوں کو یہ معلوم رہے کہ یہ مال یتیموں کو لامحالہ دینا ہے، ان تک لازمی طور پر پہنچانا ہے۔ لہٰذا ان مالوں کی حفاظت کرتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے توجہی سے وہ مال ضائع ہو جائے، تم یہ کہہ کر کنارہ کش ہونے کی کوشش کرو، کہ ہم نے تو اس میں کوئی تصرف کیا نہیں، تو اگر وہ برباد ہو گیا کسی وجہ سے بچ نہ سکا، تو ہم کیا کریں؟

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے سرپرستو! اور یتیموں کے کفیلو! یتامیٰ کے اموال کی پوری حفاظت کرو اور انکے نقصان کے درپے نہ رہو اور جب انکو انکے اموال واپس کرنے کا وقت آئے، تو انھیں صحیح و سالم واپس لوٹا دو۔

(اور بدلے میں نہ لو ناپاک کو پاک کے)، یعنی مالِ یتیم جو تمہارے لئے ناپاک و حرام ہے اسکو اپنے مال سے جو تمہارے لئے حلال و پاک ہے، نہ بدلو۔۔نیز۔۔اپنے ردی مال کو انکے اچھے مال سے تبدیل نہ کرو، کیونکہ تمہارا اپنا مال اگرچہ خراب ہو، مگر تمہارے لئے حلال ہے۔ اسکے برعکس جو تمہارا مال نہیں ہے، وہ اگرچہ اچھا ہو، مگر وہ تمہارے لئے حرام ہے۔

۔۔الختصر۔۔یتیموں کے مال سے۔۔مثلاً: اچھی کھجوریں نکال لیں اور اسکی جگہ اپنے مال

کی خراب کھجوریں رکھ دیں، تو یہ بھی خیانت ہے، تو اس سے بھی اپنے کو بچانا لازمی ہے۔ یاد رکھو کہ اموالِ یتامیٰ میں خیانت ایک امرِ خبیث ہے اور انکی حفاظت ایک امرِ طیب ہے، تو تم امرِ طیب کو امرِ خبیث سے نہ بدلو۔

(اور مت کھاجایا کرو انکے مال کو اپنے مال کے ساتھ) یعنی اپنے مال کو انکے مال کے ساتھ ملاکر اپنے اور انکے مال میں فرق کئے بغیر خرچ نہ کرو۔۔کیونکہ۔۔ممکن ہے کہ اپنی لاپرواہی سے تم بے جا تصرف کر جاؤ، جس سے یتیم کا مال تباہ و برباد ہو جائے۔

یہ صحیح ہے کہ اگر یتیم کا متولی فقیر اور محتاج ہو، تو بقدر خدمت یتیم کے مال سے اپنے اوپر خرچ کرسکتا ہے۔۔مگر۔۔اس میں اسطرح کا تصرف اسکے لئے حرام ہے، جو یتیم کو نقصان پہنچائے۔ چونکہ تصرف کے جتنے طریقے ہیں، اس میں کھانے کو اہمیت وعظمت حاصل ہے، اسلئے آیت کریمہ میں اسکا ذکر کر دیا گیا۔

(بیشک یہ)، یعنی یتیم کا مال کھا جانا، بدل لینا۔۔یا۔۔اس میں خیانت کرنا، خدا کے نزدیک **(گناہ کبیرہ ہے)**۔

زمانہء جاہلیت میں عادت تھی کہ بعض لوگ یتامیٰ کی جن ماؤں سے ان کیلئے جائز ہوتا، اس سے نکاح کر لیتے اور یتامیٰ کی پرورش کی نیت سے نہیں، بلکہ انکے ملک و مال کی لالچ میں۔ پھر جن سے نکاح کرتے، ان عورتوں کو ذلیل وخوار کرتے، اور انکا معاشرہ تنگ کر دیتے اور پھر اس تمنا میں رہتے کہ یہ مرجائیں تاکہ ہم انکی وراثت سنبھالیں۔۔یونہی۔۔کچھ لوگ یتیم لڑکیوں کے نکاح کے شوق میں رہتے، خواہ ان لڑکیوں کا سن ان سے مطابقت بھی نہ رکھتا ہو۔ ایسوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر یتامیٰ کی ماؤں سے نکاح کرو، تو ان یتیموں کے مال کو ہڑپ کرنے کی نیت سے نہ کرو، اور اپنی منکوحہ عورتوں کو ذلیل وخوار نہ کرو۔۔نیز۔۔ انکا معاشرہ تنگ نہ کردو۔ تمہاری بدنیتی یتیموں کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔

اب رہ گئے کم سن یتیم بچیوں سے شادی کرنے والے اور ان کو پورا مہر بھی نہ دے سکنے والے، اور انکو انواع واقسام کی مشقت میں مبتلا کر دینے والے، اور ان سے ایسا سلوک کرنے والے، جو انھیں گوارا نہ ہو، اور خود انکا مال نہ ادا کرنے والے۔۔نیز۔۔جن کو انکے ساتھ مجرمانہ کردار کر بیٹھنے اور انکی عصمت کو مجروح کر دینے کا اندیشہ ہو، تو ایسے لوگ سن لیں۔۔۔

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ

اور اگر تم ڈرے کہ انصاف نہ کرسکو گے یتیموں میں، تو نکاح میں لے آؤ جو تمہاری پسندیدہ ہو عورتوں سے

مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً

دو دو، تین تین، چار چار۔ پھر اگر تم ڈرے کہ برابر کا برتاؤ نہ کرسکو گے، تو ایک بیوی کرو

اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ؕ ذٰ لِكَ اَدۡنٰٓى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ؕ‏ ﴿۳﴾

یا تمہاری مملوکہ لونڈیاں۔ یہ طریقہ اس امید کو قریب کرنے والا ہے کہ تم زیادتی نہ کرسکو گے●

(اور) ذہن نشین کرلیں کہ (اگر تم ڈرے کہ انصاف نہ کرسکو گے یتیموں میں) اور کسی نہ کسی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھو گے، اور ان یتیم بچیوں کو اپنی ناانصافیوں سے نہ بچا سکو گے۔۔نیز۔۔اپنی خواہش نفسانی پر قابو نہ پاسکو گے، (تو) پھر تم ان یتیم بچیوں کے سوا (نکاح میں لے آؤ جو تمہاری پسندیدہ ہو) اور جن سے تمہارا نکاح جائز ہو، دوسری (عورتوں) میں (سے)، خواہ وہ (دو دو) ہوں۔۔یا۔۔(تین تین)۔۔یا۔۔(چار چار)۔

۔۔الغرض۔۔نکاح کرنے والے کو اختیار ہے کہ ان عددوں میں سے جتنے چاہے نکاح کرلے، مگر چار سے زیادہ کسی حال بھی نہیں۔۔الغرض۔۔پاکیزہ طبع اور گنتی کی چند عورتوں سے نکاح کرے۔ ایامِ جاہلیت کی طرح نہیں جنکا کوئی اصول و ضابطہ نہیں تھا، جو چاہتا اور جتنی عورتوں کے ساتھ چاہتا، نکاح کرلیتا۔ دورِ جاہلیت کے نظامِ کثرت ازواج کو اسلام نے ختم کردیا اور لاکر ایک حد پر محدود کردیا، اور وہ بھی چند اہم شرائط کے ساتھ۔

اسلام دین فطرت ہے، اسکے سارے اصول انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام بدکاری کو دور کرنا چاہتا ہے اور یہ مقصد صرف چار بیویوں سے بخوبی حاصل ہوجاتا ہے۔ پانچویں کی قطعی ضرورت نہیں رہتی۔۔ہاں۔۔اگر صرف تین تک اجازت ہوتی، تو اس سے بدکاری کا مکمل سدباب نہیں ہوتا۔ اس اجمال کی ایک مختصری تفصیل یہ ہے۔

۔۔مثلاً: کسی صحتمند انسان نے کسی صحتمند خاتون سے نکاح کیا، تو اگر دونوں مکمل صحتمند ہیں، تو اغلب یہی ہے کہ پہلی ہی قربت میں بیوی حاملہ ہوجائے۔ حاملہ ہوجانے کی صورت میں تین ماہ تک اس سے قربت، حاملہ کیلئے طبی نقطہء نظر سے مضر نہیں، مگر تین مہینے کے بعد احتیاط برتنی ہوگی اور شوہر کو اسکی صحبت سے خود کو بچانا ہوگا۔

اب اس حال میں شوہر کی نفسانی خواہش پوری کرنے کیلئے اور اسکو بدکاری سے بچانے کیلئے، دوسری شادی کی اجازت دیدی ہے۔ وہ بھی اگر پہلی ہی قربت میں حاملہ ہوگئی، تو اسکے ساتھ بھی تین ماہ تک شوہر کے مشغول رہنے میں مضائقہ نہ رہا۔ تین ماہ کے بعد شوہر کو حسب سابق اس سے بھی الگ ہوجانا پڑا، تو اسکو تیسری شادی کی اجازت مل گئی، اور پھر اس نے تیسری عورت سے نکاح کرلیا، اسکا بھی یہی حال رہا کہ پہلی ہی صحبت میں حاملہ ہوگئی، اور اسکے قریب بھی شوہر احتیاطاً تین ہی مہینے رہ سکا۔ تین مہینے کے بعد، اسکو چوتھے نکاح کی رخصت مل گئی، اور پھر وہ بھی پہلی ہی قربت میں حاملہ ہوگئی اور شوہر کو اس سے قربت بھی تین ہی مہینہ طبی نقطہء نظر سے مناسب رہی۔۔چنانچہ۔۔تین مہینے کے بعد اسے اسکی قربت سے الگ ہوجانا پڑا۔

۔۔مگر۔۔اسکے باوجود اب اسے پانچویں بیوی کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ اس چوتھی کے تین مہینے پورے ہونے تک، اسکی سب سے پہلی بیوی بچے سے فارغ ہوچکی ہوگی اور اس پر مزید تین مہینہ گزر چکا ہوگا۔ اب اس سے قربت کرنے میں کسی طرح کا کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ اور جب اس پہلی کا تین مہینہ پورا ہوگا، تو دوسری فارغ ہوکر تین مہینے گزار چکی ہوگی۔۔یونہی ۔۔جب دوسری کا تین مہینہ پورا ہوگا، تو تیسری اس منزل میں آچکی ہوگی کہ اس سے قربت کی جاسکے۔ تیسری کے بعد چوتھی کا بھی یہی حال ہوگا۔

اسطرح ایک دور پورا ہوجاتا ہے اور پھر دوسرے دور کیلئے پہلی بیوی اپنی سابقہ حالت پر آچکی ہوگی۔۔الختصر۔۔چوتھی کے بعد کسی حال میں بھی پانچویں کی ضرورت نہیں۔۔اور۔۔ صرف تین سے مکمل طور پر ضرورت پوری نہیں ہوتی، اور پوری طور پر بدکاری کا سد باب نہیں ہوتا۔

۔۔الحاصل۔۔اسلام دین فطرت ہے اور کسی حال میں بھی، ایک پل کیلئے بھی، کسی انسان کو بدکاری کی اجازت نہیں دے سکتا، اور نہ ہی ایسی صورت حال پیدا ہونے دیگا کہ انسان بدکاری کیلئے بہانے تلاش کرے۔ اب اگر کوئی سوچے کہ جس صورت حال کی تصویر کشی کی گئی ہے، کہ وہ شاذ ونادر ہی پیش آسکتی ہے، تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ ایک جامع قانون و ضابطہ بنانے کیلئے شاذ ونادر حالت پر ہی نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جو قانون شاذ ونادر حالات میں بھی رہنمائی کرتا ہے، وہ دوسرے حالات میں اندھیرے میں کہاں رہنے دیگا۔

۔۔الغرض۔۔ جوشخص مالی اور جسمانی طور پر متعدد بیویاں رکھ سکتا ہو، وہ بشرط عدل و انصاف چار بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اور اگر وہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہ کرسکے، تو وہ صرف ایک بیوی کو نکاح میں رکھے۔۔چنانچہ۔۔

(اگر تم ڈرے کہ برابر کا برتاؤ نہ کرسکو گے تو ایک بیوی کرو)، اب اگر ان میں سے کسی ایک کی طرف طبعی رجحان زیادہ ہو، جو ایک غیر اختیاری کیفیت ہے، مگر اسکے باوجود دوسری بیویوں میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہو رہی ہو، سب کے حقوق پورے انصاف کے ساتھ ادا کئے جارہے ہوں، ہر ایک کے جملہ حقوق زوجیت کی ادائیگی میں مکمل یکسانیت برتی جارہی ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۔۔المختصر۔۔ **عدل نہ کرسکنے کی صورت میں صرف ایک ہی بیوی کرو (یا) جو (تمہاری مملوکہ لونڈیاں) ہیں**۔ انکو داخل حرم کرلو، کیونکہ ملکیت کی وجہ سے تمہیں اس میں تصرف کا حق ہے۔ ایک عورت کو اختیار کرنا۔۔یا۔۔اپنی مملوکہ کو حرم بنالینا، **(یہ طریقہ اس امید کو قریب کرنے والا)** اور اس بات سے پر امید کردینے والا (ہے، کہ تم) کسی پر (زیادتی نہ کرسکو گے) اور بدراہ ہونے اور ظلم کرنے سے بچ جاؤ گے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ

اور دے ڈالو عورتوں کو ان کا سارا مہر، خوش خوش۔ ہاں اگر وہ خوش دلی سے دے دیں کچھ

مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ۝۴

مہر سے، تو اس کو کھاؤ، جائز درست ●

(اور) یاد رکھو کہ بیویوں کے ساتھ عدل و انصاف کرنے میں، انکے حقوق کی ادائیگی بھی ہے اور حقوق کی ادائیگی میں، انکا مہر ادا کرنا بھی ہے **(تو دے ڈالو عورتوں کو انکا سارا مہر خوش خوش)** جو انھیں حق تعالیٰ کی طرف سے بخشا ہوا ایک عطیہ ہے، جسے ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر فرض ہے، تو تم اسے از روئے شریعت، بطور فرض، پوری خوشدلی کے ساتھ ادا کرو اور ذرا بھی تنگدلی کا مظاہرہ نہ کرو۔

(ہاں اگر وہ خوش دلی سے دیدیں) جو (کچھ) کل۔۔یا۔۔بعض حصہ اپنی مقررہ **(مہر سے، تو اسکو)** مزے مزے سے **(کھاؤ)** اور مالک ہو کر جس طرح چاہو تصرف کرو۔ یہ تصرف تمہارے لئے **(جائز)** اور **(درست)** ہے۔ جس میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ہی دکھ درد کی بات، لیکن یہ خیال رہے کہ یہ

اسی صورت میں جائز ہے، جب بیویاں خوشدلی کے ساتھ دیں۔۔یا۔۔معاف کردیں۔اسلئے کہ انکی خوشی کے بغیر مہر معاف کرالینا جائز نہیں ہے۔اس سلسلے میں اسکی خوشی اور رضا سمجھنے کیلئے صرف لفظوں کو معیار نہ بنائے، بلکہ اسکے لئے دیگر قرائن کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ سابقہ ارشادات میں جو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یتیموں کا مال انکے حوالے کردو اور عورتوں کا مہر انکے سپرد کردو، یہ حکم اس وقت ہے جب یتیم۔۔یا۔۔تمہاری منکوحہ عاقل بالغ ہو، اور اگر وہ عاقل بالغ نہ ہوں، تو پھر اپنی زیر نگرانی رہنے والے انکے اموال کو اپنے ہی پاس حفاظت سے رکھو۔۔۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

اور نہ دے ڈالو بے وقوفوں کو اپنے زیر نگرانی مال کو جس کو بنا دیا اللہ نے تمہارے لیے معاش، اور دیتے رہو ان کو

فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵

اس میں سے اور پہناتے رہو ان کو، اور بولا کرو ان سے خوش گوار بولی●

(اور نہ دے ڈالو بیوقوفوں کو) ناپختہ عقل والوں کو، اپنے اموال کی کماحقہ نگرانی نہ کرسکنے والوں کو (اپنے زیر نگرانی مال کو، جسکو بنا دیا اللہ) تعالیٰ (نے تمہارے لئے معاش) اور تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ، جو تمہاری معیشت دنیا کے قیام کا بھی سبب ہے، اور جسکا امورِ دین، جیسے حج، جہاد، زکوٰۃ، صدقے، نفقے، اور دیگر خیر و خیرات کے انتظام سے بھی رابطہ ہے، تو اب اگر تم اسے ضائع کردو گے، تو خود ضائع ہو جاؤ گے، لہٰذا اس مال کو اپنا مال سمجھ کر محافظت کرو۔

(اور دیتے رہو انکو اس میں سے) حسب ضرورت، ان نادانوں کا حصہ مقرر کردو۔ان مالوں میں اتنا حصہ جس سے انکی گزر اوقات ہو سکے، (اور پہناتے رہو انکو)، انکی ضرورت کے مطابق انھیں کپڑا دیتے رہو، (اور بولا کرو ان سے خوش گوار بولی) جو اچھی اور پسندیدہ ہو۔۔مثلاً: یتیم سے کہو کہ یہ مال تیرا ہے اور میں تیرا امانت دار ہوں، جب تو جوان ہوگا، تو یہ تیرا مال تجھے سپرد کردونگا۔۔یونہی۔۔عورتوں سے بھی وعدہ کرو کہ انکا دل خوش رہے۔

وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا

اور جانچتے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ جب نکاح کو پہنچیں تو اگر تم نے مانوس دیکھا ان کو سمجھ بوجھ سے،

فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ

تو دے ڈالوان کوان کا مال۔ اور نہ کھاؤاس کو حاجت سے زیادہ اور جلدی جلدی، کہ بڑے ہوجائیں گے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ

اور جو خود مالدار ہو تو وہ بچا کرے۔ اور جو محتاج ہو تو وہ کھالیا کرے

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ

بقدر مناسب۔ پھر جب تم ان کوان کا مال واپس کرو، تو گواہ بنالو اُن پر۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا●

(اور جانچتے رہو یتیموں کو) اگر وہ لڑکے ہیں، تو عقل وتمیز، حفاظت مال اور خرید وفروخت کی باریکیوں سے انکی آزمائش کرتے رہو، اور اگر وہ یتیم لڑکیاں ہیں، تو بات کرنے، سینے پرونے اور گھر گرہستی کرنے میں انکی صلاحیتوں کو پرکھتے رہو، (یہاں تک کہ جب) وہ (نکاح) کی حد (کو پہنچیں) یعنی بالغ ہوجائیں (تو اگر تم نے مانوس دیکھا انکو، سمجھ بوجھ سے)، یعنی ان میں سمجھداری کے آثار موجود نظر آئے اور وہ دینی حیثیت سے صالح اور امورِ دنیا کو درست رکھنے والے، اہلیت والے ہوگئے، (تو دے ڈالو انکو انکا) وہ (مال) جو بطورِ امانت تمہارے پاس محفوظ ہے۔

(اور) اے وصیو! اور اے ولیو! (نہ کھا) جا (وٴاس کو حاجت سے زیادہ) فضول طور پر اور حد سے تجاوز کر کے، یعنی اس سے زیادہ جو قاضی نے مقرر کردیا ہو۔۔یا۔۔فقر واحتیاج کی صورت میں حفاظت ونگرانی کی واجبی اور مروجہ اجرت سے زیادہ ہو، (اور) نہ ہی (جلدی جلدی) استعمال کر کے اسے ختم کردو، اس خیال سے (کہ) یہ بچے (بڑے ہوجائینگے) تو سارا مال انکے سپرد کردینا ہوگا، تو جلد از جلد کھاپی کر اسے ختم کردو، تاکہ کچھ نہ بچے، جسے انکے حوالے کرنا پڑجائے۔

(اور) اب رہ گیا وہ، (جو خود مالدار ہو، تو) اسکو چاہیئے کہ (وہ) یتیم کے مال میں بذاتِ خود اپنے لئے۔۔یا۔۔اپنوں کیلئے۔۔یا۔۔جسکا مال ہے، اسکے سوا کسی کیلئے تصرف کرنے سے (بچا کرے)۔ ہاں (اور جو) کوئی ان لوگوں میں سے جنکے قبضے میں یتیم کا مال ہے، فقیر اور (محتاج ہو تو وہ کھالیا کرے بقدر مناسب)، یعنی انصاف کے ساتھ بقدر حاجت۔ اسی قدر جتنی اسکی محنت کی مزدوری ہو کھانے اور کپڑے

کے نام پر لے لیا کرے۔ (پھر جب تم انکو انکا مال واپس کرو، تو گواہ بنالوان پر) یعنی انکے اس اقرار پر کہ ہم نے اپنا مال پالیا، تا کہ تم میں اور ان میں جھگڑا نہ پیدا ہو۔۔الغرض۔۔اپنے معاملات کو درست رکھو، (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (کافی ہے حساب لینے والا)، یعنی قیامت کے روز ان سب کا حساب لے گا۔۔یا۔۔انھیں انکے اعمال کی جزا دیگا۔

ایامِ جاہلیت میں عرب کی ایسی عادت تھی کہ عورتوں کو تو مطلقاً میراث نہ دیتے تھے، ایسے ہی کمسن بچوں کو بھی محروم رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ مال اسی کے واسطے ہوتا ہے جو دشمن کے ساتھ قتال کر سکے، نیزے چلا کر اور تلوار مار کر مالِ غنیمت قبضہ وتصرف میں لا سکے۔ جب جناب رسالت مآب ﷺ نے مدینہ میں ہجرت فرمائی، تو میراث کا طریقہ اسی قانون پر جاری تھا۔

یہاں تک کہ ایک روز ایک خاتون ام کحہ، آپ ﷺ کی خدمت سراپا رحمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ، اوس بن صامت کی جو مشرف بہ اسلام تھا، وفات ہوگئی۔ میں اسکی ایک بیوہ ہوں اور میری اس سے تین لڑکیاں ہیں اور انھوں نے کافی مال چھوڑا ہے، جس پر اسکے چچیرے بھائی قابض ہو چکے ہیں، اور ان بھائیوں نے مجھ کو اور میری چھوٹی چھوٹی بچیوں کو محروم کردیا ہے۔

اس درخواست کو سماعت فرمانے کے بعد نبی کریم نے اوس کے چچیرے بھائیوں کو طلب فرمایا اور اس بیوہ کی دادخواہی کا حال ان سے بیان فرمایا۔ انھوں نے وہی زمانہء جاہلیت کا قانون پیش کیا اور چاہا کہ اپنے آباؤ اجداد کے ظالمانہ اصول کو برقرار رکھیں، اس پر آیت کریمہ نازل فرمادی گئی اور واضح کردیا گیا کہ جب یتیم بچوں کے ماں باپ اور قرابت دار مال چھوڑ جائیں، تو وہ ترکہ کے مستحق ہونے میں برابر ہیں، اس میں مرد عورت کا کوئی فرق نہیں اور نہ ترکہ کے کم۔۔یا۔۔زیادہ ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے، ہر چند کہ حصے کی مقدار میں فرق ہوتا ہے۔

اسی طرح میت کے ساتھ لاحق ہونے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ تو جو میت کے ساتھ بلاواسطہ لاحق ہو، اسکے ہوتے ہوئے، وہ محروم ہوجاتا ہے جو کسی واسطے کے ساتھ، میت کے ساتھ لاحق ہوتا ہے۔۔مثلاً: میت کا ایک بیٹا ہو اور ایک یتیم پوتا ہو، تو بیٹا میت کے ساتھ بلاواسطہ لاحق ہے، اور یتیم پوتا اسکے فوت شدہ دوسرے بیٹے کے واسطے سے لاحق ہے، اسلئے بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتا محروم رہے گا۔

--چنانچہ--حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا کہ فرائض اہل فرائض کویعنی ان ورثاء کوجنکے حصے قرآن مجید میں مقرر فرمادئے گئے ہیں، لاحق کردو۔اسکے بعد جوترکہ باقی بچے، وہ میت کے سب سے قریب مرد کو دیدو۔-الحاصل--'وارث اقرب' کے ہوتے ہوئے 'وارث ابعد' محروم ہوجاتا ہے۔-المختصر--اے ایمان والو! دورِجاہلیت کے ظالمانہ قانون کی پیروی نہ کرو، اور آؤ اسلام کے عادلانہ قانون کی برکتوں سے مالا مال ہوجاؤ، توسنو---

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ

مردوں کیلئے حصہ ہے جو چھوڑ گئے ان کے ماں باپ اور قرابت دار۔ اور عورتوں کیلئے حصہ ہے

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ

جو چھوڑ گئے ان کے ماں باپ اور قرابت مند، کم ہو یا زیادہ۔

نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۷﴾

مقرر حصہ●

(مردوں کیلئے) وہ چھوٹے ہوں یا بڑے (حصہ ہے) اس مال میں سے (جو چھوڑ گئے انکے ماں باپ اور قرابت دار، اور) یونہی (عورتوں کیلئے) بھی (حصہ ہے) اس مال میں سے (جو چھوڑ گئے انکے ماں باپ اور قرابت مند)، وہ مال (کم ہو یا زیادہ)، اور یہ حصہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے (مقرر) کردہ (حصہ) ہے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ

اور اگر موجود ہوں بانٹنے کے وقت عزیز لوگ، اور یتیم اور مسکین لوگ،

فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

تو دے دیا کرو کچھ انھیں اس سے، اور بولو ان سے اچھی بولی●

اے ایمان والو! حکم الٰہی کی روشنی میں وارثین اپنی میراث کو تو پائینگے ہی، لیکن اس نیک کرداری (اور) رحم دلی کا بھی مظاہرہ کرو کہ (اگر موجود ہوں) میراث (بانٹنے کے وقت) غیر وارث (عزیز لوگ) جو میراث نہیں پاتے (اور یتیم) جو بے گانے ہوں، (اور مسکین لوگ) جو فقیر محتاج ہوں،

تو دے دیا کرو کچھ انھیں) بھی (اس) مال میں (سے، اور) ان سے سخت لب و لہجے میں بات نہ کرو، بلکہ (بولو ان سے اچھی بولی) جو خیر خواہانہ ہو، اور انکی خوشدلی کا موجب ہو۔۔ مثلاً: ان سے یہ کہو کہ 'تم یہ مال لے لو، تمہیں اللہ تعالیٰ برکت دے' وغیرہ وغیرہ۔

پہلے یہ حکم وجوب کے طور پر تھا، مگر میراثوں اور وصیتوں کی آیت سے منسوخ ہو گیا۔۔ الغرض۔۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ

اور ڈریں جو اگر چھوڑ جائیں اپنے بعد کمزور اولاد، تو ان پر ڈریں،

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹

تو وہ ڈریں اللہ کو اور بولیں ٹھیک بولی ●

وہ لوگ غربا پروری (اور) مسکین نوازی کرتے وقت یہ سوچ کر (ڈریں) وہ (جو) بالفرض اگر چھوڑ جائیں اپنے) مرنے کے (بعد کمزور) اور بے سہارا (اولاد)، تو انھیں مرتے وقت کیسا اندیشہ ہوتا ہے، اور یہ فطری بات ہے کہ ایسا وقت آئے (تو) وہ (ان پر) اور انکے تعلق سے انکی بے معاشی اور انکے ضائع ہو جانے کے خیال سے (ڈریں)۔

۔۔الحاصل۔۔ وارثوں کو چاہئے کہ ضعیف اور عاجز قرابت والے اور یتیم اور محتاج جو ترکہ تقسیم ہونے کی مجلس میں حاضر ہوں، انکے ساتھ مرحمت اور شفقت کریں اور یہ بات سوچیں کہ اگر خود ان وارثوں کے لڑکے چھوٹے اور عاجز ہوں اور انکے مرنے کے بعد ایسی مجلس میں جائیں، تو انھیں محروم رکھنا، انکے نزدیک پسندیدہ عمل ہے۔۔ یا۔۔ نہیں؟ یقیناً انکی عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ یہ کام ناپسندیدہ و ناجائز ہے۔ پس چاہئے کہ جو بات اپنے واسطے روا رکھیں اوروں کی نسبت بھی روا رکھیں۔

(تو وہ) یتیموں کے متعلق (ڈریں اللہ) تعالیٰ (کو، اور بولیں ٹھیک بولی) یعنی جو بات ہو وہ درست اور درست ہو۔ اگر عذر کرنا ہو، تو خوبی کے ساتھ عذر کریں اور اچھا وعدہ کر لیں۔

ذہن نشین رہے کہ یتیم چونکہ کمزور اور بے سہارا ہوتے ہیں، اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی زیادہ توجہ اور التفات کے مستحق ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم ہے۔ اور معاف فرمانے والا اور درگزر کرنے والا ہے اسکے باوجود، ظلماً مالِ یتیم کھانے والوں پر سخت ترین وعید نازل فرمائی، کیونکہ یتیم انتہائی درجہ کے بے بس اور بے سہارا تھے، اسلئے ان پر ظلم کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی وعید بھی سخت ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ

بے شک جولوگ کھائیں یتیموں کا مال ناحق، وہ کھائیں

فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

اپنے پیٹ میں نری آگ اور جلد پہنچیں گے جہنم●

(بیشک جولوگو کھائیں) اور تلف کریں (یتیموں کا مال) ظلم وستم کی راہ سے (ناحق، وہ کھائیں اپنے پیٹ میں نری آگ، اور) وہ (جلد پہنچیں گے جہنم) کی آگ میں۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو قبر سے اٹھائے گا، تو ان لوگوں کے منہ سے آگ نکلتی ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہونگے؟ فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا فرماتا ہے، کہ بیشک جولوگ ناجائز طریقے سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں اور وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں۔ چنانچہ یتیم کا مال کھانے والے جب میدانِ محشر میں آئینگے، تو انکے جسم کے اندر آگ بھری ہوگی، اسکی لواٹھ رہی ہوگی اور اسکا دھواں انکے منہ ناک کان اور آنکھ سے نکلتا ہوگا۔ اس علامت سے سب اہل محشر پہچان لینگے، یہ لوگ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام اجمالی طور پر بیان فرمائے اور اب تفصیلی طور پر ارشاد فرمارہا ہے۔ چونکہ انسان کا سب سے زیادہ تعلق اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے اسلیئے اولاد کے ذکر سے احکام شروع فرمائے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ

حکم دیتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں، کہ بیٹے کیلئے حق دو بیٹیوں کے حصے کے برابر ہے۔ پھر اگر

كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ

صرف بیٹیاں ہوں، دو سے زیادہ، تو انکے لیے دوتہائی ہے ترکہ کا، اور اگر

وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا

ایک ہو تو اس کیلئے آدھا ہے۔ اور اس کے ماں باپ کیلئے ہر ایک کیلئے

تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ

چھٹا حصہ ترکہ کا، اگر کوئی اس کی اولاد ہو۔ اور اگر اس کی اولاد نہ ہو، اور وارث ہوں ماں باپ، تو اس کی ماں کا

الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ

تہائی حصہ ہے۔ اور اگر اس کے بھائی بہنیں ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے، وصیت پوری کرنے کے بعد جو وہ

بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَـكُمۡ نَفۡعًا ؕ

کرے، اور ادائے قرض کے بعد۔ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں کون تمہارے نفع کے نزدیک ہے۔

فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۱﴾

حصہ مقررہ اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(حکم دیتا ہے تم کو اللہ) تعالیٰ (تمہاری اولاد) کی وراثت (کے) حصوں کے (بارے میں کہ) میت کے ایک (بیٹے کیلئے حق) اور حصہ (دو بیٹیوں کے حصے کے برابر ہے)۔

کیونکہ مرد کے بہ نسبت عورت کے اخراجات کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ مرد پر اپنی بیوی، بچوں اور اپنے بوڑھے والدین کے مصارف کی ذمہ داری ہوتی ہے، اسکے برخلاف عورت پر کسی کی پرورش کی ذمہ داری نہیں۔ اور جب عورت کی بہ نسبت مرد کے اخراجات زیادہ ہیں، تو مرد کا حصہ بھی عورت سے دگنا ہونا چاہئے۔۔ نیز۔۔ سماجی کاموں کے لحاظ سے مرد کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔۔ مثلاً: وہ امام اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، ملک اور وطن کے نظم ونسق چلانے کی ذمہ داریاں رکھتا ہے، اور ملک اور وطن کے دفاع کیلئے جہاد کی ذمہ داری بھی مرد پر ہے۔ حدود وقصاص میں وہی گواہ ہوسکتا ہے اور کاروباری معاملات میں بھی مرد کی گواہی عورت سے دگنی ہے، تو جسکی ذمہ داریاں زیادہ ہیں، اسکا وراثت میں حصہ بھی دوگنا ہونا چاہئے۔

(پھر اگر صرف بیٹیاں ہوں) دو یا (دو سے زیادہ، تو ان کیلئے) حصہ (دو تہائی ہے) کلُ (ترکہ کا، اور اگر) صرف (ایک) بیٹی (ہو، تو اسکے لئے) کلُ ترکہ کا (آدھا ہے اور اسکے ماں باپ کیلئے) یعنی ان میں سے (ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ) ہے (ترکہ کا، اگر اس) میت (کی کوئی اولاد ہو، اور اگر اسکی اولاد نہ ہو اور روارث ہوں) صرف اسکے (ماں باپ، تو اسکی ماں کا تہائی حصہ ہے) اور باقی سب باپ کا ہے، (اور اگر اسکے بھائی بہنیں ہوں، تو اسکی ماں کا چھٹا حصہ ہے) ترکہ کا۔ یہ تقسیم اسکی اس (وصیت) کو (پوری کرنے کے بعد، جو) مرنے سے پہلے (وہ) کسی کیلئے (کرے) (اور) اگر اس پر کوئی قرض ہے تو (ادائے قرض کے بعد) کی جائے۔

اے وارثو! (تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں) سے (کون تمہارے نفع کے نزدیک ہے) یعنی تمہارے وہ اصول وفروع جو فوت ہو چکے ہیں، تم نہیں جانتے ہو ان میں تمہارے لئے کون زیادہ مفید ہے۔

۔۔مثلاً: ایک وہ ہے کہ مرتے وقت اپنے مال کے تہائی حصے کو صدقہ کرنے کی وصیت کر جاتا ہے، تو اسطرح وہ تمہیں آخرت کے ثواب کا مستحق بنا گیا ہے، کہ اگر اسکے تہائی مال سے صدقہ کرو گے تو ثواب پاؤ گے۔ دوسرا وہ ہے کہ مرتے وقت اس نے کسی قسم کی وصیت نہیں کی، تو اسکی وصیت نہ کرنے سے، تمہیں ترکہ سے وراثت کا مال کچھ زیادہ ملے گا، لیکن ثواب نہیں۔

ان دونوں میں سے اگر انصاف سے جواب دو، تو تمہارے لئے زیادہ مفید پہلا ہے، جس نے مرتے وقت اپنے تہائی مال کے صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے، اسلئے کہ تمہیں مرتے ہی اجرائے وصیت کا ثواب نصیب ہوگا اور پھر اسکے ثواب کے حصول سے منفعت بھی بے حد۔ اسلئے کہ مورث اور وارث کے مابین چنداں مدت بھی نہیں، یعنی دنیا میں رہنے کا تھوڑا وقفہ نصیب ہوتا ہے۔۔علاوہ ازیں۔۔دنیوی منفعت جو اسے ملی ہے، وہ چند روزہ ہے، پھر جلد تر ختم ہونے والی ہے، بلکہ معمولی سے وقفے سے وہی مال ختم ہو جائیگا۔۔الحتصر۔۔تقسیم وراثت کے تعلق سے جو حصے بیان کئے گئے ہیں۔۔۔

انکا ہر ہر (حصہ مقررہ) اور فرض کیا ہوا ہے (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے)۔۔الغرض۔۔تقسیم وراثت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر فرض ہے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، اور اپنی مخلوق اور انکی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔۔نیز۔۔(حکمت والا ہے) جو فیصلہ کرے، جس کیلئے جو مقدر فرمائے، اور جس طرح کی تدبیر فرمائے، اسکی شان کے لائق ہے، اسلئے کہ وہ بڑی حکمتوں کا مالک ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ

اور تمہارے لیے آدھا ہے جو ترکہ چھوڑا تمہاری بیبیوں نے اگر ان کے اولاد نہیں۔ اور اگر

لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا

اولاد ہے تو تمہارا حصہ چوتھائی ہے، جو انکا ترکہ ہو وصیت پوری کرنے کے بعد، جو وہ وصیت کر جائیں

أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ

اور ادائے قرض کے بعد۔ اور بیبیوں کا حصہ چوتھائی جو تم لوگوں کا ترکہ ہو، اگر نہ ہو

لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ

تمہاری اولاد۔ پس اگر تمہاری اولاد ہو، تو انکا حصہ آٹھواں ہے تمہارے متروکہ کا، بعد پوری کرنے وصیت کے جو تم وصیت کر جاؤ

اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ

اور ادائے قرض کے بعد۔ اور اگر کوئی مورث بے ماں باپ کا اور لاولد مرد ہو یا عورت، اور اسکے ماں جایا بھائی یا بہن ہے،

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ

تو ان میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب شریک ہیں

فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ

ایک تہائی میں، وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی جائے اور ادائے قرض کے بعد بے ضرر۔

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿١٢﴾

قانون اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ علم والا حلم والا ہے●

وراثت کے تعلق سے ان مسائل (اور) احکام کو بھی ذہن نشین کرلو کہ (تمہارے لئے) اسکا آدھا ہے) مرنے کے بعد (جو ترکہ چھوڑا تمہاری بیبیوں نے، اگر انکے اولاد نہیں)۔

یعنی نہ انکی اپنی صلبی اولاد ہو، نہ انکے بیٹوں --یا-- پوتوں کی، 'اسی طرح نیچے تک' کی اولاد ہو، خواہ نرینہ ہو یا مادہ۔ ایک ہو یا ایک سے زائد اور تمہارے سے ہو--یا-- تمہارے غیر سے --الختصر-- مذکورہ بالا صورت میں بیوی کے ترکہ کا آدھا تمہارا ہو گیا۔ باقی آدھا اسکے ذوالفروض اور عصبات وغیرہم کو ملے گا اور اگر کوئی بھی اسکا وارث نہ ہو تو بیت المال کو دے دیا جائیگا۔

(اور اگر) مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق انکی (اولاد ہے، تو) اے شوہرو! (تمہارا حصہ) ف (چوتھائی ہے) اس کا (جو) تمہاری (ان) بیبیوں (کا ترکہ ہو)، باقی دوسرے وارثوں کیلئے ہے۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ترکہ کی تقسیم انکی وہ (وصیت پوری کرنے کے بعد جو) مرنے سے پہلے (وہ وصیت کر جائیں اور ادائے قرض کے بعد)، یعنی ان پر جو قرض ہے اسکی ادائیگی کر لینے کے بعد، بشرطیکہ وہ قرضہ بینہ سے ثابت ہو--یا-- وہ خود اقرار کر کے مریں۔

(اور) تمہاری (بیبیوں کا حصہ چوتھائی) ہے، اسکا (جوتم لوگوں کا ترکہ ہو) یعنی جو کچھ تم مرتے وقت چھوڑ جاؤ اور وہ تمہارے بعد زندہ بچ جائیں (اگر نہ ہو) مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق (تمہاری) کوئی (اولاد)۔ (پس اگر تمہاری) بتفصیل مذکور (اولاد ہو، تو ان) بیبیوں (کا حصہ آٹھواں ہے تمہارے متروکہ کا)۔ باقی ترکہ دوسرے وارثوں کیلئے ہے، (بعد پوری کرنے وصیت کے، جوتم وصیت کر جاؤ اور ادائے قرض کے بعد)، یعنی ترکہ کی تقسیم سے پہلے وہ تمہاری وصیت کو پوری کریں اور تم پر جو قرض ہے، اسے ادا کر دیں۔

ذہن نشین رہے کہ وراثت کے یہ احکام اس وقت لاگو ہونگے جب کہ وراثت سے محروم کر دینے والی کوئی چیز نہ پائی جائے۔ مندرجہ ذیل صورتیں وراثت سے محروم کر دیتی ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔قتل: اگر وارث نے مورث کو قتل کر دیا، تو اب اسکو وراثت سے کچھ نہیں ملے گا۔

﴿۲﴾۔۔۔اختلاف دین: جیسے مسلمان کے وارث وہ نہیں ہو سکتے جو مرتد ہو چکے ہوں۔

﴿۳﴾۔۔۔شرعی غلام ہونا: بندہ مملوک اپنے آقا و مالک کا وارث نہیں۔

﴿۴﴾۔۔۔اختلافِ دار: یعنی دارالاسلام کا باشی دارالحرب میں رہنے والے کا وارث نہیں ہوسکتا۔

(اور اگر کوئی مورث بے ماں باپ کا اور لاولد مرد ہو یا) بے ماں باپ کی لاولد (عورت) ہو (اور اسکے ماں جایا) یعنی ماں کی طرف سے (بھائی یا بہن ہے، تو ان میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے)۔ 'کلالہ' یعنی 'بے ماں باپ کا لاولد مرد یا عورت' کی میراث میں سے اس صورت میں مرد و عورت دونوں یکساں ہیں۔ (اور اگر) ماں کی اولاد (اس سے) یعنی ایک بھائی۔۔یا۔۔ایک بہن سے (زیادہ ہوں تو وہ سب) مرد ہوں۔۔یا۔۔عورتیں۔۔یا۔۔مرد عورت دونوں ہوں (شریک ہیں ایک تہائی میں)۔

تقسیم میں مردوں اور عورتوں کو برابر دیا جائیگا۔ ایسا نہیں کہ مردوں کا حصہ عورتوں سے زیادہ ہو، اسلئے کہ یہاں میت کی طرف قرابت کی نسبت عورت یعنی ماں کی وجہ سے ہے۔ انکے بعد باقی ترکہ اصحاب الفروض والعصبات کو ملے گا۔

یہ تقسیم حسب ہدایت سابق، میت کی وہ (وصیت پوری کرنے کے بعد جسکی وصیت کی جائے اور ادائے قرض کے بعد) وہ وصیت و قرض جو (بے ضرر) ہو۔ یعنی تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ ہو ۔۔۔یونہی۔۔۔وہ کسی ایسی شخص کے قرض کا اقرار و اعتراف کرلے، جسکا کچھ قرض اسکے ذمے نہ ہو۔ یاد رکھو یہ (قانون) ہے (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے اور) بیشک (اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، جو تمہاری

نفع وضرر پہنچانے والی نیتوں کوخوب جانتا ہےاور (حلم والا ہے)، عاصیوں کوعقوبت کرنے میں جلدی نہیں کرتا، اورتوبہ کے سبب انکے گناہ معاف کردیتا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

یہ ہیں اللہ کی حد بندیاں اور جو حکم چلائے اللہ اور اس کے رسول کا تو داخل کرے گا اس کو جنتوں میں، بہہ رہی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اس میں۔ اور یہ بلندی بڑی کامیابی ہے●

(یہ) احکام جو پہلے گزرے یتیموں کے امور میں، نکاح کے باب میں، اور ترکہ کی تقسیم میں، یہ سب کے سب (ہیں اللہ) تعالیٰ (کی حدبندیاں)، تو اس سے تجاوز کرنا نہیں چاہئے اور اللہ ورسول کی مکمل اطاعت کرنی چاہئے (اور) یقین کرلینا چاہئے کہ (جوحکم چلائے) یعنی اپنے اوپر نافذ کرے (اللہ) تعالیٰ (اوراسکے رسول کا، تو داخل کریگا) اللہ تعالیٰ (اسکو جنتوں میں بہہ رہی ہیں جنکے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں)، اور حال یہ ہے کہ جو ان میں داخل ہونے والے ہیں، وہ (ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اس میں، اور یہ بلندی) اور سرفرازی یعنی فرمانبرداروں کو جنت میں داخل کرنا، اور پھر انکا اس میں ہمیشہ رہنا، (بڑی کامیابی ہے)، اور ابدالآباد کیلئے تمام مصائب وآلام سے چھٹکارا ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا

اور جو نافرمانی کرے اللہ اوراسکے رسول کی اور بڑھ جائے اسکی حد بندیوں سے، ڈال دیگا اسکو جہنم میں،

خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع

ہمیشہ رہنے والا اس میں، اوراس کیلئے عذاب ہے رسوا کرنے والا●

ع ۱۳

(اور) اسکے برخلاف (جو نافرمانی کرے اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول کی)، جیسے عیینہ بن حصین فزاری جو کہ لڑکوں اور عورتوں کی میراث پر راضی نہ ہوا، اور بولا کہ میں میراث نہ دونگا، مگر اسی شخص کو جو مرکب کی پشت پر مقاتلہ کرسکے، تو جو اسکی طرح نافرمانی کرے (اور بڑھ جائے اسکی حدبندیوں سے)، یعنی گزرجائے اسکی حدوں سے، جو حلال حرام اور میراث، بلکہ سب احکام میں مقرر ہوئیں اور اسکی سرکشی کا عالم یہ ہو، کہ وہ حرام کو حلال ماننے لگے، تو (ڈال دے گا) اللہ تعالیٰ (اسکو جہنم میں، ہمیشہ

رہنے والا) ہے(اس میں، اور اسکے لئے عذاب ہے رسوا کرنے والا)۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا تھا اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی بدکاری پر انھیں سزا دینے کا حکم دیا ہے، اور یہ بھی درحقیقت انکے لئے حسن سلوک ہے، کیونکہ سزا ملنے کے بعد جب وہ بدکاری سے باز آ جائینگی، تو آخرت کی سزا سے بچ جائینگی۔۔یوں بھی۔۔عورتوں سے حسن سلوک کا مطلب یہ نہیں، کہ انھیں بے حیائی کیلئے بے لگام چھوڑ دیا جائے۔احکام شرعی اعتدال پر مبنی ہیں، ان میں افراط اور تفریط نہیں، لہٰذا نہ یہی پسندیدہ بات ہے کہ عورتوں کو بالکل دبا کے رکھا جائے اور انکے حقوق سلب کر لئے جائیں اور نہ یہی اچھی بات ہے کہ انکو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اور بے راہ روی پر بھی ان سے کوئی محاسبہ یا مواخذہ نہ کیا جائے۔تو اے ایمان والو! غور سے سن لو۔۔۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً

اور جو بدکاری کریں تمہاری عورتوں سے، تو ان پر گواہ بنا لو چار

مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی

اپنوں سے۔تو اگر انھوں نے گواہی دی، تو ان کو بند کر دو گھروں میں، یہاں تک کہ

یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾

پوری مدت کر دے ان کی موت یا نکال دے اللہ انکے لیے راہ●

(اور) یاد رکھو کہ (جو) خواہش نفسانی کی متابعت کے سبب سے (بدکاری کریں) اور فعل قبیح کا ارتکاب کریں (تمہاری عورتوں سے، تو) تم اے حکام شریعت (ان) کے فعل قبیح (پر گواہ بنا لو) اور شاہد طلب کرو، (چار) مرد عاقل بالغ جو (اپنوں سے) ہوں یعنی ایمان والے ہوں، تا کہ وہ چاروں مرد ان عورتوں پر زنا کی گواہی دیں۔(تو اگر انھوں نے) اپنی چشم دید (گواہی) دے (دی تو)، ان پر نگاہ رکھو اور (انکو بند کر دو گھروں میں) ایسا کہ نکل نہ سکیں، (یہاں تک کہ پوری مدت کر دے انکی موت) یعنی وہ وفات پا جائیں، (یا نکال دے) اور پیدا کر دے (اللہ) تعالیٰ (انکے لئے) چھٹکارے کی (راہ)۔

چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے گھروں میں قید رکھنے کو منسوخ فرما دیا اور گواہی دینا اور گواہی لینا باقی رہا، اور یہ حکم نازل فرمایا گیا کہ اگر کوئی بیوی والا شوہر والی سے زنا کرے تو دونوں کو سنگسار کرنا ہے اور اگر کنوارا کنواری سے کرے، تو سو کوڑے مارنا اور شہر بدر کر دینا ہے۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ

اور جوتم میں سے بدکاری کریں تو دونوں کو ستاؤ۔ پس اگر توبہ کرلی اور ٹھیک ہو گئے تو ان کو چھوڑ دو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

بے شک اللہ توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(**اور جوتم میں سے بدکاری کریں**) درآنحالیکہ، وہ دونوں غیر شادی شدہ ہوں، (**تو**) ان (**دونوں کو ستاؤ**) زبان سے ملامت کرو، زجر و توبیخ سے پیش آؤ، ان کو رنج پہنچاؤ، ان پر لعن طعن کرتے رہو۔ مناسب انداز سے ایک خاص حد تک ہاتھ سے بھی اذیت پہنچاؤ، اور یہ سلسلہ اسوقت تک جاری رکھو جب تک وہ اس فحش کام سے دل سے توبہ نہ کرلیں۔ (**پس اگر توبہ کرلی اور ٹھیک ہو گئے**) یعنی اس فعل قبیح سے باز آ گئے (**تو ان کو چھوڑ دو**) اور ان دونوں سے دست بردار ہو جاؤ۔

یہ حکم بھی کوڑے مارنے اور مار ڈالنے کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔

(**بیشک اللہ**) تعالیٰ بندوں کی (**توبہ قبول فرمانے والا**) ہے، اور توبہ کرنے والوں پر مہربان ہے اور انکو (**بخشنے والا ہے**)۔ یہ بھی یاد رکھو کہ۔۔۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

توبہ قبول فرمالینا اللہ پر انھیں کیلئے ہے جو کر بیٹھیں گناہ انجانی میں، پھر

يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ

توبہ کرلیں جلدی سے، تو وہ ہیں کہ توبہ قبول فرمالے اللہ ان کی

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

اور اللہ ہے علم والا حکمت والا●

(**توبہ قبول فرمالینا اللہ**) تعالیٰ کے ذمہ کرم (**پر انھیں کیلئے ہے جو کر بیٹھیں گناہ انجانی میں**)۔

جسکی صورت یہ ہے کہ ایک کام فی نفسہ گناہ کا تھا، مگر انھوں نے اسکو گناہ کا کام نہیں سمجھا ۔۔یا۔۔ کسی گناہ پر جو عقوبت اور سزا ہے، اسکا انھیں علم نہیں ہو سکا، تو انھوں نے اس کام کو ہلکا خیال کرلیا۔۔یا۔۔ وہ گناہ کرتے وقت اسکے انجام سے غافل، لاپرواہ اور بے فکر رہے، گویا

یہ لوگ گناہ کرتے وقت اسکے انجام سے بے خبر اور لاعلم رہے۔ ویسے بھی غور کیا جائے، تو جو مسلمان ہے، اسے خدا کی ذات وصفات میں شک ہو۔۔یا۔۔اس سے عناد ہو۔۔یا۔۔اسکا اور اسکے احکام سے انکار ہو۔۔یا۔۔تکبر کی وجہ سے حکم خداوندی کی تعمیل نہ کرے، یہ ساری کی ساری باتیں، اس ایمان والے سے متصور ہی نہیں، تو پھر اب اسکی لغزش اور بے راہ روی اسکی جہالت ونادانی ہی کا ثمرہ ہوسکتی ہے۔

اس مقام پر جب یہ بات سامنے آتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معصیت کا ارتکاب ہی جہالت ہے، خواہ وہ معصیت جان بوجھ کے کی جائے۔۔یا۔۔بے جانے بوجھے۔۔چنانچہ ۔۔اس پر اجماعِ صحابہ کا قول کیا گیا ہے، کہ ہر معصیت جہالت ہے، خواہ عمداً ہو۔۔یا۔۔بغیر عمد کے ۔۔تو۔۔ اس صورت میں آیت کریمہ میں 'جہالت' کی قید 'اتفاقی' ہوگی، نہ کہ 'احترازی'۔تو ایسے لوگ جو جہالت اور نادانی میں گناہ کر بیٹھیں۔۔۔

(پھر توبہ کرلیں جلدی سے) جیسے ہی اپنی غلطی کا علم ہو، تو فوراً توبہ کرلیں اور تاخیر سے کام نہ لیں۔ ایسا نہ ہو کہ انکے دل میں گناہ کی محبت پیدا ہو جائے۔ توبہ کیلئے اپنی صحت وتندرستی کے ختم ہونے کا انتظار نہ کریں، اور اسکے پہلے کہ موت کے آثار طاری ہو جائیں، جنابِ الٰہی میں صدق دل سے توبہ کرلیں، **(تو)** یہ لوگ **(وہ ہیں کہ توبہ قبول فرمالے)** گا **(اللہ)** تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے **(انکی، اور)** ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(ہے علم والا)**۔ وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ کو خوب جانتا ہے اور **(حکمت والا)** ہے اور اسکی حکمت بالغہ کا تقاضہ، ہے کہ وہ حکم کرے کہ توبہ کرنے والوں پر عذاب نہ ہو۔

یہ ذہن نشین رہے کہ آیت کریمہ کے پہلے جزء میں توبہ کی توفیق مراد ہے۔ اور دوسرے جزء میں اللہ کا اپنے کرم سے حتماً توبہ کا قبول فرمانا مراد ہے اور یہ صرف اللہ کے کرم سے ہے۔ اس میں بندے کا کوئی استحقاق نہیں اور اسکا خلاصہ یہ ہے کہ، توبہ کی توفیق دینا صرف ان لوگوں کیلئے ہے، جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں، پھر عنقریب توبہ کرلیں، تو یہ وہ لوگ ہیں جنکی توبہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے حتماً قبول فرماتا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَ

اور توبہ انکے لیے نہیں ہے جو برائیاں کرتے رہیں یہاں تک کہ جب آگئی کسی کو

هُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ

موت تو لگا کہنے کہ میں نے تو اب بے شک توبہ کر لی۔ اور نہ انکے لیے جو مریں کافر۔

اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾

جن کیلئے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دکھ دینے والا●

(اور توبہ) کی قبولیت **(ان کیلئے نہیں ہے جو برائیاں کرتے رہیں)** اور اسی پر مصر رہیں **(یہاں تک کہ جب آگئی)** ان میں سے **(کسی کو موت)** اور اس نے فرشتۂ موت کو دیکھ لیا، **(تو لگا کہنے)** منافقین کی طرح **(کہ میں نے تو اب بیشک توبہ کر لی)**۔

۔۔الغرض۔۔امورِ غیبیہ کا مشاہدہ کر لینے اور فرشتۂ موت کو دیکھ لینے کے بعد، اضطراری طور پر اللہ تعالیٰ کے حق ہونے کا یقین ہو جاتا ہے، لیکن یہ ایمان اضطراری اور غیر اختیاری ہے، لہٰذا یہ مقبول نہیں، کیونکہ اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کو حق ماننے اور توبہ کرنیکا نام ایمان ہے۔۔المختصر ۔۔بے دیکھے ایمان لانا مقبول ہے، اور مشاہدہ کر لینے کے بعد ایمان لانا نامقبول ہے۔

(اور نہ انکے لئے) توبہ مقبول ہے، **(جو)** اس حال میں **(مریں)** کہ وہ **(کافر)** ہیں۔یعنی دم نکلنے کے وقت کسی کافر اور منافق کا ایمان مقبول نہیں۔اسلئے کہ وہ ایمان یاس ہے اور اس سے کچھ فائدہ نہیں۔یاد رکھو کہ یہ منافقین اور یہ کفر پر مرنے والے لوگ وہی ہیں، **(جنکے لئے ہم نے تیار کر رکھا ہے)** آخرت میں **(عذاب)** دردناک اور **(دکھ دینے والا)**۔۔۔

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مسائل اور احکام بیان فرمائے تھے۔ درمیان میں ایک مناسبت سے توبہ کا ذکر آگیا، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اس موضوع کو شروع فرمادیا۔زمانۂ جاہلیت میں لوگ عورتوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے، اور انکو ایذا پہنچاتے تھے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انکو ایذا رسانی اور ظلم سے منع فرمایا ہے۔

ایام جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی مرد مر جاتا اور اسکی زوجہ زندہ ہوتی، تو مرد متوفی کا جو بیٹا دوسری عورت سے ہوتا۔۔یا۔۔متوفی کا کوئی قرابت دار جو میراث کا استحقاق رکھتا، مصیبت کے وقت کپڑا اس بیوہ کے سر پر ڈال دیتا، اور یہی کام کر کے اسے اپنے تصرف میں لاتا۔پھر اگر چاہتا تو اسی مہر پر جو متوفی نے مقرر کیا تھا اس عورت کو اپنے نکاح میں لاتا، ورنہ اور کسی کے ساتھ نکاح کر کے اسکے مہر معجّل کو خود تصرف کرتا۔۔یا۔۔اس عورت کو نکاح کرنے سے منع کرتا اور محبوس

رکھتا، یہاں تک کہ مرد متوفی کے ترکے میں سے جو حصہ اسے پہنچتا اس شخص کیلئے چھوڑ دیتی --یا-- مرجاتی۔ پھر اسکی میراث یہ شخص لے لیتا۔ --اور-- اگر وہ عورت کپڑا ڈالنے سے پہلے ہی اپنے لوگوں میں مل جاتی، تو زوج متوفی کے وارث کو اس پر دسترس نہ ہوتی۔ عورتوں کو اس مظلومیت سے آزاد کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ازراہِ فضل وکرم ارشاد فرمایا۔--

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا

اے وہ جو ایمان لاچکے، نہیں حلال ہے تمہارے لیے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی اور نہ

تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ

روکو ان کو اس نیت سے کہ کچھ لے لو جو ان کو مہر دے ڈالا تھا، مگر ان کی کھلی

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

بدکاری پر۔ اور اُن سے برتاؤ اچھا رکھو۔ پھر اگر برا جانا تم نے ان کو،

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝۱۹

تو قریب ہے کہ تم ناپسند کرو کچھ، اور کردے اللہ اس میں بڑی بھلائی●

(اے وہ) لوگ (جو ایمان لاچکے، نہیں حلال ہے تمہارے لئے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی)۔

زبردستی کی قید سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے، کہ اگر وہ عورتیں خوشی سے راضی ہوں، تو انکا وارث بنا جاسکتا ہے۔ اور انکو بطورِ میراث لے سکتے ہیں۔ جس طرح کہ ارشادِ الٰہی ہے کہ 'نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے' کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ 'افلاس کا ڈر نہ ہونے کی صورت میں قتل اولاد جائز ہے'۔ اسی طرح یہاں بھی بالجبر وارث بن جانے کی ممانعت سے یہ مطلب نہیں نکالا جاسکتا، کہ انکی رضا سے وارث بنا جاسکتا ہے۔ اب حاصل کلام یہ ہوا کہ جس طرح افلاس کا خوف ہو --یا-- نہ ہو، دونوں صورتوں میں قتل اولاد جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جبر ہو --یا-- نہ ہو، دونوں صورتوں میں عورتوں کا وارث بن جانا، جائز نہیں۔

--الختصر-- ان پر ظلم کرنے سے باز آجاؤ اور نہ منع کرو ان عورتوں کو نکاح کر لینے سے، **(اور نہ روکو ان کو اس نیت سے کہ کچھ لے لو جو ان کو مہر دے ڈالا تھا)**۔ --الغرض-- انھیں اس واسطے تنگ نہ کرو اور انھیں کسی جگہ بند کر کے نہ رکھو، کہ وہ اپنے مہر سے درگزریں، **(مگر انکی کھلی بدکاری پر)** جو عادلوں کی گواہی سے ظاہر ہو چکی ہو۔

کھلی بدکاری سے زنا مراد ہے۔زمانہء جاہلیت میں اور ابتداء اسلام میں زنا کار عورت کا مہر واپس لے لینا تھا اور اب یہ حکم منسوخ ہے۔اس آیت میں فاحشہ سے نشوز بھی مراد لیا جاسکتا ہے، یعنی عورت کا مرد کی صحبت سے انکار کرنا اور فحش اور بدزبانی سے پیش آنا۔مرد کے رشتہ داروں اور عزیزوں کو غلیظ گالیاں دینا۔۔المختصر۔۔ان برائیوں کے ارتکاب کے وقت انکی اصلاح کیلئے انکو تنگ کرنا، تاکہ وہ اپنی غلط کاریوں سے باز آئیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسلئے کہ اب جو ان پر سختی ہوگی، اسکا سبب انھوں نے خود ہی اپنے لئے بنایا ہے۔لیکن اگر ان میں خرابیاں اور نافرمانیاں نہ ہوں، تو اے زور زبردستی سے کام لینے والے شوہرو! اپنی عورتوں پر زور، زبردستی سے باز آجاؤ۔

(اور ان سے برتاؤ اچھا رکھو) اپنے گھروں میں ٹھہراؤ، انھیں خرچ دیا کرو، اور ان سے نرم لب ولہجے میں گفتگو کیا کرو تاکہ وہ تمہارے ساتھ خوش وخرم رہ کر زندگی بسر کرسکیں، **(پھر اگر)** صرف اپنی طبعی کراہت سے نہ بوجہ امور مذکورہ بالا، **(برا جانا تم نے انکو)**، تو صبر سے کام لو اور انکو طلاق دیکر اپنے سے جدا نہ کردو۔اب اگر انکے ساتھ زندگی گزارنے میں تم صبر سے کام لوگے، **(تو قریب ہے کہ تم ناپسند کرو کچھ اور کردے اللہ)** تعالیٰ **(اس میں بڑی بھلائی)**، یعنی مکروہات پر تحمل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ

اور اگر ارادہ کرلیا تم نے دوسری بیوی لانے کا، بجائے پہلی کے، اور دے ڈالا تم نے ان میں سے کسی کو

قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

بہت زیادہ مہر، تو نہ لو اس سے کچھ۔ کیا اس کو لوگے بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ سے●

(اور اگر ارادہ کرلیا تم نے) اپنی عورتوں کی صحبت سے کراہت کے باعث انکی طرف سے برائی ۔۔یا۔۔صحبت سے انکار نہ ہونے کے باوجود **(دوسری بیوی لانے کا، بجائے پہلی کے، اور دے ڈالا تم نے ان میں سے کسی کو)** یعنی جسے طلاق دینے کا ارادہ ہے **(بہت زیادہ مہر، تو نہ لو اس سے کچھ)** یعنی معمولی چیز بھی اس سے نہ لو، چہ جائیکہ اس سے بہت سا سامان لے لو، **(کیا اسکو لوگے بہتان باندھ کر)**۔۔۔

اہل جاہلیت کی عادت کے مطابق جنگلی روش یہ تھی کہ اگر کسی عورت سے شادی کرلینے کے بعد ان میں کسی دوسری عورت سے شادی کی رغبت پیدا ہوجاتی، تو پھر پہلی عورت پر بہتان تراشی شروع کردیتے اور قسم قسم کے الزام اور فواحش کی نسبت سے اسے تنگ کردیتے، تاکہ وہ مجبور ہوکر کچھ دیکر۔۔یا۔۔کم از کم وہی حق مہر معاف کرکے طلاق کی خواہشمند ہوجائے،

تا کہ اسے طلاق دیکر اس جدید عورت سے 'جسکے ساتھ اسے رغبت ہے' نکاح کر لے۔ اسطرح سے بہتان باندھ کر کسی سے کچھ حاصل کرنا، کیا ظلم صریح نہیں؟

تو کیا تم ایک طرف بہتان تراشی سے (اور) دوسری طرف (کھلے گناہ سے) ایسا کر کے کھلم کھلا گناہ کرنے والے بننا چاہتے ہو؟

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ

اور تم کیسے لوگے اسے حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے پردہ ہو چکے،

وَّأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾

اور وہ لے چکی ہیں تم سے گاڑھا عہد●

ذرا غور کرو (اور) سوچو کہ (تم کیسے لوگے اسے)، یعنی کس وجہ سے اور کس جہت سے لوگے اپنی عورتوں سے مال کو، (حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے پردہ ہو چکے) اور آپس میں مباشرت کر لی ہے، (اور وہ) تمہاری عورتیں نکاح کے وقت بذریعہ ایجاب وقبول (لے چکی ہیں تم سے گاڑھا عہد)، مضبوط قول اور پکا عہد، جسکی وجہ سے حکم الٰہی سے انکے ساتھ مباشرت اپنے لئے حلال کر لی، اور حق مہر تم پر ثابت ہو چکا اور انکی خدمت کے حقوق تمہارے لئے واضح ہو چکے وغیرہ وغیرہ۔

زمانہء جاہلیت میں جہاں بہت ساری بے حیائیاں تھیں، وہاں ایک بے حیائی یہ بھی تھی کہ بعض لوگ خود اپنے باپوں کی بیویوں سے نکاح کر لیتے تھے۔ حق تعالیٰ نے انھیں اس سے منع فرمایا کہ۔۔۔

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ

اور مت نکاح کروان عورتوں سے جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ، بجز اس کے جو پہلے گزر گیا۔

إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾

بے شک یہ بے شرمی اور غصہ دلانے والا کام، اور بری راہ ہے●

(اور مت نکاح کروان عورتوں سے جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ، بجز اسکے جو پہلے گزر گیا) یعنی حرام کرنے سے پہلے جو گزر گیا، وہ معاف ہے۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ، اسپر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ (بیشک یہ بے شرمی اور غصہ دلانے والا کام اور بری راہ ہے)۔

یعنی اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لینا ممانعت سے پہلے اور پھر حرام کر دینے کے بعد، دونوں ہی صورتوں میں برا اور ناپسندیدہ کام رہا، جو خدا اور مسلمانوں دونوں کے غصے کا باعث ہے۔ یہ کام خود عرب کے شرفاء کے نزدیک بھی مکروہ اور مبغوض تھا۔۔ چنانچہ۔۔ جو لڑکا اپنے باپ کی بیوی سے کسی کے یہاں پیدا ہوتا، شرفاء عرب اسے 'مقیت' یعنی قابل نفرت کہتے۔۔ الغرض۔۔ مبغوض و مکروہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ راہ ایک بری راہ اور ناپسندیدہ روش ہے۔

خیال رہے کہ برائی کے تین مرتبے ہیں۔ ایک تو عقلی برائی لفظ 'فاحشۃ' سے جسکی طرف اشارہ ہے۔۔۔ دوسری شرعی برائی، لفظ 'مقت' سے جو مراد ہے اور تیسری عرفی برائی 'ساء سبیلا' میں جسکا ذکر ہے۔ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے میں ایک ساتھ یہ تینوں برائیاں اکٹھا ہو جاتی ہیں۔۔۔ ایمان والو، آؤ! اور تفصیل کے ساتھ سن لو کہ کن کن سے نکاح حرام ہے، تو جان لو کہ جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام کیا گیا ہے، انکی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم وہ ہے جن سے نسب اور نسل کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جسکے ساتھ رضاعت اور دودھ شریک ہونے کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا ہے اور تیسری قسم وہ ہے، جنکے ساتھ نکاح کے رشتے کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا، اسکو عربی میں 'مصاہرت' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اولاً نسبی رشتوں کی حرمت کے تعلق سے ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ

حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں، اور وہ مائیں جنھوں نے دودھ پلایا تم کو اور تمہاری بہنیں

مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ

دودھ شریکی، اور تمہاری ساس، اور تمہاری وہ پالک جو تمہاری گود میں ہے

نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ

ان بیبیوں سے جن سے تم نے صحبت کی ہے، پس اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں،

عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا

اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیبیاں، اور اکٹھا کرنا

بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۳﴾

دو بہنوں کو، مگر جو پہلے گزر گیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(**حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں**) ان سے نکاح کرنا، صحبت کرنا اور کسی قسم کا کوئی بھی شہوانی عمل کرنا دائماً حرام ہے۔

اسلئے کہ عرف میں شے کی حرمت کامفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس شے سے جو اصلی غرض اور مقصود ہے، وہ حرام ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ شراب حرام ہے یعنی اسکا پینا حرام ہے۔۔ یونہی۔۔ خنزیر حرام ہے، یعنی اسکا گوشت کھانا حرام ہے۔ ماؤں میں دادی، پردادی، نانی، پرنانی اور ان سے بھی اوپر کی دادیاں اور نانیاں داخل ہیں۔ مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ عورت سے وطی ایک ذلیل اور اہانت والا عمل ہے۔ اسی لئے انسان کو طبعی طور پر اسکے ذکر سے شرم وحیا محسوس ہوتی ہے، اور اسکا ارتکاب بھی وہاں ہوسکتا ہے جہاں کوئی بھی نہ ہو، یعنی تنہائی میں وہ بھی شرم وحیا کی بنا پر، اور گالی بھی کسی کو دی جاتی ہے، تو ماں، بہن اور لڑکی کے نام لیکر، تو وہ بھی اسی بنا پر، گالی دینے والا بطورِ اہانت اسی سلوک کا ذکر کرتا ہے۔

جب یہ امور مسلمات سے ہیں، تو واجب ہے کہ ایسی باتوں سے امہات کو محفوظ رکھا جائے، اسلئے کہ ماؤں کے احسانات اولاد پر ان گنت ہیں۔ اسی لئے ماں کو مذکورہ بالا ذلتوں اور اہانتوں سے محفوظ رکھا جانا واجب ہے۔ اور لڑکی انسان کا جزء ہے، گویا وہ اس کے جسم کا ٹکڑا ہے، پھر اسے بھی مذکورہ بالا ذلتوں اور اہانتوں سے بچایا جائے۔ اسلئے کہ اس سے بھی وطی کرنے سے مذکورہ بالا ذلتیں اور اہانتیں لازم ہونگی۔ اسی طرح باقی محرمات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

تو تم پر تمہاری مائیں حرام کردی گئیں (**اور تمہاری بیٹیاں**) بیٹیوں میں اسکی اپنی بیٹی، اسکی پوتی، پرپوتی اور اس سے نچلے درجہ کی بیٹیاں سب داخل ہیں، (**اور تمہاری بہنیں**) اس میں تمہاری 'عینی'، یعنی سگی بہنیں، 'علاتی'، یعنی باپ کی طرف سوتیلی بہنیں، اور 'اخیافی' یعنی ماں کی طرف سے سوتیلی بہنیں، سب داخل ہیں، (**اور تمہاری پھوپھیاں**) پھوپھیوں میں اسکے باپ کی عینی، علاتی اور اخیافی، ساری بہنیں داخل ہیں، اسی طرح اسکے باپ اور دادا کی پھوپھیاں اور اسکی ماں اور اسکی نانی کی پھوپھیاں بھی داخل ہیں، اور ان سے اوپر کے درجے کی بھی اور عینی اور علاتی پھوپھی کی پھوپھی بھی حرام ہے۔۔ ہاں ۔۔ اخیافی پھوپھی کی پھوپھی، یعنی باپ کی اخیافی بہن کی پھوپھی حرام نہیں۔

(اورتمہاری خالائیں) خالاؤں میں ماں کی سگی بہن اوراسکی علاتی اوراخیافی بہنیں سبھی داخل ہیں۔۔یونہی۔۔عینی خالہ کی خالہ اوراخیافی خالہ کی خالہ بھی حرام ہیں۔البتہ علاتی کی خالہ کی خالہ حرام نہیں۔(اور بھتیجیاں اور بھانجیاں) بھتیجیوں اور بھانجیوں میں ان سے نچلے درجے کی بھی داخل ہیں۔

(اوروہ مائیں جنھوں نے دودھ پلایاتم کواورتمہاری بہنیں دودھ شریکی)، یعنی تمہارے اوپراللہ تعالیٰ نے رضاعی مائیں اور بہنیں ایسے حرام فرمائی ہیں، جیسے کہ تمہاری نسبی مائیں اور بہنیں حرام فرمائی ہیں۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ نے 'رضاع' کو بمنزلہ 'نسب' مقرر فرمایا ہے، تو وہ ساری رشتہ داریاں جو 'نسب' سے ثابت ہوتی ہیں، وہ 'رضاع' سے بھی ثابت ہوتی ہیں۔۔الغرض۔۔جو 'نسب' میں حرام ہے وہ 'رضاع' میں بھی حرام ہے۔یہ حکم کلی ہے جو اپنے عموم پر ہی ہے۔

(اورتمہاری ساس) یعنی تمہاری بیوی کی ماں۔وہ حقیقی ماں ہو یا رضاعی۔بیوی کی نانیاں اور دادیاں بھی اس میں داخل ہیں۔(اورتمہاری وہ پالک جوتمہاری گود میں ہے، ان بیبیوں سے جن سے تم نے صحبت کی ہے) اوران سے مباشرت کرلی ہے۔(پس اگرتم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے) اور وہ تمہاری مدخولہ نہیں ہے، (تو پھر) ان لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں (کوئی مضائقہ نہیں، اور) حرام ہیں تم پر (تمہارے صلبی بیٹوں کی بیبیاں) یعنی تمہارے نطفہ سے جو بیٹا ہو، اسکی زوجہ منکوحہ تم پر حرام ہے۔رہ گئی تمہارے منہ بولے بیٹے کی زوجہ، تو وہ تم پر حرام نہیں، بلکہ اس منہ بولے بیٹے سے اسکی شرعی جدائی ہو جانے کے بعد، وہ تمہارے نکاح میں آسکتی ہے۔

(اور) تمہارے لئے حرام ہے (اکٹھا کرنا دو بہنوں کو) ایک نکاح میں، (مگر جو) اس منع و حرمت کے حکم نازل ہونے سے (پہلے گزر گیا) وہ معاف ہے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔کیونکہ (بیشک اللہ) تعالیٰ جن مسلمانوں نے زمانہء جاہلیت میں ایسا کیا ہو، انکے اس عمل کو معاف فرمادینے والا (بخشنے والا) ہے اور (رحمت والا ہے) ان لوگوں پر، جنھوں نے زمانہء اسلام میں یہ عمل کیا ہے اور اسکے بعد توبہ کرلی ہے۔۔۔اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شانِ غفوری اوراسکی بے نہایت شانِ رحیمی پر غور کرنا مفلسانِ بے بضاعت کے واسطے سرمایہء کامل ہے۔

۔۔بحمدہٖ تعالیٰ آج، بروز جمعۃ المبارکہ۔۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ۔۔۔مطابق۔۔۔ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۸ء

۔۔چوتھے پارے کی تفسیر مکمل ہوگئی۔۔

وَالْمُحْصَنٰتُ

بفضلہ تعالیٰ آج ۱۵ شوال ۱۴۲۹ھ
مطابق ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۸ء بروز پنجشنبہ
پانچویں پارے کی تفسیر شروع کی گئی۔
مولیٰ تعالیٰ اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے
آمین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نکاح کے سبب جو عورتیں دائماً حرام ہیں ان میں بعض کا ذکر سابقہ پارہ میں ہو چکا ہے۔ انہیں میں بیوی کی بیٹیاں اور بیٹیوں کی اولاد، پوتے اور نواسے کی بیویاں ۔۔نیز۔۔ باپ دادا کی عورتیں خواہ وہ علاتی ہوں ۔۔یا۔۔ اخیافی، سب شامل ہیں ۔۔یونہی۔۔ جس طرح دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، اسی طرح ارشاد رسول کریم کی روشنی میں پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسلئے کہ یہ رحم کے رشتے ہیں اور سوکنوں میں عداوت اور حسد عام طور پر معروف و مروّج ہے، جسکے خلاف شاذ و نادر ہی ہوا کرتا ہے۔ تو اگر دو بہنوں یا خالہ بھانجی یا پھوپھی بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کر لیا جائے، تو یہ صلہ رحمی کے منافی ہے اور قطع رحم کو مستلزم ہے۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ ان دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے، تو اسکا نکاح دوسری سے حرام قرار پائے۔۔ مثلاً: پھوپھی بھتیجی میں اگر پھوپھی کو مرد فرض کر لیا جائے تو وہ دوسری عورت کا چچا قرار پاتا ہے۔۔ یونہی۔۔ اگر بھتیجی کو مرد فرض کر لیا جائے تو وہ دوسری عورت کا بھتیجا قرار پاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ پھوپھی کا بھتیجے سے اور چچا کا بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح خالہ اور بھانجی۔ اگر خالہ کو مرد فرض کر لیا جائے تو وہ ماموں ہو جاتا ہے اور اگر بھانجی کو مرد فرض کر لیا جائے تو وہ بھانجہ ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خالہ اور بھانجے ۔۔یونہی۔۔ ماموں اور بھانجی کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ رہ گیا دو بہنوں کا معاملہ، تو ان میں کسی کو بھی مرد فرض کر لیا جائے تو وہ دوسری عورت کا بھائی ہو جاتا ہے اور بھائی بہن کی آپس میں نکاح کی حرمت ظاہر کی جا چکی ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ

اور شوہر والی عورتیں مگر جن پر تمہارے ہاتھوں نے قبضہ مالکانہ کر لیا،

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

لکھا اللہ کا تم پر، اور حلال کر دی گئیں تم پر ان کے سوا ساری، کہ تلاش کرو اپنے مال کے عوض

مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ‌ؕ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ

قلعہ بسانے کیلئے، نہ کہ مستی بہانے کیلئے۔ تو جب تم نے ان سے نفع اٹھانا چاہا تو دے ڈالو ان کو ان کا معاوضہ

فَرِيۡضَةً‌ ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا تَرٰضَيۡتُمۡ بِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِيۡضَةِ‌ ؕ

مقررہ۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں جس مقدار پر تم سب راضی ہو جاؤ مہر مقرر کے بعد۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۲۴﴾

بے شک اللہ دانا حکیم ہے●

---الختصر---مذکورہ بالا ساری عورتیں---(اور) انکے سوا تم پر حرام کی گئی ہیں وہ (شوہر والی عورتیں) جنہوں نے عقد و نکاح کے ذریعہ اپنے کو عفت و پاکدامنی کے قلعہ میں محفوظ کرلیا ہے (مگر) وہ عورتیں جو دارلکفر سے مقید ہوکر تمہارے قبضے میں آئیں اور انکے شوہر دارالکفر میں زندہ موجود ہوں---الغرض---(جن پر تمہارے ہاتھوں نے قبضہء مالکانہ کرلیا) ہو، ایسی عورتیں جنگ کرنے والے غازیوں کیلئے حلال ہیں، اگر چہ شوہر دار ہوں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ شریعت مطہرہ نے ایسی عورتوں کے حیض کا انتظار کر کے 'استبراء' واجب کیا ہے۔ اسطرح انہیں اشتراک کے پنجے سے چھڑالو اور نسب اولاد کے فساد اور نطفے کے اختلاط سے انہیں بچالو۔

شوہر دار عورتوں سے نکاح حرام فرمانے کی حکمت یہی ہے تا کہ بچوں کی تربیت میں حفاظت اور نسب کی صحت اور مردوں کی عزت بحال ہو، کہ حقوق زوجیت میں غیر کا اشتراک نہ ہو۔ یہی مردوں کی بلند ہمتی کا تقاضہ ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بلند ہمتی کو محبوب اور کمینہ پن کو مبغوض رکھتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عقد نکاح میں ہر عورت اپنے اختیار سے عقد کرتی ہے، اسکے برعکس جب باندی کو ھبہ کیا جاتا ہے۔۔یا۔۔اسکو فروخت کیا جاتا ہے، تو اسمیں اسکا کوئی اختیار نہیں ہوتا، کیونکہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی پاداش میں اسکا یہ اختیار سلب کرلیا گیا ہے۔ ویسے بھی جب سے دنیا میں لونڈی اور غلام بنانے کا رواج ہوا، لونڈیوں کے ساتھ یہی معاملہ روا رکھا گیا ہے، اسلئے اگر کافر مسلمانوں کے ساتھ یہ معاملہ کریں، تو انکے ساتھ بھی عمل مکافات کے طور پر یہی معاملہ روا رکھا گیا۔

اسلام نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کیلئے بہت سارے اقدامات کئے ہیں اور غلاموں

کو آزاد کرنے کیلئے بہت بشارتیں دی ہیں۔ انہیں اقدامات میں سے لونڈیوں کی آزادی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انکا مالک ان سے مباشرت کرے، جسکے نتیجے میں وہ صاحب اولاد ہو کر 'ام ولد' ہو جائے۔ یہ اولاد مالک کی حقیقی اولاد اور اسکی وارث ہوتی ہے اور اس مالک کے انتقال کے بعد وہ باندی آزاد ہو جاتی ہے۔

یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ روس، جرمنی اور یورپی ممالک میں جو وحشیانہ مظالم کئے جاتے رہے، ان سے جو جبری مشقتیں لی جاتی رہیں، اسکے مقابلے میں اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی ہدایت دی ہے اور انکو آزاد کرنے میں جو اجر و ثواب کی بشارتیں دی ہیں۔۔نیز۔۔انکو آزاد کر دینے کو بہت سارے گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے، ان ہی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا سے لونڈی اور غلاموں کا چلن ختم ہو گیا۔ اسلام کا یہ حکیمانہ انداز تھا کہ اولاً: دستورِ زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے غلام و باندی بنانے کا رواج باقی رکھا، اور پھر اسطرح انکو اپنے قریب رکھ کر اسلام کے انوار و برکات کا مشاہدہ کرنے کا موقع فراہم فرمایا، جسکے نتیجے میں وہ اسلام کی دولت سے مشرف ہوتے گئے اور انکے بعض کو یہ اعزاز ملا کہ قریش کے فاروق اعظم نے انھیں اپنا سردار فرما دیا اور انہیں میں سے بعض کو خود رسول کریم ﷺ کی اہلبیت ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔

۔۔الختصر۔۔اسلام نے غلاموں کے ساتھ جس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا ہے اسکی کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔ ویسے بھی اسلام نے یہ لازمی طور پر نہیں کہا، کہ جنگی قیدیوں کو لونڈیاں اور غلام بنا کر ہی رکھا جائے، بلکہ اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ انکو بلا فدیہ آزاد کر دیا جائے۔۔یا۔۔ جسمانی فدیہ کے بدلے میں آزاد کر دیا جائے۔۔یا۔۔انکو لونڈی اور غلام بنالیا جائے اور انکے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آیا جائے۔۔چونکہ۔۔اس زمانے میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا رواج تھا، اسلئے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ اگر وہ تمہارے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنائیں، تو تم بھی انکے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا سکتے ہو۔

اگر وہ تمہارے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلے میں آزاد کریں، تو تم بھی انکے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلہ میں آزاد کر دو۔ اور اگر تمہارے جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کریں، تو تم بھی انکے جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کر لو۔ اور اگر وہ تبرع اور احسان کر کے تمہارے جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دیں، تو مسلمان مکارم اخلاق اور تبرع اور

احسان کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔اور کافر مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کولونڈی یاغلام بنائیں، تو مکافات عمل کے طور پرانکے جنگی قیدیوں کولونڈی اور غلام بنانا جائز ہے۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے، کہ آزادعورتوں سے نکاح کے بعد مباشرت اور لونڈیوں سے بغیر نکاح کے مباشرت، یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی اجازت ہی سے معمول ہیں۔۔۔لہٰذا۔۔اس میں کسی ایک کو باعث شرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔اس مقام پر یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ آزادعورت سے مباشرت کی وجہ صرف نکاح، یعنی گواہوں کے سامنے طرفین کا ایجاب وقبول ہے، کیونکہ نکاح میں رہنے کے باوجود حالت حیض ونفاس میں مباشرت حرام ہے، اسلئے کہ اس حالت میں صحبت کرنے کیلئے اذن الٰہی حاصل نہیں، توجب معاملہ اجازت ربانی ہی پر موقوف ہوا، تو پھر یہ اجازت جسکے لئے اور جس وقت کیلئے ہوگی اس پر عمل درآمد ہرگز معیوب نہیں۔ بیشک نکاح ایک عقد ہے، جوعورتوں سے نفع حاصل کرنے ہی کیلئے موضوع ہے، مگر نفع کی نوعیت کے اختلافات سے اسکےعوض کی نوعیت بھی مختلف قراردی گئی ہے۔

۔۔مثلاً: گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کے بعدعورت کی طرف سے مردکو یہ اختیار مل جاتا ہے کہ اگر کوئی طبعی ۔۔یا۔۔عرفی مانع نہ ہو، تو وہ اس سے مباشرت کرسکے۔اب اگر۔۔ بالفرض۔۔خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق واقع ہوجائے، جب بھی مذکورہ بالا اختیار دینے کے عوض میں، مقررہ مہر کا آدھا عورت کو دینا مرد پر لازم ہے۔اور اگر کہیں دونوں کو خلوت صحیحہ حاصل ہوجائے اور وہاں اسوقت کوئی ایسی صورت بھی نہ ہو جو عرفاً۔۔یا۔۔طبعاً مباشرت سے مانع ہو، پھرتو مردکو پوری مقررہ مہر دینا واجب ہے، خواہ اس نے صحبت کی ہو ۔۔یا۔۔نہ کی ہو۔ کیونکہ عورت کی طرف سے اُسے مباشرت کا پورا اختیار مل چکا تھا اور اس عمل کوانجام دینے میں کوئی مانع بھی نہیں تھا۔

۔۔المختصر۔۔عورت کی طرف سے مباشرت کا پورا اختیار پاجانے اور پھر اسکے لئے خلوت صحیحہ میسرآجانے کا نفع ہی ایک ایسا نفع ہے، جسکےعوض میں مرد پر پوری مہر کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں خلوت صحیحہ ہی کو مباشرت کا قائم مقام قرار دیدیا جاتا ہے۔۔ المختصر۔۔مذکورہ بالا ارشادِ خداوندی میں جن جن عورتوں کوتمہارے لئے حرام قرار دیا گیا ہے، ان تمام عورتوں کی تحریم تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر لکھ دی ہے۔

تو یہ حکم (لکھا) ہوا ہے (اللہ) تعالیٰ (کا تم پر) اور تمہارے اوپر اسی کا فرض کیا ہوا ہے (اور)

اس حکم کے برعکس (حلال کردی گئیں تم پر انکے سوا ساری) عورتیں یعنی مذکورہ عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، ایک کے ساتھ نکاح کرو۔۔یا۔۔دودو، تین تین، چار چار سے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح حرام اور انکے ماسوا سے نکاح حلال فرمایا ہے۔

تا (کہ تلاش کرو اپنے مال کے عوض) یعنی انکا مہر ادا کرو۔۔یا۔۔اگر وہ لونڈیاں ہیں، تو انکی قیمت ادا کرو۔ان سے تمہارا نکاح کا ارادہ (قلعہ بسانے کیلئے) ہو، یعنی اپنی پاکدامنی اور اپنے نفس کو ایسے امور سے بچانے کیلئے، جو ملامت اور عقاب کا سبب بنتے ہیں (نہ کہ مستی بہانے کیلئے)، یعنی زانیہ عورتوں سے زنا کر کے صرف منی خارج کرنے کیلئے نہ ہو۔۔الغرض۔۔نکاح کا مقصد اپنی پاکدامنی کی حفاظت، نسل انسانی کا فروغ اور بدکاری سے اجتناب ہی ہونا چاہئے، نہ کہ جانوروں کی طرح صرف خواہش نفسانی کی تکمیل۔(تو جب تم نے ان سے نفع اٹھانا چاہا) اور ان عورتوں سے نکاح صحیحہ، جماع، خلوت صحیحہ۔۔یا۔۔اسی طرح اور معاملات وغیرہ سے نفع پاؤ (تو دے ڈالو انکو انکا معاوضہ مقررہ)۔

مہر معجّل ہو، تو فوراً نکاح کے بعد خلوت سے پہلے، ورنہ بعد میں جب چاہو، مگر مہر کی ادائیگی لازمی ہے۔یہ شوہر کے سر پر بیوی کا ایک قرض ہے۔۔بالفرض۔۔اگر وہ زندگی میں نہ دے سکا، تو مرنے کے بعد بھی اسکے چھوڑے ہوئے مال سے، پہلے یہ قرض ادا کیا جائیگا، پھر کہیں جا کر وراثت کی تقسیم کی جائیگی۔(اور) یہ بھی ذہن نشین کرلو کہ (تم پر کوئی گناہ نہیں، جس مقدار پر تم سب راضی ہو جاؤ مہر مقرر کے بعد)۔۔بالفرض۔۔اگر تم بخوشی ورضا اپنی عورت کو بنام مہر، مقرر کردہ مہر سے زائد دینا چاہو تو دے سکتے ہو، یہ تمہارے لئے بالکل جائز ہے۔۔یونہی۔۔اگر عورت اپنے حق مہر سے اپنے شوہر کو کچھ معاف کردے۔۔یا۔۔تمام حق مہر معاف کردے، تو اسکے لئے بھی اسکی شرعاً گنجائش ہے۔

۔۔الغرض۔۔زوجین ایک دوسرے پر جتنا بھی احسان کرسکیں دونوں ہی کیلئے احسان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔آپس میں انکا یہ حسن سلوک انہیں آخرت کے اجر کا بھی مستحق قرار دیتا ہے (بیشک اللہ) تعالیٰ (دانا) ہے، جو اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور (حکیم ہے) جو احکام مشروع فرمائے انکی حکمتوں کا مالک ہے، اسی لئے تمہاری لیاقت کے مطابق احکام مشروع فرمائے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ

اور جو سکت نہ لا سکا مال کی، کہ نکاح میں لائے آزاد پاک دامن ایمان والیوں کو، تو ان سے جن پر تمہارے

مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ

ہاتھوں کا مالکانہ قبضہ ہو چکا، لونڈیاں ایمان والیاں۔ اور اللہ اچھی طرح جانتا ہے تمہارے ایمان کو،

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

تم میں سے ایک دوسرے سے ہے، تو ان لونڈیوں سے نکاح کر لو اجازت سے انکے مالکوں کی اور دے ڈالو انکو انکے مہر کو

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ

حسب دستور، عفت کے قلعہ کی رہنے والیاں، نہ کہ مستی بہانے والیاں اور نہ چھپے یار بنانے والیاں۔

فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى

تو جب وہ بس جائیں، پھر اگر کوئی بدکاری لائیں، تو ان پر آدھی ہے

الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ

آزاد عورتوں کی سزا سے۔ یہ نکاح اس کیلئے ہے جو تم میں ڈر گیا گناہ میں پڑنے کو۔

وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور تمہارا صبر کرنا بہت اچھا ہے تمہارے لیے۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور جو سکت نہ لا سکا مال کی، کہ نکاح میں لائے آزاد پاکدامن ایمان والیوں کو)، یعنی جسکی مالی حالت اتنی کمزور ہے کہ وہ آزاد پاکدامن مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، (تو) وہ اگر چاہے تو (ان سے) نکاح کرسکتا ہے (جن پر) اے ایمان والو! (تمہارے ہاتھوں کا مالکانہ قبضہ ہو چکا) ہے، یعنی تمہاری (لونڈیاں ایمان والیاں)۔ نکاح کے معاملات میں اسلام و ایمان والی عورتوں کو ترجیح دینا ہر حال میں مستحسن ہے۔

سن لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (اچھی طرح جانتا ہے تمہارے ایمان کو)، لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مانوس ہونے اور انکے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کو، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ یعنی تمہارے عبد اور تمہاری باندیوں کے متعلق اسلامی شعور کی تفصیل کو وہی جانتا ہے۔ بسا اوقات اسلامی

معاملات لونڈیوں میں بہ نسبت آزاد عورت کے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات عورتوں میں مردوں سے اسلامی طور واطوار زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔

یہ جان لوکہ (تم میں سے) ہرایک (ایک دوسرے سے ہے)۔ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہو، اور تم سب کا دین اسلام ہی ہے۔ تمہارے اور تمہارے مملوکوں یعنی غلاموں اور کنیزوں کے مابین ایمانی، دینی اور اسلامی بھائی چارہ ہے۔ آزاد بندے کو اگر کچھ فضیلت ہے، تو وہ بعض دینی و اسلامی امور کے لحاظ سے ہے، ورنہ دونوں برابر ہیں۔

۔۔لہٰذا۔۔ تم لونڈیوں کو حقیر نہ سمجھو اور ان سے نکاح کرنے میں نفرت نہ کرو۔ (تو) اگر تمہارے دل میں ان میں اچھا معاملہ دیکھ کر، ان سے نکاح کرنے کی خواہش پیدا ہوجائے اور پھر تم ان سے نکاح کرنے کا ارادہ کرلو، تو بیشک (ان لونڈیوں سے نکاح کرلو)۔ لیکن یہ خیال رہے کہ یہ کام (اجازت سے انکے مالکوں کی) انجام دو۔ انکی اجازت کے بعد یہ نکاح تم جب چاہو خود بخود کر سکتے ہو، یہ تمہارے لئے جائز رہیگا (اور) نکاح کے بعد (دے ڈالو) بلاتاخیر (انکو انکے مہر کو حسب دستور)۔ انہیں دکھ اور تکلیف پہنچائے بغیر انکا حق مہر دیدو اور انکے لئے ایسی تنگی پیدا نہ کرو کہ وہ عاجز ہو کر مہر، فدیہ کے طور پر دینے پر مجبور ہو جائیں۔

نکاح سے پہلے ہی سمجھ لو کہ جن سے نکاح کرنا چاہتے ہو، وہ عورتیں پاکدامن ہوں اور (عفت کے قلعہ کی رہنے والیاں) ہوں (نہ کہ مستی بہانے والیاں)، اور کھلم کھلا زنا کرنے والیاں اور اپنی بدکاری میں مست و سرشار رہنے والیاں نہ ہوں، (اور نہ) ہی (چھپے یار بنانے والیاں) ہوں۔

جاہلیت کے زمانے میں زنا دو طریقوں سے ہوتا تھا: ایک بطریق 'سِفَاح' یعنی جو شخص کسی عورت سے زنا کی رغبت کرتا، تو اسے اجرو مزدوری دیکر زنا کرتا، دوسرے بطریق 'مخادنت' یعنی کسی مخصوص دوست سے زنا کرنا۔ پہلے طریق میں کھلم کھلا زنا ہوتا ہے اور دوسرے طریق میں پوشیدہ طور پر، اسے وہ اپنی اصطلاح میں زنا میں بھی شمار نہ کرتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ بیان فرما کر واضح فرما دیا، کہ یہ دونوں ہر طرح سے زنا ہیں اور دونوں حرام ہیں۔

(تو جب) نکاح کرکے (وہ) لونڈیاں (بس جائیں)، اور شوہر والی ہو جائیں، (پھر اگر کوئی بدکاری لائیں) اور زنا کا ارتکاب کر گزریں، (تو ان پر آدھی ہے آزاد عورتوں کی سزا سے)۔

بے شوہر والی آزاد عورت کی 'حدزنا' سو کوڑے ہیں، تو لونڈی کی 'حدزنا' پچاس کوڑے ہوئی۔۔ یونہی۔۔ آزاد عورت کو سال بھر کیلئے شہر بدر کردینا ہے، تو اس صورت میں لونڈی کو چھ مہینے کیلئے شہر بدر کیا جائیگا۔ مگر ان دونوں سزاؤں کو یعنی کوڑے مارنا اور شہر بدر کردینا اکٹھا نہ کرینگے، مگر سیاست اور کسی خاص مصلحت کے تقاضے سے۔ رہ گئی سنگساری کی سزا، تو اسکا نصف متصور نہیں۔ تو کسی بھی مذہب میں یہ 'سزا شرعی' غلاموں اور لونڈیوں کیلئے نہیں۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ (یہ) لونڈیوں سے (**نکاح**) کی رخصت (اُسکے لئے ہے جو تم میں ڈر گیا گناہ میں پڑنے کو) اور جسے یہ اندیشہ ہوگیا کہ بیوی نہ رہنے کی صورت میں وہ اپنے نفس کو بدچلنی اور بدکرداری سے بچا نہیں سکتا۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ ان سے نکاح نہ کرنے میں پاک دامن ہو کر (اور) اپنے نفسوں کو انکی خواہشات پوری کرنے سے روک کر (**تمہارا صبر کرنا بہت اچھا ہے تمہارے لئے**)۔

اسلئے کہ لونڈیوں سے جو بچے پیدا ہونگے، انہیں مملوکیت کی عار دی جائیگی۔۔ علاوہ ازیں ۔۔ لونڈیوں میں مولیٰ کے حقوق کی ادائیگی شوہر کیلئے خالص نہیں ہونے دیتی۔ جیسے آزاد عورتیں صرف اور صرف اپنے شوہروں کی ہوتی ہیں۔ پھر مولیٰ کی مرضی کہ اپنی لونڈی سے ہر طرح خدمت لے، سفر وحضر کا اسکے لئے فرق نہیں ہوتا۔۔ نیز۔۔ مولیٰ جب چاہے اور جہاں چاہے اپنی لونڈی کو بیچ سکتا ہے، خواہ وہ اسے دیہات میں بیچ ڈالے یا شہر میں۔

یہ وہ اسباب ہیں کہ جن سے لونڈی کے شوہر اور اسکی اولاد کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔۔ مزید براں۔۔ خرابی یہ ہے کہ لونڈیاں ہمیشہ ذلیل وخوار اور دوسروں کی دست نگر اور دائمی طور پر اپنے مالکوں کے سامنے سرخم رکھتی ہیں۔ یہی وہ اسباب ہیں جن سے لونڈی کی ذلت و خواری کی انتہائی حیثیت سمجھی جاتی ہے اور یہی ذلت وخواری اسکے شوہر میں بھی سرایت کرتی ہے۔۔ حالانکہ۔۔ مومن کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ باعزت و باوقار رہے۔ پھر ایک خرابی یہ بھی ہے کہ لونڈی کے حق مہر کا مالک اسکا مولیٰ ہوگا۔ نہ وہ خود اپنے حق مہر پر تصرف کی مالک ہے اور نہ ہی اپنے شوہر کو ھبہ کرسکتی ہے۔ اسطرح سے گھر کا نظم ونسق متزلزل رہیگا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے: 'آزاد عورتیں گھر کو آباد کرتی ہیں اور لونڈیاں گھر کو اُجاڑتی اور برباد کرتی ہیں' او کما قال ﷺ۔

غور سے سنو! (اور) یاد رکھو کہ (**اللہ**) تعالیٰ ہر اس شخص کو (**بخشنے والا**) ہے جو مصائب وتکالیف

پر صبر کرتا ہے اور (رحمت والا ہے) کہ بندوں کو آسان امور کیلئے رخصت دیتا ہے اور ہر معاملہ میں توسیع فرماتا ہے۔

۔۔مثلاً: آزاد عورت سے نکاح کرنے پر قدرت کے باوجود لونڈی سے نکاح جائز فرما دیا

۔۔الغرض۔۔ جب تک اُسے آزاد عورت میسر نہ آئے وہ لونڈی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔

اے ایمان والو! مذکورہ بالا ارشادات کا نزول اسلئے فرمایا گیا ہے کہ۔۔۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ

اللہ کی مرضی ہے کہ صاف صاف تم سے بیان فرمادے اور دکھادے تم کو طریقے تمہارے اگلوں کے،

وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾

اور تمہاری توبہ قبول فرمالے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (کی مرضی ہے کہ صاف صاف تم سے بیان فرمادے) وہ امور جو تم سے مخفی ہیں، یعنی تمہاری وہ مصلحتیں اور تمہارے وہ بہترین اعمال جنہیں تم نہیں جانتے ہو۔۔یا۔۔حلال وحرام کے وہ احکام جنکا تمہیں علم نہیں (اور دکھادے تم کو طریقے تمہارے اگلوں کے)، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پاکیزہ روش سے آگاہ فرمادے۔۔یا۔۔اگلے اہل حق اور اہل باطل کا جو چلن تھا ان سے باخبر کردے (اور تمہاری توبہ قبول فرمالے)، یعنی تمہارے گناہ معاف فرمادے اور توبہ اور نیکی کی توفیق بخشے، یعنی جن غلطیوں پر تم تھے ان سے ہٹا کر نیکی کی راہ دکھائے۔

ظاہر ہے کہ یہ خطاب تمام مکلفین کیلئے نہیں، بلکہ صرف اسی گروہ کیلئے ہے، جنہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ پس اگر بعض مکلفین توبہ کرنے کی سعادت سے محروم رہیں، تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ کا ارادہ فرمایا مگر وہ پورا نہ ہوا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف ہونا محال ہے۔

(اور) بیشک (اللہ) تعالیٰ (علم والا) اور جاننے والا ہے تم کو اور تمہاری مصلحتوں کو، اور وہ (حکمت والا ہے) اور تمہارے جن امور کا ارادہ فرماتا ہے، انکی حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ جس چیز کے بارے میں جو حکم کرتا ہے اس میں درست کام اور راست کلام والا ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ

اور اللہ چاہتا ہے توبہ قبول فرمالینے کو تم پر۔ اور چاہتے ہیں وہ جو شہوت کی غلامی کرتے ہیں،

اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

کہ تم بڑی ٹیڑھی راہ چلو●

(اور اللہ) تعالیٰ (چاہتا ہے توبہ قبول فرمالینے کو تم پر) یہ کہ توبہ عنایت کرے تمہیں۔۔یا۔۔ایسی چیز بتادے جو تمہاری توبہ کا سبب ہوجائے۔

اس سے پہلے کی آیت میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کی قبولیت کا ارادہ کرتا ہے، اور اس آیت میں بندوں کیلئے جن امور کا ارادہ کرتا ہے، اسکے کمال منفعت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ فاسق وفاجر لوگ جو توبہ نہیں کرتے، اُنکے نقصان کا اظہار مطلوب ہے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ اسمیں تکرار نہیں۔

(اور) غفلت کی وجہ سے۔۔یا۔۔عداوت کی وجہ سے (چاہتے ہیں وہ) فاسق وفاجر لوگ (جو شہوت کی غلامی کرتے ہیں) نفسانی خواہشات کی تابعداری کرتے ہیں اور شرعی جواز کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے اور مجوسیوں کی طرح پدری یعنی علاتی بہنوں، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح جائز سمجھتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں محرمات میں شامل فرمایا تو انہوں نے کہا کہ اگر پھوپھی اور خالہ کی لڑکیوں سے نکاح جائز ہے۔۔حالانکہ۔۔تمہارے اوپر پھوپھیاں اور خالائیں حرام ہیں، تو ہم حکم دیتے ہیں کہ تم بھانجیوں اور بھتیجیوں سے نکاح کرو۔۔تو۔۔

اسطرح کی کٹ حجتی سے وہ چاہتے ہیں (کہ تم بڑی ٹیڑھی راہ چلو) اور شہوت کے تابع ہوکر انکی موافقت کرکے اور محرمات کو حلال سمجھ کر، میانہ روی اور حق سے ہٹ کر انہیں کی طرح زانی اور بدکردار ہوجاؤ، اور تم گناہوں کے بوجھ تلے ایسا دب جاؤ کہ کبھی اس سے نکل نہ سکو۔۔اسکے برخلاف۔۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

اللہ چاہتا ہے کہ ہلکا کردے تم سے، اور پیدا کیا گیا انسان کمزور●

(اللہ) تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے (چاہتا ہے کہ) وہ (ہلکا کردے تم سے) ان بڑی بڑی مشقتوں اور تکلیفوں کو، جو تمہارے ذمے ہیں۔ اسی لئے تمہیں شریعت حنفیہ واضح اور آسان عنایت

فرمائی ہے اور بہت سی تنگیوں سے نجات دیکر آسانی کی رخصت عطا فرمائی ہے۔ اسی میں لونڈیوں سے نکاح کرنا وغیرہ بھی شامل ہے۔ انسانوں کیلئے یہ منجانب اللہ تخفیف (اور) آسانی اسلئے ہے کہ (پیدا کیا گیا انسان کمزور) ناتواں اور عاجز۔ وہ اپنی خواہشات کی مخالفت سے عاجز ہے اور نہ ہی شہوات کے اسباب اور انکی قوتوں سے مقابلہ کی طاقت رکھتا ہے۔

غرضیکہ وہ خواہشات نفسانیہ کی اتباع میں صبر نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی طاقتوں کو طاعات کی مشقتوں پر صرف کرسکتا ہے۔ یہ قوت نہیں رکھتا کہ عورتوں کی طرف میل کرنے سے اپنے کو باز رکھ سکے۔ یہ نہ تو بہت بڑی سختی و مصیبت کو برداشت کر پاتا ہے اور نہ ہی بہت بڑی خوشی اور نعمت کو بھی ٹھکانے سے سنبھال پاتا ہے۔۔ الغرض۔۔ نہ مصیبت سہہ پاتا ہے اور نہ ہی نعمت کا حق ادا کر پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ضعیف و ناتواں کہہ کر اپنے بندوں پر اپنے عظیم فضل و کرم اور کمالِ مہربانی کو ظاہر فرمایا ہے کہ اگر کوئی بندہ عبادت میں کچھ تقصیر کرے۔۔ یا۔۔ خواہش نفسانی کی متابعت کے سبب اسکے حال میں کچھ نقصان پیدا ہو، تو جو ضعیفی اسکے شامل حال کردی ہے اُسے پیش کر کے معذرت کرلے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جسموں اور بدنوں میں تصرف کرنے کی ہدایت دی تھی۔ زنا اور عمل قوم لوط سے منع فرمایا تھا۔ اسی طرح محرمات کے ساتھ نکاح سے منع فرمایا تھا اور اب آگے کی آیت میں مسلمانوں کو انکے اموال میں تصرف کے متعلق ہدایت دی ہے۔ بیع و شراء کے ذریعے دوسرے کا مال حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح ھبہ، وراثت اور کسی چیز کو بنا کر اسکا مالک ہونا جائز ہے۔ لیکن جوا، سٹہ، غصب، چوری، ڈاکہ، خیانت، جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی کے ذریعہ اور رشوت سے دوسرے کا مال کھانا ناجائز ہے۔۔ تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ

اے وہ جو ایمان لاچکے! نہ کھاؤ اپنے مالوں کو باہمی ناحق، مگر یہ ہو

تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ

کاروباری طور پر تم سب کی رضامندی سے۔ اور نہ قتل کرو تم اپنے کو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

بے شک اللہ تم کو بخشنے والا ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے!) اور دین اسلام کے جملہ احکام کو دل سے مان چکے، (نہ کھاؤ اپنے مالوں کو باہمی ناحق) جسکی وضاحت ابھی ابھی اوپر کی جا چکی ہے، (مگر) تصرف کا سبب (یہ ہو) کہ تم نے آپس میں تجارت کی اور (کاروباری طور پر) لینا دینا جو کچھ ہوا، وہ (تم سب کی) آپس کی (رضا مندی سے) ہوا۔

یہ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ باطل طریقے سے کسی کا مال کھانا، ایک طرح سے اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور ہلاکت میں ڈالدینے والی کسی صورت کو بھی اپنانا ایمان والوں کے شایان شان نہیں ۔۔لہذا۔۔ ہر ہلاک کر دینے والی حرکتوں سے بچو۔ (اور نہ قتل کرو تم اپنے کو) یعنی مصائب و آلام سے تنگ آ کر خودکشی نہ کر بیٹھو۔۔یا۔۔اپنے مسلمان قرضداروں سے عاجز آ کر انہیں قتل نہ کر دو، اسلئے کہ سب مومن حقیقت میں نفس واحدۃ ہیں، تو کسی مومن کو ناحق قتل کر دینا، گویا خود اپنے کو قتل کر دینا ہے۔

جسم کے کسی حصے کو بھی تکلیف پہنچتی ہے، تو جسم کا ہر ہر حصہ مضطرب و بیقرار ہو جاتا ہے۔ایک آنکھ کا درد دوسری آنکھ کو بھی سونے نہیں دیتا۔۔یا۔۔اپنے کو ہلاکت و خطرات کے محل میں نہ ڈالو۔۔یا۔۔ ایسے کام کے مرتکب نہ ہو، جسکے سبب سے قتل کیئے جاؤ۔۔یا۔۔گناہوں کے ارتکاب سے۔۔یا۔۔حرام کا مال کھانے کے سبب سے۔۔یا۔۔خواہش نفسانی کی پیروی کرنے سے۔

۔۔الغرض۔۔جو کام غضب الٰہی کا سبب ہوں انکو انجام دیکر اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔۔المختصر۔۔ ہر حال میں شرع محمدی کی شمشیر سے قتل ہونے سے اپنے کو بچاتے رہو اور یقین کر لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمانے والا اور (تم کو بخشنے والا ہے)۔وہ جو امر و نہی فرماتا ہے یہ بھی اسکی نہایت مہربانی ہے، تاکہ بندہ اسپر عمل کر کے اپنے کو کسی نہ کسی حد تک اسکی بخشش کا مستحق بنا لے۔۔۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ

اور جو کرے یہ سرکشی اور ظلم سے، تو ہم جلد پہنچا دیں گے اس کو جہنم۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے●

(اور) اب (جو کرے یہ) ممنوع کام (سرکشی) اور تعدی کی راہ سے اور حدوں سے تجاوز کر

کے (اور ظلم) وستم کی راہ (سے، تو ہم جلد پہنچادینگے اسکو جہنم) کی آگ میں۔ (اور) ایسوں کو (یہ) جہنم رسید کردینا (اللہ) تعالیٰ (کیلئے) بہت (آسان ہے)، اسلئے کہ اس کام کیلئے اُسے کسی کی، کسی وقت، کسی طرح کی، کسی مزاحمت کا کوئی اندیشہ نہیں۔۔ بلکہ۔۔اسطرح کی مزاحمت کا امکان نہیں جو خدائے عزوجل کے اپنے ارادے کو نافذ نہ ہونے دے۔ ایک طرف تو خدا کی گرفت کی یہ شان کہ وہ پکڑنا چاہے تو کوئی بچانہ سکے، اور دوسری طرف اسکے فضل وکرم اور بخشش وعطا کا یہ حال کہ۔۔۔

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اگر بچتے رہے تم کبیرہ گناہوں جن سے تم کو روکا گیا ہے، تو میٹ دیں گے ہم تم سے تمہاری دوسری برائیوں کو،

وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ﴿۳۱﴾

اور داخل کریں گے تم کو ذی عزت محل میں●

(اگر بچتے رہے تم کبیرہ گناہوں سے جن سے تم کو روکا گیا ہے) یعنی ممنوعات میں جو کبائر ہیں ان سے اپنے کو بچاتے رہے (تو) وہ فرماتا ہے کہ (میٹ دینگے ہم تم سے)، دور کردینگے اور معاف کردینگے (تمہاری دوسری) صغیرہ (برائیوں کو)۔ ایک نماز سے دوسری نماز تک، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک جن صغائر کا ارتکاب ہوا ہے، حاضر وموجود نماز وجمعہ اور رمضان کے اعمال صالحہ کی برکت سے ان سب کو معاف کردیا جائیگا (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (داخل کرینگے تم کو ذی عزت محل) یعنی بہشت بریں (میں)۔

۔۔المختصر۔۔جو شخص کبیرہ گناہوں سے پرہیز کریگا، اسکے گناہ صغیرہ معاف ہوجائینگے۔ یہ معاف ہوجانا واجب ہونے کے طور پر نہیں ہے، بلکہ جائز ہونے کے طور پر ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ شان بے نیازی رکھتا ہے اور اگر چاہے تو گناہ کبیرہ معاف فرمادے اور گناہ صغیرہ پر گرفت کرلے۔ اور اگر چاہے تو اسکے برعکس کرے۔۔ الغرض۔۔اسپر کچھ بھی لازم وواجب نہیں۔

گناہ صغیرہ کیا ہے؟ اور گناہ کبیرہ کیا ہے؟ اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں جن میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے، شارع نے جسکے لئے کوئی حد مقرر کی ہے۔۔یا۔۔ اسکے باب پر صراحۃً وعید وارد ہوئی ہو۔۔یا۔۔اسکی حرمت 'دلیل قطعی' سے ثابت ہو۔۔تو۔۔

اے ایمان والو! اچھی طرح سے جان لو کہ جس طرح تمہارے لئے ناجائز طریقے سے دوسرں کا مال کھانا جائز نہیں، تو اسی طرح تمہارے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل وکرم سے جو کچھ دے رکھا ہے اسکی طمع اور خواہش کرنے لگو۔

اور اگر کہیں اس خواہش میں یہ جذبہ بھی شامل ہوگیا، کہ وہ ساری خدائی عطائیں تمہارے ہی ساتھ ہوں اور کسی اور کے ساتھ نہ ہوں۔۔یا۔۔وہ نعمتیں تمہیں ملیں یا نہ ملیں، مگر فلاں کو نہ ملیں، تو یہ اور بھی بدترین صورت ہوگئی۔اسے 'حسد' کہا جائیگا جو قلب کی ایک مہلک بیماری ہے جو خود حاسد کو اسی کی آگ میں جلاتی رہتی ہے۔۔ہاں۔۔اگر یہ جذبہ ہو کہ دوسروں پر خدائی نعمت دیکھ کر انسان یہ دعا کرے کہ اسکے پاس جو نعمت ہے وہ بدستور رہے، مگر رب کریم مجھے بھی اُس نعمت سے نوازے، تو یہ ایک محمود جذبہ ہے، جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسے 'رشک' کہا جائیگا جو ایک جائز جذبہ ہے۔اور سب سے بہتر چیز تو یہ ہے کہ انسان اچھی طرح سے یقین کرلے، کہ اللہ تعالیٰ مالک ومختار اور علیم وخبیر ہے، وہ جس کو جو چاہتا ہے نعمت عطا فرماتا ہے۔اسلئے سمجھداری سے کام لو۔۔۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ

اور تمنا نہ کرو اس کی جس سے بڑائی دی اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر۔ مرد کیلئے حصہ ہے

مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

جو انھوں نے کمائی کی اور عورت کیلئے حصہ ہے اس سے جو انھوں نے کمائی کی۔ اور سوال کرو اللہ سے اس کے کرم کو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

بے شک اللہ ہر موجود کا جاننے والا ہے●

(اور تمنا نہ کرو اس) نعمت اور اس مرتبے (کی جس سے بڑائی دی اللہ) تعالیٰ (نے تم میں ایک کو دوسرے پر) لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ کاش میرے پاس فلاں مال ہوتا یا فلاں نعمت ہوتی یا فلاں حسین عورت ہوتی۔۔یا۔۔کوئی عورت یہ سوچے کے کاش وہ مرد ہوتی اسطرح مردوں کو حاصل ہونے والے دوگنے مال کی حقدار بن جاتی۔۔یا۔۔کوئی مرد خیال کرے کہ کاش وہ عورت ہوتا اور مردوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں ان سب سے سبکدوش ہوجاتا۔۔یا۔۔کچھ نیک طینت خواتین

یہ خواہش کر بیٹھیں کہ کاش ہم کو بھی جہاد کرنے کی اجازت مل جائے، تاکہ ہم مردوں کی طرح جہاد کریں اور ہمیں بھی انکی طرح اجر ملے۔۔یا۔۔مرد یہ کہنے لگیں کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو وراثت میں دوگنا حصہ دیا جاتا ہے، اسی طرح ہماری عبادتوں کا بھی ہم کو عورتوں سے دوگنا اجر ملے، اور پھر جواباً عورتیں یہ کہنے لگیں، کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے آدھے گناہ مردوں پر ڈال دیئے جائیں، وغیرہ وغیرہ ۔۔اسطرح کی خیالی باتیں اور دلی خواہشات بے نتیجہ ہیں۔۔اسلئے کہ۔۔۔

(مرد کیلئے حصہ ہے جوانہوں نے کمائی کی) جہاد اور دوسرے نیک کام انجام دیکر (اور)۔۔ یونہی۔۔(عورت کیلئے حصہ ہے اس سے جوانھوں نے کمائی کی) اپنی پاکدامنی کی حفاظت کر کے اور اپنے شوہر کی اطاعت کر کے۔ پھر جب تم میں کا ہر ایک اپنا اپنا ایک مقررہ اور واجبی حصہ رکھتا ہے، تو وہ دوسرے کے حصے کی آرزو نہ کرے۔۔ہاں۔۔اگر آرزو کرنا ہی ہے اور سوال پیش کرنا ہی ہے، تو اللہ تعالیٰ سے اپنے اعمال کا صلہ نہ مانگو (اور) نہ ہی اللہ تعالیٰ سے اسکے عدل کی بنا پر سوال کرو، بلکہ (سوال کرو) اور طلب کرو (اللہ) تعالیٰ (سے اسکے) فضل و (کرم کو)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ (ہر موجود کا جاننے والا ہے) پس جو کچھ دے اور جسے دے وہی دینا چاہیے اور اسکے سوا نہ چاہیے۔۔الغرض۔۔جس نے تمہیں مفلس۔۔یا۔۔تونگر بنایا ہے وہ تمہاری دینی اور دنیوی مصلحتوں کو تم سے بہتر جانتا ہے۔۔چنانچہ۔۔اس نے وراثت کا ایک ضابطہ مقرر فرمایا اور متعین فرمادیا کہ کس کے ترکے سے کس کو کیا ملنا چاہیئے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ

اور سب کیلئے بتادیا ہم نے حق دار، جوتر کہ کریں ان کے ماں باپ اور قرابت مند۔ اور وہ جنھیں تمہارے حلفوں نے

اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ ع ۵

پابند کر دیا، تو ان کو ان کا حصہ دو۔ بے شک اللہ ہر موجود کو سامنے رکھنے والا ہے ●

(اور) اسی لئے ارشاد فرماتا ہے کہ (سب کیلئے بتادیا ہم نے حق دار جوترکہ کریں) اور چھوڑ جائیں (انکے ماں باپ اور قرابت مند۔ اور وہ جنہیں تمہارے حلفوں) قسمیہ پختہ معاہدوں (نے پابند

کردیا)۔تو اگر کسی شخص نے کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا اور انہوں نے عہد کیا کہ وہ اسکی دیت ادا کریگا اور اسکا وارث ہوگا، تو اسکی دیت ادا کرنا صحیح ہے اور اگر اسکا کوئی اور نسبی وارث نہ ہو، تو پھر وہ شخص اسکا وارث ہوگا۔۔الغرض۔۔یہ حکم اب بھی باقی ہے، البتہ عصبات اور ذوی الارحام اس شخص پر مقدم ہیں جس سے عہد کیا گیا، وہ نہ ہوں (تو) اسکو عہد کرنے والے کی وراثت ملے گی۔لہٰذا (ان) سب (کو انکا حصہ دو)۔۔ہاں۔۔اگر کسی سے تم نے وراثت کے علاوہ مدد کرنے اور خیر خواہی کا معاہدہ کیا ہے تو اس معاہدہ کو پورا کرو۔

کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں صرف ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ ہوتا تھا، اسکے سوا نہیں ہوتا تھا۔تو اسلام نے اسکو متغیر نہیں کیا بلکہ اور پختہ کردیا ہے۔۔الختصر۔۔غیر شرعی باتوں اور ایک دوسرے کو وارث بنانے پر حلف برداری ممنوع اور ناجائز ہے، لیکن آپس میں ایک دوسرے کا امور خیر میں تعاون کرنے کا معاہدہ اور اس کیلئے حلف برداری درست اور جائز ہے۔

یاد رکھو کہ (**بیشک اللہ**) تعالیٰ تمہارے عہدوں اور تمہاری باہمی قسموں۔۔الغرض۔۔(ہر موجود کو سامنے رکھنے) اور اسکا مشاہدہ فرمانے (والا ہے)۔کوئی موجود اس سے پوشیدہ نہیں۔

اس مقام پر ایمان والی عورتیں خاص طور سے سن لیں کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر جو فضیلت دی ہے، یہ بھی اسکے عدل وانصاف کا تقاضہ ہے۔رب کریم نے اپنے فضل وکرم سے مردوں کو جن خصوصیات اور جن جن صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ اسکی برتری کا سبب ہیں۔ نبوت، رسالت، حکومت، امامت، اذان، اقامت اور تکبیرات تشریق وغیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔۔الختصر۔۔اپنی انہی خصوصیات کی بنا پر۔۔۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

مرد لوگ حکمران ہیں عورتوں پر، یوں کہ فضیلت دی اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر،

وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ

اور یوں کہ خرچ کیا مردوں نے اپنے مال کو، پس نیک بیبیاں فرمانبردار ہیں پیٹھ پیچھے، نگرانی رکھنے والے ہیں جسکو

بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى

حفاظت میں لے لیا اللہ نے۔ اور ایسی کہ تم کو خطرہ ہو جن کی نالائقی کا، تو انھیں سمجھاؤ بجھاؤ اور ان کو بستروں میں تنہا

الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۚ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ

چھوڑ دو، اور انھیں مارو، پھر اگر وہ فرماں بردار ہوگئیں تمہاری، تو نہ ڈھونڈ وان پر الزام رکھنے

سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿۳۴﴾

کی راہ۔ بے شک اللہ بڑا بلند ہے●

(**مردلوگ حکمران ہیں عورتوں پر**) یعنی عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں، انکی ضروریات کو پوری کرنے والے ہیں، اور انکا خرچ برداشت کرنے والے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ انکی عصمت وپاکیزگی کے محافظ ہیں۔

اسی لئے بڑے سے بڑا بادشاہ، دنیاوی جاہ وجلال کا مالک، اور بے پناہ مادی قوت وتوانائی رکھنے والا بھی مجبور ہے کہ اپنی بیٹی کو دوسرے کے نکاح میں دے، خواہ وہ اسکے مقابلے میں کتنی ہی کم حیثیت کا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ اسکی بیٹی کی عصمت وپاکیزگی کی حفاظت اسکا شوہر ہی کرسکتا ہے، خواہ اسکے مقابل میں کتنے ہی کم درجے کا کیوں نہ ہو۔

۔۔الختصر۔۔ حقیقت (**یوں**) ہی ہے کیوں (**کہ فضیلت دی اللہ**) تعالیٰ (**نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر**)، یعنی مرد کو عورت پر (**اور**) ایسا (**یوں**) ہی اور اسی لئے ہے (**کہ خرچ کیا مردوں نے اپنے مال کو**) اپنی عورتوں پر اور انکے نان ونفقہ اور انکی مکمل کفالت ونگرانی کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ (**پس**) اب جو انکی (**نیک بیبیاں**) ہیں وہ انکی اطاعت شعار اور (**فرمانبردار ہیں**)۔ قائم رہنے والی ہیں شوہروں کے حقوق پر اور (**پیٹھ پیچھے**) یعنی غائبانہ طور پر بھی (**نگرانی رکھنے والی ہیں**) اپنی عصمت وعفت کی اور رعایت رکھنے والی ہیں شوہر کی امانت کی (**جس**) کی ان (**کو**) توفیق خیر عطا فرما کے اپنی (**حفاظت میں لے لیا اللہ**) تعالیٰ (**نے**)۔

(**اور**) اب رہ گئیں تمہاری (**ایسی**) بیبیاں (**کہ تم کو خطرہ**) اور اندیشہ (**ہو جن**) کے طرز عمل اور طور طریقہ ۔۔نیز۔۔ باغیانہ اطوار کو دیکھ کر ان (**کی نالائقی**) اور نافرمانی (**کا**) اور صرف نافرمانی کا خوف ہو، ابھی اسکا ظہور نہ ہوا ہو، (**تو انہیں سمجھاؤ بجھاؤ**) ایسے الفاظ سے جو انکے دلوں کو نرم کردیں۔۔ ۔۔انہیں تعلیم کرو اور اس بات سے آگاہ کردو کہ شوہروں کے تم پر بڑے حقوق ہیں، شوہر کی نافرمانی اور اسکی اطاعت نہ کرنے اور اسکے حقوق کا لحاظ نہ رکھنے کے نتیجے میں دنیا وآخرت دونوں میں خسران ووبال کے سوا کچھ نہیں، اور خدا کا عذاب مول لینا کوئی دانشمندی کی بات نہیں۔ اگر عورت شریف طینت ہے تو

اس کیلئے اتنا ہی کافی ہوگا، اس میں شوہر کو یہ تعلیم ہے کہ فوراً غصہ میں آ کر کوئی کاروائی نہ کرے۔

(اور) اگر اب بھی اصلاح نہ ہو، تو سزا کی دوسری منزل یہ ہے کہ (انکو بستروں میں تنہا چھوڑ دو) اور کچھ عرصے کیلئے ان سے بات چیت ترک کردو اور انہیں خوابگاہوں میں تنہا رہنے دو۔ یعنی اس صورت میں بھی انکو گھر سے باہر نہ کردو، بلکہ تم خود باہر ہو جاؤ اور انہیں گھر میں تنہا چھوڑ دو اور انکے ساتھ ایک اوڑھنے بچھونے میں نہ رہو۔ اور اگر کسی کے پاس بچھانے اور اوڑھنے کیلئے ایک کے سوا دوسرا انتظام نہ ہو، تو وہ اسی بستر میں اسکی طرف پیٹھ کر کے سوئے، اور اسطرح اس سے اپنی بے تعلقی کا مظاہرہ کرے۔ اس جدائی کا مظاہرہ اسوقت کیا جائے جبکہ نافرمانی کا صرف اندیشہ ہی نہ رہے، بلکہ اسکا ظہور ہو جائے۔

اب اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو اور عورت اپنی سرکشی اور نافرمانی پر قائم رہے اور نافرمانی پر نافرمانی کرتی جائے، جیسا کہ بعض رذیل طبقوں میں دیکھا جاتا ہے، تو اب تیسرا علاج یہ ہے کہ ان پر تھوڑی سختی بڑھا دو (اور انہیں) تادیباً ہلکی مار (مارو)۔ ایسی مار جس سے نہ انکی جلد پر نشان ہو، نہ ان کی ہڈی ٹوٹے، اور نہ ہی انکا کوئی عضو بے کار ہو جائے۔ عورت کیسی ہی بے غیرت کیوں نہ ہو، معمولی مار سے راہِ راست پر آ جاتی ہے۔

یہ اسلام کا تدریجی تربیتی نظام ہے، اسکا مقصد بنیادی طور پر کسی کو اذیت پہنچانا نہیں ہے، بلکہ ایک سرکش کے اصلاح حال کیلئے اور اسکو ادب وتہذیب کے دائرے میں لانے کیلئے اپنی حاکمانہ اور مربیانہ ذمہ داریوں کو پوار کرنا ہے۔ اسی لئے تعلیم وتربیت کیلئے کسی دور میں بھی 'مارنے' کو برا نہیں سمجھا گیا۔ باپ کا بیٹوں کو مارنا اور اُستاد کا شاگردوں کو مارنا، ہمیشہ بہ نظر استحسان دیکھا گیا۔

آجکل جن جن ملکوں میں استاد کا شاگردوں کو مارنا۔۔ یا۔۔ باپ کا بیٹوں کو مارنا معیوب سمجھا جا رہا ہے اور مارنے سے انہیں قانوناً روک دیا گیا ہے، ان ملکوں کے ادب وتہذیب کا شیرازہ ہی بکھر گیا ہے، نہ شاگرد استاد کا پاس ولحاظ کر رہا ہے اور نہ ہی بیٹا باپ کا۔ ادب و تہذیب کے ایک موثر ذریعے پر غیر معقول پابندی لگا کر انسانیت ہی کا جنازہ نکال دینے کی راہ ہموار کر دی گئی ہے۔ ذرا بھی عقل ہو، تو یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے جو طریقہ اپنایا جاتا ہے وہ بُرا نہیں ہوتا۔ اسکو برا سمجھنا فہم ودانش سے تہی دامن ہونے کی نشانی ہے۔

سزا کے طور پر مارنا ساری دنیا میں رائج ہے۔ اب اگر یہ اعلیٰ مقاصد کے حصول کی غرض

سے ظالمانہ روش سے ہٹ کر اعتدال کے دائرے میں رہ کر ہو تو کبھی بھی، کسی بھی دین و مذہب میں اسے معیوب نہیں سمجھا گیا۔۔ہاں۔۔یہ ضرور ہے کہ سزا جرم کے اعتبار سے متعین کی جائیگی۔۔لہٰذا۔۔ہاتھ کاٹ لینا، کوڑے لگانا، تلوار سے گردن اڑا دینا، سنگسار کر دینا، شہر بدر کر دینا اور ایک معینہ۔۔یا۔۔غیر معینہ مدت کیلئے قید کر دینا، وغیرہ وغیرہ ہر ہر مجرم کیلئے نہیں بلکہ مجرم کا جرم جتنا سنگین ہوگا، اسی کے مطابق اسکی سزا تجویز کی جائیگی۔ کسی مجرم کے جرم کی سنگینی کو سمجھ لینے کے بعد اس کیلئے کڑی سزا کو کوئی سمجھدار معیوب نہ سمجھے گا۔

۔۔المختصر۔۔عورتوں کو بعض حالات میں تادیباً ہلکی ضرب لگانا، صرف انکے اصلاح حال کیلئے اور ایک پورے گھریلو نظام کو چین وسکون سے بدلنے کیلئے ہے، اسی لئے اسکو کسی نہج سے بھی برا نہیں کہا جاسکتا۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مذکورہ بالا حالت میں بھی عورتوں کو ہلکی مار مارنے کی صرف 'رخصت' ہے اور مرد پر یہ 'واجب ولازم' نہیں کہ وہ ایسا ہی کرے۔ بلکہ بیوی کی اذیتوں کو برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا مارنے سے افضل ہے۔ الّا یہ کہ کوئی ناقابل برداشت معاملہ ہو۔

(پھر اگر وہ فرمانبردار ہوگئیں تمہاری، تو نہ ڈھونڈو ان پر الزام رکھنے کی راہ)۔ خواہ مخواہ کیلئے انہیں زجر و توبیخ اور سزا دینے کی کوئی صورت نہ تلاش کرو۔۔الغرض۔۔انکے پیچھے نہ لگ جاؤ اور انہیں ایسے سمجھو کہ گویا ان سے کوئی فعل سرزد نہیں ہوا۔ اسلئے کہ توبہ کر لینے کے بعد گویا گناہ ہوا ہی نہیں۔ جان لو کہ **(بیشک اللہ)** تعالیٰ **(بڑا بلند ہے)** یعنی جتنا تم ان عورتوں پر قدرت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان پر قدرت رکھتا ہے۔ تو ان پر ظلم ہونے سے راضی ہو اور مظلوم کو بے دست و پا چھوڑ دے اس سے وہ برتر و بالا ہے۔۔لہٰذا۔۔اس سے ڈرو اور جب وہ عورتیں اپنی غلطیوں سے باز آجائیں تو تم انہیں معاف کر دو، اسلئے کہ تم بھی تو بلند شان اور بڑی سلطنت والے رب کی نافرمانی کرتے ہو۔ لیکن جب تم گناہوں سے توبہ کرتے ہو، تو وہ تمہیں معاف فرما دیتا ہے۔ تمہیں بھی چاہیئے کہ تم بھی اپنے نافرمان کو معاف کر دو، جبکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے۔

بعض بدخصلت عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ وہ کسی تدبیر سے درست ہی نہیں ہوتیں اور اپنی سرکشی و نافرمانی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہیں، تو اب شریک زندگی کے نبھاؤ کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اس روز روز کی چیخ و پکار کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر گھر رسوائی ہوتی ہے اور مرد و عورت دونوں کیلئے یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔ تو جہاں میاں بیوی میں

ناموافقت اور ایسی کشمکش پیدا ہو جائے جسے وہ باہم نہ سلجھا سکیں، تو اے زوجین کے ولیو! اور خاندان کے با اثر ورسوخ اور باوقار لوگو! تم اپنے دامن سمیٹ کر الگ تھلگ نہ ہو جاؤ، جیسے کہ انکا تم سے کوئی تعلق ہی نہیں، بلکہ اس خانگی نزاع کو تم اپنا ہی معاملہ سمجھو اور اپنی سی کوشش میں کوئی کمی نہ کرو۔۔۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا

اور اگر تمہیں اندیشہ ہوا میاں بیوی کے جھگڑے کا، تو بھیجو ایک پنچ مرد والوں سے اور ایک پنچ

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ

عورت والوں سے۔ اگر یہ دونوں ارادہ کرلیں صلح کرانے کا، تو اللہ توفیق دے گا انکے درمیان۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے●

(اور اگر تمہیں اندیشہ ہوا) حالات کا جائزہ لینے کے بعد (میاں بیوی کے جھگڑے کا) آپس میں نہ حل ہو سکنے کا (تو بھیجو ایک پنچ مرد والوں سے اور ایک پنچ عورت والوں سے) جو حالات کا تحقیقی جائزہ لیں اور معلوم کریں کہ زیادتی کس کی طرف سے ہو رہی ہے۔ مرد کی طرف سے جو حکم ہو، وہ مرد کے دل کے حالات معلوم کرے کہ آخر اسے عورت سے رغبت ہے یا نفرت؟ ایسے ہی عورت کا حکم عورت کے دل کے راز کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ آخر اُسے شوہر کی صحبت منظور ہے یا وہ اس سے مفارقت چاہتی ہے۔

دونوں کے دلی حالات معلوم کرنے کے بعد اور یہ جان لینے کے بعد کہ دونوں کے اختلاف کی نوعیت کیا ہے، ان صلح کرنے والوں کو صلح کا طریقہء کار متعین کرنے میں آسانی ہوگی، اور پھر جب سب کچھ سمجھ بوجھ لینے کے بعد (اگر یہ دونوں ارادہ کرلیں صلح کرانے کا، تو اللہ) تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے (توفیق دیگا انکے درمیان) یعنی میاں بیوی کے درمیان نباہ کی صورت نکال دیگا۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ میاں بیوی کی مصلحتوں اور انکے درمیان فیصلہ کرنے والوں کے ارادوں کو (جاننے والا) ہے۔۔ نیز۔۔ اُسے معلوم ہے کہ انکا اختلاف کس طرح دور ہوگا اور ان میں موافقت کس طرح پیدا ہوگی۔۔ نیز۔۔ صلح کے طریقوں کو، فیصلہ کرنے والے ذمہ داروں کو (بتانے والا ہے)۔ یعنی فیصلہ کنندگان کے دلوں میں القاء فرمانے والا ہے، جنکے حسن تدبیر سے زوجین کے درمیان موافقت والفت پیدا کر دیگا اور انکے دلوں میں محبت ومودت ڈال دیگا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ

اور پوجو اللہ کو، اور نہ شریک بناؤ اس کا کسی کو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی اور

بِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ

قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ

اور پہلو نشین اور مسافر، اور جن پر مالکانہ دسترس ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

بے شک اللہ نہیں پسند فرماتا جو ڈینگ ہانکنے والا، شیخی بگھارنے والا ہو●

--الختصر--تمہاری صلاح (اور) فلاح اسی میں ہے کہ (پوجو اللہ) تعالیٰ علیم وخبیر اور علی وکبیر (کو) اور اسکے احکام کی تعمیل کرتے رہو۔۔نیز۔۔اسکے حقوق کا پاس ولحاظ کرتے رہو (اور نہ شریک بناؤ اسکا کسی کو)، خواہ وہ اصنام ہوں یا انکے سوا کوئی۔ساتھ ہی ساتھ بندوں کے حقوق کا بھی لحاظ کرتے رہو۔ ان میں سب سے زیادہ مقدم ماں باپ ہیں جو اپنے بچوں پر شفقت خداوندی اور رحمت الٰہی کا مظہر ہیں۔

غور کرو کہ انسان کے حق میں سب سے بڑی نعمت اسکا وجود اور اسکی تربیت اور پرورش ہے تو اگر اسکے وجود کا سبب حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، تو ظاہری سبب اسکے والدین ہیں۔یہی حال تربیت وپرورش کا ہے کہ انکا بھی اگرچہ حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن ظاہری سبب والدین ہیں۔سوچو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو نعمتیں دیکر ان سے کوئی عوض نہیں چاہتا، اسی طرح والدین بھی اولاد کو بلاعوض نعمتیں دیتے ہیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کو نعمتیں دینے سے تھکتا اور اکتاتا نہیں، والدین بھی اولاد کو نعمتیں دینے سے تھکتے اور اکتاتے نہیں۔اور جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں پر بھی اپنی رحمت کا دروازہ بند نہیں کرتا، اسی طرح اگر اولاد نالائق ہو، پھر بھی ماں باپ اسکو اپنی شفقت سے محروم نہیں کرتے۔اور جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دائمی عذاب اور دائمی ضرر سے بچانے کیلئے ہدایت فراہم کرتا ہے۔۔یونہی۔۔ماں باپ بھی اپنی اولاد کو ضرر سے بچانے کیلئے نصیحت کرتے رہتے ہیں۔

ماں باپ کے ساتھ اہم نیکیاں یہ ہیں کہ انسان انکی خدمت کیلئے کمر بستہ رہے، انکی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے، انکے ساتھ سختی سے بات نہ کرے، انکے مطالبات پورے کرنے کی کوشش کرے۔ اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق ان پر اپنا مال خرچ کرے۔ انکے ساتھ عاجزی اور تواضع کے ساتھ رہے۔ انکی اطاعت کرے اور انکو راضی رکھنے کی کوشش کرے، خواہ اسکے خیال میں وہ اسپر ظلم کررہے ہوں۔ انکی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دے۔ ماں کے بلانے پر نفل نماز توڑ دے۔ البتہ فرض نماز کسی کے بلانے پر نہ توڑے۔

(اور) ہمیشہ **(ماں باپ کے ساتھ نیکی)** اور حسن سلوک کرتا رہے **(اور قرابت داروں)** یعنی رشتہ داروں جو کہ قرابت کے لحاظ سے قریب ہوں، جیسے بھائی چچا اور ماموں وغیرہ، انکے ساتھ بھی حسن سلوک کرتا رہے۔ اور صلہ رحمی کی بنا پر اور ان پر رحم کرتے ہوئے اگر انہیں ضرورت ہو تو انکے لئے وصیت کی جائے اور ان کا خرچ دیا جائے **(اور یتیموں)** سے بھی اچھا برتاؤ کرے۔ انکو ضرورت ہو، تو ان پر خرچ کرے اور اگر انکے یہاں مال ہے اور اُسے انکے مال کا وصی مقرر کیا گیا ہے، تو اسکی حفاظت کا حق ادا کرے۔

(اور مسکینوں) کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرے۔ بوقت ضرورت انکو صدقہ دے، کھانا کھلائے اور انکے سوالات کے جوابات نرمی سے دے **(اور رشتہ دار پڑوسی)** یعنی وہ ہمسایہ جو سکونت کے لحاظ سے قرب رکھتا ہے۔۔یا۔۔ ہمسائیگی کے علاوہ اسے نسب اور دین کے لحاظ سے بھی تمہارے ساتھ قرابت ہے، انکے ساتھ بھی حسن سلوک کرتا رہے **(اور اجنبی پڑوسی)** یعنی وہ ہمسایہ جو بعید ہے۔۔یا۔۔ وہ ہمسایہ جس سے قرابتی تعلق نہیں، ان سے بھی اچھا برتاؤ کرے۔

(اور پہلو نشین) یعنی وہ دوست جو کسی اچھے معاملہ کی وجہ سے تعلق رکھتا ہے۔۔ مثلاً: پڑھنے میں ساتھی ہے یا کسی کام کو انجام دینے کیلئے ایک ساتھ ہو گئے ہوں۔۔یا۔۔ کاروبار کے شریک ہوں۔۔یا۔۔ ایک ساتھ سفر کر رہے ہوں۔۔یا۔۔ مسجد میں نماز کیلئے قریب ہو گئے ہوں۔۔یا۔۔ کسی مجلس میں ساتھ بیٹھ گئے ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کو حق ہمسائیگی حاصل ہوتا ہے۔۔ الغرض۔۔ معمولی سی مناسبت سے بھی حق ہمسائیگی بن جاتا ہے، اسی حق کی بنا پر اسکے حقوق کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے اسکے ساتھ لطف و کرم اور احسان ضروری ہے۔

ہمسایہ کے ساتھ حق ہمسائیگی کے سوا مندرجہ ذیل صورتوں میں دوسرے حقوق بھی وابستہ ہوجاتے ہیں انکا بھی پاس ولحاظ ضروری ہے:

﴿۱﴾۔۔ہمسایہ عزیز بھی ہو، ہم مذہب بھی۔ ﴿۲﴾۔۔صرف عزیز ہو، ہم مذہب نہ ہو۔

﴿۳﴾۔۔صرف ہم مذہب ہو، عزیز نہ ہو۔ ﴿۴﴾۔۔صرف ہمسایہ ہو، نہ عزیز ہو اور نہ ہم مذہب۔

پہلے کو حق ہمسائیگی، حق قرابت اور حق اسلامی سب حاصل ہیں۔ دوسرے کو حق ہمسائیگی کے علاوہ صرف حق قرابت حاصل ہے۔ تیسرے کو حق ہمسائیگی کے علاوہ صرف حق اسلامی حاصل ہے اور چوتھے کو صرف حق ہمسائیگی ہی حاصل ہے۔

۔۔المختصر۔۔ان تمام حقوق والوں کے ساتھ انکے حقوق کی مناسبت سے نیکی اور حسن سلوک کرتے رہو۔ (اور) انکے علاوہ (مسافر) جو اپنے شہر اور ملک ومال سے دور ہو، اسکے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ اسکے ساتھ احسان یہ ہے کہ اسے ہر طرح سے ممکنہ آسودگی پہنچاؤ اور حتی الامکان اسکی ضروریات پوری کرو، اب اگر وہ مسافر تمہارے ہاں مہمان ہونے کی حیثیت سے ٹھہرے، تو اسکے حقوق میں سے یہ ہے کہ اسے تین دن مہمانی دی جائے۔ اسکے بعد اسکے ساتھ جو کچھ احسان اور مروت کی جائیگی وہ صدقہ میں شمار ہوگا۔ مہمان کو بھی چاہئے کہ وہ میزبان کے یہاں زیادہ سے زیادہ تین دن ٹھہرے، ایسا نہ ہو کہ اُسے کہنا پڑے کہ اب معاف کرو۔

(اور) یونہی (جن پر) تمہیں (مالکانہ دسترس) حاصل (ہے)، اپنے ان غلاموں اور باندیوں پر بھی احسان کرو۔ انہیں آداب سکھاؤ، انکی طاقت سے زیادہ ان سے کوئی کام نہ لو، اور نہ ہی سارے دن انہیں کام پر لگائے رکھو۔ ان سے گالی گلوچ اور سخت کلامی سے نہ پیش آؤ اور انکو انکی ضرورت کا طعام اور لباس دیتے رہو، بلکہ اپنے مملوکہ جانوروں کے ساتھ بھی رعایت کرو اور اُن سے وہی کام لو جو انکے لائق ہوں۔ انکے کھانے پینے کا خیال رکھو اور انہیں خواہ مخواہ کیلئے اذیت وتکلیف نہ پہنچاؤ اور جان لو کہ۔۔۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا) اسکو (جو ڈینگ ہانکنے والا، شیخی بگھارنے والا ہو)، اور متکبر ہو۔ اپنے رشتہ داروں، ہمسایوں اور دوستوں سے نفرت کرتا ہو، انکی طرف توجہ نہ کرتا ہو، اور اہل حقوق کے حقوق نہ ادا کرتا ہو، اور ایسا فخر کرنے والا ہو جو اسکی شان کے لائق نہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔۔الغرض۔۔نہ تو وہ حقوق اللہ ادا کرتا ہے اور نہ ہی حقوق العباد، صرف اپنے منہ سے بڑی بڑی باتیں کر کے دوسروں پر رعب جمانا چاہتا ہے۔

الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَیَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَیَکۡتُمُوۡنَ

جو کنجوسی کریں اورلوگوں کو کنجوسی کا حکم دیں، اور چھپائیں جو دے رکھا ہے

مَاۤ اٰتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿ۚ۳۷﴾

انھیں اللہ نے اپنے فضل سے۔ اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کیلئے عذاب رسوا کرنے والا●

یہ وہی یہودی لوگ ہیں (جو) خود بھی (کنجوسی کریں اور) دوسرے (لوگوں کو) بھی (کنجوسی کا حکم دیں)۔

--چنانچہ--اہل اسلام کو خرچ کرنے سے روکتے اور کہتے کہ تمہارے اس خرچ کرنے سے ہمیں تمہارے فقیر اور محتاج ہو جانے کا خطرہ ہے۔

(اور) خود ان بخیلوں کا حال یہ ہے کہ (چھپائیں جو) مال و دولت (دے رکھا ہے انہیں اللہ) تعالیٰ (نے اپنے فضل سے) تا کہ ضرور تمند لوگ انکو محتاج و فقیر سمجھیں اور ان سے کوئی مطالبہ نہ کریں۔

--یونہی--چھپائیں ان اوصاف محمد یہ کو جو توریت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان تک پہنچادیئے ہے اور انکو باخبر کر دیا ہے، تا کہ انکی عوام راہ حق پر آ نہ سکے اور گمراہی میں بھٹکتی رہے۔ تو سن لو (اور) یاد رکھو! (تیار کر رکھا ہے ہم نے) ان یہودی (کافروں کیلئے) جنہوں نے ایک طرف عطائے الٰہی میں بخل اختیار کیا اور دوسری طرف خاتم الانبیاء ﷺ کے اوصاف چھپائے، (عذاب، رسوا) اور ذلیل (کرنے والا)۔

عطائے خداوندی میں بخل اختیار کرنا اور اسکو حق سمجھنا اور دانشمندی قرار دینا، اور پھر نبی کریم کے اوصاف کو چھپانا اور اپنے اس طرز عمل کو درست گمان کرنا، انکو اس بات کا مستحق بنادیتا ہے کہ انکو اہانت آمیز سزا کیلئے جہنم رسید کر دیا جائے۔

وَالَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ

اور جو خرچ کریں اپنے مال کو، لوگوں کو دکھانے کو اور نہ مانیں اللہ کو،

وَلَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَمَنۡ یَّکُنِ الشَّیۡطٰنُ لَہٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا ﴿۳۸﴾

اور نہ پچھلے دن کو، اور وہ کہ شیطان جس کا یار ہوا تو برا یار ہوا●

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان مشرکین مکہ، منافقین (اور) خود غرض، مطلب پرست یہودیوں کو بھی پسند نہیں فرماتا (جو خرچ کریں اپنے مال کو لوگوں کو دکھانے کو)۔

ان میں سے۔۔اول الذکر۔۔حضورا کرم ﷺ کی دشمنی پر بہت لشکر جمع کرتے تھے اور اپنا مال ان پر خرچ کرتے تھے۔۔ثانی الذکر۔۔یعنی منافقین صرف دوسروں کودکھانے کیلئے خرچ کردیا کرتے تھے اور۔۔آخرالذکر۔۔یعنی یہودی اپنی قوم سے اپنی کسی غرض کی وجہ اوران سے بدلے کے طور پر کچھ حاصل کرلینے کی طمع میں ان پر خرچ کردیا کرتے تھے۔

ان سب کی صرف لوگوں کودکھانے (اور) سنانے کی روش کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ان لوگوں میں سے ہیں جو (نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو،اورنہ) ہی حساب کتاب کیلئے قائم کئے جانے والے (پچھلے دن کو) اپنے نبی برحق اور پھر نبی آخرالزماں ﷺ کی ہدایت وارشادات کے مطابق،تو بھلا ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اوراسکی خوشنودی۔۔نیز۔۔آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے کوئی نیک کام کیسے کرسکتے ہیں؟ یہ لوگ تو جوبھی کریں گے وہ دکھاوے ہی کیلئے کرینگے اوراسکا بدلہ دنیا ہی میں لے لینا چاہیں گے۔اورایسا کیوں نہ ہو؟ اسلئے کہ ان سے شیطان نے دوستی کررکھی ہے (اور) ظاہر ہے کہ (وہ کہ شیطان جسکا یار ہوا،تو) اچھا یار نہیں ہوا، بلکہ (برا یار ہوا) جسکی دوستی نجات دینے والی نہیں ہوتی بلکہ ہلاک کردینے والی ہوتی ہے اور جب انکا دوست شیطان ہے اور یہ شیطان کی اطاعت کرنے والے ہیں، پھرانہیں شیطان اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے قریب کیسے جانے دیگا؟ ان بدبختوں کو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ۔۔۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ

اور کیا ہوجاتا ان پر اگر مان جاتے اللہ کو اور پچھلے دن کو اور خرچ کرتے جو روزی دی تھی اللہ نے انھیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

اور اللہ ان کو جاننے والا ہے●

انکا کیا نقصان ہوجاتا (اور کیا ہوجاتا ان پر)،کون سی مصیبت آجاتی (اگر) نبی برحق کی ہدایت کے مطابق (مان جاتے اللہ) تعالیٰ (کواور پچھلے دن) روز قیامت (کو)،اورتصدیق کرتے کہ اُس دن جزائے اعمال پائینگے (اور) بے غرض اور بے ریا (خرچ کرتے) اس میں سے (جو روزی دی تھی اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے فضل وکرم سے (انہیں)۔انکو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے (اور) یادرکھنا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ (انکو) اورانکے اقوال وافعال واحوال کواچھی طرح (جاننے والا ہے)۔۔چنانچہ۔۔ انکے موافق جزادیگا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا

بے شک اللہ نہیں ظلم فرماتا ذرہ بھر، اور اگر تم سے ایک نیکی ہو تو اس کو دوگنا کر دیتا ہے

وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

اور دیتا ہے اپنی طرف سے بڑا اجر●

(**بیشک اللہ**) تعالیٰ عدل فرمانے والا ہے، تو وہ ہرگز (**نہیں ظلم فرماتا**) کسی پر (**ذرہ بھر**) یعنی اس لال چیونٹی کی مقدار میں جو بہت غور کرنے کے بعد ہی نظر آتی ہے ۔۔یا۔۔ مٹی کے اس جزء کی مقدار میں جو آفتاب کی شعاعوں کے ساتھ کھڑکیوں سے گرتا ہے اور ہوا میں ظاہر ہو جاتا ہے، اسکا کوئی وزن نہیں ہوتا جسے تولا جا سکے۔

اس کلام کا حاصل درحقیقت ظلم نہ کرنے میں مبالغہ ہے، یعنی نہ تو 'ثواب معین' ذرہ برابر کم ہو جائیگا اور نہ ہی 'عذاب مقررہ' میں ذرہ برابر زیادتی ہوگی۔ اور بہت صحیح بات یہ ہے کہ منافق اور کافر کے عمل میں ذرہ برابر ظلم واقع نہ ہوگا۔ رہ گیا بندۂ مومن کا معاملہ تو اے ایمان والو! سنو۔۔۔

(**اور**) شکر کرو کہ تم پر خدا کا فضل ایسا ہے کہ (**اگر تم سے ایک نیکی ہو**) جاتی ہے (**تو**) اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے (**اس**) کے ثواب (**کو دوگنا کر دیتا ہے**)۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ثواب میں اپنی مشیت کے مطابق اضافے پر اضافہ فرماتا رہتا ہے (**اور دیتا ہے**) صرف اپنے فضل سے اس بندۂ مومن کے استحقاق کے بغیر (**اپنی طرف سے بڑا اجر**)، بڑی عطا، جسکی بڑائی اور عظمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

یہاں عطاء کو اجر فرمایا گیا۔۔ حالانکہ۔۔ عطاء کو اجر سے کوئی مناسبت نہیں۔۔ چونکہ۔۔ عطاء بالتبع اجر پر زائد عنایت ہوتی ہے، اسی لئے اُسے اجر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾

تو کیسا حال ہوگا جب کہ ہم لے آئے ہر امت سے گواہ، اور بنا دیا تم کو ان سب پر گواہ●

یہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اس گمان میں نہ رہیں، کہ وہ بارگاہِ عدالت خداوندی میں حاضر ہونے سے بچ جائینگے۔ اس بارگاہ میں انہیں حاضر ہونا ہی پڑیگا (**تو**) بروز قیامت (**کیسا حال ہوگا**) ان کافروں اور ظالموں کا (**جبکہ ہم لے آئے ہر امت سے**) انکے نبی کو ان پر (**گواہ**) بنا کر، تا کہ وہ

انکے برے عقائداور انکے برے اعمال پر گواہی دیں۔
۔۔چنانچہ۔۔ہر ہر نبی اپنی اپنی امتوں کے اقوال اور افعال پر گواہی دیگا۔ یہ سب کچھ رب علیم وخبیر کچھ اپنی معلومات کیلئے نہیں کریگا، بلکہ سارے اہل محشر پر اس حقیقت کو واضح فرمانے کیلئے کریگا، کہ جسکے تعلق سے جو خداوندی فیصلہ ہوگا، وہی عدل وانصاف کا تقاضہ ہے جس میں کسی پر ظلم کا شائبہ بھی نہیں۔
تو اس موقع پر اے محبوب! ہم نے آپکی عظمت شان اور محبوبیت کبریٰ کو بھی ظاہر کردیا (اور بنادیا تم کو ان سب) نبیوں (پر گواہ) کہ یہ سارے انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کے تعلق سے جو گواہی دی ہے اس میں یہ سچے ہیں۔
گواہ جسکے حق میں گواہی دیتا ہے اسکا محبوب ہوتا ہے، تو اسطرح رسول کریم کا محبوب الانبیاء ہونا ظاہر ہوگیا۔۔یا یہ کہ۔۔
'بنادیا تم کو ان سب کافروں پر گواہ'
۔۔۔جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی آپ انکے کفر اور غلط کاریوں کی گواہی دینگے، جیسے کہ خود انکے انبیاء نے انکے کفر اور غلط کاریوں کی گواہی دی۔ اس مقام پر یہ خیال رہے کہ انبیاء کرام کی صداقت اور کافروں کی سرکشی کی گواہی پہلے رسول کریم ﷺ کی امت پیش کریگی، جس پر کفار اعتراض کرینگے۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کی صداقت اور انکے لائق شہادت ہونے کی گواہی پیش فرمائینگے۔ چونکہ امت کی گواہی کی بنیاد وہ معلومات اور ارشادات ہیں، جو اپنے رسول کریم سے انہیں حاصل ہوئے، اسلئے انکی گواہی دراصل بالواسطہ رسول کریم ہی کی گواہی ہوئی، اسلئے یہاں صرف رسول کریم کو گواہ بنانے کا ذکر ہے۔
۔۔قیامت کا دن کفار کیلئے ہی خاص طور پر قیامت کا دن ہوگا۔۔۔

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ط
اس دن پسند کریں گے جنھوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، کاش برابر کردی جائے ان پر زمین۔
وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا ع ﴿۴۲﴾
اور نہ چھپاسکیں گے اللہ سے ایک بات●

(اس دن پسند کرینگے) اور آرزومند ہونگے (جنہوں نے کفر کیا اور) باوجود سمجھانے بجھانے

کے (رسول) کریم ﷺ (کی نافرمانی کی) اور دوسرے معاصی کا ارتکاب کرتے رہے یہاں تک کہ اپنے کفر پر ڈٹے رہے، کہ (کاش برابر کردی جائے ان پر زمین)، یعنی انہیں مُردوں کی طرح دفن کردیا جائے اور پھر اٹھایا نہ جائے۔۔یا۔۔انکو خاک کرکے مٹی میں ملادیا جائے۔اسوقت انکا حال یہ ہوگا (اور) یہ کیفیت ہوگی کہ (نہ چھپاسکیں گے اللہ) تعالیٰ (سے) اپنی (ایک) بھی (بات) اسلئے کہ اُن پر خود انکے اعضائے بدن گواہی دینگے۔تو اگر وہ سوچتے ہیں کہ زمین میں دفن ہوجانے سے۔۔یا۔۔مٹی میں مل کر مٹی ہوجانے سے، انکے کفروشرک اور معصیت ونافرمانی پر پردہ پڑ جائیگا، تو یہ انکی خام خیالی ہے۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا

اے وہ جو ایمان لا چکے! پاس نہ پھٹکو نماز کے جب تم نشہ میں مست ہو، یہاں تک کہ جان سکو

مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ

جو منہ سے کہو، اور نہ غسل واجب ہونے کی حالت میں، مگر مسافری کرتے ہوئے، یہاں تک کہ نہالو۔اور اگر تم ہوگئے

مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

بیمار، یا بر سر سفر، یا تم میں سے کوئی آیا استنجے سے، یا عورتوں کا لمس کیا،

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

پھر نہ پایا پانی کو، تو تیمم کرلو پاک مٹی سے، تو مسح کرلو اپنے چہروں کا

وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

اور اپنے ہاتھوں کا۔ بے شک اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے!) تم پر بھی لازم ہے کہ بارگاہِ علیم وخبیر میں مکمل ہوش وحواس کی سلامتی کے ساتھ حاضری دو اور ایسے وقت میں (پاس نہ پھٹکو نماز کے)، یعنی نماز کے ارادے سے جائے نماز تک بھی نہ جاؤ، (جب تم) شراب کے (نشے میں مست) اور گم کردہ ہوش (ہو)۔۔الغرض۔۔نماز پڑھنے کیلئے ہوش وحواس ضروری ہے اور وہ بھی اس قدر اور (یہاں تک کہ) تم (جان سکو جو) اپنے (منہ سے کہو)۔ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ اپنے کو جہاں تک ہوسکے شراب نوشی سے بچاتے رہو اور اگر۔۔بالفرض۔۔اُسے استعمال بھی کرو تو پنج وقتہ نماز کے اوقات کا خیال پیش نظر رہے۔ایسا نہ ہو کہ نشہ کے غلبہ کی وجہ سے حالت نماز میں تمہاری زبان اور تمہارا دماغ تمہارے قابو سے باہر ہوجائے اور۔۔

مثلاً: سورۃ کافرون کی تلاوت کے وقت اسمیں جو چار مقامات پرُلا' کا لفظ ہے اسکو پڑھنا ہی بھول جاؤ، جس سے آیات کریمہ کا مفہوم ہی کچھ کا کچھ ہو جائے۔

(اور) یونہی (نہ) قریب جاؤ نماز کے (غسل واجب ہونے کی حالت میں) یعنی جب تم ناپاک ہو اور غسل کی حاجت رکھتے ہو (مگر مسافری کرتے ہوئے)، جبکہ تم حالت سفر میں ہو اور تمہارے پاس پانی نہ ہو، اُس محل پر تیمّم سے نماز پڑھ سکتے ہو۔ سوا اسکے جنابت کی حالت میں اور کسی طرح پر نماز پڑھنا روا نہیں (یہاں تک کہ نہا لو)۔ حالت جنابت میں تو مسجد ہی میں جانا ممنوع ہے بشرطیکہ اسمیں کوئی گزرگاہ نہ ہو۔

(اور اگر تم) ناپاکی کی حالت میں (ہو گئے بیمار، یا بر سر سفر، یا تم میں سے کوئی آیا) چھوٹے یا بڑے (استنجے سے، یا عورتوں کا لمس کیا)۔

ایسا کہ بقول امام اعظم مرد و عورت کے عضو مخصوص بے حائل کے اِستادگی کے ساتھ مل گئے۔۔یا۔۔بقول امام شافعی مرد کے بدن کا کوئی بھی حصہ نامحرم، اجنبی عورت کے بدن سے مل جائے، خواہ شہوت کے ساتھ ملا ہو یا بے شہوت۔۔یا۔۔بقول امال مالک اور امام احمد اگر شہوت کے ساتھ ملا ہو، ان تمام صورتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

بہر تقدیر جب تم مذکورہ بالا صورتوں میں کسی صورت کی وجہ سے ناپاک اور بے وضو ہو گئے پھر نہ پایا پانی کو) کہ وضو کر سکیں۔ اب خواہ اسکی صورت یہ ہو کہ وہاں پانی ہی موجود نہ ہو۔۔یا۔۔ہو مگر اسے استعمال کی قدرت نہ ہو۔۔مثلاً: پانی کنویں میں ہے مگر نکالنے کا سامان نہیں۔۔یا۔۔کنویں کے پاس کوئی اژدھا بیٹھا ہے اسلئے وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں۔۔یا۔۔پانی تو قریب ہے اور استعمال کی قدرت بھی ہے، مگر مریض کو پانی استعمال کرنے سے موت کا خطرہ ہو۔۔یا۔۔کم از کم مرض کے بڑھ جانے کا گمان غالب ہو، وغیرہ وغیرہ، (تو) ان تمام صورتوں میں (تیمّم کر لو پاک مٹی) کی جنس (سے) قصد کر و زمین کے اجزاء میں سے کسی پاک جزء کا۔

۔۔چنانچہ۔۔اگر کوئی اس پتھر پر تیمّم کرے جس پر مٹی وغیرہ ہی نہ ہو، تو ایسے پتھر سے تیمّم جائز ہے۔

۔۔المختصر۔۔جب بوقت ضرورت تیمّم کرنا چاہو، (تو) پھر اس مٹی یا زمین کی جنس پر دونوں ہاتھ مار کر مسح کر لو اپنے چہروں کا)، یعنی پورے چہرے پر ہاتھ پھیر لو (اور) پھر دوبارہ اسی پتھر وغیرہ پر ہاتھ مار کر مسح کر لو (اپنے) دونوں (ہاتھوں کا) یعنی کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں تک، اپنے ہاتھوں کو پھیر لو۔ اے

ایمان والو! وضو نہ کر سکنے کی صورت میں تم کو جو تیمّم کی رخصت دی جارہی ہے اور تمہارے لئے آسانی کی صورت نکالی جارہی ہے، تو وہ اسلئے ہے کہ (**بیشک اللہ**) تعالیٰ (**معاف فرمانے والا**) اور تخفیف کرنے والا ہے اور (**بخشنے والا ہے**) ان لوگوں کو جو تیمّم کریں۔

اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی عادت کریمہ ہے کہ وہ خطا کاروں کی خطاء معاف کرتا ہے اور گنہگاروں کو بخش دیتا ہے۔۔الغرض۔۔وہ اپنی مخلوق کو آسانی بخشتا ہے، دکھ اور درد میں مبتلا نہیں کرتا۔ تو اے ایمان والو! اپنے مہربان بخشنے والے اور دکھ درد کو دور فرمانے والے رب کریم کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگے رہو اور اسکی نافرمانی سے اپنے کو بچاتے رہو اور ان سے دور رہو جو تم کو راہ مستقیم سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ یہ گمراہ کرنے والے خود تو گمراہ ہوتے ہی ہیں، دوسرں کو بھی گمراہ کر دینا چاہتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔اے محبوب!۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

کیا تم نے ان کی طرف نظر نہ کی جن کو ایک حصہ کتاب کا دیا گیا، خریدیں گمراہی کو

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

اور چاہیں کہ تم بھی گم کر دو راہ کو ●

(**کیا تم نے**) اور تم پر ایمان لانے والوں نے (**ان**) یہودی عالموں میں ریشہ دوانیوں۔۔نیز۔۔خود گمراہ رہنے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوششوں (**کی طرف نظر نہ کی**)، جو اسقدر مشہور و معروف تھیں کہ گویا وہ دیکھنے والوں کے سامنے ہیں (**جن کو ایک حصہ کتاب**) توریت (**کا دیا گیا**) اور انہیں علم کتاب عطا فرمایا گیا جس سے وہ بخوبی عظمت مصطفیٰ، صفات محمدیہ اور صداقت نبوت خاتم الانبیاء سے واقف ہو چکے، مگر اسکے باوجود انکی روش یہ ہے کہ (**خریدیں گمراہی کو**) ہدایت کے بدلے۔

انکی ہدایت یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی نعت اور صفت اچھی طرح جانتے تھے اور ضلالت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد انکار کر گئے۔۔الغرض۔۔جس ہدایت کا انہیں کتاب توریت میں حکم دیا گیا تھا اسکو پس پشت ڈالدیا اور توریت میں مذکور نبی کریم کے اوصاف حمیدہ پر پردہ ڈالنے لگے۔

۔۔الغرض۔۔وہ خود تو گمراہ تھے ہی (**اور**) اب اس پر طرہ یہ ہے کہ (**چاہیں**) اور خواہش کریں (**کہ تم بھی گم کر دو**) خدا تک جانے والی سیدھی (**راہ کو**)۔ انکے حسد اور عداوت کا یہ عالم ہے کہ وہ تم کو بھی ہدایت یافتہ دیکھنا نہیں چاہتے، مگر اے ایمان والو! تم فکر مت کرو۔۔۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآىِٕكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ٘ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو۔ اور کافی ہے اللہ یاور، اور کافی ہے اللہ مددگار●

(اور) مطمئن رہو اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے تمہارے) سارے (دشمنوں کو) جن میں یہ یہودی بھی ہیں جن کی نصرت کی تم توقع رکھتے ہو۔ بھلا یہ یہودی تمہاری مدد کیا کرینگے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کی حمایت اور اسکی نصرت تم کو دوسروں سے مستغنی کر دیگی۔۔ الغرض۔۔ یہود اور دوسرے کافروں کی دشمنی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ اور کافی ہے اللہ) تعالیٰ تمہارا (یاور) دوست اور تمہارے امور کا متولی، (اور کافی ہے اللہ) تعالیٰ تمہارا (مددگار) اور تم کو تمہارے دشمنوں کے شر سے بچانے والا۔ دشمنوں کی دشمنی اور اپنی قلبی عداوت کے اظہار کے بھی عجیب عجیب رنگ ہیں۔۔ چنانچہ۔۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

بعض یہودی الٹتے پلٹتے ہیں کلام کو اس کے مقام سے، اور کہتے ہیں

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا

کہ سنا اور مانا نہیں، اور تم سنو تمہاری نہ سنی جائے، اور راعنا اپنی زبانوں کو اینٹھ کر، اور

فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ

دین میں چوٹ کرنے کیلئے۔ اور اگر انھوں نے کہا ہوتا کہ ہم نے سنا اور مانا، اور ہماری سنیئے اور ہم پر نظر کرم کیجئے،

خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰـكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

تو بہتر ہوتا انکے لئے اور بہت ٹھیک۔ لیکن ملعون کر دیا انکو اللہ نے انکے کفر کی وجہ سے، تو مانتے ہی نہیں مگر کچھ کچھ●

(بعض) دین یہود پر متدین ہو جانے والے اور اس پر راسخ ہو جانے والے (یہودی الٹتے پلٹتے ہیں کلام کو اسکے مقام سے)، کبھی اوصاف محمدیہ میں من مانی تبدیلی لاکر، کبھی توریت کے الفاظ میں اپنی طبیعت کے موافق تاویل وتحریف کر کے، کبھی آیت رجم وغیرہا بعض احکام پر پردہ ڈال کر، اور کبھی رسول مقبول کے کلام کی غلط ترجمانی کر کے، یعنی آپکا ارشاد کچھ ہوتا، مگر وہ اسکو بدل کر کچھ کا کچھ کر دیتے اور پھر دوسروں کو آپ کا کلام کہہ کر سناتے۔۔ المختصر۔۔ یہ یہود خود آپ ﷺ کے کلام کو اسکے موقع سے بدل ڈالتے۔

--چنانچہ--جب آپ ان سے کچھ ارشاد فرماتے ہیں تو یہ عجیب روش اختیار کرنے لگتے ہیں (اور) از راہِ عناد برملا اس بات کا اظہار کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے تو آپکی بات سن لی، لیکن ہم آپکے حکم کو تسلیم نہیں کرتے، لیکن ایمان والوں کے روبرو برجستہ ایسا کہہ سکنے کی ہمت نہ ہو سکنے کی وجہ سے --نیز--اپنے نفاق کی پردہ پوشی کی مصلحت سے صرف زبان سے تو (کہتے ہیں کہ) ہم نے آپکا ارشاد (سنا اور) دل میں سوچتے ہیں کہ سن تو لیا لیکن (مانا نہیں) یعنی قبول نہیں کیا۔اور ظاہر ہے تسلیم و قبول یہ تو دل کی کیفیت ہے--الغرض--انکا ظاہر اور ہے باطن اور ہے--چنانچہ--وہ اپنی زبان قال سے تو **اَطَعۡنَا** لیکن زبان حال سے **عَصَيۡنَا** کہتے ہیں۔

یہودیوں کی بھی عجیب روش تھی، وہ بارگاہ رسول ﷺ میں ذوالوجہین اور پہلودار کلام پیش کرتے، جس میں ایک رخ 'مدح' کا ہوتا تو دوسرا رخ 'ذم' کا۔ایسے کلمات سنا کر بظاہر مدح کا اظہار کرتے، لیکن دل میں دوسرے معنی کے آرزومند رہتے۔انکا مقصود نبی کریم ﷺ کی مذمت ہوتی اور مدح کے رخ کو صرف نفاق کے پردے کے طور پر استعمال کرتے، کیونکہ وہ آپ ﷺ کی ہیبت وحشمت اور مومنین کی غیرت وحمیت کے خطرہ سے صریح سب وشتم کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔

--چنانچہ--انہوں نے آپکی بارگاہ میں 'اِسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ' کا لفظ استعمال کیا، اسکا ایک معنی یہ ہوا کہ 'سن لے اے مخاطب کوئی ناگوار اور تکلیف دہ بات تمہیں سننے میں نہ آئے'۔ ظاہر ہے کہ یہ دعائیہ کلمہ مدح کا پہلو لئے ہوئے ہے، لیکن یہ سنانے والوں کا اصل مقصود نہیں بلکہ وہ اس کلمے کے ذم کے پہلو کو اپنے دل میں رکھ کر مذمت کی نیت سے بولتے ہیں۔اس کلمے میں ذم کے پہلو مندرجہ ذیل ہیں۔

﴿۱﴾--اے مخاطب تو سن لے---لیکن خدا کرے تم کسی کی بات نہ سن سکو---بوجہ بہرہ پن کے--یا--بوجہ موت کے، یعنی تمہارے حق میں ہماری دعا ہے کہ تمہیں کسی کی بات کا سننا نصیب نہ ہو۔اور جب سنو گے ہی نہیں تو بولو گے کیا؟--المختصر--اس جملے میں دبے لفظوں میں آپ ﷺ کے گونگے، بہرے ہو جانے اور وفات پا جانے کی آرزو کا اظہار ہے، تو یہ کلمہ بد دعائیہ ہوا۔

﴿۲﴾--اے مخاطب تو جو کہتا ہے اس کو تو ہی سن اور قبول کر۔اب رہ گیا تیرا یہ دعویٰ کہ تو جو کہتا ہے وہ وحی الٰہی ہے جسکو خدائے تعالیٰ نے تمہیں بالواسطہ--یا--بلاواسطہ تم تک پہنچایا

ہے اور تمہیں سنایا ہے اور تم خدا کے سنائے ہوئے ہو۔۔تو یہ۔۔ہمیں تسلیم نہیں، بلکہ خدا نے تم کو کچھ بھی نہیں سنایا اور نہ ہی اپنا رسول بنایا۔اس پہلو میں رسالت محمدی ہی سے انکار ہے۔

ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کے گونگا، بہرا ہو جانے۔۔یا۔۔وفات پا جانے اور رسالت محمدی کے خدائی ہدایات سے بے تعلق ہو جانے کی صورت میں نبی کریم ﷺ کی کون سنے گا اور آپ ﷺ کسی کو کیا سنائیں گے؟۔

تو اے محبوب! یہودی لوگ یہی تو چاہتے ہیں کہ وہ اپنے ان باطل خیالات اور فاسد مزعومات کو اپنے لوگوں کے دلوں میں راسخ کر دیں تو انکی منافقانہ (اور) شاطرانہ باتوں کو (تم) تو (سنو)، سن (تمہاری) اپنے رب کی طرف سے سنی ہوئی بات (نہ سنی جائے) اور لوگ خدائی ہدایت کو جاننے سے محروم رہیں۔

ان یہودیوں کی شاطرانہ روش کا عالم یہ تھا کہ جب انہوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بارگاہِ رسول میں رَاعِنَا۔۔یعنی۔۔'حضور ہماری رعایت فرمائیں اور براہ کرم دوبارہ ارشاد فرمائیں' ۔۔کہتے سن لیا، تو انہیں اس لفظ کو استعمال کرنے کا موقع مل گیا اور انہیں ایک طرح سے اپنی ذہنی بے راہ روی اور قلبی کثافت کے اظہار کیلئے ایک پردہ میسر آ گیا۔۔چنانچہ۔۔جو فعل زبان عرب میں 'مراعات' سے مشتق ہے اُسے اپنی زبان کے لحاظ سے 'رعونیت' کی طرف پھیر دیا ۔۔یا۔۔زبان عرب کی فصاحت کو نظر انداز کر کے بطور لحن 'عین' کے زیر کو دراز کر کے 'راعینا' کہنے لگے اور اسطرح در پردہ آنحضرت ﷺ کی مذمت کرنے لگے اور آپ کو بطور طعن و تعریض گائے اور بکری کا چرواہا کہنے لگے۔بہر تقدیر وہ گستاخی پر اتر آئے۔۔۔

(اور راعنا) بولنے لگے، وہ بھی (اپنی زبانوں کو اینٹھ کر) تاکہ وہ 'راعینا' بن جائے یہ سب نبی کریم ﷺ کی توہین (اور دین میں چوٹ کرنے کیلئے) کرتے تھے جس سے انکا مقصود یہ تھا کہ جس دین کا پیغمبر ایک چرواہا ہو تو اس دین کا کیا حال ہوگا؟۔۔حالانکہ۔۔وہ خود اس بات کے مقر تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چرواہے کا کام کرتے تھے۔

ان خفیف الحرکاتیوں کی بجائے سمجھ سے کام لیا ہوتا (اور اگر انہوں نے کہا ہوتا کہ ہم نے) آپکے حکم کو (سنا اور مانا) یعنی آپکے حکم کی اطاعت کی (اور ہماری سنئے اور ہم پر نظر کرم کیجئے، تو) آنحضرت پر ہنسنے اور دین اسلام پر طعن و تعریض کرنے سے (بہتر ہوتا ان کیلئے اور بہت ٹھیک) اور سیدھی بات انکی۔(لیکن) وہ ایسا کیسے کر سکتے تھے اسلئے کہ (ملعون کر دیا) یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا (انکو

اللہ) تعالیٰ (نے انکے کفر کی وجہ سے)۔رحمت الٰہی سے دوری دنیا ہی میں انکے کفر کی سزا ہے۔

خیال رہے کہ نبی کی توہین اتنا بڑا کفر ہے کہ توہین کرنے والے سے توبہ کی توفیق ہی چھین لی جاتی ہے۔

(تو مانتے ہی نہیں مگر کچھ کچھ) جن سے نبی کی توہین نہیں ہوئی ہے۔۔مثلاً: حضرت عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم۔

اس مقام پر بارگاہِ نبوی کے آداب سے متعلق ایک اہم ضابطہ سامنے آ گیا کہ اگر ایک کلمہ کے کئی معنی ہوں۔۔یا۔۔کوئی جملہ پہلودار ہو، اس میں تو کچھ تو نبی کریم ﷺ کی شایان شان ہوں اور کچھ آپکی شان کے لائق نہ ہوں اور ان سے آپکی تخفیف شان ہوتی ہو، تو نبی کی بارگاہ میں اور آپکی ذات کیلئے انکا بولنا اسکے لئے بھی حرام ہے جسکی نیت میں کوئی فتور نہ ہو اور اسکا نقطہء نظر اور مقصود اچھا پہلو اور اچھا معنی ہی ہو۔۔تاکہ۔۔دشمنوں کیلئے اسکے برے پہلو کی نیت سے اسے بولنے اور در پردہ توہین کرنے کا مکمل سدباب ہو جائے۔

اسی لئے جب یہودیوں نے لفظ رَاعِنَا بُری نیت سے بولنا شروع کیا، تو صحابہ کرام کو بھی اس لفظ کے استعمال سے روک دیا گیا، حالانکہ وہ اچھی ہی نیت سے استعمال کرتے تھے۔ان نفوس قدسیہ والوں سے بُری نیت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔۔تو۔۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ ءَامِنُوا۟ بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن

اے وہ جن کو کتاب دی جا چکی! مان جاؤ جو ہم نے اتارا تصدیق کرنے والا اس کا جو تمہارے پاس ہے،

قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهَآ أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا

اس سے پہلے کہ ہم بگاڑ دیں چہروں کو، تو ان کو پلٹ دیں ان کی پشت پر یا ملعون کر دیں ان کو، جس طرح

لَعَنَّآ أَصْحَٰبَ ٱلسَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾

ملعون کر دکھایا سبت والوں کو۔ اور حکم خدا ہو کر رہتا ہے●

(اے وہ) لوگ (جن کو کتاب دی جا چکی) ہے اور جو ان کتابوں سے بخوبی جان چکے ہیں کہ دین اسلام برحق ہے اور نبی کریم ﷺ اپنی دعوت میں سچے ہیں، تو اب انکو زیب نہیں دیتا کہ وہ اسلام قبول نہ کریں اور ضد اور عناد کی بنیاد پر اپنے کفر پر اصرار کریں۔۔نیز۔۔عبداللہ بن صوریا، کعب بن اشرف اور ان جیسے دیگر علمائے یہود کی طرح دین اسلام کی حقانیت کے تعلق سے خود اپنی کتابوں کے

ارشادات سے بالکلیہ لاعلمی کا اظہار کریں۔

--الختصر--اے اہل کتاب! سمجھ سے کام لو اور (مان جاؤ جو ہم نے اتارا) رسول عربی ﷺ پر اور جو (تصدیق کرنے والا) ہے (اس) اصل کتاب (کا جو تمہارے پاس ہے) یعنی توحید، رسالت، مبداء، معاد اور بعض احکام شرعیہ میں تورات کے موافق ہے (اس سے پہلے کہ ہم بگاڑ دیں) بعض (چہروں کو، تو انکو پلٹ دیں انکی پشت پر) اور چہروں کے نقوش مٹا دیں، یعنی آنکھوں اور ناک کی بناوٹ کے ابھار کو دھنسا کر چہرے کو بالکل سپاٹ بنا دیں--یا-- چہرے کو گُدی کی جانب لگا دیں۔

یہ دنیا میں بھی ہوسکتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ جسکے ساتھ جہاں چاہے اور جو چاہے کرے، وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔ اس آیت کا بطورِ اشارہ یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ:---'اے اہل کتاب قرآن مجید پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ تم کو ہدایت سے پھیر کر گمراہی کی طرف لوٹا دیا جائے'---اور پھر اسطرح تمہارا ایمانی چہرہ بگڑ کر الٹ پلٹ ہو جائے اور اپنا حسن و جمال کھو بیٹھے۔

(یا ملعون کردیں ان) بگڑے ہوئے چہرے والوں (کو)، یعنی اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیں--نیز--انہیں بندر وخنازیر بنا کر رسوا کر دیں (جس طرح ملعون کر دکھایا) گزشتہ دور میں (سبت والوں کو) جنہوں نے حکم الٰہی سے انحراف کیا اور ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار میں مشغول ہوئے--چنانچہ--وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے اور انہیں بندر وخنزیر بنا کر رسوا کر دیا گیا--ہاں--ان میں سے وہ بعض لوگ جن کو دولت ایمان نصیب ہوگئی وہ اس وعید مذکور سے محفوظ ہوگئے، کیونکہ ہر وعید کا وقوع اسی کیلئے ہے جو ایمان والا نہ ہو۔ ایمان والا ہو جانے کی صورت میں وہ وعید اس ایمان والے کیلئے نہیں رہ جاتی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ایک ہے کفار پر لعنت، دوسری ہے مومنین پر انکے کسی عمل کی خرابی کی وجہ سے لعنت۔ تو پہلی لعنت کا معنی یہ ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور کر دیا جائے اور دوسری لعنت کا معنی یہ ہے کہ مومنین کو مقربین اور ابرار کے درجہ سے دور کر دیا جائے۔

--الحاصل--اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وعید نازل فرمائی جاتی ہے (اور) جو (حکم خدا) کا ہوتا ہے وہ واقع (ہو کر رہتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب ضرور بالضرور ہونے والا ہے۔ تو اے ایمان والو!

تمہیں ایسی وعید سے ڈرنا چاہئے اور ایمان پر ثابت قدم رہنا چاہئے اور ہر وقت توبہ و استغفار میں مشغول رہنا چاہئے تا کہ تمہارا وہ حشر نہ ہو جو اصحاب سبت کا ہوا۔

اس مقام پر، بحر بن عمر، نعمان بن روفی جیسے بعض یہودی علماء کی یہ خوش فہمی:۔۔ ’کہ وہ بچوں کی طرح مرحوم و مغفور ہیں۔ انکے رات کے گناہ دن میں، اور دن کے گناہ رات میں بخش دیئے جاتے ہیں‘۔۔یا۔۔تو انکی کوتاہ فکری اور لاعلمی کا ثمرہ ہے۔۔یا پھر۔۔انکی ہٹ دھرمی، گمراہی کا نتیجہ ہے۔ انکی نظر اپنے اُن صغائر وکبائر پر تو ہے، جو کفر و شرک سے نیچے درجے میں ہیں۔۔مگر۔۔وہ اپنی گوسالہ پرستی اور حضرت عزیر کی عبادت و پرستش اور انکے سوا دوسرے کفری نظریات و اعمال کی سنگینی کو سمجھنے سے قاصر ہیں، جنکی وجہ سے انکی مغفرت ہو ہی نہیں سکتی۔ تو اے میرے محبوب! انہیں واشگاف انداز میں سنا دو کہ۔۔۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

بے شک اللہ نہ بخشے گا اس کے ساتھ کفر کیے جانے کو، اور بخش دے گا اس سے کم کو جسے چاہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

اور جو شریک ٹھہرائے اللہ کا، تو بے شک اس نے بڑے گناہ کی تہمت لی●

(بیشک اللہ) تعالیٰ **(نہ بخشے گا اسکے ساتھ کفر کیے جانے کو)**، کسی غیر خدا کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح واجب الوجود، ازلی، ابدی اپنی ہر ہر صفت میں مستقل بالذات، غنی علی الاطلاق اور مستحق عبادت سمجھنا ایسا عظیم کفر ہے، جس سے بڑھ کر کوئی کفر نہیں۔ یہ وہ کفر ہے جسکی تعبیر شرک سے بھی کی جاتی ہے اور اس کفر والے کو مشرک بھی کہا جاتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔جسکی موت کفر پر ہو جائے، کفر کی نوعیت کچھ بھی ہو، وہ اس لائق ہی نہیں رہ جاتا کہ مغفرت خداوندی اسکی طرف متوجہ ہو سکے، بلکہ کفار و مشرکین کو انکے کفر و شرک کی سزا کے علاوہ انکے گناہوں کی سزا بھی بھگتنی پڑیگی۔ جیسے کہ انکے کفر و شرک کو معاف نہیں کیا جائیگا، ایسے ہی انکے صغائر و کبائر بھی معاف نہیں ہونگے۔

رہ گئے وہ ایمان والے جو کفر و شرک سے بچتے رہے تو معاف کر دیگا اللہ تعالیٰ **(اور بخش دیگا)** کفر و شرک کے سوا **(اس سے)** یعنی کفر و شرک سے **(کم)** درجہ رکھنے والے جملہ صغائر و کبائر **(کو جسے**

چاہے)۔جس گناہ کو چاہے اور جس ایمان والے کیلئے چاہے اور جب چاہے۔۔الختصر۔۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کفر وشرک کی لعنت سے بچا کر انہیں کفر وشرک کی سزا کے عذاب سے بچالیا ہے، ایسے ہی انہیں کفر وشرک کے ماسوا دوسرے گناہوں کے عذاب سے محفوظ فرما کر مغفرت سے نوازیگا، تو اچھی طرح جان لو (اور) یادرکھو کہ (جو) اس کفر عظیم کا مرتکب ہو اور (شریک ٹھہرائے اللہ تعالیٰ (کا تو بیشک اس نے بڑے گناہ کی تہمت لی)۔اسکے سبب وہ بڑے عذاب کا مستحق ہو جائیگا۔اور ایمان والوں کے ساتھ مخصوص یہ مغفرت، تو یہ صرف اسکے فضل واحسان کی وجہ سے ہوگی، عبادت و عرفان کے ذریعہ سے نہیں۔

اس مقام پر جس بخشش کا ذکر ہے اس سے مراد وہی مغفرت ہے جو عذاب سے پہلے ہی رب کریم اپنے فضل وکرم سے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ کیونکہ عذاب کے بعد تو سبھی گنہگاروں کو بخش دیگا۔ جب یہودیوں نے سنا کہ کفر وشرک نہ بخشا جائیگا، تو انکو بڑی وعید اور سخت تہدید حاصل ہوئی تو وہ اپنے شرک ہی سے منکر ہو کر بولے، کہ ہم تو مشرک نہیں ہیں بلکہ ہم تو خدا کے خاص بندے اور اسکے مقرب ہیں۔ ہمارے باپ دادا ممالک نبوت کے مالک اور مسالک فتوت یعنی سخاوت، مروت اور کرم کے راستوں کے سالک تھے اور ہم انہی کے طور پر معزز اور مکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خودستائی ناپسند فرمائی اور ارشاد فرمایا، اے محبوب!۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

کیا تم نے نہ دیکھا ان کی طرف جو مقدس جتائیں اپنے کو، بلکہ اللہ پاکیزہ بنا دیتا ہے جس کو چاہے،

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے دھاگ بھر●

(کیا تم نے) اپنے دیدۂ بصیرت سے (نہ دیکھا ان) لوگوں (کی طرف جو) اپنی مفاخرت اور بڑائی کی رو سے (مقدس جتائیں اپنے کو) اور خود ہی اپنی تعریف وتوصیف کرنے لگیں اور اپنے کو بے گناہ بتانے لگیں۔ یہ سارے نادان لوگ یا تو اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکے ہیں۔۔یا۔۔سمجھ کر نا سمجھ بنے ہوئے ہیں، کہ کسی کو خود اپنے تئیں اپنے کو پاک وصاف کہنے کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔۔الختصر۔۔کوئی خود

سے پاکیزہ نہیں بنتا (بلکہ اللہ) تعالیٰ (پاکیزہ بنادیتا ہے جسکو چاہے)۔ اُسے پاکیزگی کی راہ پر چلنے اور ہمیشہ اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔۔یا۔۔ پاکیزگی کی صفت کے ساتھ اسکا ذکر فرماتا ہے اور اسکی تعریف کرتا ہے جسے اسکا مستحق جانتا ہے۔

۔۔لہٰذا۔۔جولوگ اپنی بے جا خودستائی کرتے ہیں اور بگمان خویش، اپنے کو پاک وصاف سمجھتے ہیں اور پھر اسکا برملا اظہار کرتے ہیں، وہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے عقاب وعذاب کا مستحق بنارہے ہیں (اور وہ ظلم نہ کئے جائینگے دھاگ بھر) اس باریک تاگے کے قدر جو خرمے میں ہوتا ہے۔۔یا۔۔ مَیل کی اس بتی کے برابر جو ملنے سے دوانگلیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جولوگ اپنے طور پر اپنے کو ناحق پاک بتاتے ہیں اسکی عقوبت کھینچیں گے۔ اور انکی مکافات اور پاداش میں ذرّہ برابر بھی کمی نہ ہوگی۔۔۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

دیکھو کیسا طوفان برپا کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ کا، اور یہ کافی کھلا گناہ ہے●

(دیکھو) ان یہودیوں کو کہ عناد کی وجہ سے (کیسا طوفان برپا کرتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ کا) جو کہتے ہیں کہ خدا ہمارے دن رات کے گناہ بخش دیتا ہے۔ (اور یہ) افتراء اور جھوٹ انکا (کافی) اور (کھلا) ہوا (گناہ ہے) جو کسی پر پوشیدہ نہ رہیگا۔

اس مقام پر یہ خیال رہنا چاہئے کہ جس خودستائی کو ارشاد مذکور میں ممنوع ومعیوب قرار دیا گیا ہے یہ اس وقت ہے جب انسان کسی پر اپنا تفوق اور برتری ظاہر کرنے کیلئے اپنی بڑائی بیان کرے۔۔لیکن۔۔ جب اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار مقصود ہو۔۔یا۔۔ کسی عیب اور الزام سے اپنی برأت بیان کرنا مطلوب ہو۔۔یا۔۔ کسی جگہ اپنی پاکدامنی کا اظہار کرنا مقصود ہو۔۔یا۔۔ اپنا حق اور اپنا مقام حاصل کرنے کیلئے اپنے محامد بیان کرنے مقصود ہوں، تو پھر اپنے محامد، اپنے فضائل، اپنی برأت اور اپنی پاکیزگی کو بیان کرنا جائز ہے۔

یہودیوں کی روش بالکل اس سے الگ تھی۔ وہ صرف دوسروں پر اپنی برتری اور اپنا تفوق جتانے کیلئے اپنی بڑائی بیان کیا کرتے تھے۔ ارشاد مذکور میں اسی طرح کی خودستائی کو معیوب وممنوع قرار دیا گیا ہے۔

اے محبوب! یہ اپنی بے جا خودستائی کرنے والے بھی عجیب طرز عمل والے لوگ تھے۔۔تو۔۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ

کیاتم نے نہ دیکھاان کی طرف جن کو کتاب سے ایک حصہ دیا گیا وہ مانتے ہیں بت

وَالطَّاغُوۡتِ وَيَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهۡدٰى

اور شیطان کو، اور کہتے ہیں جنھوں نے کفر کیا وہ راہ راست پر ہیں،

مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا ﴿۵۱﴾

ان سے جو ایمان قبول کر چکے●

(کیاتم نے نہ دیکھا) اور توجہ نہ فرمائی حی بن اخطب وکعب بن اشرف جیسے (ان) یہودیوں (کی طرف جن کو کتاب) توریت کے علم (سے ایک حصہ دیا گیا) جو ایک جماعت کے ساتھ مکہ شریف آئے اور کفار مکہ کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی پلاننگ کرنے لگے اور کافروں کو جنگ پر آمادہ کرنے لگے، تو کافروں نے کہا کہ ہمارے نزدیک تم لوگ بھروسے کے لائق نہیں، اسلئے کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور محمد ﷺ بھی اہل کتاب ہیں، تو تم دونوں ایک دوسرے سے نسبتاً زیادہ قریب ہو، تو ہوسکتا ہے کہ عین وقت میں تم انکے ساتھ ہو جاؤ۔

اب اگر تم ہم کو اپنی طرف سے مطمئن کرنا چاہتے ہو تو اسکی شکل صرف یہی ہے کہ تم ہمارے بتوں کا سجدہ کرو۔۔ چنانچہ۔۔ انہوں نے بتوں کا سجدہ کر کے ظاہر کر دیا کہ کفار مکہ کی طرح (وہ) بھی (مانتے ہیں بت اور شیطان کو)۔ انکا بتوں کو سجدہ کرنا اور اپنے ان اعمال میں ابلیس کی اطاعت کرنا، دونوں باتیں ظاہر کر دیتی ہیں کہ وہ 'جبت اور طاغوت' پر ایمان لانے والے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ کفار کو اعتماد میں لینے کیلئے اس عمل کو باطل سمجھتے ہوئے بطور نفاق انجام دیا ہو۔۔ بلکہ۔۔ وہ واشگاف انداز میں اقرار کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) ان لوگوں کے بارے میں (جنہوں نے کفر کیا وہ) سب زیادہ (راہِ راست پر ہیں ان سے جو ایمان قبول کر چکے) یعنی رسول کریم ﷺ اور انکے اصحاب کے ایمان و اخلاق سے کہیں زیادہ بہتر کافروں کا ایمان و کردار ہے۔ اسی طرح کی بکواس کرنے والے یہ۔۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ يَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِيۡرًا ﴿۵۲﴾

وہ ہیں جن کو ملعون بنادیا اللہ نے، اور جس کو ملعون کر دے اللہ، تو نہ پاؤ گے اس کیلئے کوئی مددگار●

(وہ) لوگ (ہیں جن کو ملعون بنادیا) اور اپنی رحمت سے دور کر دیا (اللہ) تعالیٰ (نے)،

(اور) ظاہر ہے کہ (جس کو ملعون کردے اللہ) تعالیٰ (تو نہ پاؤ گے اسکے لئے کوئی مددگار) جو اس سے عذاب الٰہی دفع کردے۔

یہود کو یہ زعم تھا کہ وہ اپنے غیروں کے بہ نسبت سلطنت اور نبوت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اسی سبب سے عرب کی متابعت سے ننگ وعار رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ آخر نبوت، سلطنت اور حکومت کا منصب ہم ہی کو پہنچے گا۔۔۔ان سے سوال کرو کہ۔۔۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾

کیا انہیں کا کوئی حصہ ملک میں ہے؟ پھر تو اب نہ دیں گے لوگوں کو کچھ بھی●

(کیا) صرف (انہیں کا) کسی اور دوسرے کا نہیں (کوئی حصہ) دنیا کے (ملک میں ہے) جہاں تک استحقاق کی بات رہی تو انکے لئے نہ ہی دنیا کے ملکوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ہی آخرت میں۔ یہ صرف انکا گمان ہے کہ اسطرح جدوجہد سے انہیں تمام ملک پر قبضہ جمانے کا موقع مل جائیگا۔ اور اگر۔۔بالفرض۔۔ یہ ملک و مال سے بہرہ مند ہوں بھی (پھر تو) اپنے کمال بخل اور خساست طبع کی وجہ سے انکی روش یہ ہوگی کہ (اب) یعنی بہرہ مند ہو جانے کے بعد بھی (نہ دینگے لوگوں کو کچھ بھی) یعنی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی کو کچھ نہیں دینگے۔ اور جب وہ بادشاہ ہو کر بھی کسی کو ایک حقیر چیز اور معمولی چھلکا دینے کے بھی روادار نہیں، تو پھر وہ بحالت غربت اور تنگدستی کیا کسی کو کچھ دینگے۔۔المختصر۔۔کافروں کا نبی کریم ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہ کرنا یا تو انکی اپنی برتری کے احساس کا نتیجہ ہے۔۔۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ

یا حسد کر رہے ہیں لوگوں کی جو دے رکھا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے۔ تو

اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

ہم نے تو ابراہیم کی نسل کو کتاب اور حکمت دی اور ان کو بڑا ملک دیا●

(یا) پھر وہ لوگ (حسد کر رہے ہیں) انعام یافتہ عظیم المرتبت یعنی پیغمبر اسلام اور ان پر ایمان لانے والے (لوگوں کی)۔ وہ لوگ (جو) اس شان کے ہیں کہ (دے رکھا ہے انکو اللہ) تعالیٰ (نے اپنے فضل سے) نبوت، کتاب اور اعزاز دین۔ اسطرح اپنے محبوب بندوں کو اپنے فضل خاص سے

مشرف کرنا کوئی نئی چیز نہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ نے (تو) فرمادیا کہ (ہم نے تو ابراہیم کی نسل)، یوسف علیہ السلام اور داوٗد علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام (کو کتاب) توریت، زبور، انجیل (اور حکمت دی) یعنی حلال و حرام کا علم دیا (اور) مذکورہ امور کے علاوہ (ان) میں بعض حضرات یعنی حضرت یوسف، حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہم السلام (کو) بہت (بڑا ملک دیا) جسکا اندازہ غیر معلوم ہے۔تو یہ حسد کرنے والے اگر نبوت و کتاب کی وجہ سے پیغمبر اسلام سے حسد کرتے ہیں، تو انہیں چاہئے کہ انبیاء سابقین سے بھی انہیں امور کی وجہ سے حسد کریں۔۔الغرض۔۔انبیاء سابقین پر ایمان لانا اور پیغمبر اسلام پر ایمان نہ لانا، یہ انکی کمال درجہ کی ضد، ہٹ دھرمی اور بغض وعناد ہی کا ثمرہ ہے۔۔۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

تو کوئی توان کو مان گیا، اور کوئی باز رہا۔اور جہنم کافی ہے دہکتی آگ●

(تو) یہودیوں میں سے (کوئی تو) نبی آخرالزماں کی نبوت اور ان پر ایمان لانے کے تعلق سے آل ابراہیم نے جو ہدایت فرمائی تھی (ان) جملہ ہدایات (کو) مان کر نبی آخرالزماں کو (مان گیا) اور آپ ﷺ پر ایمان لایا (اور کوئی) آپ پر ایمان لانے سے (باز رہا) اور اپنے نبی کی ہدایت و حکم کا پاس ولحاظ نہیں کیا۔ایسوں کو دنیوی عذاب کی عجلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ ان کیلئے آخرت کا عذاب (اور جہنم کافی ہے) اور وہ بھی کوئی معمولی عذاب نہیں ہے بلکہ (دہکتی) ہوئی (آگ) ہے جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔اس مقام پر کفار کان کھول کر سن لیں کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ

بیشک جنھوں نے انکار کردیا ہماری آیتوں کا، جلد پہنچادیں گے ہم ان کو جہنم، کہ جب پک گیا ان کا چمڑا،

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾

توبدل دیا ہم نے دوسرا چمڑا، تاکہ چکھیں عذاب کو۔ بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے●

(بیشک جنھوں نے انکار کردیا ہماری آیتوں کا) اور حق چھپایا۔۔نیز۔۔قرآن اور نبی کریم ﷺ کے معجزات پر ایمان نہ لائے تو (جلد پہنچادیں گے ہم انکو جہنم) میں، یعنی آگ میں۔کیسی آگ؟ (کہ

جب پک گیا) اور جل گیا اس میں (انکا) جسمانی (چمڑا، تو بدل دیا ہم نے دوسرا چمڑا)۔ یہ بدل دینا ہر ساعت میں سو بار ہوگا اور دن رات میں ستر ہزار بار کھالیں بدلی جائینگی۔

اس مقام پر بدلنے کے تعلق سے تحقیق یہ ہے کہ اس سے جلن لے کر پھر اسکو پہلی حالت پر لائینگے، تو یہ تبدیلی وصف کی ہے، اصل کھال کی تبدیلی نہیں۔ اور اس حالت کی تجدید عذاب کرنے اور عذاب محسوس ہونے کے واسطے ہے، یعنی ہر لحظہ انکی کھال کو تازہ کردینگے۔

(تاکہ چکھیں عذاب کو)۔ اور یہ عذاب چکھنا ہمیشہ ہوگا (بیشک اللہ) تعالیٰ (غالب) ہے۔ کوئی اسے عذاب کرنے سے منع نہ کر سکے گا۔ اور (حکمت والا ہے) وہ بخوبی جانتا ہے کہ دوزخیوں کی عقوبت کیسے کی جائے جو اسکی حکمت کے موافق ہو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ اسلوب ہے کہ وعد کے بعد وعید اور وعید کے بعد وعد کا ذکر فرماتا ہے۔ اسلئے پہلے آخرت میں کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا اور اب آخرت میں مومنوں کے ثواب کا ذکر فرمارہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے کہ۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور جو ایمان لائے اور نیک کام کیے، انھیں بہت جلد داخل کریں گے ہم جنت میں، کہ بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ

جن کے نیچے نہریں، رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیش۔ ان کی اس میں پاکیزہ بیبیاں ہیں۔

وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝

اور داخل کریں گے ہم ان کو سایہ گستر سایہ میں●

(اور جو) محمد ﷺ، قرآن حکیم اور تمام آیات و معجزات پر (ایمان لائے) اور صدق دل سے ان سب کی تصدیق کی (اور) ساتھ ہی ساتھ (نیک کام کئے) یعنی جن اعمال صالحہ کیلئے حکم دیئے گئے ہیں انہیں بجالائے (انہیں بہت جلد داخل کرینگے ہم جنت میں کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں) اس میں انکا قیام عارضی نہیں ہوگا، بلکہ (وہ رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیش) نہ تو وہ اس سے نکالے جائینگے اور نہ ہی ان پر موت آئیگی۔ (انکی اس میں پاکیزہ بیبیاں ہیں) جو دنیوی عورتوں کے حالات سے پاک وصاف ہونگی، یعنی امور بدنیہ کہ جس سے طبیعت کو نفرت ہو۔۔ مثلاً: حیض

ونفاس وغیرہ اور عادات وخصائل قبیحہ کہ جن سے جی اکتا جائے۔۔مثلاً: حسد اور بغض وکینہ وغیرہ سے منزہ اور پاکیزہ ہونگی۔(**اور داخل کرینگے ہم انکو**) راحت وفرحت کے (**سایہ گستر سایہ میں**)۔یعنی ایسے خوشگوار ماحول میں ہونگے کہ جہاں ملال کا سوال ہی نہیں ہوتا اور وہ سائے بادلوں کے نہیں بلکہ باغات کے گھنے دار درختوں کے ہونگے، جنہیں سورج کی کرنیں نہیں چھوسکیں گی اور نہ ہی وہ مٹ سکیں گے۔ جنت میں دھوپ ہوگی ہی نہیں، تو پھر وہاں سورج اور اسکی کرنوں کا سوال ہی کیا ہے۔

۔۔الغرض۔۔ وہاں کے درختوں کا سایہ دنیاوی درختوں کے سائے کی طرح نہیں جو سورج کی کرنوں کے رہین منت ہیں اور جہاں اگر دائمی طور پر سایہ رہے اور سورج کی کرن نہ پہنچ سکے، تو وہاں کی ہوا بدبودار فاسد اور مہلک ہوجائے۔

۔۔الختصر۔۔ جنت میں چونکہ سورج اور اسکی دھوپ ہی نہیں ہوگی، تو وہاں کے درختوں کے سائے سے مراد وہ آرام وراحت اور فرحت وسکون ہے، جو جنتی درختوں کے نیچے میسر آنے والے ہیں۔۔الغرض۔۔ جنت میں بہار کا خوشگوار موسم ہوگا، جہاں نہ گرمی نہ سردی اور ایسے بہترین کمرے ہونگے جہاں نہ سختی نہ نرمی اور جہاں کسی طرح کے ملال کا گزر نہیں۔۔الحاصل ۔۔'ظل ظلیل' سے حمایت الٰہی اور عنایت خداوندی کی طرف اشارہ ہے کہ ہمیشہ جنتیوں کے سر پر مبسوط رہے گی اور یہ سایہ زوال سے مبرا اور نقص وانتقال سے منزہ اور معرّا ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بعض احوال بیان فرمائے اور وعید اور وعد کا ذکر فرمایا، اسکے بعد پھر احکام تکلیفیہ کا ذکر شروع فرمایا۔۔نیز۔۔اس سے پہلے یہود کی خیانت کا ذکر فرمایا تھا کہ انکی کتاب میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل ہیں وہ انکو چھپا لیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے، تو اسکے مقابلے میں مسلمانوں کو امانت داری کا حکم دیا، خواہ مذاہب میں ہو، عقائد میں ہو، معاملات میں ہو۔۔یا۔۔عبادات میں ہو۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان والو!۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ

بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو دے دو۔ اور جب فیصلہ کیا

بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ

لوگوں میں، تو فیصلہ کرو انصاف سے۔ بیشک اللہ، کیا ہی خوب ہے جس کی اللہ نصیحت فرماتا ہے تم کو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے●

(بیشک اللہ) تعالیٰ **(تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو دیدو)** اور امانت امانت والے تک پہنچانے میں اسوہٗ رسول کریم ﷺ کی اتباع کرو، جنہوں نے فتح مکہ کے دن جب بیت اللہ میں داخل ہوئے، تو عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ سے۔۔'جن کے پاس موروثی طور پر کعبہ کی چابیاں رہا کرتی تھیں'۔۔ان سے چابیاں لے لیں اور پھر بیت اللہ کے باہر اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے آئے، اور عثمان کو طلب کر کے انہیں چابیاں دیدیں۔ امانت کو امانت والے تک پہنچانے کی اس ادا کو دیکھ کر عثمان مشرف باسلام ہو گئے۔

نجدی تسلط کے ظالمانہ عہد سے پہلے تک یہ چابیاں حضرت عثمان بن طلحہ ہی کی نسل کے قبضے میں رہیں۔ سرکار آیہء رحمت ﷺ نے حضرت عثمان سے اس تعلق سے فرمادیا تھا کہ اے عثمان! لو یہ کنجی اور اے بنی طلحہ سن لو! کہ نہ پھیریگا یہ کوئی تم سے مگر ظالم۔

۔۔الغرض۔۔اے ایمان والو! تم اپنے کو خیانت و ناانصافی کے اعمال سے بچاتے رہو **(اور جب فیصلہ کیا)** کرو **(لوگوں میں، تو فیصلہ کرو انصاف سے)** جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ **(بیشک اللہ)** تعالیٰ **(کیا ہی خوب ہے)** اور کیا ہی اچھی ہے وہ **(جسکی اللہ)** تعالیٰ **(نصیحت فرماتا ہے تم کو)** یہ کہ امانتیں ادا کرتے رہو اور ناانصافی کرنے سے خود کو بچاتے رہو اور جان لو کہ **(بیشک اللہ)** تعالیٰ خزانہ داروں کی باتیں **(سننے والا)** ہے اور امانت داروں کے ہر عمل کو **(دیکھنے والا ہے)**۔۔چنانچہ۔۔اپنے تمام اعمال کو اسکے وعظ و نصیحت کے مطابق ڈھال لو۔۔کیونکہ۔۔وہ تمام مسموعات و مبصرات کو جانتا ہے، پھر تمہیں ہر اس عمل کی سزا دیگا جو اسکی ہدایت کے خلاف تم سے صادر ہوگا۔۔تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ

اے جو ایمان لاچکے! کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا، اور حکومت والوں کا تم

مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ

میں سے۔ پھر اگر جھگڑے میں پڑ گئے تم کسی چیز میں، تو سپرد کردو اسے اللہ و رسول کے، اگر تم

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۟ؑ (۵۹)

مانتے ہو اللہ اور پچھلے دن کو۔ یہ نہایت خوب اور خوش انجام ہے●

(اے) وہ لوگ (جو ایمان لا چکے!) عدل وانصاف پر قائم رہنے، ہر طرح کی خیانت سے اپنے کو بچانے، اور اپنے ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بنانے کیلئے، دل کی سچائی کے ساتھ (کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا اور کہا مانو) اسکے عظمت والے مخصوص (رسول کا)، (اور) اُن (حکومت والوں) اور صاحبان امر (کا)، جو (تم میں سے) ہیں۔ بشرطیکہ وہ خود عالم فقیہ ہوں۔۔یا۔۔اپنے ہر فیصلے میں اپنے عہد کے کسی جید عالم اور شان امامت رکھنے والے فقیہ کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر چکے ہوں، تا کہ انکا کوئی حکم کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو۔ اسلئے کہ اللہ ورسول کی معصیت اور نافرمانی میں کسی کی بھی پیروی نہیں کی جاسکتی۔

۔۔الختصر۔۔فرائض میں اللہ تعالیٰ کی، سنتوں میں رسول کریم ﷺ کی اور حکومت سے متعلق دوسرے جائز امور میں اپنے حاکموں کی اطاعت و پیروی کرتے رہو۔ (پھر اگر)۔۔بالفرض۔۔تم آپس میں۔۔یا۔۔تم اور تمہارے حکام کسی دینی معاملے میں اختلافِ رائے کا شکار ہو گئے اور اسطرح (جھگڑے میں پڑ گئے تم کسی) دینی (چیز) کے تعلق سے خدا اور رسول ﷺ کی رضا کے مطابق فیصلہ کرنے (میں، تو سپرد کر دو اسے اللہ ورسول کے) یعنی قرآن کریم اور ذات رسول کو اپنا حکم بناؤ اور آپ ﷺ کے باحیات نہ ہونے کی صورت میں آپکی سنت کی طرف رجوع کرو اور کتاب وسنت کا جو فیصلہ ہو، اسے بسر وچشم قبول کرلو۔ (اگر تم) صدق دل سے (مانتے ہو اللہ) تعالیٰ (اور پچھلے دن کو) اس واسطے کہ خدا اور روز قیامت کا ایمان، اس بات کا مقتضی ہے کہ امور متنازع فیہ میں خدا و رسول کی طرف رجوع کریں اور اعمال واقوال میں اپنی ناقص رائے پر مغرور نہ رہیں۔ (یہ) رجوع تمہارے لئے (نہایت خوب اور) عافیت کی جہت سے بہت ہی (خوش انجام ہے)۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تمام مکلفین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کریں اور ان آیتوں میں یہ بتا رہا ہے کہ منافقین رسول اللہ کی اطاعت نہیں کرتے اور آپکے فیصلے پر راضی نہیں ہوتے۔ اور اپنے مقدمات یہودی عالم کعب بن اشرف جیسے طاغوت یعنی سرکش کافر کے پاس لے جاتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہوگیا۔ یہودی نے کہا میرے اور تمہارے درمیان ابوالقاسم ﷺ فیصلہ کرینگے۔ اور منافق نے کہا کہ میرے اور تمہارے درمیان کعب بن اشرف فیصلہ کرینگے۔ چونکہ کعب بن اشرف رشوت خور تھا اور اس مقدمہ میں یہودی حق پر تھا اور منافق باطل تھا، اس وجہ سے یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ مقدمہ لیجانا چاہتا تھا، اور منافق کعب بن اشرف کے پاس یہ مقدمہ لے جانا چاہتا تھا۔ جب یہودی نے اپنی بات پر اصرار کیا تو وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے حق میں اور منافق کے خلاف فیصلہ کردیا۔

منافق اس فیصلے پر راضی نہیں ہوا اور کہا کہ میرے اور تمہارے درمیان حضرت عمر فیصلہ کرینگے۔ دونوں حضرت عمر کے پاس گئے۔ یہودی نے بتادیا کہ رسول اللہ ﷺ اسکے حق میں اور اس منافق کے خلاف فیصلہ فرما چکے ہیں، لیکن یہ مانتا نہیں ہے۔ حضرت عمر نے منافق سے پوچھا کیا ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمر نے فرمایا ٹھہرو، انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں۔ گھر گئے، تلوار لے کر آئے، اور اس منافق کا سر قلم کردیا۔ پھر اس منافق کے گھر والوں نے نبی کریم سے حضرت عمر کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے پوری تفصیل معلوم کی۔ حضرت عمر نے عرض کیا، یارسول اللہ اس نے آپ کے فیصلے کو مسترد کردیا تھا، اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا عمر 'فاروق' ہیں۔ انہوں نے حق اور باطل کے درمیان فرق کردیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا تم 'فاروق' ہو۔ اس قول کی بنا پر طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے۔ اس موقع پر ارشاد فرمایا گیا کہ اے محبوب!۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو ڈینگ لیتے ہیں کہ وہ مان چکے جو تم پر اتارا گیا اور جو

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا

تم سے پہلے اتارا گیا، چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرائیں شیطان سے، حالانکہ وہ حکم دیے گئے تھے کہ

اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝۶۰

اس کو نہ مانیں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا دے دور●

(کیاتم نے نہیں دیکھا) اور نظر نہیں کی ان لوگوں کی طرف (کہ جوڈینگ لیتے ہیں) اور اپنے ایمان والا ہونے کی ڈینگ ہانکتے ہیں اور اپنے گمان فاسد کی بنیاد پر اپنے تعلق سے خیال کرتے ہیں (کہ وہ مان چکے) ہیں (جوتم پر اتارا گیا) یعنی قرآن کریم پر ایمان لا چکے (اور) وہ مان چکے (جوتم سے پہلے اتارا گیا) یعنی انبیاء کرام پر نازل فرمودہ صحیفے ان سب کو بھی مان چکے۔ یہ لوگ باوجود ایمان کا دعویٰ کرنے کے (چاہتے ہیں کہ) اپنے مقدمات و معاملات کا (فیصلہ کرائیں) کعب بن اشرف جیسے (شیطان) سرکش کافر (سے، حالانکہ وہ حکم دیئے گئے تھے) اور اس بات کے مکلّف کئے گئے تھے (کہ اسکو نہ مانیں) آج بھی سارے مکلّف اسکے مامور ہیں۔

--الغرض-- منافقین تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنا فیصلہ طاغوت سے کرائیں (اور) ان طاغوتوں کا استاد (شیطان) یہ (چاہتا ہے کہ ان) طاغوت کی طرف مائل اور راغب ہونے والوں (کو بہکا دے) اور پھر راہِ حق سے اتنا (دور) پہنچادے کہ پھر وہ صراط مستقیم تک واپس نہ آسکیں۔ ان منافقین کی سرکشی کا حال یہ ہے کہ۔۔۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

اور جب ان کو کہا گیا کہ آؤ جسے اللہ نے اتارا اس کی اور رسول کی طرف،

رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾

توتم نے دیکھا منافق لوگوں کو، کہ رخ پھیرتے ہیں تم سے بے رخی سے●

(اور) انکی نافرمانی کا عالم یہ ہے کہ (جب انکو کہا گیا کہ آؤ جسے اللہ) تعالیٰ (نے اتارا) ہے (اسکی اور) اسکے (رسول کی طرف) یعنی اللہ ورسول کے احکام کی تعمیل کرو، وہ جو حکم دیں اس پر پوری خوش دلی کے ساتھ عمل کرو (توتم نے دیکھا منافق لوگوں کو) اور اچھی طرح محسوس کرلیا (کہ) اپنے عناد کی وجہ سے کیسا (رخ پھیرتے ہیں تم سے) تمہارے حکم کی بطیبِ خاطر تعمیل سے، اور وہ بھی کمال بے رخی سے)۔ ایسا لگتا ہے کہ آپکے حکم کی تعمیل کی انہیں کوئی پرواہ نہیں۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِۢمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ

توکیسی پڑے جب ان پر کوئی مصیبت آپڑے ان کے ہاتھوں کے کرتوت سے، پھر وہ حاضر ہوں

يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

تمہارے پاس قسم کھائیں اللہ کی، ہمارا ارادہ صرف احسان اور اتحاد کا تھا●

(تو کیسی پڑے) گی اور وہ کیا کر سکیں گے (جب ان پر کوئی مصیبت آپڑے) گی (انکے ہاتھوں کے کرتوت سے) اور ان بداعمالیوں اور فکری کجی کے نتیجے میں۔ وہ مصیبت کسی بھی شکل میں ہو، جسکی ایک صورت وہ قتل بھی ہے جو حضرت فاروق کے ہاتھ سے ایک منافق کا ہوا۔۔الختصر۔۔ مصیبت نازل ہو جانے کے بعد (پھر) اے محبوب! (وہ حاضر ہوں تمہارے پاس) عذر و معذرت کرنے کیلئے ۔۔یا۔۔ مقتول کی دیت مانگنے کیلئے۔

پھر (قسم کھائیں اللہ) تعالیٰ (کی) کہ آپکے فیصلے کے بعد حضرت عمر کے پاس فیصلے کیلئے جانا کچھ بری نیت سے نہیں تھا، اور نہ ہی آپکے حکم کی تعمیل سے انکار کیلئے تھا، بلکہ آپکے فیصلے کے بعد حضرت عمر کے پاس فیصلہ کرانے کیلئے جانے میں (ہمارا ارادہ صرف احسان اور اتحاد کا تھا) کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے جس سے ہمیں بھلائی حاصل ہو جائے اور ہم متخاصمین میں موافقت اور ہمارے مخالف کی تالیف قلب کی کوئی شکل ظاہر ہو جائے۔۔یا یہ کہ۔۔ ہم طاغوت کی طرف اسلئے فیصلہ کیلئے گئے تاکہ ہمارے مخالفین کو معلوم ہو کہ ہم متعصب نہیں بلکہ ہم صلح پسند ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ ہم آپ ﷺ کی مخالفت کریں اور نہ ہی ہمیں آپکے فیصلے سے کوئی ضد تھی، اسلئے اے نبی اکرم ﷺ ہمارے کئے پر مواخذہ نہ کیجیے۔۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ

ان سب کو اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ تو تم ان سے آنکھ بچا لیا کرو، اور انھیں سمجھاتے رہو

وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

اور بولو ان کے دلوں میں اتر جانے والی بولی●

(ان) جھوٹی قسمیں کھانے والے منافقین (سب کو) معلوم ہو جانا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ بخوبی (جانتا ہے جو انکے دلوں میں ہے)۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ انکے نفاق اور جھوٹ سب ہی سے واقف ہے، اسلئے انہیں اپنی منافقت کو چھپانا غیر مفید ہے۔ اور نہ ہی جھوٹی قسمیں انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکتی

ہیں۔تواے محبوب! ایسے لوگ جب تمہارے پاس آئیں (توتم ان سے آنکھ بچالیا کرو) اور انکی طرف بے التفاتی سے دیکھواور انکا عذر قبول نہ کرواور نہ ہی انکے لئے دعا کر کے انکی مشکل کشائی فرماؤ۔

(اور انہیں سمجھاتے رہو)۔۔نیز۔۔برملا انہیں جھوٹ اور نفاق سے منع کرتے رہو (اور بولو انکے دلوں میں اتر جانے والی بولی) ایسا کلام بلیغ جوانکے دلوں میں موثر ہو۔ایسا جوانہیں غم میں مبتلا کردے، خواہ وہ قتل کی دھمکی ہو۔۔یا۔۔توبہ نہ کرنے کی صورت میں مصائب کا نازل ہونا ہو۔اور اعلان کردو کہ اے لوگو! اچھی طرح سے سن لو۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا

اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر تاکہ اس کے کہے پر چلا جائے اللہ کے حکم سے۔اور اگر وہ جب ظلم کر بیٹھے

اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

اپنی جانوں پر چلے آئے تمہارے پاس، پھر بخشش مانگی اللہ کی، اور مغفرت چاہی ان کیلئے

الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

رسول نے، تو پالیا اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا●

(اور) یادرکھواللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے کہ (ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر) صرف اسلئے (تاکہ سکے کہے پر چلا جائے) اور اسکے ہر حکم کی تعمیل کی جائے (اللہ) تعالیٰ (کے حکم) اور اسکے اذن (سے)۔

توان منافقین کو ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کرنی چاہئے تھی۔۔کیونکہ ۔۔رسولوں میں سے ہر رسول کو معاملات میں سے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے اذن کے سبب سے 'مطاع' بنایا گیا ہے کہ اسکی اطاعت اور اسکا ہر امر فرض ہے ان لوگوں پر جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے، کہ وہ لوگ اپنے رسول کی اطاعت اور انکی تابعداری کریں۔اسلئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے کہ اسکی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اور اسکی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سمجھی جائیگی۔

(اور اگر وہ جب) آپ ﷺ کی اطاعت چھوڑ کر، آپ سے روگردانی کر کے، طاغوت کے یہاں فیصلہ لیجا کر، اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دیکر، (ظلم کر بیٹھے اپنی جانوں پر) پھر اپنی منافقت سے تائب ہوکر (چلے آئے تمہارے پاس)، (پھر) اس دروازۂ رحمت ومغفرت خداوندی پر حاضر ہوکر

(بخشش مانگی اللہ) تعالیٰ (کی اور مغفرت چاہی) اللہ تعالیٰ سے (ان کیلئے رسول نے)، یعنی انکے توبہ واستغفار کے وقت اللہ کے رسول نے انکی شفاعت فرمائی اور سفارش کی، اور اللہ تعالیٰ سے انکی مغفرت کا سوال کیا (تو پالیا) ان توبہ کرنے والوں نے (اللہ) تعالیٰ (کو) بہت بڑا (توبہ قبول فرمانے والا) اور اپنی ساری مخلوق پر بہت بڑا رحم فرمانے والا، اور انکے گناہوں کا (بخشنے والا)۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ

تو نہیں کیا تمہارے پروردگار کی قسم وہ ایمان نہیں لائے، یہاں تک کہ اپنا فیصلہ کنندہ مانیں تم کو، ہر معاملہ جس میں انکے

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۶۵﴾

درمیان جھگڑا ہو، پھر پائیں اپنے دلوں میں کھٹک جو تم نے فیصلہ کر دیا، اور جی جان سے مان لیں●

(تو) اے محبوب! اِس سچائی میں (نہیں) کی گنجائش ہی (کیا) ہے، کہ نہیں ہے حقیقت ایمان کی جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ یہ قسم ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب! (تمہارے پروردگار کی قسم وہ ایمان نہیں لائے یہاں تک کہ اپنا فیصلہ کنندہ مانیں تم کو ہر معاملہ میں جس میں انکے درمیان جھگڑا ہو)، یعنی وہ اس وقت مومن کہلانے کے حقدار ہیں، جب وہ اپنے تمام معاملات میں آپ کو اپنا حَکَم مانیں اور اپنے ہر معاملہ کا فیصلہ آپ سے کرائیں (پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں کھٹک جو تم نے فیصلہ کر دیا اور جی جان سے مان لیں) یعنی آپکے فیصلے سے دل وجان سے راضی ہوں اور بطیب خاطر اسے قبول کرلیں اور اس فیصلے سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی اور بوجھ محسوس نہ کریں۔۔ الغرض۔۔ معاملہ یوں نہیں جیسا منافقین کے گمان میں ہے کہ وہ مومن ہیں۔ یہ صرف انکی خام خیالی ہے۔ اسلئے کہ رسول کریم کی نافرمانی کر کے اور آپکی حاکمیت کا انکار کر کے کوئی کیسے مومن ہوسکتا ہے۔۔ منافقین بھلا کہاں ماننے والے۔۔۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ

اور اگر ہم نے ان پر لکھ دیا ہوتا کہ اپنے کو قتل کرو، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ،

مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ

تو وہ نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں سے، اور اگر انھوں نے کرلیا جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے،

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾

تو ان کیلئے بہتری ہے اور ایمان کی بڑی مضبوطی●

(اور) کہاں اطاعت کرنے والے۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ ربانی ہے کہ (اگر ہم نے ان) منافقین (پر لکھ دیا ہوتا) اور فرض کر دیا ہوتا (کہ) خود ہی (اپنے کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ) جیسے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے کہا جب انہوں نے ہم سے توبہ قبول کرنے کی گزارش کی، (تو) اس حکم کی تعمیل (وہ نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں سے) جو مخلصین کی روش اپنا لینے والے ہوں اور جنکے دلوں میں حضرت ثابت بن قیس، حضرت عمار اور حضرت ابن مسعود جیسوں کے جذبۂ اطاعت نے جگہ بنالی ہو۔

یہ سارے منافقین جنہوں نے نافرمانی (اور) سرکشی کی راہ اپنالی (اگر) ایسا ہو کہ (انہوں نے) مان کر عمل (کرلیا) ان احکام پر جس پر وہ مامور کئے گئے اور قبول کر کے عمل پیرا ہو گئے، ہر ہر بات پر (جو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے (انکو نصیحت کی جاتی ہے، تو ان کیلئے بہتری ہے)۔ اسلئے کہ انکی عاقبت اور دارین میں انکی صلاح وفلاح اسی میں ہے (اور) اس میں (ایمان کی بڑی مضبوطی) ہے۔۔

الختصر۔۔انکے ایمان کی زیادہ ثابت قدمی اور ایمان کے اضطراب کا بچاؤ انہیں مواعظ واحکام پر عمل کرنے سے نصیب ہوتا ہے۔اب رہا یہ سوال کہ اگر منافقین ان مواعظ پر عمل کر لیتے تو ان کا کیا فائدہ ہوتا؟۔۔۔تو سن لو!۔۔۔

وَّإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾

اور ایسا ہو تو سمجھ لیں کہ ہم نے دے ڈالا ان کو بڑا اجر●

وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾

اور چلا دیا سیدھی راہ●

(اور) یقین کرلو کہ اگر (ایسا ہو) یعنی اپنے دین برحق کی تصدیق وتحقیق کے حصول کے ساتھ ساتھ ان احکام ومواعظ پر عمل کرلیں (تو سمجھ لیں کہ ہم نے دے ڈالا ان کو بڑا اجر) یعنی آخرت میں ثواب کی کثرت جن کے انقطاع کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (اور چلا دیا سیدھی راہ) جس پر چلنے والا عالم قدس تک پہنچ جاتا ہے اور اسکے لئے عالم غیب کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ بہشت بریں میں پہنچا دیا جاتا ہے۔۔۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور جو کہا مان لے اللہ کا اور رسول کا، تو وہ لوگ ان کے ساتھ ہیں انعام فرمایا اللہ نے جن پر،

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ

انبیاء اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکوں سے،

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾

اور وہ اچھے ساتھی ہیں●

(اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت ثوبان اور صاحب اذان و مستجاب الدعوات حضرت عبداللہ انصاری جیسے جملہ شکستہ دلان فراق کو یہ مژدۂ وصال مبارک ہو کہ (جو کہا مان لے اللہ) تعالیٰ (کا اور رسول کا) اوامر ونواہی اور دین کے حدود واحکام میں اور خدا اور رسول کی مکمل فرمانبرداری اور تابعداری کو وظیفہ ءحیات بنالے، (تو وہ لوگ) اپنے اعمال خیر وخیرات کے لحاظ سے جنت میں جس مقام پر بھی ہوں لیکن (انکے ساتھ) رہنے والے (ہیں، انعام فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے) یعنی اپنی مخصوص نعمتوں کی تکمیل فرمادی (جن پر) یعنی (انبیاء) جو کمال علم وعمل سے سرشار ہیں، بلکہ درجات کمال کے آگے نکل کر مراتب تکمیل تک پہنچے ہیں۔

(اور صدیقوں) جنکے افعال واقوال میں صدق واخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ جو حجج و دلائل میں بھی یکتا ہیں اور تصفیہ وتزکیہ اور ریاضات سے بھی عرفان کی انتہائی منزل تک پہنچے ہوئے ہیں، اسی عرفان کی بدولت انہیں اشیاء کے حقائق کا علم ہے، جو انہیں ذات الٰہی سے عطا ہوا ہے (اور شہیدوں) جنہیں انکے خیر وصلاح اور فوز وفلاح حاصل کرنے کی فطری حرص اور جبلّی رغبت نے طاعات اور اظہارِ حق کیلئے ایسا اُبھارا کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کیلئے جان دینے تک سے گریز نہ کیا (اور نیکوں سے) وہ نیک بخت حضرات جنکی زندگی اطاعت الٰہی میں صرف ہوئی اور جنکے مال اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ ہوئے۔

ذہن نشین رہے کہ اس معیت سے نہ تو درجات میں تساوی مراد ہے اور نہ ہی بہشت کے داخلے میں اشتراک، بلکہ اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ایسے مقامات پر ہونگے کہ وہ جب چاہیں گے تو ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اگرچہ انکے درمیان کتنا ہی بڑا بُعد کیوں نہ ہو۔

۔۔۔(اور وہ) کیا ہی (اچھے ساتھی) اور رفیق (ہیں)۔

ظاہر ہے کہ انبیاء کرام میں سید الانبیاء سیدنا محمد ﷺ، صدیقین میں صدیق اکبر، شہداء میں حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور صالحین میں جملہ صحابہ کرام، یہ سب وہ نفوس قدسیہ والے ہیں جنکا 'منعم علیہم' یعنی انعام والا ہونا ہر طرح کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے، تو جو اپنے عقیدہ وعمل میں دنیا میں انکا ساتھی ہے، وہ جنت میں بھی انکے قرب سے محروم نہ کیا جائیگا، اور جب جب چاہیگا انکو اپنے روبرو ہی پائیگا۔ اور یہ خود اسکے اعمال خیر کا لازمی نتیجہ نہ ہوگا بلکہ۔۔۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝

یہ فضل الٰہی ہے اور اللہ کافی علم والا ہے●

(یہ) عطیہ خاص جو مطیعین کو ہدایت کے ذریعے اور منعم علیہم کی رفاقت کے طفیل حاصل ہوگا، سراسر (فضل الٰہی ہے) تو اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے فضل سے نوازدے (اور اللہ) تعالیٰ (کافی علم والا ہے) وہ سب کی نیتوں اور انکے مقاصد کو بخوبی جاننے والا ہے اور جزا وفضل کا اہل و مستحق کون ہے؟۔۔۔اسے اسکا پورا علم ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق وعید نازل فرمائی تھی اور انکو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا تھا اور اب آگے کی ان آیتوں میں دین کی سربلندی کیلئے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور کافروں سے جہاد کیلئے سامان جنگ تیار رکھنے کا حکم دیا ہے، تاکہ کہیں کفار اچانک حملہ نہ کردیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کا حال بیان فرمایا ہے، جو جہاد کی راہ میں روڑے اٹکانے والے تھے۔

۔۔نیز۔۔اس سے پہلی آیات میں مسلمانوں کے ملک کے داخلی اور اندرون ملک کی اصلاح کیلئے آیات نازل فرمائی تھیں، اور اب بیرون ملک اور میدان جنگ کے سلسلہ میں ہدایات نازل کی ہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ کفار سے دفاع اور اپنی حفاظت کیلئے اسلحہ اور ہتھیار استعمال کریں۔ اور دشمن جس طرح کے ہتھیار استعمال کررہا ہے، ویسے ہی ہتھیار استعمال کریں۔ اب دنیا میں اپنی بقا کیلئے ایٹمی طاقت بننا ضروری ہے اور دشمنان اسلام سے مقابلہ اور جہاد کیلئے سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔۔تو۔۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾

اے وہ جو ایمان لا چکے! اپنا بچاؤ بنالو پھر نکلو اکاّ دکاّ، یا نکلو اکٹھا●

(اے وہ جو ایمان لا چکے! اپنا بچاؤ بنالو) اور دشمنوں کو ایسا موقع نہ دو کہ وہ تم پر غالب ہو جائیں۔ اور اپنے تحفظ و غلبہ کا سامان کر لینے کے بعد (پھر) دشمن سے جہاد کیلئے (نکلو اکاّ دکاّ) متفرق جماعتیں بنا کر۔ ایک چھوٹی جماعت یعنی 'سریہ' پہلے روانہ ہو اسکے بعد دوسری اور بھی مختلف جہتوں سے۔

ذہن نشین رہے کہ 'سریہ' ہر اس مختصر جنگی جماعت کو کہا جاتا ہے۔ جس میں پیغمبر اسلام تشریف نہ لے جاتے ہوں۔

(یا نکلو اکٹھا) ایک بڑی جماعت تیار کر کے۔ لیکن بزدلی کا مظاہرہ نہ کرو۔۔ تاکہ۔۔ دشمنوں کے مقابلے سے پسپا ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں نہ جا پڑو۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ

اور بے شک تم میں وہ ہے جو ضرور دیر لگا دیتا ہے، پھر اگر تم کو مصیبت پہنچی، تو بولنے لگا کہ انعام فرمایا اللہ نے

عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ﴿۷۲﴾

مجھ پر کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہ تھا●

(اور بیشک تم) لشکر اسلام میں شریک ہونے والوں (میں وہ ہے جو ضرور دیر لگا دیتا ہے) لڑائی پر باہر جانے میں، اور تاخیر کرتا ہے جہاد میں۔۔ مثلاً: عبداللہ ابن ابی اور اسکے اصحاب، جنہوں نے جنگ احد کے دن مخالفانہ روش اپنائی۔ (پھر اگر تم کو) اے مسلمانو! قتل۔۔ یا۔۔ ہزیمت کی (مصیبت پہنچی تو) وہ دیر کرنے والا منافق (بولنے لگا کہ انعام فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے مجھ پر) اور بڑا احسان فرمایا (کہ میں انکے ساتھ حاضر نہ تھا)۔

وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَیَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ

اور اگر ملا تم کو فضل خداوندی، تو ضرور کہے گا اس طرح کہ تمہارے

وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾

اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہیں کہ کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی پاتا●

(اور اگر ملاتم) مخلصین (کو فضل خداوندی) فتح و مال غنیمت کی شکل میں (تو ضرور کہے گا اسطرح) گویا (کہ تمہارے اور اسکے درمیان) جان پہچان، اٹھنا بیٹھنا اور حقیقی مودت کا تو سوال ہی کیا، ظاہری طور پر بھی کسی طرح کی (کوئی دوستی) تھی ہی (نہیں) کہ وہ تمہارے ساتھ تمہاری اعانت کیلئے شریک جہاد ہوتا اور فتح کا سبب بنتا۔۔الغرض۔۔اپنے کو اپنے طور پر علیحدہ کرلیتا ہے اور بات اسطرح کرتا ہے گویا اس نے تمہیں دیکھا ہی نہیں، اور تمہاری صحبت میں پہنچا ہی نہیں۔ اور اب جب فتح و کامیابی کو دیکھا، تو بڑی ہی حسرت و یاس کے ساتھ بول پڑا (کہ کاش میں ان) مجاہدین مخلصین (کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی پاتا) اور مال غنیمت میں بڑے حصے کا مستحق ہوجاتا۔

اسکی گفتگو نے ظاہر کردیا کہ اس صورت میں بھی اسکا شریک جہاد ہونا مسلمانوں کی مدد کیلئے نہیں ہوتا، بلکہ اسکا مقصد صرف مال غنیمت کا حاصل کرنا ہوتا۔ اس سے پہلی آیتوں میں جہاد سے منع کرنے والوں کی مذمت تھی اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کررہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ہدایت دی جارہی ہے کہ جو لوگ آخرت کی بھلائی اور وہاں کی کامیابی چاہتے ہیں انہیں منافقین کی روش اختیار کرنے سے اپنے کو بچانا چاہیۓ اب اگر کوئی منافق جہاد کیلئے نہیں نکلتا۔۔یا۔۔پیچھے رہ جاتا ہے اور منافقانہ طرز عمل اختیار کرتا ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

تو لڑیں اللہ کی راہ میں جو بدل دیں دنیاوی زندگی کو

بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ

آخرت سے۔ اور اللہ کی راہ میں جو لڑے، پھر مارڈالا جائے،

أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

یا جیت جائے، تو ہم جلد دیں گے اس کو اجر عظیم●

(تو) اسکو اسکے حال پر رہنے دیں لیکن خود (لڑیں) اور (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) جہاد کیلئے ...ا پڑیں وہ مخلصین (جو بدل دیں) ناپائدار (دنیاوی زندگی) کے فنا ہوجانے والے عیش و عشرت (کو ...خرت) کی لازوال اور ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں (سے)۔

یاد رکھو کہ جہاد فی سبیل اللہ میں تمہارا فائدہ ہی فائدہ ہے، خواہ تم غالب رہو۔۔یا۔۔مغلوب۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو؟ اسلیئے کہ خود ارشادِ الٰہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں جو لڑے) اور جہاد کرے (پھر مارڈالا جائے) شہید کردیا جائے (یا جیت جائے تو) دونوں صورتوں میں (ہم جلد دینگے اسکو اجر عظیم) قتل ہوجانے کی صورت میں شہادت کا عظیم درجہ اسے حاصل ہوجائیگا اور دنیا کی فانی زندگی کو قربان کرکے وہ آخرت کی لافانی زندگی والا ہوجائیگا، ایسا کہ اسے مردہ کہنا تو بڑی بات مردہ گمان کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اور غالب ہوجانے کی صورت میں اخروی اجر کے ساتھ ساتھ دنیاوی منفعت بھی حاصل ہوگی۔ اور جب جہاد فی سبیل اللہ کی عظمتیں اور اسکے فوائد بے شمار ہیں، تو اے ایمان والو! سوچو۔۔۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ

اور تمہیں کیا کہ اللہ کی راہ میں نہ لڑو، اور کمزوروں کیلیئے، مردوں

وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ

اور عورتوں اور بچوں میں سے، جو دعائیں کرتے ہیں کہ پروردگارا ہمیں نکال لے چل اس

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ

آبادی سے، ظالم ہیں اس کے رہنے والے، اور بنادے اپنے کرم سے ہمارا کوئی یاور،

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿۷۵﴾

اور بنادے اپنی عطا سے ہمارا کوئی مددگار●

(اور) بتاؤ کہ آخر (تمہیں کیا) چیز روکتی ہے (کہ) دین کی سربلندی کیلیئے، شرک کے اندھیروں کی جگہ نور توحید پھیلانے کیلیئے، اور شر اور ظلم کی بجائے خیر اور عدل کا دور دورہ کرنے کیلیئے، اور اپنے اسلامی بھائیوں مردوں، عورتوں اور بچوں کو کفار کے ظلم وستم سے بچانے کیلیئے، (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں نہ لڑو اور کمزوروں) کو کفار کے جور وستم سے بچانے (کیلیئے) یعنی سلمہ بن ھشام، ولید بن ولید، عباس بن ابی ربیعہ اور ابوجندل بن سہیل وغیرہم جیسے مظلوم (مردوں) میں سے (اور) ام شریک جیسی مظلومہ (عورتوں) میں سے (اور) ابن عباس جیسے بے بس و ناچار (بچوں میں سے)۔۔۔

۔۔الغرض۔۔ان سب کو نجات دلانے کی کوشش نہ کرو (جو) عاجزی وتضرع کی راہ سے بارگاہِ خداوندی میں (دعائیں کرتے ہیں کہ پروردگارا ہمیں نکال لے چل) مکہ کی (اس آبادی سے) کیونکہ (ظالم ہیں اسکے رہنے والے) بنیادی طور پر اپنے کفر وشرک کے سبب سے۔ اسلیئے کہ شرک بہت بڑا ظلم

ہے اور ظاہری طور پر اپنی ان زیادتیوں کی وجہ سے جو وہ کمزوروں پر کر رہے ہیں۔ (اور بنا دے اپنے کرم سے ہمارا کوئی یاور اور بنا دے اپنی عطا سے ہمارا کوئی مددگار) جو دشمنوں کا شر ہم پر سے دفع کرے۔

حق تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی جسکے سبب بعضوں کو مکہ معظمہ سے نکلنا ممکن ہو گیا اور بعضے جو وہاں رہ گئے تھے انکے واسطے رسول مقبول جیسا دوست بھیج دیا، کہ فتح مکہ کے دن سبھوں کی دلنوازی کر کے انکے مہمات سرانجام فرما دیئے اور انکے واسطے حامی اور مددگار مقرر کر دیا یعنی عتاب بن اسید کو آنحضرت ﷺ نے مکہ کا حاکم کر دیا اور وہ ان ضعیفوں اور بے چاروں کا یار و مددگار رہا۔ اس مقام پر یہ یاد رکھو۔۔۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ

جو ایمان قبول کر چکے وہ لڑتے ہیں راہ میں اللہ کی۔ اور جنھوں نے انکار کر دیا وہ لڑتے ہیں

فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ

شیطان کی راہ میں، تو لڑو شیطان والوں سے۔

اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷۶﴾

بے شک شیطان کی چال کمزور ہے●

ع ۱۰

(جو ایمان قبول کر چکے) ہیں (وہ لڑتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی (راہ میں)، (اللہ کی) رضا اور خوشنودی کیلئے۔ انکے سامنے اخروی مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اسکے دین کی سربلندی کیلئے لڑتے ہیں۔ وہ بت پرستی، کفر و شرک، شر و فساد کو مٹانے اور نظام اسلام کو قائم کرنے، خیر کو پھیلانے اور عدل و انصاف کو نافذ کرنے کیلئے لڑتے ہیں۔ انکا مقصد زمین کو حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنا ہوتا ہے۔ وہ اپنے استعمار اور آمریت قائم کرنے کیلئے اور دوسروں کی زمین پر قبضہ کرنے اور لوگوں کو اپنا محکوم بنانے کیلئے نہیں لڑتے، بلکہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے آزاد کرا کر سب لوگوں کو خدائے واحد کے حضور سر بہ سجود کرانے کیلئے جہاد کرتے ہیں۔

(اور) اسکے برخلاف وہ بت پرست اور یہود و نصاریٰ (جنہوں نے) خدا سے بغاوت کر دی اور دین خداوندی یعنی اسلام کو قبول کرنے اور ایمان لانے سے (انکار کر دیا وہ لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں) یعنی اس راہ میں جسکا طاغی باغی شیطان نے انکو حکم دیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ صرف

مادی مقاصد کے حصول کیلئے جنگ کرتے ہیں، تاکہ بت پرستی کا بول بالا ہو اور اپنی قوم کی حمایت ہو۔ انکے پیش نظر زمین اور مادی دولت ہوتی ہے۔ وہ اپنے نام و نمود، اپنی بڑائی اور دنیا میں اپنی بالادستی قائم کرنے کیلئے لڑتے ہیں۔

(تو) اے خدا کے دوستو! جب یہ سرکش افراد اپنی سرکشی کا مظاہرہ کسی نہ کسی ڈھنگ سے کرنے لگیں، تو تم خاموش بیٹھے نہ رہو، بلکہ (لڑو) اور جہاد کرو ان (شیطان) کے حکم پر چلنے (والوں) اور ان شیطان کے دوستوں اور اسکے فرمانبرداروں (سے) اور انکے مکروفریب سے اپنے کو بچاتے رہو، اور یقین کرلو کہ (بیشک شیطان کی چال) اور اسکا فریب باطل اور بے دلیل ہونے کی وجہ سے (کمزور) اور سست و بے زور (ہے)۔ یہ تو صرف دین اسلام ہی ہے جو اپنے دلائل و براہین کے لحاظ سے سارے ادیان باطلہ پر غالب ہے۔۔۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ قِيۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ‌ۚ

کیا ان کی طرف نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ روکو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو،

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ

پھر جب لازم کیا گیا ان پر قتال، اس وقت ان کی ایک ٹولی ہے جو لوگوں سے ڈرتی ہے،

كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً‌ ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ‌ۚ

جیسے اللہ سے ڈرے، بلکہ حد سے زیادہ ڈر۔ اور بولے پروردگارا کیوں ضروری کردیا تو نے ہم پر لڑنے مرنے کو،

لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ‌ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ‌ ۚ وَالۡاٰخِرَةُ

کیوں نہ مہلت دے دی تو نے ہم کو تھوڑی سی زندگی کی۔ تم کہہ دو کہ دنیاداری چندروزہ ہے، اور آخرت

خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ﴿۷۷﴾

بہت بہتر ہے اس کیلئے جو ڈرا۔ اور نہ ظلم کئے جاؤ گے دھاگ بھر●

اے محبوب! (کیا) تم نے عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم اور (ان) جیسوں (کی طرف نہیں دیکھا) اور انکے جذبات خیر کی طرف توجہ نہیں فرمائی، جو مکہ شریف میں کفار کے مظالم سے تنگ آکر اصرار و مبالغہ کے ساتھ عرض کرتے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ ہمیں اجازت دیجئے کہ مشرکوں سے ہم لڑیں، اس واسطے کہ انکی ایذارسانی اور تکلیف دہی حد سے گزر گئی ہے (جن

سے) انکی اس خواہش کے جواب میں حکم الٰہی سے (کہا گیا کہ) ابھی صبر کرو اور جب تک حکم الٰہی نہ آجائے اسوقت تک کفار کی لڑائی سے (اپنے ہاتھ روکو اور) کافروں سے جہاد شروع نہ کرو۔

۔۔بلکہ۔۔جو احکام تم پر فرض کیے جاچکے ہیں انہیں پر عمل کرتے رہو۔۔چنانچہ۔۔پابندی کے ساتھ (نماز قائم کرو) باضابطہ کماحقہ اسے ادا کرتے ہوئے (اور) صاحب نصاب ہونے کی صورت میں مستحقین کو (زکوٰۃ دو) فی الحال انہی فرائض پر عمل کرلینا تمہارے لئے کافی ہے اور (پھر جب) وہ ہجرت کرکے مدینہ میں آئے اور (لازم کیا گیا ان پر) کافروں کے ساتھ (قتال)، تو (اس وقت انکی ایک ٹولی ہے) جسکا حال اس جماعت جیسا ہے (جو) بوجہ ضعف قلب۔۔یا۔۔بوجہ نفاق (لوگوں سے ڈرتی ہے) یا ان میں بعض بوجہ ضعف قلب، فوت اور موت سے بالطبع ڈرنے والے تھے اور بعض بوجہ نفاق خوف زدہ بن کر اپنے کو جہاد سے بچانا چاہتے تھے۔اور انکا خوف کچھ ہلکا پھلکا خوف نہیں تھا، بلکہ ایسا ڈرتے (جیسے) کوئی (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرے بلکہ حد سے زیادہ ڈر) ان میں کمزور دل والوں کا خوف بشری تقاضے اور ضعف بشریت کی وجہ سے تھا، حکم خدا کو مکروہ جاننے کی وجہ سے نہیں تھا۔

۔۔الختصر۔۔حکم خدا کے آگے انکا سر تسلیم جھکا ہوا تھا۔۔لیکن۔۔بشری کمزوری کے سبب موت و فوت کے خیال سے خوفزدہ تھے۔رہ گئے اہل نفاق تو وہ اپنی بزدلی، کم ہمتی اور اسلام دشمنی، کی وجہ سے جہاد سے کترانا چاہتے تھے اور موت سے گھبراتے تھے۔۔کیونکہ۔۔انکے کفر و نفاق نے انکو کمزور بنادیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا فائدہ تو ہماری زندگی سے وابستہ ہے، مرنے کے بعد ہمیں کیا ملنے والا ہے؟ وہ مومن تھے ہی نہیں تو پھر شہادت کی موت کی عظمت کا ادراک کیسے کرسکتے تھے؟۔۔الختصر۔۔انکا مرنے سے ڈرنا انکے کفر و نفاق کی فطرت کا تقاضہ تھا۔

۔۔الغرض۔۔یہ ڈرنے والے خاموش نہ رہ سکے (اور بولے پروردگارا کیوں ضروری کردیا تو نے ہم پر لڑنے مرنے کو، کیوں نہ مہلت دے دی تو نے ہم کو تھوڑی سی زندگی کی) کفار سے مقابلہ ہم پر جب قرار دیکر مزید کچھ دنوں کیلئے امن وامان اور بے خوفی کے ساتھ زندہ رہنے کا اور زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع عطا نہیں فرمایا۔

اگر منافقوں سے یہ سوال صادر ہوا تو کچھ عجب نہیں اسلئے کہ انکے نفاق کا تقاضہ یہی تھا کہ جہاد سے پہلوتہی کیلئے وہ اسطرح کا سوال کربیٹھیں۔۔اور۔۔اگر بعض مسلمانوں سے بھی یہ سوال واقع ہوا ہو، تو صرف طبعی خوف اور بددلی سے انہوں نے ایسی بات کہی اور پھر

توبہ کرلی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ آیت قتال نازل ہونے کے بعد منافق ہوگیا اور جہاد سے انکار کر دیا۔ یہ ان ہی کا قول تھا۔ اور صحیح تر بات یہ ہے کہ اس سوال کو تخفیف تکلیف کی تمنا پر محمول رکھیں، وجہ انکار پر نہیں۔۔ الغرض۔۔ سوال کرنے والے جہاد کے منکر نہیں تھے، بلکہ وہ صرف اپنے لیے کسی آسان صورت حال کے خواہشمند تھے، جس سے انہیں فی الحال جہاد کرنے سے رخصت مل جائے۔

تو اے محبوب! (تم) ان ڈرنے والوں سے جنہوں نے دنیا کے ساتھ اپنا دل اٹکا رکھا ہے (کہہ دو کہ دنیاداری) جس سے دنیا میں فائدہ اٹھاتے ہیں، آخرت کے سامنے (چند روزہ ہے، اور آخرت بہت بہتر ہے اس کیلئے جو ڈرا) اور پرہیز کرتا رہا شرک سے اور بری باتوں سے (اور) اے مجاہدین فی سبیل اللہ! سن لو کہ (نہ ظلم کئے جاؤ گے دھاگ بھر)۔ یعنی تمہارے جہاد کے ثواب کے درجوں میں خدا کچھ کم نہ کریگا، اس ڈورے کے برابر بھی جو کھجور پر ہوتا ہے۔ پس پورا ثواب پانے کے وعدہ پر بھروسہ کئے رہو اور موت جو ضرور آنے والی ہے اس سے نہ ڈرو، اس واسطے کہ کسی گردن کو اس کمند سے رہائی میسر نہیں اور کسی آڑ میں اس واقعہ سے چھٹکارا متصور نہیں۔۔ تو۔۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ ۗ وَإِنْ

جہاں کہیں رہو لے لے گی تم کو موت، گو تم مضبوط قلعوں میں رہو۔ اور اگر

تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا

پہنچی ان کو بھلائی، کہہ دیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر پہنچی برائی، تو کہیں کہ

هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ

یہ آپ کی طرف سے ہے۔ کہہ دو سب اللہ کی طرف سے ہے۔ تو کیا ہوا ہے اس قوم کو

لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾

کہ بات سمجھیں، اس کے قریب نہیں پھٹکتے●

(جہاں کہیں) بھی (رہو) گے (لے لے گی تم کو موت گو تم مضبوط قلعوں میں رہو)۔۔ یا۔۔ آراستہ محلوں میں رہو۔۔ یا۔۔ آسمان کے بارہ برجوں کے بیچ میں رہو یعنی کسی جگہ اور کسی حال میں آدمی کو موت سے چارہ نہیں۔ موت تو اپنے وقت معینہ پر آ کر ہی رہے گی، اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ منافقین بھی عجیب ہیں (اور) انکی سوچ بھی عجیب ہے۔۔ کیونکہ۔۔ (اگر پہنچی انکو)۔۔ مثلاً: مال

غنیمت اور فتح کی صورت میں (بھلائی) جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا، تو (کہہ دیں) گے (یہ اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے اور اگر پہنچی برائی) تنگ دستی، قحط اور ہزیمت کی صورت میں، جیسا کہ جنگ احد میں ہوا (تو کہیں کہ) اے محمد ﷺ '(یہ آپکی طرف سے ہے) یعنی آپکی ان تدبیروں کی وجہ سے ہے جو درست نہ تھیں۔

ایسے ہی آنخضرت ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ شریف کیلئے ہجرت فرمائی اور اس سال پچھلے سال کی طرح میوے نہ ہوئے، اور نرخ گراں ہونے لگی تو یہود اور منافقوں نے اس حال کو رسول مقبول ﷺ کے آنے کی جانب منسوب کیا۔ حق تعالیٰ انکا قول جھوٹا کرنے کو حکم فرماتا ہے کہ۔۔۔

اے محمد ﷺ ' ان سے (کہہ دو) کہ تنگی اور کشائش، گرانی اور ارزانی اور ہزیمت اور غنیمت (سب) کا سب (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے) جو کچھ ہوتا ہے اسی کے ارادے سے ہوتا ہے۔ (تو کیا ہوا ہے اس قوم) یہود اور گروہ منافقین (کو کہ) اتنی واضح اور روشن (بات سمجھیں)۔ وہ کیا سمجھیں گے جبکہ حال یہ ہے کہ وہ (اس) سمجھنے (کے قریب) بھی (نہیں پھٹکتے)۔۔۔ الغرض۔۔۔ جانوروں کی طرح سنتے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں۔ جن باتوں میں انکی خیر خواہانہ نصیحتیں ہیں اسپر بھی دھیان نہیں دیتے اور اسے بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔۔۔ المختصر۔۔۔ اے انسان! تو اس حقیقت کو سمجھ لے کہ۔۔۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ

جوتم کو پہنچی بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے، اور جو پہنچی برائی،

فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

تو یہ تیری شامت ہے۔ اور ہم نے بھیجا تم کو ہر انسان کیلئے رسول۔ اور اللہ کافی گواہ ہے ●

(جوتم کو پہنچی) کسی قسم کی (بھلائی تو) وہ (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) اور اسکے فضل و کرم کی وجہ سے (ہے اور جو پہنچی) کسی قسم کی تکلیف۔۔۔ یا۔۔۔ کسی طرح کی (برائی تو یہ تیری شامت) اعمال سے (ہے) اور تیرے گناہوں کی وجہ سے ہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اس آیت کریمہ میں جس اچھائی اور برائی وغیرہ کی طرف اشارہ ہے، اسکا تعلق 'امور تکوینیہ' سے ہے 'امور تشریعیہ' سے نہیں ہے۔ 'امور تکوینیہ'

سے مراد وہ امور ہیں جو بندوں کے دخل کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں، جیسے پیدا ہونا، مرنا، صحت، بیماری، بارش کا ہونا نہ ہونا، طوفانوں اور زلزلوں کا آنا وغیرہ وغیرہ اور 'امور تشریعیہ' سے مراد وہ کام ہیں جن کے کرنے یا انکے نہ کرنے کا بندوں کو حکم دیا ہے۔۔مثلاً: نیک کام کرنا اور برُے کاموں کو ترک کرنا۔ نیک اور بد کاموں میں سے جسکا بندہ قصد وارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو پیدا فرمادیتا ہے۔

بندہ کے ارادے کو 'کسب' اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو 'خلق' اور 'ایجاد' کہتے ہیں اور بندے کو اسکے کسب کی وجہ سے جزا۔۔یا۔۔سزا ملتی ہے۔کسب اور خلق کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسان نہ تو پتھروں کی طرح مجبور محض ہے، اور نہ ہی ایسا بااختیار کہ اس کو اسکے افعال کا خالق کہا جاسکے۔جبر واختیار کے مذکورہ بالا نظریات اور اسکے آثار اب بھی بعض لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ ہر نبی کے فرائض نبوت کا تعلق 'امور تشریعیہ' سے ہوتا ہے نہ کہ 'امور تکوینیہ' سے۔

تو اے محبوب! آپ تو اس حقیقت سے واقف (اور) اچھی طرح باخبر ہیں کہ (ہم نے بھیجا تم کو ہر انسان کیلئے رسول) بنا کر تا کہ تم میرے نازل فرمودہ احکام ان تک پہنچادو۔رہ گیا 'امور تکوینیہ' میں دخل اندازی کرنا، تو یہ تمہاری ذمہ داری نہیں اور نہ ہی تم اس کیلئے مبعوث کیے گئے ہو۔لہٰذا 'امور تکوینیہ' کے تحت ہونے والی کسی بھلائی۔۔یا۔۔برائی کی نسبت تمہاری طرف کرنا کوتاہ فکری اور کج فہمی کی نشانی ہے ۔۔الختصر۔۔تم اللہ کے رسول ہو (اور اللہ) تعالیٰ تمہاری رسالت پر (**کافی گواہ ہے**)۔۔لہٰذا۔۔کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ۔۔نیز۔۔منافقین کے انکار سے تمہارے منصب رسالت پر آنچ نہیں آتی۔

ذہن نشین رہے کہ رسول کا کام خدا ہی کے حکم سے خدا ہی کی عبادت واطاعت کی طرف بلانا ہے، تو رسول کی فرمانبرداری خود خدا ہی کی فرمانبرداری ہے۔۔چنانچہ۔۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى

جس نے کہا کیا رسول کا، اس نے کہا مانا اللہ کا۔اور جس نے بے رخی کی،

فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝۸۰

تو ہم نے نہیں بھیجا ہے تم کو ان کی حفاظت کا ذمہ دار●

(جس نے کہا کیا رسول کا) اور رسول کے کہنے پر عمل کیا، تو (اس نے کہا مانا اللہ) تعالیٰ (کا)

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم پر ایمان لایا (اور جس نے بے رخی کی) اور پھر گیا تمہارے حکم سے۔۔الغرض۔۔ تمہارے حکم کو جان بوجھ کر دل سے نظر انداز کر دیا، (تو) اے محبوب! تم اس کیلئے فکر مند نہ ہو، اسلئے کہ (ہم نے نہیں بھیجا ہے تم کو انکی حفاظت کا ذمہ دار) بنا کر، کہ آپ انکی گناہوں سے محافظت کریں۔۔الغرض۔۔ یہ حفاظت آپکے فرائض رسالت میں نہیں ہے۔ یہ منافقین بھی عجیب سرکش ہیں، جب آپکی بارگاہ میں ہوتے ہیں تو اپنی منافقت کا رنگ دکھاتے ہیں۔۔۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ

اور کہہ تو دیتے ہیں کہ سر تسلیم خم ہے، پھر جب نکل گئے تمہارے پاس سے، رات بھر کرتی رہی انکی ایک ٹولی اپنے کہے

غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ

کے خلاف۔ اور اللہ لکھ رکھتا ہے جو رات بھر منصوبے گانٹھتے ہیں۔ تو ان سے آنکھیں بچالو

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾

اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور اللہ کافی بھروسہ ہے●

(اور) کہنے کو (کہہ تو دیتے ہیں کہ) آپکے حضور (سر تسلیم خم ہے) یعنی آپکا کام حکم فرمانا ہے اور ہمارا کام فرمانبرداری کرنا ہے (**پھر جب نکل گئے تمہارے پاس سے، رات بھر کرتی رہی انکی ایک ٹولی اپنے کہے کے خلاف**) یعنی جو دن میں آپکے سامنے کہتے ہیں، رات میں اپنی جماعت کے درمیان اُسی کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اسکے خلاف منصوبے بناتے ہیں۔۔یا۔۔آپ جو ان سے کہتے ہیں وہ اپنی ٹولی میں اسکو بدل کر آپکی طرف سے پیش کرتے ہیں (اور) ان نادانوں کو خبر نہیں کہ (اللہ) تعالیٰ (**لکھ رکھتا ہے**) لوح محفوظ میں۔۔یا۔۔نامہ ءاعمال لکھنے والے فرشتے خدا کے حکم سے لکھ لیتے ہیں (جو) کچھ وہ (**رات بھر منصوبے گانٹھتے ہیں**) اور تدبیریں کرتے ہیں۔

(تو) اے محبوب! ابھی ان پر عتاب نازل نہ کرو، نہ ہی فی الحال انہیں قتل کرو، بلکہ کچھ دنوں کیلئے انکو چھوٹ دے دو۔ اور (ان سے) صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی (**آنکھیں بچالو**) اور انہیں توبہ کرنے کی مہلت دیدو (اور اللہ) تعالیٰ (**پر بھروسہ رکھو**) اور اپنا کام اسی پر چھوڑ دو (اور) تم تو جانتے ہی ہو کہ (اللہ) تعالیٰ (کافی) ہے اور وہی (بھروسہ) کرنے کے لائق (ہے)۔ وہی بندوں کا کام بنانے والا، احوال میں تصرف کرنے والا، اور متوکلوں کی مہمات میں کفایت کرنے والا ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہ سمجھ سکنے والے اور قرآنی احکام کو حکم الٰہی باور نہ کرنے والے۔۔۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ

کیا سوچ سے کام نہیں لیتے قرآن میں؟ اگر یہ ہوتا اللہ کے سوا کسی کی طرف سے،

لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿۸۲﴾

تو پاتے اس میں بہتیرے اختلاف●

(کیا سوچ سے کام نہیں لیتے قرآن میں)؟ تا کہ اعجاز کے آثار سے انہیں ظاہر ہو جائے کہ یہ حق تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔انہوں نے اتنا بھی غور نہ کیا کہ **(اگر یہ ہوتا اللہ)** تعالیٰ **(کے سوا کسی)** اور **(کی طرف سے)** جیسا کہ کافروں اور منافقوں کو گمان ہے **(تو پاتے)** عقل وفہم والے **(اس میں بہتیرے اختلاف)** یعنی معنی میں تناقض اور نظم میں تفاوت۔اسلئے کہ آدمی تفاوت اور خلل سے خالی نہیں، خواہ بحسب لفظ خواہ بحسب معنی۔

جب حق تعالیٰ نے معصومین سے بھی انکی شان کے لائق سہو ونسیان اور خطاء ولغزش صادر ہونے دیا، تو پھر کسی غیر معصوم کے کلام اور اسکے افعال واقوال میں خطاء ونسیان کو عادتاً محال قرار دینا، اگر ایک ناحق اور غیر دانشمندانہ فکر ہے، تو اسے عقلاً ناممکن قرار دینا کلام انسانی کو کلام الٰہی کے ہم پایہ کرنے کی ایک بہت بڑی جسارت ہے۔

منافقین۔۔یا۔ضعفائے مسلمین میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمانوں کے لشکر میں تو شامل ہو جاتے تھے،لیکن انکی عادت یہ تھی کہ اسلامی لشکر کو شکست ہوتی۔۔یا۔۔اسے مال غنیمت حاصل ہوتا، دونوں صورتوں میں وہ نبی کریم کو اسکی خبر دینے سے پہلے ہی اس خبر کو اڑادیتے تھے تا کہ شکست کی خبر سے مسلمانوں کے دل کمزور ہوں اور نبی کریم کو اذیت پہنچے۔۔یا۔۔بصورت دیگر اسلامی لشکر کی کامیابی کی صورت میں کفار کے دلوں میں جذبۂ انتقام پیدا ہو اور وہ پھر مسلمانوں سے لڑنے بھڑنے کی تیاری میں لگ جائیں۔دونوں پہلو سے ان خبر اڑانے والوں کا مقصود مسلمانوں کو ضرر پہنچانا ہی ہے۔۔الختصر۔۔ان خبر اڑانے والوں کی عادت۔۔۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى

اور جب آئی ان کے پاس کوئی بات امن یا ڈر کی، تو چرچا مچادیا اس کا، اور اگر سپرد کر دیتے اسے

الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ

رسول کے، اور اپنے بڑوں کی طرف، تو ساری بات جان جاتے جو ان میں چھانٹ لیتے ہیں حقیقت کو،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت، تو ضرور پیچھے لگ جاتے تم شیطان کے مگر تھوڑے ●

(اور) روش یہی رہی کہ (جب آئی انکے پاس کوئی بات امن) کی۔۔مثلاً: نبی کریم ﷺ کا کسی قوم سے مصلحت کا قصد فرمانا۔۔یا۔۔لشکر اسلام کا کامیاب ہوجانا (یا ڈر کی) جیسے دشمنوں کا اجتماع ۔۔یا۔۔مسلمانوں کے لشکر میں کسی لشکر کی کمی، (تو) تحقیق کرنے سے پہلے ہی (چرچا مچادیا اسکا) (اور اگر سپرد کردیتے اسے رسول) کی اصابت رائے (کے)، تو سرکار جب چاہتے اپنی صوابدید سے اس خبر کو ظاہر فرماتے۔ (اور) بصورت دیگر یہ بھی کرتے تو مناسب ہوتا کہ اس خبر کو (اپنے بڑوں) یعنی صاحبان علم وتدبر صحابہ کرام ۔۔یا۔۔اپنے لشکر کے حاکموں (کی طرف) پہنچا کر انہیں باخبر کردیتے (تو ساری بات جان جاتے) وہ لوگ (جو ان میں) اپنی فکر سلیم اور عقل مستقیم سے کام لیکر۔۔نیز۔۔نبی کریم سے مشورہ کرکے اور آپ سے ہدایت حاصل کرکے (چھانٹ لیتے ہیں حقیقت کو)، یعنی خبر کا تجزیہ کرکے صحیح نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں، اور انہیں اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ کس خبر کو ظاہر کردینا چاہئے اور کس خبر کو پوشیدہ رکھنا چاہئے۔

اے ایمان والو! سن لو (اور) اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن جاؤ، اسلئے کہ (اگر نہ ہوتا) ذات رسول اور بعثت رسول کی شکل میں۔۔نیز۔۔اسلام کی صورت میں (اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر) (اور) قرآن کریم اور توفیق خیر کی شکل میں (اسکی رحمت) اور اگر تم رسول کریم، اسلام اور قرآن کی برکتوں سے محروم رہتے (تو ضرور پیچھے لگ جاتے تم شیطان کے) اور اسکی پیروی کرلیتے (مگر) تم میں (تھوڑے) چند لوگ شیطان کی اطاعت سے محفوظ رہتے۔

۔۔الغرض۔۔چند مخصوص ترین لوگوں کے سوا سب بہک جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اپنے رسول کو مبعوث فرما کر تمہاری ہدایت کا سامان فراہم فرمادیا۔۔چنانچہ۔۔وہ رسول اعلاء کلمۃ الحق کیلئے بوقت ضرورت خود بھی جہاد فرماتا رہا اور دوسروں کو بھی اسکی ترغیب دیتا رہا اور حکم الٰہی سے انکی مذمت فرماتا رہا جو جہاد فی سبیل اللہ سے روکتے تھے اور لوگوں کو منع کرتے تھے۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رسول کو مخاطب فرما کر صاف صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! آپ ان لوگوں کے منع کرنے کی طرف توجہ اور التفات نہ کیجئے اور جہاد کیلئے نکل پڑیئے خواہ تنہا ہی نکلنا پڑے۔۔۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

پس لڑو اللہ کی راہ میں۔ اور تم ذمہ دار نہیں کئے گئے مگر اپنے، اور ابھارو اپنے ماننے والوں کو،

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝

قریب ہے کہ اللہ روک دے جنگ کافروں کی، اور اللہ طاقت جنگ میں سب سے زیادہ زوردار اور سب سے بڑا ہے سزا دینے میں●

(پس) اے محبوب! بوقت ضرورت (لڑو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)۔

--چنانچہ--اس حکم الٰہی کے پیش نظر بدر الصغریٰ میں جہاں ابوسفیان نے آپ سے مقابلہ کا وعدہ کیا تھا آپ ستر مسلمانوں کو لے کر نکل پڑے اور اس موقع پر جن بعض مسلمانوں نے وہاں جانا ناپسند کیا تھا، آپ نے انکی طرف اور انکی ممانعت کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی --بالفرض--اگر یہ ستر بھی ساتھ نہ ہوتے، جب بھی آپ تنہا روانہ ہو جاتے اور اپنے عمل سے ظاہر فرما دیتے کہ کسی بھی معرکہ میں کامیابی کی بنیادی وجہ صرف نصرت الٰہی ہے، جو کسی ایک فرد کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کیلئے افرادی قوت کو صرف ثانوی درجہ حاصل ہے۔-- یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ شجاع اور دلیر تھے۔ اور قتال کے احوال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف نبی کو قتال کا مکلف کیا ہے۔

(اور) قتال کا حکم دیکر فرمادیا کہ اے محبوب! (تم ذمہ دار نہیں کئے گئے مگر اپنے)۔--بایں ہمہ--مسلمانوں کو بھی بالکل نظر انداز نہ کرو (اور ابھارو اپنے ماننے والوں کو) بھی تا کہ وہ بھی اس فضل سے محروم نہ رہیں--الختصر--آپ کے ذمہ صرف ترغیب ہے تکلیف نہیں۔ اور اپنے ان چاہنے والوں کو مطمئن کر دو کہ یقیناً (قریب ہے کہ اللہ) تعالیٰ (روک دے جنگ کافروں کی) اور کافروں کے دل میں خوف ڈال دے۔

--چنانچہ--بدر صغریٰ میں یہی ہوا کہ ابوسفیان ڈرا اور بدر کے میدان میں نہیں آیا۔

--الغرض--یہ ایک حقیقت (اور) روشن سچائی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (طاقت جنگ) یعنی ہیبت وصولت (میں سب سے زیادہ زوردار) ہے۔ اسکی ہیبت وصولت کے آگے کفار کی طاقت کس شمار میں ہے؟ (اور سب سے بڑا ہے سزا دینے میں) عقوبت اور عذاب کرنے میں۔

تو اگر ڈرنا ہے تو خدا کے عذاب سے ڈرو اور اسکی عقوبت سے اپنے کو بچاؤ۔ کفار اس لائق کہاں ہیں کہ ان سے ایسا خوفزدہ رہا جائے جو دین اسلام ہی سے دور کردے۔۔الغرض۔۔خدا سے جس طرح ڈرنا چاہیئے بالکل اسی طرح غیر خدا سے ڈرنا ایمان والوں کی شان نہیں۔

منافقین کی بھی عجیب روش تھی کہ اپنے بعض منافقین کو جہاد میں شریک ہونے سے بچانے کیلئے حضور کی بارگاہ میں سفارش کرتے تھے کہ انکو فلاں فلاں عذر ہے۔۔لہٰذا۔۔انکو جہاد میں نہ شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ چونکہ یہ سفارش بدنیتی پر مبنی ہوتی تھی اسلئے یہ بری شفاعت ہے اور اس شفاعت میں جہاد میں نہ شریک ہونے کا گناہ دونوں کو ہوگا۔ انکو بھی جو جہاد میں شریک نہیں ہوا اور انکو بھی جنہوں نے انکے لئے اسکی سفارش کی۔ تو سفارش کرنے والے غور سے سن لیں کہ۔۔۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

جو سفارش کرے اچھی، تو اس کا حصہ اس سے ہے۔ اور جو سفارش کرے

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

بُری، اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قوت رکھنے والا ہے●

(جو سفارش کرے اچھی) کہ اس سے کوئی حق ثابت ہو اور کسی کو نفع پہنچے اور کسی سے ضرر دفع ہو (تو اس) درخواست کرنے والے (کا حصہ اس) درخواست کے ثواب میں (سے ہے اور) اسکے برخلاف (جو سفارش کرے بری) کہ اسکے سبب سے حقوق میں سے کوئی حق فوت ہو اور کسی کو ضرر پہنچے اور کسی کی بھلائی رک رہے، تو (اس) سفارش کرنے والے (کیلئے اس) کے وبال (میں سے حصہ ہے)۔ پہلی صورت میں ثواب دینے (اور) دوسری صورت میں وبال و ہلاکت میں مبتلا کردینے۔۔الحاصل۔۔ (اللہ) تعالیٰ (ہر چیز پر قوت رکھنے والا) توانا اور صاحب قدرت (ہے)۔۔نیز۔۔سب چیزوں کا نگہبان اور سب چیزوں پر گواہ ہے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالی نے جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ جب فریق مخالف صلح کرنے پر تیار ہو تو تم بھی اس سے صلح کرلو، اسلئے کہ اسلام صلح و سلامتی اور امن وشانتی کا دین ہے، تو اگر جہاد سے یہ مقصد حاصل ہو تو جہاد کرو اور اگر صلح سے حاصل ہو تو صلح کرلو۔۔۔

وَاِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ اَوۡ رُدُّوۡهَا ؕ

اور جب سلام کیا جائے تم پر کسی لفظ سے، تو تم جواب دو اس سے بہتر، یا اسی کو دہرا دو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَسِيۡبًا ﴿۸۶﴾

بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے●

(اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (جب سلام کیا جائے تم پر کسی لفظ سے تو تم جواب دو اس سے بہتر)۔۔مثلاً: السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ اور السلام علیکم ورحمتہ اللہ کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہے۔ اسلامی سلام یعنی السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ تمام آفتوں، بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کی دعا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے، تو وہ اسکو اپنی طرف سے ضرر اور خوف سے مامون اور محفوظ رہنے کی بشارت دیتا ہے۔۔الغرض۔۔سلام کا جواب سلام کرنے والے کے سلام سے بہتر دو۔ (یا) کم سے کم (اسی کو دہرا دو) اور السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام کہہ دو۔ اسطرح ابتداء بھی سلامتی کی دعا سے ہوئی اور انتہا بھی سلامتی کی دعا پر ہوئی۔

اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر سلام کرنے والا مسلمان ہو، تو اسے بہتر جواب دینا چاہئے اور اگر مسلمان نہ ہو، تو علیک کے لفظ سے اسے پھیر دینا چاہئے۔

اچھی طرح جان لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (ہر چیز کا حساب لینے والا ہے)، تو تم سے سلام اور اسکے جواب کا حساب لیگا۔

سلام کرنا اگرچہ مستحب ہے مگر اسکا جواب دینا واجب ہے۔ آج اگرچہ مسلمانوں کے درمیان سلام اور جواب سلام ایک عام طریقہ ہے، لیکن سلام کرنے والے اور جواب دینے والے دونوں کا ذہن اسکے حقیقی مفہوم اور اس مفہوم کے صحیح تقاضے سے ناآشنا ہے۔۔یا۔۔ سمجھ بوجھ کر، ناسمجھ بنے ہوئے ہیں اور ناسمجھوں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اور اگر سارے لوگ اسکو سمجھ کر ادا کریں اور اسکے تقاضے پر مکمل طور پر عمل کرنے لگیں پھر تو مسلمانوں کے درمیان صلح وسلامتی کا وہ ماحول پیدا ہو جائے کہ سارے انتشار وافتراق اور نفسانی جنگ وجدال کی جڑ ہی کٹ جائے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اگر جماعت مسلمین کو سلام کیا تو ہر ایک پر جواب دینا 'فرض کفایہ' ہے لیکن جب کسی ایک نے جواب دیدیا تو باقیوں سے جواب دینے کا فرض ساقط

ہو جائیگا۔ فساق اور فجار کو پہلے سلام نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کوئی اجنبی عورت کسی مرد کو سلام کرے، تو اگر وہ بوڑھی ہو، تو اسکو اسکے سلام کا جواب دینا چاہئے اور اگر جوان ہو، تو اسکے سلام کا جواب نہ دے، یعنی اسکو جواب دینا واجب نہیں۔ بلکہ جواب دینے سے احتراز بہتر ہے۔ اب اگر موجودہ عام روش۔۔یا۔۔کسی نیت خیر کی بنیاد پر جواب دے دیا تو گنہگار نہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سلام کا احسن طریقے سے جواب دینے کا حکم دیا تھا، اسکا تقاضہ یہ ہے کہ جو اجنبی شخص تم کو سلام کرے، تو اسکو مسلمان جانو اور یہ نہ سمجھو کہ اس نے جان بچانے کیلئے سلام کیا ہے اور اسکے دل میں کفر ہے۔ کیونکہ باطن کا حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جس نے اسلام کو ظاہر کیا اور باطن میں وہ کافر تھا، اسکا حساب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لیگا، اسلئے اسکے بعد قیامت کا ذکر کیا۔۔الغرض۔۔اسکی گرفت سے کوئی باہر ہونے والا نہیں اور اسکی پکڑ سے کوئی کیسے بچ سکتا ہے اسلئے کہ وہ شان کبریائی رکھنے والا۔۔۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ

اللہ، کہ نہیں کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا، ضرور جمع کریگا تم لوگوں کو قیامت کے دن، جس میں ذرا شک نہیں۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع

اور کون زیادہ سچا بات کا ہوگا اللہ سے ●

(اللہ) تعالیٰ (کہ نہیں کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا)۔ خدا کی قسم وہ (ضرور جمع کریگا تم لوگوں کو قیامت کے دن، جس) دن کے ہونے۔۔یا۔۔اس جمع ہونے (میں ذرا شک نہیں اور) جب اللہ تعالیٰ نے فرما ہی دیا ہے، تو شک کا سوال ہی کیا۔ اسلئے کہ (کون زیادہ سچا بات کا ہوگا اللہ) تعالیٰ (سے)۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی سچا نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بات اور وعدہ میں جھوٹ کو راہ نہیں، اس واسطے کہ جھوٹ نقص ہے اور حق تعالیٰ نقص سے پاک ہے۔

اس سے پہلے ہدایت دی جا چکی ہے کہ اگر کوئی بھی تم کو سلام کرے تو اسکے تعلق سے کسی بدگمانی کا شکار نہ ہو اور اسکے سلام کا جواب اچھے اور بہتر طریقے پر دو، لیکن اسکا مطلب یہ نہیں کہ جنکا کفر و نفاق حالات و تجربات کی روشنی میں تم پر واضح ہو چکا ہو، انکے تعلق سے آپس میں مختلف الرائے ہو جاؤ۔ لہٰذا وہ قوم جس نے مکہ سے ہجرت کی اور پشیمان و شرمندہ ہو کر راہ سے پھر آئے اور رسول مقبول ﷺ کو اپنے اسلام کا پیام بھیج دیا۔۔یا۔۔وہ لوگ جنہوں نے مدینہ

کی ہوا نا موافق ہونے کا بہانہ کیا اور آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی کہ ہم لوگ جنگل میں رہیں، پھر مدینہ سے باہر نکل کر مکہ کے مشرکوں سے مل گئے، تو ایسوں پر اسلام۔۔یا۔۔کفر کا حکم نافذ کرنے میں تم تردد کا شکار ہو گئے، یہاں تک کہ بعض نے انہیں مسلمان سمجھ لیا۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ أَتُرِيْدُوْنَ

توتمہیں کیا ہوا منافقوں کے بارے میں دو پارٹی، حالانکہ اللہ نے اوندھا کر دیا انکو انکے کرتوتوں کے سبب۔ کیا تم چاہتے ہو

أَنْ تَهْدُوْا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

کہ راہ پر لے آؤ جسکو بے راہ بتا دیا اللہ نے، اور جسکو اللہ نے بے راہ بتایا، تو تم اسکے لئے راہ نہ پاؤ گے●

(تو) ذرا غور کرو کہ (تمہیں کیا ہوا) کہ تم ہو گئے (منافقوں) پر حکم کفر نافذ کرنے (کے بارے میں دو پارٹی)۔ ایک کافر سمجھتی ہے اور دوسری مسلمان۔ آخر تم ان لوگوں کے نفاق کے بارے میں اتفاق کیوں نہیں کر لیتے (حالانکہ) یعنی جبکہ صورت حال یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے اوندھا کر دیا انکو انکے کرتوتوں کے سبب) یعنی انکے مشرکین کے ہاں مرتد ہو کر چلے جانے اور حضور ﷺ سے دغابازی کرنے کی وجہ سے۔۔چنانچہ۔۔انہیں کفار کی طرف لوٹا دیا۔ اب انکے اور کافروں کے احکام برابر ہونگے۔۔لہٰذا۔۔ذلت ورسوائی، قید و بند اور قتل کئے جانے میں یہ کافروں کے شریک ہونگے۔

تو اے سراپا اخلاص ایمان والو! (کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لے آؤ) اور اسے ہدایت یافتہ بنا دو (جسکو بے راہ بتا دیا اللہ) تعالیٰ (نے) اور اسکی گمراہی ظاہر فرما دی (اور) راہِ مستقیم پر آنے کی توفیق اس سے چھین لی ہے۔ تو اچھی طرح سن لو کہ (جسکو اللہ) تعالیٰ (نے بے راہ بتا) د(یا) ہے، (تو تم اس) کو ہدایت یافتہ بنانے (کیلئے) کوئی (راہ نہ پاؤ گے)۔ اور اسکو راہِ ہدایت پر لانے کیلئے تمہاری ساری کوششیں رائیگاں جائینگی۔ تو تم اس گمان میں نہ رہو کہ تم منافقوں کو راہِ راست پر لاسکو گے۔

غور کرو کہ تم ایسے فعل کی کوشش کر رہے ہو جو بالکل محال ہے، کہ جسے اللہ تعالیٰ نے دروازے سے ہٹا دیا ہے تو پھر کسی کیلئے کیسے ممکن ہے کہ ایسے گمراہ کو راہ ہدایت پر لا سکے۔ اسلئے ایسے لوگوں کو مومن سمجھنا یا ہدایت یافتہ بنانا وہم و خیال کی باتیں ہیں۔۔المختصر۔۔جو لوگ ایمان و ہدایت سے کوسوں دور ہو چکے ہوں، ان کیلئے سعی وارادۂ ہدایت خام خیالی ہے۔ ایمان والو! ذرا انکے حال پر غور تو کرو کہ وہ اپنے کفر میں کس حد تک پہنچ چکے ہیں اور کتنا غلو اختیار کر چکے ہیں۔ تم تو یہ چاہتے ہو کہ وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں۔۔۔اسکے برخلاف۔۔۔

وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ

انکی آرزو ہے کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ، جس طرح انھوں نے کفر کیا تو تم لوگ برابر ہو جاؤ۔ تو نہ بناؤ ان میں سے

اَوۡلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ

دوست، یہاں تک کہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں۔ پھر اگر رُوگردانی کی تو گرفتار کرلو ان کو اور مار ڈالو ان کو

حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ‌ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۸۹﴾

جہاں پالیا انھیں، اور نہ بناؤ ان میں سے یار اور نہ مددگار●

(انکی آرزو ہے کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ، جس طرح انہوں نے کفر کیا، تو تم لوگ) کفر و طغیان، گمراہی و سرکشی میں انکے **(برابر ہو جاؤ، تو)** ایسے بدخواہوں، بداندیشوں اور گمراہوں کو اپنے سے دور رکھو اور **(نہ بناؤ ان میں سے)** کسی کو اپنا **(دوست)**۔ ان سے ہر طرح کی یاری اور دوستی ختم کر دو **(یہاں تک کہ)** وہ سچے دل سے ایمان لائیں۔ ایسا پختہ، سچا، اور کھرا ایمان، جو بوقت ضرورت انہیں بخوشی ہجرت پر مجبور کر دے اور پھر وہ **(ہجرت کریں اللہ)** تعالیٰ **(کی راہ میں)** صرف اللہ و رسول کی رضا کیلئے۔ اس میں دنیاوی غرض کا معمولی شائبہ بھی نہ ہو۔ یہاں پر یہ واضح ہو گیا کہ جو کسی دوسرے کیلئے کافر ہونے کی آرزو رکھتا ہے، وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ اندرونی طور پر کافر ہے، اگرچہ وہ لاکھ بار کہے کہ میں مسلمان ہوں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد رسول ﷺ ہے کہ۔۔۔

'کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے۔'

۔۔اولاً تم انہیں ایمان کے نتیجے میں ہونے والی ہجرت کی دعوت دو اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں **(پھر گر روگردانی کی)** اس ایمان سے جو خدا کی رضا کیلئے ہجرت اور رسول کریم ﷺ کی سچی محبت سے متعلق ہو، **(تو)** اب انکی کوئی رعایت نہ کرو اور گرفتار کر سکنے کی طاقت رکھنے کی صورت میں **(گرفتار کرلو انکو اور)** پھر **(مار ڈالو انکو)** حرم کے باہر یا حرم کے اندر۔۔ الغرض۔۔ **(جہاں پالیا انہیں)** اسلئے کہ قید اور قتل کرنے کے حکم میں، یہ دوسرے مشرکوں اور کافروں کے حکم میں ہیں **(اور)** ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ **(نہ بناؤ ان میں سے یار اور نہ مددگار)**۔

۔۔الغرض۔۔ انہیں تم اپنے کسی معاملہ میں متولی نہ بناؤ اور نہ ہی حمایتی اور مددگار، یعنی ان سے کلی طور پر کنارہ کش ہو جاؤ اور ان سے کسی طرح کی یاری، دوستی اور حمایت قبول نہ کرو اور ہمیشہ کیلئے اسی دستور پر قائم رہو۔۔۔

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۢ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ

مگر جو لگے ہیں ایسی قوم سے کہ تمہارے اوران کے درمیان کوئی معاہدہ ہے، یاآئے تمہارے پاس

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

کہ سینہ تنگ ہو چکا کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں، اور اگر اللہ چاہتا

لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ

ضرور چڑھا دیتا ان کو تم پر، پھر وہ ضرور لڑ جاتے تم سے۔ تو اگر وہ تم سے کنارے ہوگئے، چنانچہ تم سے نہ لڑے

وَ اَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ﴿۹۰﴾

اور صلح کی بات ڈالی، تو نہیں دی اللہ نے تمہیں ان پر راہ●

(مگر جو) لوگ پناہ لیکر جا ملے اور (لگے ہیں ایسی قوم سے کہ تمہارے اور انکے درمیان کوئی معاہدہ ہے)۔۔مثلاً: قبیلۂ خزاعہ۔۔یا۔۔بنی بکر۔۔یا۔۔بنی اسلم کے، کہ رسول مقبول ﷺ نے ان سے اقرار کرلیا تھا کہ جو شخص انکے جوار اور انکی پناہ میں آجائے، وہ خود رسول کریم ﷺ کے جوار و پناہ میں آ گیا، تو ایسے لوگ قید و بند اور قتل سے مستثنیٰ رہیں گے۔ (یا) وہ مستثنیٰ رہیگا جو (آئے تمہارے پاس کہ سینہ تنگ ہو چکا) خواہ جنگ بندی کا معاہدہ کرلینے کی وجہ سے۔۔یا۔۔خوف وہیبت کی وجہ سے (کہ تم سے لڑیں یا) اپنے بھائی برادری ہونے کے ناطے (اپنی قوم سے لڑیں)۔ جیسا کہ بنومدلج نے کیا۔ اسلئے کہ انہوں نے مسلمانوں سے معاہدہ کرلیا تھا کہ وہ تادم زندگی انکے ساتھ جنگ نہیں کرینگے۔۔اسی طرح۔۔انہوں نے قریش سے معاہدہ کرلیا تھا کہ وہ انکے ساتھ بھی نہیں لڑیں گے۔

۔۔الختصر۔۔ان لوگوں نے یہ عہد کرلیا تھا کہ وہ نہ تو اپنی قوم کی مدد کیلئے مسلمانوں سے جنگ کرینگے اور نہ ہی مسلمانوں کی مدد کیلئے اپنی قوم سے جنگ کرینگے۔ تو یہ لوگ بھی جب معاہدہ کرنے والوں کی پناہ میں آگئے، تو وہ گویا انہیں کے حکم میں ہیں۔ اسی لئے خون کی حفاظت میں وہ معاہدین کے حکم میں ہیں۔ مسلمانو! شکر ادا کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے کافروں کے دل میں تمہارا رعب ڈال دیا۔۔یا۔۔خود ان کافروں کو اپنی ہی ذاتی مصلحتوں کا اسیر کردیا کہ وہ طے کر بیٹھے کہ انہیں مسلمانوں سے جنگ نہیں کرنی ہے۔

(اور اگر)۔۔بالفرض۔۔اسکے برخلاف، اپنی حکمت بالغہ کے تحت بطور آزمائش (اللہ) تعالیٰ (چاہتا) تو (ضرور چڑھا دیتا انکو تم پر) انکے دلوں سے تمہارا خوف نکل جاتا (پھر وہ ضرور لڑ جاتے تم سے)

مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایسا نہیں کیا (تو اگر) بفضلہٖ تعالیٰ (وہ تم سے کنارے ہو گئے) تم سے لڑنے کا ارادہ دل سے نکال دیا (چنانچہ تم سے نہ لڑے اور) تمہارے بیچ (صلح) ومصالحت (کی بات ڈالی) اور پوری طور پر صلح پر آمادہ ہو گئے، (تو) اچھی طرح جان لو کہ اس صورت حال میں (نہیں دی) ہے (اللہ) تعالیٰ (نے تمہیں ان پر) یعنی انکی جانیں مارنے اور انکے مال لوٹنے پر (راہ)۔

--المختصر--اگر وہ تم سے علیحدگی اختیار کر کے تمہارے ساتھ لڑائی کا ارادہ نہ رکھیں باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ تمہارے اوپر غلبہ رکھتے ہیں، پھر بھی تمہارے ساتھ صلح وصفائی بلکہ سرتسلیم خم کریں، تو انہیں نہ تو قیدی بناؤ اور نہ قتل کرو، اگرچہ وہ اپنی قوم سے نہ لڑیں--نیز--اگرچہ وہ تمہارے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ بھی نہ کریں، مگر چونکہ معاہدہ کرنے والوں کی پناہ میں ہیں، تو انکا بھی شمار معاہدہ کرنے والوں میں کیا جائیگا۔

اس صورت میں اس آیت کو 'آیت قتال وسیف' یعنی **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ** --الایۃ سے منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں رہ جاتی، کیونکہ جن مشرکوں سے مسلمان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر چکے ہوں، انکے حق میں یہ آیت منسوخ نہیں۔تو اب جو ان معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ ملحق ہو جائیں وہ بھی اس حکم میں انکے ساتھ شریک ہونگے۔لیکن جنہوں نے کسی طرح کا کوئی معاہدہ نہ کیا ہو اور نہ ہی معاہدہ کرنے والوں سے ملحق ہوئے، صرف مسلمانوں سے قتال نہ کرنے کی وجہ سے محفوظ رکھے گئے، انکے حق میں یہ آیت، 'آیت قتال' سے منسوخ قرار دی جائیگی۔

--بایں ہمہ--اہل اسلام کو ان سے بالکل بے پرواہ نہیں ہو جانا چاہئے، بلکہ انکی حرکتوں پر نظر رکھنی چاہئے، کہ کہیں وہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف کوئی خفیہ ریشہ دوانی تو نہیں کر رہے ہیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ جس مجبوری کے سبب آج سر جھکائے ہوئے ہیں، اسکے ختم ہوتے ہی وہ سر اٹھالیں اور انکی طرف سے ہماری غفلت و بےفکری کے سبب یہ ناجائز فائدہ اٹھالیں اور اچانک اہل اسلام پر ہلّہ بولدیں اور انکے اہل وعیال اور آل واولاد کو نقصان پہنچائیں--لہٰذا--اہل اسلام پر ضروری ہے کہ انکی اس ٹیڑھی چال کا خاص خیال رکھیں۔ سرتسلیم خم کر دینے کی مذکورہ بالا صورتحال میں ان سے جنگ تو نہیں کی جائیگی لیکن جب اہل اسلام کو ان پر غلبہ حاصل ہو جائیگا، تو ان سے جزیہ ضرور لیا جائیگا جسکا مقصد انکے جان ومال کی حفاظت بھی ہے۔

آ گے کی آیت میں منافقین کی ایک اور قسم بیان کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے سامنے اسلام کو ظاہر کرتے تھے تا کہ وہ قتل کئے جانے، گرفتار ہونے اور اموال کے چھن جانے سے محفوظ رہیں۔ لیکن درحقیقت وہ کافر تھے اور کافروں کے ساتھ تھے۔ اور جب بھی کفار انکو شرک اور بت پرستی کی طرف بلاتے، تو غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، انکے مصداق میں اختلاف ہے۔

۔۔۔ایک قول یہ ہے کہ وہ مکہ میں رہتے تھے اور بہ طور تقیہ اسلام لے آئے تھے، تا کہ اپنے آپ کو اور اپنے رشتہ داروں کو قتل کئے جانے سے محفوظ رکھیں اور جب کفار انکو بت پرستی کی طرف بلاتے، تو وہ چلے جاتے تھے۔۔۔ اس تقدیر پر آیت میں مذکور لفظ 'فتنہ' سے مراد شرک اور بت پرستی ہے۔

۔۔۔دوسرا قول یہ ہے کہ تہامہ کا ایک قبیلہ تھا، انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ کے نبی، نہ ہم آپ سے قتال کرینگے اور نہ ہماری قوم آپ سے قتال کریگی۔ اور انکا ارادہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی۔ اسکے باوجود جب بھی مشرکین فتنہ اور فساد کی آگ بھڑکاتے، تو وہ اسمیں کود پڑتے تھے۔ کافروں کے ساتھ فتنہ وفساد برپا کرنے اور مسلمانوں سے قتال کرنے کیلئے آمادہ ہوجاتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ

اب پاؤ گے کچھ دوسروں کو، چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے اور امن میں اپنی قوم سے،

كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا

جب وہ پھیرے گئے فتنہ کی طرف تو اوندھے منہ گرے اس میں، تو اگر وہ باز نہ رہے تم سے اور صلح

اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ

کی بات نہ ڈالی، اور نہ اپنا ہاتھ روکا، تو پکڑو ان کو، اور مار ڈالو جہاں پا گئے ان کو۔

وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۹۱ ع

یہ لوگ ہیں کہ ہم نے تمہیں جن پر کھلا ہوا قابو دے دیا۔

اے محبوب! (اب) عنقریب (پاؤ گے) قبیلۂ غطفان۔۔یا۔۔ بنی اسد کے منافقین میں سے عجیب وغریب (کچھ) یعنی بعض (دوسروں کو) جو یہ (چاہتے ہیں کہ) تمہارے ساتھ بھی (امن

یں رہیں تم سے)۔۔چنانچہ۔۔یہ مدینہ آ کر اپنا اسلام ظاہر کرینگے (اور)۔۔نیز۔۔(امن میں) رہیں اپنی قوم سے) بایں طور کہ جب مدینہ سے واپس ہو کر اپنی قوم میں آ جائیں، تو کافر ہو جائیں یعنی کفر ظاہر کردیں اور مشرکین کے شریک کار ہو جائیں ۔۔چنانچہ۔۔(جب وہ پھیرے گئے) اور بلائے گئے (فتنہ) وفساد برپا کرنے (کی طرف) یعنی کفریہ اعمال انجام دینے ۔۔یا۔۔مسلمانوں سے قتال کرنے کی جانب، (تو) انکا ہر فرد بے سوچے سمجھے اپنی بے عقلی کا ثبوت دیتے ہوئے (اوندھے منہ) بے تحاشہ (گرے) گا (اس) فتنہ (میں)۔

(تو) اے محبوب ! ایسی صورت میں (اگر وہ باز نہ رہے تم سے) اور تمہارے قتال سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی (اور صلح کی بات نہ ڈالی)، یعنی تم سے صلح وامان کے طالب نہیں ہوئے، (اور نہ) تمہارے قتال سے (اپنا ہاتھ روکا) (تو) اب انکی کوئی رعایت نہ کرو اور (پکڑو انکو اور مار ڈالو جہاں) جہاں (پا گئے) ان پر قابو ۔(انکو) زندہ نہ چھوڑو ۔ اسلئے کہ فسادیوں اور فتنہ پروروں کو نیست و نابود کردینا ہی دنیا میں امن وامان اور سکون واطمینان قائم کر لینے کیلئے ضروری ہے ۔ اور ان فسادیوں فتنہ پروروں سے زمین کو پاک وصاف کردینا ہی عدل وانصاف کا تقاضہ ہے ۔(یہ) وہ (لوگ ہیں کہ ہم نے تمہیں جن پر کھلا ہوا قابو دیدیا) انکے کفر کا ظاہر ہو جانا اور ان سے غدر اور مکر کا واقع ہو جانا، دونوں باتیں انکے قتل کردینے اور قید کر لینے کے جواز کی تمہارے پاس روشن دلیلیں ہیں ۔ تو انکے حق سے تمہارا یہ عمل مبنی برانصاف ہی قرار دیا جائیگا ۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دی تھی اور کفار کے خلاف جہاد نہ کرنے والوں کی مذمت کی تھی ۔ اب آگے کی آیت میں جہاد کے متعلق بعض احکام بیان کئے ہیں ۔۔کیونکہ۔۔جب مسلمان کافروں پر حملہ کرینگے تو بلا قصد و ارادہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان کے ہاتھوں مارا جائے ۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے حکم بیان فرمایا ہے کہ اگر مسلمان مقتول دارالاسلام کا باشندہ ۔۔یا۔۔کسی معاہد ملک کا باشندہ ہو تو اسکے ورثاء کو اسکی دیت ادا کی جائیگی اور اسکی خطا کے کفارہ میں ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کیا جائیگا اور اگر غلام یا باندی کو آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو، تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے جائینگے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ کافروں کو تو مذکورہ بالا صورت حال میں قتل کردیا جائیگا ۔۔۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

اور نہیں کسی مومن کیلئے کہ مارڈالے کسی مومن کو، مگر غلطی سے۔ اور جس نے مارڈالا کسی مومن کو

خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلٰٓى أَهْلِهٖٓ إِلَّآ أَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ

غلطی سے، تو اب ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے۔ اور خوں بہا ہے جو حوالہ کیا جائے مقتول کے لوگوں کو، مگر یہ کہ وہ بخش دیں۔

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ

پھر اگر مقتول اس قوم سے ہے جو تمہاری دشمن ہے اور خود وہ مومن ہے، تو آزاد کرنا ہے ایک مسلمان غلام کو۔

وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلٰٓى

اور اگر وہ ایسی قوم سے ہے کہ تم میں اور اس میں کوئی معاہدہ ہے، تو خوں بہا ہے جو مقتول والوں کے

أَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

سپرد کی جائے اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے۔ تو جس نے نہ پایا، تو دو مہینے کا

مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

لگاتار روزہ رکھنا ہے۔ یہ طریقۂ توبہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور) اسکے برخلاف **(نہیں)** ہے **(کسی مومن کیلئے)** سزاوار اور درست **(کہ)** وہ **(مارڈالے کسی مومن کو)** ناحق **(مگر)** یہ کام اس سے نادانی اور بطورِ خطا۔۔نیز۔۔نادانستہ طور پر **(غلطی سے)** ہو جائے۔ **(اور جس نے مارڈالا کسی مومن کو غلطی)** اور نادانی **(سے)**۔ خواہ فعل میں خطا ہوئی۔۔مثلاً: نشانہ لے رہا تھا ہرن کا اور گولی کسی مومن کو لگ گئی۔۔یا۔۔قصد وارادہ میں خطا ہوئی۔۔مثلاً: گمان تھا کہ وہ شخص کافر ہے، لیکن وہ درحقیقت مسلمان تھا۔

جنگ اُحد میں حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان کا قتل۔۔یا۔۔حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کا بنی عامر کے ایک شخص کو قتل کردینا۔۔یا۔۔حضرت ابودرداء کا غلط فہمی میں ایک مسلمان کو قتل کردینا۔۔یا۔۔حضرت اسامہ بن زید کا غلط فہمی سے مرداس بن عمر کو قتل کردینا، یہ سب قتل خطا کی مثالیں ہیں۔۔یا۔۔کوئی ایسی صورت پیش آگئی اور ایسی خطا سرزد ہوگئی جو قتل خطا کے قائم مقام ہے۔۔مثلاً: کسی انسان کے ہاتھ سے اینٹ۔۔یا۔۔لکڑی گرگئی، جس سے دوسرا شخص ہلاک ہوگیا، اسکا حکم بھی قتل خطا کی طرح ہے۔

(تواب) ان صورتوں میں بطور کفارہ (ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے) اور اسکو غلامی جو بمنزلہ موت ہے، سے نکال کر آزادی جو بمنزلہ حیات ہے، تک پہنچانا ہے تو ایک مسلمان کے مارنے کی تلافی اسطرح ہوگی کہ ایک مسلمان کو زندہ کیا جائے، مگر وہ غلام بھی غلاموں میں فرد کامل ہو۔ اندھا، لنگڑا، لولا اور مجنون نہ ہو۔۔اور۔۔انکے علاوہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، کالا ہو یا گورا۔۔الغرض۔۔کسی بھی صفت کا غلام آزاد کیا جاسکے گا۔اوراب چونکہ اسلام کی تعلیمات کی اشاعت کی وجہ سے غلام بنانے کا دور ختم ہو چکا ہے، اسلئے اب قتل خطا کے کفارہ میں مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائینگے (اور) مذکورہ بالا صورت میں (خوں بہا) بھی (ہے، جو حوالہ کیا جائے) اور سپرد کیا جائے (مقتول کے) وارث (لوگوں کو، مگر یہ کہ وہ بخش دیں)۔یعنی وارث تصدق کردیں قاتل پر اور دیت اسپر معاف کردیں۔

(پھر اگر مقتول اس قوم سے ہے جو تمہاری دشمن ہے) جن سے تمہاری جنگ چھڑی ہوئی ہے (اور) صورت حال یہ ہو کہ (خود وہ) مقتول (مومن ہے)، جسکے مومن ہونے کا قاتل کو علم نہیں تھا کہ وہ واقعی مومن ہے، اسلئے قاتل نے جب دیکھا کہ وہ دشمن کی صف میں ہے اور وہ اسلام قبول کر کے ہجرت نہ کرسکا اور دارالحرب ہی میں رہ گیا، تو قاتل کو یقین ہوگیا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو ضرور ہمارے ہاں ہجرت کر کے آجاتا، حالانکہ وہ مسلمان ہو کر کفار کے ساتھ رہا، یا وہ مسلمان تو ہو چکا تھا، لیکن اسلامی امور سے بے خبر رہا۔

۔۔المختصر۔۔دارالحرب میں ایک مسلمان نے بے خبری کے عالم میں کسی مسلمان کو قتل کردیا (تو) اسکا کفارہ (آزاد کرنا ہے ایک مسلمان غلام کو) یعنی دارالحرب میں بھی کسی مسلمان کو بطور خطاء قتل کر دینے کی صورت میں بھی اس قاتل پر لازم ہے کہ کفارہ کے طور پر ایک مومن غلام کو آزاد کردے۔ایسے مسلمان کو قتل کرنے پر صرف کفارہ ہے، دیت واجب نہیں ہے۔اسلئے کہ اسکے دارالحرب میں رہنے کی وجہ سے اسپر وراثت کے قوانین کا اجرا نہیں۔چونکہ دیت بطور وراثت دی جاتی ہے اور دارالاسلام اور دارالحرب کے رہنے والوں کے درمیان وراثت نہیں ہے۔

(اور اگر وہ ایسی قوم سے ہے کہ تم میں اور اسمیں کوئی معاہدہ ہے) یعنی اگر وہ مقتول ایسی قوم کفار سے ہے کہ تمہارے اور انکے مابین ہمیشہ کیلئے۔۔یا۔۔ایک مدت تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا ہے، (تو) قاتل پر (خوں بہا) لازم (ہے جو مقتول والوں) یعنی مقتول کے مسلمان وارثوں (کے سپرد کی جائے) اگر اسکے وارثین اہل اسلام میں سے ہوں۔(اور) مزید برآں (ایک مسلمان غلام کا

آزاد کرنا) بھی لازم (ہے) اسلئے کہ یہ بھی دوسرے کفاروں کی طرح ایک کفارہ ہے۔

(تو جس نے نہ پایا) کوئی غلام اور نہ ہی اسکے پاس اہل وعیال کے نان ونفقہ اور حوائج ضروریہ اور گھریلو ضروریات وغیرہا سے زائد اتنا سرمایہ ہے کہ جس سے غلام خرید کر آزاد کرسکے، (تو) بطور کفارہ اسپر (دو مہینے کا لگاتار روزہ رکھنا) لازم (ہے)۔

تسلسل کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے دو ماہ کے درمیان کوئی ایک روزہ چھوڑ دیا۔۔ یا۔۔ کسی اور روزے کی نیت باندھ لی، تو اسپر کفارہ کیلئے از سر نو دو ماہ دیگر روزے رکھنے ضروری ہیں۔۔ لہٰذا۔۔ کفارے کا روزہ رکھنے میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ رمضان شریف کا مہینہ نہ ہو۔۔ نیز۔۔ شروع کرنے میں اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ انکے دو مہینوں کے درمیان ان دنوں میں سے کوئی دن نہ آئے جس میں روزہ رکھنا حرام ہے۔۔ ہاں۔۔ حیض و نفاس اور اسطرح کی وہ ضرورت کہ جسکے سوا چارہ نہیں، تو ایسی مجبوری تسلسل کو قطع نہیں کرتی۔

یہاں یہ بھی واضح ہوگیا کہ ارشادِ الٰہی کی روشنی میں قتل خطا کا کفارہ صرف غلام آزاد کرنا۔۔ یا۔۔ مسلسل دو ماہ روزے رکھنا ہے۔ اسمیں کھانا کھلانے کا کوئی دخل نہیں۔

(یہ طریقۂ توبہ اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے) تو اے محبوب! قاتل کو خوشخبری سنادو کہ اگر اس نے نادم ہوکر، مذکورہ بالا طریقے سے توبہ کی اور ایک غلام آزاد کردیا۔۔ یا۔۔ بصورت دیگر مسلسل دو ماہ روزے رکھ لئے، تو اسکی اس توبہ کو رب کریم اپنے فضل وکرم سے ضرور قبول فرمائیگا۔ (اور) کیوں نہ قبول فرمائے کہ بیشک (اللہ) تعالیٰ (علم والا) اور قاتل ومقتول کے حال کا جاننے والا ہے اور (حکمت والا ہے)۔۔ چنانچہ۔۔ دیت اور کفارہ کے احکام دیکر اپنی حکمت بالغہ کو ظاہر فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ قاتل کا ارادہ مقتول زیر بحث کو قتل کرنے کا نہیں تھا، اور نہ ہی اس نے یہ غلطی قصداً کی ہے۔۔ بایں ہمہ۔۔ اس غلطی کے سرزد ہونے میں اسکی کوتاہیوں اور لاپرواہیوں کا دخل ضرور ہے۔ اگر وہ لاپرواہی نہ کرتا، تو اتنی بڑی غلطی سرزد نہ ہوتی۔۔ الغرض۔۔ قاتل نے احتیاط سے کام نہیں لیا، لہٰذا اسکی اس بے احتیاطی اور لاپرواہی کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم کردیا گیا۔ اس سے نفس انسانی کی قدر وقیمت اور اسکی عظمت وحرمت کی بھی نشاندھی ہوتی ہے۔ اب تک یہ سارے احکامات قتل خطا سے متعلق تھے۔۔ اب آگے جان بوجھ کر دیدہ ودانستہ قتل کردینے کے احکامات ظاہر فرمائے جارہے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ کسی مسلمان کو دیدہ و دانستہ اور عمداً قتل کرنا، جس پر قرآن کریم میں دوزخ کی وعید سنائی گئی ہے، یہی ہے کہ قاتل جان نکالنے کیلئے ایسے ہتھیار استعمال کرے جو زخم ڈالنے والا ہو، اور بدن کے ظاہر اور باطن میں موثر ہو۔۔المختصر۔۔جس قتل کو ہتھیار یا ہتھیار کے قائم مقام کے ساتھ کیا جائے، وہ قتل عمد ہے۔۔مثلاً: بانس کی پھچی یا لاٹھی کے ٹکڑے۔۔یا۔۔کسی اور دھار والی چیز کے ساتھ قتل کردے، جو ہتھیار کا کام کرتی ہو۔۔یا۔۔آگ سے جلادے، یہ تمام قتل عمد کی صورتیں ہیں اور ان میں قصاص واجب ہے۔۔الغرض۔۔ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ

اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو دیدہ و دانستہ، تو اس کا بدلہ جہنم ہے۔ اس میں پڑا رہے لمبی مدت تک، اور

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اس پر اللہ کا غضب ہوا، اور اللہ نے لعنت فرمائی اس پر، اور مہیا کر رکھا ہے اسکے لئے بڑا عذاب ●

(اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو دیدہ و دانستہ، تو اسکا بدلہ جہنم ہے)۔اب اگر۔۔بالفرض۔۔اس قاتل نے مومن کے ایمان کی وجہ سے اُسے قتل نہ کیا ہو۔۔یا۔۔قتل مومن کی حرمت کا انکار کر کے اور اسکو حلال سمجھ کر، اسکا مرتکب نہ ہوا ہو، جب بھی (اس) جہنم (میں پڑا رہے) گا (لمبی مدت تک) جب تک عدل خداوندی اسکو اسمیں رکھنا چاہے۔ (اور) یقیناً (اسپر اللہ) تعالیٰ (کا غضب ہوا) اور وہ غضب الٰہی کا مستحق ہوگیا (اور اللہ) تعالیٰ (نے) اسے اپنی رحمت سے دور فرما کر (لعنت فرمائی اسپر اور مہیا کر رکھا ہے اس کیلئے) اسکے بڑے گناہ کے سبب (بڑا عذاب)۔

۔۔الغرض۔۔وہ اللہ تعالیٰ کے بڑے عذاب کا مستحق ہوگا۔اب اگر اس نے اپنے اس گناہ سے سچی اور کھری توبہ نہ کی، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسکی مغفرت نہ فرمائی، تو اس عذاب سے وہ اپنے کو نہیں بچا سکتا۔اب اگر۔۔بالفرض۔۔وہ قاتل کافر ہو۔۔یا۔۔قتل کرنے کے بعد کافر ہوگیا ہو، اور پھر کفر ہی پر اسکی موت آ گئی ہو، پھر تو وہ ہمیشہ ہمیش کیلئے جہنمی ہوگیا، ایسا کہ اب اُسے کبھی جہنم سے نکلنا میسر ہی نہ ہوگا۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا

اے وہ جو ایمان لا چکے! جب تم مار کاٹ کو نکلے اللہ کی راہ میں، تو تحقیق کا سلسلہ جاری رکھو اور مت کہہ دیا کرو

لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫

اس کو جس نے تمہیں سلام کیا، کہ تو مومن نہیں ہے۔ تم چاہتے ہو دنیاوی زندگی کی پونجی،

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ

تو اللہ کے پاس، بہت سی غنیمتیں ہیں۔ ایسے ہی تو تم خود ہی پہلے تھے، پھر احسان فرمایا اللہ نے تم پر،

فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝۹۴

تو تحقیق ضرور کرتے رہو، بیشک اللہ جو تم کرو خبر دار ہے●

(اے وہ) لوگ (جو ایمان لا چکے!) اپنے کو عجلت میں کیے ہوئے اپنے عمل کے نتیجے کی پشیمانی و شرمندگی سے بچانے کیلئے (جب تم مار کاٹ) اور جہاد کرنے (کو نکلے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اعلاءِ کلمہ الحق کیلئے (تو) کسی حالت میں بھی جذبات سے بے قابو نہ ہو جاؤ اور (تحقیق کا سلسلہ جاری رکھو) تاکہ غلط فہمی میں تمہارے ہاتھوں کسی بے گناہ انسان کا قتل نہ ہو جائے۔

جس طرح کہ مکہ اور یمامہ کے درمیان مقام اضم پر محلم بن جثامہ کے ہاتھ عامر اشجعی کا قتل ہو گیا، حالانکہ اس نے سلام کر کے اپنے مسلمان ہونے کی نشاندھی کر دی تھی۔۔۔یا۔۔۔جیسے کہ قبیلہء غطفان کے ایک شخص مرداس کو غالب لیثی کی قیادت میں فدک جانے والے لشکر نے غلط فہمی میں قتل کر دیا، حالانکہ وہ اپنے کو مومن کہتا رہا اور کلمہ طیبہ پڑھتا رہا، مگر مسلمانوں نے اسے اسکا مکر تصور کیا اور جان بچانے کا حیلہ باور کیا۔۔۔چنانچہ۔۔۔اُسے قتل بھی کر دیا اور اسکے اموال کو لوٹ بھی لیا۔ تو مسلمانو! یہ جو کچھ ہو گیا وہ صحیح نہیں ہوا۔ اسپر جس قدر افسوس کا اظہار کیا جائے بجا ہے۔۔لہٰذا۔۔اب تم ہوشیار ہو جاؤ۔۔۔

۔۔۔(اور) بے سوچے سمجھے (مت کہہ دیا کرو اسکو جس نے تمہیں سلام کیا، کہ تو مومن نہیں ہے)۔

کیونکہ اسلام میں احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر حال پر ہے اور کسی شخص کے باطن کو ٹٹولنے سے ہم کو منع کیا گیا ہے۔ اور دل کے حال کو جاننا انسانوں کا منصب نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے، جو علام الغیوب ہے۔ اور کسی شخص کے متعلق بدگمانی کر کے اسکا قتل کرنا ممنوع ہے۔۔۔اب رہ گئی یہ بات کہ عہد رسالت میں اسطرح کے جو قتل ہوئے کسی میں بھی قاتل سے قصاص نہیں لیا گیا، کیونکہ اول تو یہ ابتداء اسلام کے واقعات ہیں۔ ثانیاً یہ

ہے کہ انہوں نے تاویل سے قتل کیا تھا۔۔البتہ۔۔اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اور اسکا حکم معلوم ہوجانے کے بعد جس نے کسی کے متعلق بدگمانی کر کے اُسے قتل کر دیا، اس سے قصاص لیا جائیگا۔۔۔

بہر حال اس آیت سے فقہ کا یہ عظیم ضابطہ معلوم ہوا کہ:

'احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر حال پر ہے۔'

۔۔۔اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی وضاحت فرمادی گئی کہ مسلمانوں کا جہاد سے مقصود، صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی ہونا چاہئے اور مال غنیمت حاصل کرنا انکا مطمح نظر نہیں ہونا چاہئے۔

تو اے مجاہدو! اپنے اس عمل سے اگر (تم چاہتے ہو) فنا ہو جانے والی (دنیاوی زندگی کی پونجی تو) مرداس کی بکریوں اور عامر اشجعی کے اونٹوں اور اسپر لدے ہوئے مالوں کی کیا حقیقت ہے، غور سے سن لو کہ (اللہ) تعالیٰ (کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں) جسے وہ تمہارے قبضے میں دیگا، تا کہ مال کے واسطے مسلمانوں کو قتل کرنے کی تمہیں حاجت نہ رہے۔

اور اگر۔۔بالفرض۔۔مرداس نے تلوار کے خوف ہی سے کلمہ پڑھا اور سلام کیا، تو ذرا غور کرو کہ ایسے ہی تو تم خود ہی پہلے تھے) یعنی تمہیں میں سے ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے ابتداءً اپنی جان و مال کی حفاظت ہی کیلئے کلمۂ شہادت کا وسیلہ پکڑا اور اپنا اسلام ظاہر کیا۔ (پھر احسان فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے تم پر) اسطرح کہ دین میں تم سب کو مضبوطی عطا فرمادی اور تم سب کو راسخ الایمان بنا دیا۔ (تو) ہمیشہ ہوش و حواس سے کام لیتے رہو اور (تحقیق ضرور کرتے رہو) اور اپنے گمان پر لوگوں کو قتل کر ڈالنے کی جلدی نہ کرو، اس واسطے کہ ہزار کافروں کو زندہ چھوڑ دینے کا وبال بہت کم ہے، ایک مسلمان کو مار ڈالنے کے وبال سے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (جو تم کرو) ان سب سے (خبر دار ہے)۔

اب رہ گیا اعلاء کلمۃ الحق کیلئے اور خدا کی رضا حاصل کرنے کیلئے دشمنان اسلام سے جہاد کرنے کا معاملہ، تو اے محبوب! غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا حکم سنکر تمہارے نابینا شیدائی عبداللہ ابن جحش اور عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوب رضی اللہ تعالیٰ عنہما جہاد میں اپنی شرکت کے تعلق سے ہدایت چاہتے ہیں تو انکو اور اُن جیسے تمام ایسے عذر والوں کو جس عذر کے ساتھ جہاد کیا ہی نہ جاسکے، سنادو: کہ عذر والے اُس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ

اور برابر نہیں ہیں وہ مسلمان جو گھر بیٹھے رہے بلا عذر، اور وہ جو جہاد کرتے رہے

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ

اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے۔ فضیلت بخش دی اللہ نے جان و مال سے جہاد

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ

کرنے والوں کو، نہ جاسکنے والوں پر بڑے درجہ کی۔ اور سب کیلئے وعدہ فرمالیا اللہ نے حسن انجام کا،

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾

اور بڑائی دی اللہ نے مجاہدین کو نہ جاسکنے والوں پر بڑے اجر کی●

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾

اللہ کی طرف سے متعدد درجے اور بخشش اور رحمت۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور) واضح کردو کہ (برابر نہیں ہیں وہ مسلمان جو گھر بیٹھے رہے بلا عذر) یعنی بغیر کسی ضرر اور عذر کے غزوۂ بدر میں شامل نہیں ہوئے (اور وہ جو جہاد کرتے رہے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں اپنے جان و مال سے)۔ عذر کی قید لگا کر یہ ظاہر کردیا کہ عذر کی وجہ سے جہاد نہ کرنے والے اجر و ثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں۔

۔۔المختصر۔۔ جہاد میں شرکت کی نیت رکھنے والے مسلمان اگر جسمانی عذر کی وجہ سے شریک نہ ہوسکیں تو وہ اجر و ثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں۔۔ کیونکہ۔۔ اللہ تعالیٰ نے بلا عذر جہاد میں شرکت نہ کرنیوالوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ مجاہدین کے برابر نہیں، تو اب اسکا مطلب یہی ہوا کہ عذر والے، مجاہدین کے برابر ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔ (فضیلت بخش دی اللہ) تعالیٰ (نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو) عذر کے سبب سے (نہ جاسکنے والوں پر بڑے درجہ کی) غنیمت، فتح اور نیک نامی کی شکل میں (اور سب کیلئے) جو عذر کے سبب گھر بیٹھے رہے اور جہاد کی رغبت رکھنے کے باوجود جہاد کر نہیں سکے۔۔ یا۔۔ وہ جو مصروف جہاد رہے۔۔ الغرض۔۔ ان سب کیلئے (وعدہ فرمالیا اللہ) تعالیٰ (نے) جزاءِ خیر اور (حسن انجام کا) یعنی بہشت کا۔ مگر درجوں کا تفاضل اور مرتبوں کا تفاوت عمل کی زیادتی سے ہوگا۔

۔۔الغرض۔۔عاقبت بخیر (اور) بہشت میں رہائش تو دونوں ہی کیلئے ہے۔لیکن خصوصی طور پر (بڑائی دی اللہ) تعالیٰ (نے مجاہدین کو) جومصروف جہاد رہے ان (نہ جاسکنے والوں پر) جنہیں کوئی عذر نہیں تھا۔لیکن جہاد میں جانے والے مجاہدین کی تعداد کافی ہونے کی وجہ سے نبی کریم نے انہیں ٹھہرنے کا حکم فرمادیا تھا، جہاد کے فرض کفایہ ہونے کے سبب (بڑے اجر کی)۔ ﴿۹۵﴾

(اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے متعدد درجے) آخرت میں۔یعنی سترؔ درجے، ہر دو درجوں میں تیز رو گھوڑے کی دوڑ سے سترؔ برس کی راہ ہے (اور) اسی کے ساتھ ساتھ (بخشش اور رحمت) بھی (اور اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے انکے گزرے ہوئے گناہوں کا اور (رحمت والا ہے)۔اور ان پر مہربان اور انکے لئے انکا اجر زیادہ فرمانے والا ہے۔

ان خوش بختوں کے برخلاف کچھ ایسے بھی کوتاہ فکر اور تاریک خیال لوگ بھی تھے، جنہوں نے اسلام تو قبول کرلیا۔۔لیکن۔۔مکہ سے ہجرت نہ کرسکے، جبکہ ان پر ہجرت فرض تھی۔ابتداءِ اسلام میں اسلام قبول کرلینے کے بعد مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی۔جب نبی کریم نے مکہ کو چھوڑ دیا تو ان پر بھی فرض ہوگیا کہ وہ مکہ کو چھوڑ دیں۔۔ہاں۔۔فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔مکہ سے ہجرت فرض ہوجانے کے باوجود کچھ لوگ ایسے تھے کہ وہ مشرکین کے ساتھ ملکر بدر میں اہل اسلام کے ساتھ لڑے اور مارے گئے۔ ﴿۹۶﴾

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ

بے شک جن کی زندگی پوری کردی فرشتوں نے جبکہ وہ اپنے نفس پر ظالم تھے، بولے کہ 'تم کس حال میں تھے'،

قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ

جواب دیا کہ 'ہم زمین میں کمزور تھے'، وہ بولے کہ 'کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی؟

وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۹۷﴾

کہ اس میں تم ہجرت کرجاتے'۔ تو وہی ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔اور بری پلٹنے کی جگہ ہے●

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ

مگر جو دبے لچے مرد و عورت اور بچے ہیں کہ نہ بہانہ کرسکیں

حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿۹۸﴾

اور نہ کوئی راہ پائیں●

تو (بیشک) حکم الٰہی سے (جن کی زندگی پوری کردی) حضرت عزرائیل اور انکے شریک کار (فرشتوں نے) اور انکی موت کا سبب بن گئے (جبکہ وہ) ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے جوان پر فرض تھی --یا-- کافروں کی موافقت کر کے جوان کیلئے ممنوع تھی (اپنے نفس پر ظالم) اور اسکو اندھیر میں ڈال دینے والے (تھے) باوجودیکہ فرشتے بخوبی واقف تھے کہ یہ اسلام کا اظہار کرنے والے اور احکام اسلام یعنی نماز اور دیگر دینی امور کے پابند تھے، انکو وفات دینے کے بعد، ان سے سوال کرلیا اور بطور زجر و توبیخ (بولے کہ تم کس حال میں تھے) تا کہ انہیں اپنی غلطی کا یقین ہو جائے۔

--الختصر-- جب فرشتوں نے انہیں جھڑکا تو وہ بہانہ بازی پر اتر آئے اور (جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور تھے) یعنی مکہ مکرمہ میں ہم ایسے لوگوں میں تھے جن کے سامنے ہم دینی امور کے موجبات ادا کرنے سے عاجز تھے۔ فرشتوں نے انکی عذر داری کو رد کرتے ہوئے انہیں جھڑکی دی اور (وہ بولے کہ کیا اللہ) تعالیٰ (کی زمین وسیع نہ تھی کہ اسمیں تم ہجرت کر جاتے) جیسے کہ حبشہ اور مدینہ کے مہاجرین نے ہجرت کی، جبکہ سرکار نے ان سے فرمایا تھا کہ تم لوگ کافروں میں نہ رہو، بلکہ تم کسی اور جگہ جا رہو۔ پھر جب مجھے ہجرت کا حکم ہو، تو تم بھی آ جاؤ۔ ان لوگوں میں سے بعض حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور بعض مدینے کی جانب چلے گئے۔ اور پھر جب آنحضرت نے ہجرت فرمائی تو وہ سب آ کر حضرت سے مل گئے۔

--الغرض-- جس گروہ کو ہجرت کا حکم ہوا اور اس نے ہجرت نہ کی، (تو) اس گروہ کے لوگ (وہی ہیں جنکا ٹھکانہ جہنم ہے اور) یہ کس قدر (بری پلٹنے کی جگہ ہے) اور بہت بری رہائشگاہ ہے۔ یہ عذاب ان سب لوگوں کے واسطے مقرر ہے جنہوں نے ہجرت ترک کی۔ دنیا میں انکا ٹھکانہ دارالکفر تھا کہ ترک واجب کر کے کافروں کے ساتھ رہے۔ اور آخرت میں انکا ٹھکانہ جہنم ہے، تا کہ وہ اپنے عمل کا نتیجہ دیکھ سکیں۔

--الغرض-- مذکورہ بالا حالات پیش آنے کی صورت میں ہجرت کی استطاعت رکھنے والے غیر مکلف کیلئے لازمی ہے کہ وہ ہجرت کر جائیں۔ ان کیلئے بھی ایسی صورت میں ہجرت کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں --لہذا-- ان پر ضروری ہے کہ قبل بلوغ، ہجرت کی سعی کریں۔ ان حالات میں بچوں کے سرپرستوں پر لازم ہے کہ جب بھی ہجرت کی استطاعت ہو تو بچوں کو ساتھ لیجائیں۔ ﴿۹۷﴾

(مگر جو بے لچے مرد وعورت اور بچے ہیں) اور فی الواقع کمزور اور عاجز ہیں، ایسا (کہ نہ بہانہ کرسکیں) اور کسی خفیہ تدبیر سے ہجرت کر جائیں، (اور نہ) ہی (کوئی راہ پائیں) یعنی ہجرت گاہ تک پہنچے والے راستے سے بے خبر ہو یا وہاں پہنچنے والے طریقے سے لاعلم ہوں۔۔۔ ﴿۹۸﴾

فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۹۹﴾

تو وہ ہیں کہ عنقریب معاف کردے اللہ اُن سے۔ اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے●

(تو وہ) بے چارے ایسے (ہیں کہ عنقریب معاف کردے اللہ) تعالیٰ (ان سے) یعنی انہیں درگزر فرمادے اور انکا مواخذہ نہ فرمائے۔

اس ارشاد نے ظاہر فرمادیا کہ یہ امر بہت اہم ہے یہاں تک کہ مجبور محض پر بھی لازم ہے کہ اس امر سے بے خوف نہ رہے اور فرصت کو ملحوظ رکھ کر دل کو اس سے لگادے۔

رہ گئے لاچار (اور) مجبور لوگ، جو اپنی لاچاری اور مجبوری کے سبب ہجرت نہ کرسکے، تو بیشک (اللہ) تعالیٰ انہیں (معاف کرنے والا) اور انکے گناہوں کو (بخشنے ولا ہے)۔

ہجرت کی اہمیت وفضیلت کے پیش نظر اب اسکی ترغیب دی جارہی ہے جو آنے والے مضمون کی تمہید بھی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ سنو۔۔۔

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ

اور جو ہجرت کر جائے اللہ کی راہ میں، پالے زمین میں بڑی جگہ اور گنجائش۔

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

اور جو نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہوا اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھر پالے اس کو موت،

فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۰۰﴾ ع

تو اس کا اجر ہو گیا اللہ کے کرم پر۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور) یادرکھو (جو ہجرت کر جائے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) خالصاً لوجہ اللہ صرف اسی کی رضا چاہنے کیلئے، تو وہ (پالے) گا (زمین میں بڑی جگہ اور گنجائش) یعنی مہاجر فی سبیل اللہ کو ہجرت کی ابتداء ہی سے اسکی موعودہ تمام خیرات وبرکات سے نوازا جائیگا۔ جن لوگوں کو چھوڑ کر یہ ہجرت کیلئے نکل پڑا ہے جب ان لوگوں کو بھی ان نوازشات کا علم ہوگا، تو انکو بھی عبرت حاصل ہوگی کہ اس بابرکت عمل

میں کتنے بے شمار انعامات ہیں۔

ہجرت اگر ایک طرف رزق وروزی کی کشادگی کا سبب ہوتی ہے تو دوسری طرف مہاجر کیلئے دین حق کے اظہار اور کلمہ توحید کے بلند کرنے کی راہیں بھی کشادہ ہوجاتی ہیں۔

۔۔الغرض۔۔ہجرت کے دامن سے دین ودنیا دونوں کی صلاح وفلاح وابستہ ہے۔جبھی قبیلہ خزاعہ۔۔یا۔۔قبیلہ بنولیث کے ایک بزرگ جو ایسے ضعیف تھے کہ سواری پر بھی نہ بیٹھ سکتے تھے، مزید برآں وہ بیمار بھی تھے، جب انہوں نے ہجرت کا حکم سنا، تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہ ان کو چارپائی پر ڈال کر مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلیں۔

۔۔چنانچہ۔۔وہ لوگ ان کو لیکر روانہ ہوئے، وہ ابھی مقام تنعیم 'مکہ سے چھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جہاں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں' پر پہنچے تھے کہ انکی وفات ہوگئی۔یہ صاحب عزیمت بزرگ صاحب مال تھے جسکی وجہ سے وہ مدینہ تک جانے کے اخراجات بآسانی برداشت کرسکتے تھے اور مدینہ شریف کے راستے سے باخبر بھی تھے۔

۔۔نیز۔۔اپنے کو اتنا کمزور بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ اگر لوگ انھیں چارپائی وغیرہ پر اٹھا کر لیجائیں، تو وہ جانہ سکیں۔اسلئے انہوں نے اپنے کو معذور نہیں سمجھا، بلکہ ان حالات میں بھی ہجرت نہ کرنے کو اپنے حق میں گناہ تصور کیا۔جب یہ خبر مدینہ شریف پہنچی تو بعض صحابہ کرام کو خیال گزرا کہ اگر وہ مدینہ پہنچ جاتے تو انکا اسلام بہت کامل اور انکا اجر بہت زیادہ ہوتا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔۔۔

(اور) یہ آیت نازل فرمائی **(جو نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہوا اللہ)** تعالیٰ **(اور اسکے رسول کی طرف)** یعنی اللہ ورسول کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے، اللہ ورسول سے تقرب حاصل کرنے کے واسطے نکلے، **(پھر پالے اسکو موت)** اثنائے راہ میں۔اور ہجرت کی جگہ تک نہ پہنچ سکے، تو وہ اپنے کو اجر سے محروم نہ تصور کرے۔اسلئے کہ جو ہجرت کیلئے نکل پڑا **(تو اسکا اجر)** ثابت **(ہوگیا اللہ)** تعالیٰ **(کے)** ذمہء **(کرم پر)**۔**(اور)** ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(بخشنے والا)** ہے اس شخص کے گناہ کو جس نے ہجرت میں تاخیر نہ کی اور **(رحمت والا)** مہربان **(ہے)** اُسے ثواب عطا فرمانے کے وعدہ میں اسکے ہر ہر نیک عمل پر۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ ہروہ ہجرت جو نیک مقاصد کے حصول کیلئے کی جائے ۔۔مثلاً: علم دین کی طلب یا حج یا جہاد یا ایسے شہر کی سکونت، جہاں طاعت وقناعت اور زہد وورع کے ساتھ زندگی گزارنا آسان تر ہو۔۔یا۔۔حلال وطیب رزق حاصل کرنے کیلئے وغیرہ وغیرہ،

یہ ساری ہجرتیں، ہجرت الی اللہ ورسول ہی ہیں، تو ان ہجرتوں میں سے کسی ہجرت میں بھی اگر اثنائے راہ میں موت واقع ہوجائے، تو اسکا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

ظاہر ہے کہ ہجرت یا جہاد کیلئے نکلنا دونوں کیلئے سفر کرنا ہی پڑتا ہے اور نماز ایسی ایک عبادت ہے، جسکو کسی حال میں بھی ترک نہیں کیا جاسکتا خواہ سفر ہو یا حضر، امن کا ماحول ہو یا خوف کا عالم، ایسی صورت میں یہ نہایت مناسب بات ہے کہ مسافروں کی نماز ۔۔۔نیز۔۔ صلوٰۃ خوف کے تعلق سے بنیادی احکام کی ہدایت فرمادی جائے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ابتداءً ظہر، عصر اور عشاء کی نماز فجر کی نماز کی طرح دو دو رکعت فرض کی گئی، اور یہ حکم مقیم ومسافر دونوں ہی کیلئے یکساں تھا۔ پھر جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو ظہر، عصر اور عشاء کیلئے چار چار رکعت فرض کردی گئی، اور سفر کی نماز اُسی پہلے فرض پر چھوڑ دی گئی۔۔ رہ گئی فجر کی نماز تو وہ ہر حال میں سب کیلئے دو رکعت ہی رہی۔ یونہی مغرب کی نماز ہر حالت میں ہر ایک کیلئے تین رکعت ہی رہی۔ تو اے ایمان والو! سنو۔۔۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا

اور جب تم چل پڑے زمین میں تو اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں، کہ قصر کردو

مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ

نماز میں، اگر تم کو خوف ہو کہ شرارت کریں گے تم سے جو کافر ہوگئے۔

إِنَّ الْكٰفِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿١٠١﴾

بلاشبہ کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں●

(اور) یاد رکھو کہ (جب تم چل پڑے زمین میں) اور وہ بھی ساڑھے ستاون میل بلفظ دیگر نوے کلومیٹر کے ارادے سے، (تو اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں کہ قصر کردو نماز میں) یعنی اپنے شہر یا۔ فنائے شہر سے نکل جانے کے بعد، چار رکعتیں جس میں ہیں ان میں دو ہی رکعتیں پڑھو۔۔ الغرض ہجرت سے پہلے ابتداءً مذکورہ بالا نمازوں کی جو دو رکعتیں تم پر فرض کی گئی تھیں، مسافر ہونے کی صورت میں اسی پر عمل کرو۔ یہ رب کریم کیطرف سے تمہارے لئے ایک خاص عطیہ ہے، جسکا بطیبِ خاطر قبول کرلینا تم پر لازم ہے اور اسکو رد کردینا تمہارے لئے حرام ہے۔

یہاں یہ گمان بھی نہ کرو کہ چار رکعت کو دو کردینا کہیں غلطی نہ ہو۔۔ یا۔۔ کم از کم ثواب کی کمی کا پیش

خیمہ نہ ہو، اسلئے کہ جس کریم نے تمہارے اوپر چار رکعتیں فرض کی تھیں، اُسی نے حالت سفر میں صرف دو رکعتیں فرض فرمادی ہیں۔اور صرف رکعتیں کم کی ہیں، ثواب میں کوئی کمی نہیں فرمائی ہے۔۔لہٰذا۔۔ مقیم چار رکعت سے جو ثواب پائیگا، مسافر دو ہی رکعت سے وہی ثواب حاصل کرلیگا۔

اگرچہ ارشاد رسول کی روشنی میں امن وامان حاصل ہونے کی صورت میں بھی مسافر کو قصر ہی کرنا ہے، لیکن یہ قصر کرنا تمہارے لئے اور بھی ضروری اور اہمیت کا حامل ہوجاتا ہے (اگر تم کو خوف ہو کہ شرارت کرینگے تم سے جو کافر ہوگئے)۔۔چنانچہ۔۔تمہیں نماز میں مشغول پاکر تم کو نقصان پہنچادیںگے۔ تمہارا یہ خوف غالب احوال کو دیکھتے ہوئے غیر فطری بھی نہیں، اسلئے کہ اُس زمانے میں مدینہ منورہ کے اردگرد مسلمانوں کے بہت دشمن تھے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ (بلاشبہ کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں) تو اگر انہیں تمہیں اذیت ونقصان پہنچانے کا کوئی بھی موقع میسر آیا، تو وہ کیوں چوکنے لگے۔۔لہٰذا۔۔ہر حال میں ان سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔تو اے محبوب! دشمنوں کے خوف کے وقت۔۔۔

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟

اور جب تم اپنوں میں ہو، پھر کھڑی کردی ہو ان کیلئے نماز، تو ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تمہارے ساتھ اور لیے رہے

أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ

اپنے ہتھیار۔۔تو جب سجدہ کرچکے تو تمہارے عقب میں ہوجائیں، اور دوسری جماعت آئے جس نے

يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟

نماز کی نیت نہیں کی تو نماز ادا کریں تمہارے ساتھ، اور لیے رہیں اپنے بچاؤ اور اپنے ہتھیاروں کو۔آرزومند ہیں جنھوں نے کفر کیا

لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً ۚ وَلَا

کہ اگر غفلت برتو اپنے ہتھیاروں اور سامان سے، تو دھاوا بول دیں تم پر یکبارگی۔ اور تم پر

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَن تَضَعُوٓا۟

کوئی گناہ نہیں کہ اگر تم کو تکلیف ہو بارش سے یا بیمار ہوگئے، کہ رکھ دو

أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا۟ حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

اپنے ہتھیار اور بنائے رکھو اپنا بچاؤ۔ بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کیلئے عذاب رسوائی والا●

(اور) اس حال میں (جب) کہ (تم اپنوں میں ہو) اور ایسے وقت میں نماز کا وقت آگیا

۔۔چنانچہ۔۔تم نے (پھر کھڑی کردی ہوان کیلئے نماز) تو اس صورت حال کے پیش نظر، حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اے محبوب! تم اپنے لشکر کے دو گروہ فرمادو۔ (تو ایک جماعت انکی کھڑی ہو تمہارے ساتھ اور) احتیاطاً (لئے رہیں اپنے ہتھیار) تاکہ بوقت ضرورت فوری طور پر اسکا استعمال کیا جاسکے اور اسکے استعمال میں کسی طرح کی تاخیر نہ ہو۔

(تو جب سجدہ کرچکے) یعنی وہ جماعت جو آپکے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی، وہ جب ایک رکعت پڑھ لیں (تو) انہیں چاہئے کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری حفاظت کیلئے پیچھے ہٹ جائیں اور (تمہارے عقب میں ہوجائیں)۔۔نیز۔۔تمہارے دشمنوں کے سامنے ہوجائیں (اور) پھر انکے ہٹنے کے بعد (دوسری جماعت آئے جس نے نماز کی نیت نہیں کی) بلکہ لشکر کی نگہبانی کررہی تھی (تو) اب وہ (نماز ادا کریں تمہارے ساتھ) ایک رکعت جو آپ کی دوسری رکعت ہوگی مگر ان کی پہلی رکعت ہوگی۔

۔۔الختصر۔۔حضور سرور عالم ﷺ نے صلوٰۃ خوف پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائی اور پھر دوسرے گروہ کو دوسری رکعت پڑھائی، جیسا کہ ارشادِ ربانی میں بیان ہوا، پھر پہلا گروہ اپنی نماز میں حاضر ہوا اور دوسرا گروہ دشمن کے بالمقابل کھڑا ہونے کیلئے چلا گیا۔ یہاں تک پہلے گروہ نے اپنی رکعت کو اکیلے ہوکر ادا کیا، لیکن انہوں نے قرأت نہ کی اسلئے کہ وہ گویا امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو امام کی پہلی رکعت کا ساتھی ہے، وہ حکماً دوسری رکعت کا بھی ساتھی ہے۔ اور پھر جب اس پہلے گروہ نے نماز سے سلام پھیرا تو دوسرا گروہ اپنی دوسری رکعت ادا کرنے کیلئے حاضر ہوگیا، لیکن انہوں نے اپنی اس رکعت میں قرأت کی، گویا ان سے امام کی قرأت رہ گئی۔ اسطرح ان دونوں گرہوں نے اپنی اپنی دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

صورت بالا اسکی نماز خوف کیلئے ہے جو مسافر ہو۔۔یا۔۔صبح کی نماز ادا کی۔ اسلئے کہ صبح کی نماز مسافر کی نماز کی طرح ہے۔ اور اگر وہ گروہ نماز مقیم ہو۔۔یا۔۔مغرب کی نماز پڑھنی ہے، تو اسکا طریقہ یہ ہے کہ امام گروہ اول کو دو رکعتیں پڑھائے، اسلئے کہ یہ دو رکعتیں ہی مسافر کی پہلی رکعت کا حصہ ہیں، باقی طریقہ وہی جو مذکور ہوا۔

نماز خوف ادا کرنے والوں پر احتیاطاً یہ لازمی (اور) ضروری ہے کہ (لئے رہیں اپنے بچاؤ) جسکے سبب دشمن سے بچ سکتے ہوں، جیسے سپر، خود اور زرہ وغیرہ (اور اپنے ہتھیاروں کو) جن سے لڑتے ہیں جیسے تلوار، تیر اور کمان وغیرہ۔ ایسا کرنا اسلئے ضروری ہے کیونکہ وہ لوگ (آرزومند ہیں جنہوں نے

کفر کیا کہ اگر غفلت برتو اپنے ہتھیاروں اور سامان) واسباب سے جیسے کپڑے وغیرہ اور انکے سواوہ سامان، جنگ میں جنکی ضرورت پڑتی ہے۔۔الغرض۔۔جنگی ضروری سامان (سے تو دھاوا بولدیں تم پر یکبارگی) اور جو کچھ پائیں لوٹ لے جائیں۔

۔۔چنانچہ۔۔آنحضرت ﷺ نے ایک غزوہ کیلئے جاتے ہوئے ایک مقام پر ملاحظہ فرمایا کہ عرب کے مشرکین صف باندھے ہوئے جدال وقتال کیلئے تیار ہیں، تو آپ نے بھی حکم فرمادیا کہ لشکر اسلام بھی دشمن سے مقابلہ کیلئے صف بندی کرلے۔ اسی حال میں نمازِ ظہر کا وقت آ گیا اور یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ کافروں کا لشکر قبلہ اور اہل اسلام کے لشکر کے بیچ میں تھا۔آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھنا شروع فرمادی۔

کفار ان حضرات کے رکوع اور سجود کو دیکھتے رہے اور ساکت وصامت رہے۔ کچھ عجب نہیں کہ جب کافروں نے ان اللہ والوں کی بے خوفی، اخلاص، للّٰہیت، ہر طرح کے سود وزیاں سے بے نیاز ہوکر بارگاہِ خداوندی میں سربہ سجود ہوکر توحید الٰہی کا ڈنکا بجانا، کسی حال میں بھی خدا کو فراموش نہ کرنا، اپنے کو اور اپنے جملہ امور کو مکمل طور پر خدائے ذوالجلال کے فضل وکرم کے حوالے کردینا اور صرف نصرت خداوندی ہی پر بھروسہ کرنا، وغیرہ وغیرہ دیکھا، تو وہ حیرت واستعجاب میں ایسا ڈوب گئے، کہ ان میں حرکت کرنے کی جرأت نہ رہی۔

رب کریم نے ظاہر فرمادیا کہ جس پر خدائی فضل وکرم کا سایہ ہوتا ہے ایسے نازک وقت میں بھی اسکا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔ جب لشکر اسلام نماز سے فارغ ہوگیا تو اب جا کر کفار افسوس کرنے لگے کہ ہم نے ایسے وقت میں ان پر دھاوا کیوں نہ کیا؟ اسوقت ایک کافر نے آواز دی کہ فکر نہ کرو ابھی تمہیں اسی طرح کا ایک موقع اور بھی ملنے ولا ہے کہ اس نماز کے بعد ان لوگوں کیلئے ایک دوسری نماز اور بھی ہے، جس نماز کے اعزاز واکرام میں یہ لوگ بڑا اہتمام کرتے ہیں، دیکھتے رہو اسوقت ناگہانی طور پر انکے سر پر ہم جا پڑینگے اور دل کھولکر ان سے بدلہ لینگے۔

ابھی نماز عصر کا وقت نہ آیا تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور خوف کی حالت میں نماز پڑھنے کا طریقہ آنحضرت ﷺ کو تعلیم فرمادیا۔۔الغرض۔۔کفار کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ حالت نماز میں ہتھیار ساتھ رکھنا نماز کے اعمال میں داخل نہیں کہ اسکے بغیر نماز ہی نہ ہو۔۔ہاں۔۔احتیاطاً اسکا ساتھ رکھنا مستحب ہے۔۔لہٰذا۔۔آیت کریمہ میں اسکے تعلق سے جو امر ہے وہ 'امر استحبابی' ہے نہ کہ 'امر وجوبی'

اوراس میں بھی تمہارے لئے یہ رخصت۔۔۔

(اور) سہولت کہ (تم پر کوئی گناہ نہیں) اور کسی طرح کی کوئی گرفت نہیں (کہ اگر تم کو تکلیف ہو بارش سے) بایں طور کہ بارش کا پانی تمہارے ہتھیار کو بھاری اور وزنی کردے (یا) تم (بیمار ہو گئے) کہ ناتوانی کے سبب ہتھیار نہیں اٹھا سکتے، تو اب حرج نہیں (کہ رکھدو) تم (اپنے ہتھیار اور بنائے رکھو اپنا بچاؤ) یعنی ہوشیاری کو ہاتھ سے جانے نہ دو، تاکہ کفار تم پر اچانک حملہ نہ کرسکیں۔

۔۔الختصر۔۔اپنی حفاظت کے آلات ہر حال میں اپنے قریب رکھو۔تم کو اسقدر ہوشیاری کا حکم اسلئے دیا جارہا ہے کہ تمہارے دشمن کفار ہیں، تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں رسوا کر کے تمہیں ان پر فتحیاب فرمائیگا ۔۔لہٰذا۔۔تم اپنے معاملے میں ہوشیاری سے کام لو اور اپنے اسباب کو مضبوط رکھو، تاکہ تمہارے سبب سے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا فرمادے۔۔کیونکہ۔۔(بیشک اللہ) تعالیٰ (نے تیار کر رکھا ہے کافروں کیلئے عذاب رسوائی والا) اور کافروں کو ذلیل کردینے والا۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ

پھر جب نماز تم پوری کر چکے تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے اور بیٹھے، اور کروٹ لیتے۔

فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ

پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز قائم رکھو، بے شک نماز

كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿۱۰۳﴾

ایمان والوں پر فرض ہے وقت کی پابندی سے●

(پھر جب نماز) خوف (تم پوری کر چکے) اور بطریق مذکورہ اس نماز کو پورے طور پر ادا کر چکے، (تو ذکر کرو اللہ) تعالیٰ (کا کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ لیتے) یعنی ذکر الٰہی میں مداومت کرو اور اللہ تعالیٰ کو ہر وقت علیم وخبیر ہونے کے تصور پر محافظت کرو، اور ہر وقت اُسی سے مناجات اور دعاؤں میں مشغول رہو، سکون کی حالت ہو یا جنگ کا ماحول۔ (پھر جب مطمئن ہو جاؤ) یعنی جنگ سے فارغ ہو کر مطمئن ہو جاؤ اور تمہارے قلوب خوف اعداء سے سکون اور تسلی میں ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جنگ سے بالکلیہ فراغت ہو جائے، تو جب جب نماز کا وقت آئے (تو نماز قائم رکھو) یعنی اسکے شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے کماحقہ اسکے ارکان کو ادا کرنے میں ہمیشگی برتو۔۔الختصر۔۔اسکو کماحقہ دائمی طور پر ادا کرتے رہو،

اسلئے کہ (بیشک نماز ایمان والوں پر فرض ہے وقت کی پابندی سے) اسکے وقتوں سے اُسے نکالدینا درست نہیں۔

یہ رب کریم کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے اوقات، انکی ادائیگی کے طریقے اور ضابطے اوران سے متعلق جملہ احکام کوخود متعین فرمادیا اور پھر اپنے کلام اور اپنے رسول کے ذریعہ ان سب سے ہمیں آگاہ فرمادیا۔ اگر۔۔ بالفرض۔۔ ایسا ہوتا کہ انکی ادائیگی کو ہماری صوابدید کے حوالے کردیتا، ایسا کہ ہم جس فرض کو جیسے اور جب چاہتے ادا کرتے، تو ہمیں حرص وہوا کبھی بھی انکی ادائیگی کا موقع نہ دیتے پھر نفسانی امور میں پھنس کر، نفس کے غلط رویہ کے تابع ہوکر۔۔ یا۔۔ دیگر خرابیوں کا شکار ہوکران جملہ فرائض کی ادائیگی سے محروم ہوجاتے۔

ویسے ہی اگر ہر شخص کو اپنی صوابدید پر عبادت کرنے اور اپنے خود ساختہ طریقہ ہائے عبادت کے مطابق عبادت کرنے کا اختیار مل جاتا، پھر تو بے شمار فتنوں کو سر اٹھانے کا موقع مل جاتا، ہر شخص اپنی پسند کے مطابق الگ الگ مذہب والا ہوتا۔ دنیا ہی نہیں بلکہ ہر ہر گھر کا امن وسکون غارت ہوجاتا۔ اسلام ہی ہے جو ہدایت دیتا ہے کہ تم خدا کو اپنے بنائے ہوئے اصولوں سے راضی نہیں کرسکتے، بلکہ خدائے عزوجل ہی سے پوچھو کہ وہ کیسے راضی ہوگا؟ اب وہ اپنے نبی کے ذریعہ اپنی رضا کی جوراہ متعین فرمادے، اسی راہ پر چل کر ہم اسکی رضا تک پہنچ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے جہاد کی ترغیب کیلئے آیات نازل کی تھیں۔ اسی کے ضمن میں جہاد کے دوران نماز پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے احکام نازل کئے۔ اسکے بعد پھر جہاد کی ترغیب دی اور فرمایا جہاد میں کفار کا پیچھا کرنے سے تم ہمت نہ ہارو۔ اگر تم زخمی ہوگئے ہوتو وہ کافر بھی زخمی ہوگئے ہیں، جبکہ تمہیں اپنے زخموں پر اللہ تعالیٰ سے جو اجر وثواب کی امید ہے کافروں کے ہاں اسکا تصور بھی نہیں ہے۔۔ المختصر۔۔ یہ کہ اے ایمان والو! جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ چاہتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے بعد، تم ابوسفیان کے لشکر کا تعاقب کرو۔۔۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ

اور مخالف قوم کی تلاش میں سستی نہ کرو۔ اگر تم کو دکھ ہوتا ہے تو وہ بھی دکھ پاتے ہیں جیسے تم کو دکھ ہوتا ہے۔

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع

اور تم امید رکھتے ہو اللہ سے جو نہیں امید رکھتے وہ۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور مخالف قوم کی تلاش میں سستی نہ کرو) تو اس بات کا خیال بھی نہ کرو کہ تم تھکے ہوئے زخم خوردہ اور دکھ درد والے ہو، اسلئے کہ (اگر) کسی موقع پر (تم کو دکھ ہوتا ہے تو) پھر کسی دوسرے موقع پر ویسے ہی (وہ بھی) تو (دکھ پاتے ہیں جیسے تم کو دکھ ہوتا ہے) اگر غزوۂ اُحد میں تمہارے ستر افراد شہید ہو گئے ہیں، تو وہ کافر لوگ بھی غزوۂ بدر میں ستر سرداروں کے قتل کا زخم کھا چکے ہیں۔ (اور) تمہارے اور انکے احوال میں نمایاں فرق یہ ہے کہ، (تم امید رکھتے ہو اللہ) تعالیٰ (سے) دنیا میں فتح و نصرت اور آخرت میں ثواب شہادت کی۔ اور یہ وہ امور ہیں (جو) تمہارے لئے ہی خاص ہیں (نہیں امید رکھتے) جنکی (وہ) کافر، (اور) بیشک (اللہ) تعالیٰ (علم والا) اور تمہارے دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔۔ نیز۔۔ اپنے امر و نہی میں (حکمت والا) محکم کار (ہے)۔ اسکا امر ہو کہ نہی دونوں حکمت سے خالی نہیں۔

مسلمانو! یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے، تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ انکے ساتھ بے انصافی کرو۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ اگر انکا موقف صحیح ہو، تو انکے حق میں فیصلہ کیا جائے اور کسی شخص کے ظاہری اسلام کی وجہ سے کسی کافر کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے۔

اس سلسلے میں یہ واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر کے ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے اپنے ہمسایہ قتادہ بن نعمان کی زرہ چرا کر آٹے کی بوری میں رکھ کر زید بن یمین یہودی کے ہاں چھپائی۔ جب زرہ کی تلاش ہوئی اور طعمہ پر شبہ کیا گیا تو وہ انکار کر کے قسم کھا گیا۔ بوری پھٹی ہوئی تھی اور آٹا اسمیں سے گرتا گیا، اسکے نشان سے لوگ یہودی کے مکان تک پہنچے بوری وہاں پائی گئی۔

یہودی نے کہا کہ طعمہ میرے پاس رکھ گیا ہے اور یہودیوں کی ایک جماعت نے انکی گواہی دی، مگر طعمہ کی قوم بنی ظفر نے یہ عزم کر لیا تھا کہ یہودی کو چور بنائینگے اور اس پر قسم کھالینگے تاکہ قوم رسوا نہ ہو۔۔ چنانچہ۔۔ انکی خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ طعمہ کو بری کر دیں اور یہودی کو سزا دیں۔ اسلئے انھوں نے حضور کے سامنے طعمہ کے موافق یہودی کے خلاف جھوٹی گواہی دی اور اس گواہی پر کوئی جرح و قدح نہ ہوئی۔

ایسی صورت حال میں ظاہر حال کا تقاضہ یہی تھا کہ آپ ﷺ طعمہ کی مدد فرمائیں اور اسکو بری فرما دیں۔ مدعی کی طرف سے 'بیّنہ' کا فقدان اور منکر کی طرف سے 'یمین شرعی' کے وجود کی وجہ سے طعمہ کو بری کر دینے کا آپکے دل میں خیال بھی پیدا ہوا، لیکن آپنے کوئی حکم صادر نہ فرمایا، بلکہ توقف فرما کر وحی ربانی کا انتظار فرمایا۔۔ چنانچہ۔۔ وحی ربانی کا نزول ہوا، اور آپ پر واضح فرما دیا گیا کہ طعمہ اور اسکے گواہ جھوٹے ہیں اور یہودی اس جرم سے بالکل بری ہے۔۔ الغرض۔۔ منافقین کی یہ خواہش کہ نبی کریم حق کے خلاف اور باطل کے موافق فیصلہ فرمائیں، شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکی اور منافقین کی قسموں کی بے اعتباری بھی کھل کر سامنے آ گئی۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے محبوب!۔۔۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ

بیشک ہم نے اتاری تم پر ٹھیک کتاب تا کہ فیصلہ کرو تم لوگوں کا جیسا اللہ تمہیں دکھائے۔

وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾

اور فریبیوں کیلئے طرفدار نہ بنو●

(**بیشک ہم نے اتاری تم پر ٹھیک کتاب**) یعنی قرآن کریم جسکا ہر حکم راستی پر مبنی اور درست ہے (**تا کہ**) اسی کتاب اور وحی الٰہی کی روشنی میں (**فیصلہ کرو تم لوگوں کا**) بالکل اسی کے مطابق (**جیسا اللہ**) تعالیٰ (**تمہیں دکھائے**) اور معرفت کرائے۔۔ چونکہ۔۔ اعتقاد و معرفت بھی قوت وظہور اور شک وشبہ سے پاک وصاف ہونے میں رویت کی طرح ہوتا ہے، اسلئے معرفت کی تعبیر رویت سے کی گئی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اے محبوب! تم حسب دستور حق فیصلہ ہی کرتے رہو (**اور فریبیوں کیلئے طرفدار نہ بنو**)۔۔ نیز۔۔ انکے فریب کارانہ رویوں سے ہوشیار رہو۔

اے محبوب! اگر چہ یہ صحیح ہے کہ طعمہ کے بری کر دینے کا جو خیال تمہارے ذہن میں آیا، تو اس سے تم خاطی نہیں ہوئے۔۔ ہاں اگر بالفرض۔۔ تم اسکا ارتکاب کر لیتے تو ضرور تمہارے اس عمل کو خطا قرار دیا جا سکتا تھا۔ ویسے بھی تمہارے ذہن میں جو خیال بھی پیدا ہوا وہ بھی 'حکم شرعی' کے مطابق گواہیاں گزر جانے کی وجہ سے پیدا ہوا، تو اس خیال میں بھی آپ شرعاً معذور تھے۔۔ بایں ہمہ۔۔ 'حسنات الابرار سیئات المقربین' کے اصول کی پیش نظر تم اپنی اس سوچ۔۔۔

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ سے استغفار کرو۔ بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور) ذہن میں پیدا ہونے والے اپنے اس خیال سے (اللہ) تعالیٰ (سے استغفار کرو) اور بخشش چاہو اللہ تعالیٰ سے اس بات کی، کہ یہودی کو سزا دینے کا تمہیں خیال آ گیا تھا۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے اسے جو بخشش چاہے اور (رحمت) فرمانے (والا ہے) اسپر جو مخلصانہ طور پر مہربانی کا طالب ہو۔ تو اے محبوب! تم اپنی عادلانہ روش پر قائم رہو۔۔۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور ان کی جنبہ داری میں نہ جھگڑو جو اپنے کو فریب میں رکھتے ہیں۔ بے شک اللہ

لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾

نہیں پسند کرتا ہے جو بڑا فریبی گنہ گار ہو●

(اور ان کی جنبہ داری میں نہ جھگڑو جو) طعمہ اور اسکی قوم کی طرح (اپنے کو فریب میں رکھتے ہیں) اور سوچ سمجھ کر خیانت کرتے رہتے ہیں۔ ایسی خیانتیں جسکا نتیجہ آخرت میں انہی کو بھگتنا ہے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند کرتا ہے) اسکو (جو بڑا فریبی) خیانت کا خوگر اور اسپر اصرار کرنے والا ہو ۔۔نیز۔۔ اللہ تعالیٰ نہیں پسند فرماتا اسکو جو ایسا (گنہگار ہو) جو ہمیشہ اپنے گناہوں میں منہمک اور اسی میں مستغرق رہتا ہے۔ ان خیانت کرنے والوں کی ناسمجھی تو دیکھو کہ۔۔۔

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ

لوگوں سے تو منہ چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے، حالانکہ وہ ان کے پاس ہے جب رات بسر کر رہے

مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

ہیں ان باتوں میں جو ناپسندیدہ ہیں، اور اللہ جو وہ کرتے ہیں سب پر گھیرا ڈالے ہے●

(لوگوں سے تو منہ چھپاتے ہیں) شرم کرتے ہیں اور ان سے اپنی خیانتیں چھپاتے ہیں۔۔ الغرض۔۔ انکی خواہش صرف یہ رہتی ہے کہ انکے خیانت آلود چہرے پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔ لیکن یہ انکی کتنی بڑی بددماغی ہے کہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں، (اور اللہ) تعالیٰ (سے نہیں چھپتے)۔ یعنی بندوں سے تو

شرم کرتے ہیں، مگر رب قدیر سے شرم نہیں کرتے (حالانکہ وہ انکے پاس ہے) انکے دلوں کی چھپی ہوئی باتیں اس سے پوشیدہ نہیں۔تومناسب بات تو یہی تھی کہ اس سے شرم رکھیں، مگر یہ اس سے شرم نہیں رکھتے (جب رات بسر کررہے ہیں ان باتوں میں جو) خدا کے نزدیک (ناپسندیدہ ہیں)۔

بنوظفر آپس میں رات کو مشورہ کرتے تھے کہ طعمہ جھوٹی قسم کھالے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس قسم کو باور کرلینگے اسلئے کہ طعمہ بظاہر مسلمان ہے۔رہ گیا یہودی جو کھلا کافر ہے تو آپ ﷺ اسکی طرف التفات نہ فرمائینگے۔

ان بیوقوفوں نے یہ نہیں سوچا (اور) یہ خیال نہیں کیا کہ (اللہ) تعالیٰ (جو وہ کرتے ہیں سب پر گھیرا ڈالے ہے) یعنی انکے ظاہری اعمال ہوں۔۔یا۔۔خفیہ حرکتیں، اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کے دائرے سے باہر نہیں۔اللہ تعالیٰ انکے جملہ اعمال کا احاطہ فرمانے والا ہے۔

۔۔الغرض۔۔انکا کوئی بھی عمل اسکے علم کے دائرے سے باہر نہیں رہ جاتا۔اور پھر خدائے کریم اپنے محبوب کو انکی حرکتوں سے باخبر فرماتا رہتا ہے۔یہ بے وقوف بندوں سے ڈرتے ہیں اور جس ذات قادر مطلق سے ڈرنا چاہئے اس سے نہیں ڈرتے۔جبکہ آخرت کا حساب کتاب بندے نہیں لینگے، بلکہ وہی رب قدیر لیگا جو عالم الغیب والشہادہ ہے، تو اس صورت حال میں خدا سے شرم نہ کرنا اور بندوں سے شرم کرنا، فکر ونظر کی کجی کی بدترین مثال ہے۔تو اے طعمہ اور لاعلمی کی بنیاد پر اسکے اہل ایمان طرفدارو! اور طعمہ کے منافق برادری والو!۔۔۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ

سنو! تم لوگ جھگڑتے رہے ان سے دنیاوی زندگی میں۔۔۔تو کون جھگڑے گا اللہ سے ان کے بارے میں

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

قیامت کے دن، یا کون ان کا وکیل ہوگا●

(سنو! تم لوگ جھگڑتے رہے ان) کے تعلق (سے) اور ان کیلئے (دنیاوی زندگی میں)۔۔نیز۔۔لڑ جھگڑ کر خائنوں کی خیانت دور کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ طعمہ اور اسکی برادری کی وجہ سے صرف دنیا میں جھگڑا کرسکتے ہو۔(تو) ذرا بتاؤ کہ (کون جھگڑیگا اللہ) تعالیٰ (سے انکے بارے میں قیامت کے دن یا کون انکا وکیل ہوگا)۔یعنی جب اللہ تعالیٰ انکی گرفت فرمالیگا اور ان

سے انکے کرتوتوں کا بدلہ لیگا، تو تم میں سے کون ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے اور انکی وکالت کرے۔ سارے وہ لوگ جن سے کوئی کبیرہ یا صغیرہ گناہ سرزد ہو گیا ہو، خاص طور سے طعمہ اور اسکی قوم کے لوگ غور سے سنیں۔۔۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

اور جو گناہ کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ کی بخشش چاہے، تو پالیتا ہے اللہ کو بخشنے والا رحمت والا ●

(اور) یاد رکھیں کہ (جو گناہ کر گزرے) جس سے کسی کو ضرر پہنچے، جیسے کہ طعمہ نے قتادہ یہودی سے کیا (یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے) جسکا وبال خود اسی کو سہنا پڑے، جیسے کہ جھوٹی قسم وغیرہ کا ارتکاب کرلے۔ اور (پھر) نادم ہو کر (اللہ) تعالیٰ سے اس (کی بخشش چاہے، تو پالیتا ہے اللہ) تعالیٰ (کو) گناہوں کا (بخشنے والا) اور (رحمت) فرمانے (والا) مہربان۔۔۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو کمائے گناہ، تو اپنے ہی اوپر اس کی کمائی ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے ●

(اور) اسکے برخلاف (جو کمائے گناہ) اور چاہے کہ کسی بے گناہ کو اسکی تہمت لگادے (تو) یہ اسکی خام خیالی ہے کیونکہ (اپنے ہی اوپر اس) گناہ کرنے والے (کی کمائی ہے)۔ یعنی اس گناہ کا وبال خود اسی کی جان کو پہنچنے والا ہے۔ اس گناہ کا ضرر اسکی جان سے دوسرے کی طرف تجاوز نہیں کرتا۔ (اور) بلاشبہ (اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، تو بھلا زرہ چور اس سے کیسے چھپ سکتا ہے اور (حکمت والا ہے) ۔۔ چنانچہ۔۔ اس نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس میں بڑی ہی حکمت ہے۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ

اور جو کماتا ہے کوئی خطا یا گناہ اور پھر رکھ پھینکتا ہے کسی بے گناہ پر، تو بے شک

احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

اس نے اٹھالیا بہتان اور کھلا گناہ ●

(اور) ایسے ہی (جو کماتا ہے کوئی خطا) یعنی صغیرہ۔۔ یا۔۔ بے ارادہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے (یا گناہ) یعنی گناہ کبیرہ۔۔ یا۔۔ وہ گناہ صغیرہ جو عمداً کرتا ہے (اور پھر) ان دونوں میں سے کسی ایک سے

ع ۱۶ ۱۴

برأت کا اظہار کرتا ہے اور (رکھ پھینکتا ہے کسی بے گناہ پر) اور اپنے آپ کو بری الذمہ ظاہر کرتا ہے اور اپنا گناہ دوسرے کے سر تھوپ دیتا ہے، جیسے کہ طعمہ نے چوری کر کے یہودی کے سر تھوپ دیا (تو بیشک اس نے اٹھالیا بہتان)۔ ایسا بڑا بہتان جسکا اندازہ نہیں ہو سکتا (اور کھلا گناہ) ایسا فاحش گناہ جو سب کو معلوم ہے۔ اے محبوب! منافقین تو کیا کیا سوچتے تھے۔۔۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ

اور اگر نہ ہو فضل اللہ کا تم پر اور اس کی رحمت، تو ان میں سے ایک جمعیت نے قصد کیا تھا کہ تم کو

يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ

فریب دیں، اور وہ اپنے ہی کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور نہیں بگاڑ سکتے تمہارا کچھ۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ

اور اتارا اللہ نے تم پر کتاب و حکمت کو، اور سکھا دیا سب کچھ

تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

جو نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ کا فضل تم پر، بہت بڑا ہے ●

(اور) کیسے کیسے منصوبے بناتے تھے، تو (اگر)۔۔ بالفرض۔۔ (نہ ہو) تا (فضل اللہ) تعالیٰ (کا تم پر اور اسکی رحمت، تو ان میں سے ایک جمعیت نے قصد کیا تھا کہ تم کو فریب دیں)۔

۔۔ چنانچہ۔۔ بنی ظفر نے طعمہ کو سرقہ سے بری الذمہ بنانے کی پوری کوشش کر ڈالی، تا کہ آپکو صحیح فیصلہ کرنے سے باز رکھیں۔ اسی لئے وہ لوگ آپکے سامنے غلط سلط بیان دے رہے تھے۔۔ حالانکہ۔۔ انہیں معلوم تھا کہ انکے ساتھی طعمہ سے غلطی کا ارتکاب ہو چکا ہے۔

۔۔ الحاصل۔۔ آپ پر انکی غلط پالیسی کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، خواہ وہ کتنی ہی جدوجہد کریں۔ (اور) سچی بات تو یہ ہے کہ (وہ) خود (اپنے ہی کو دھوکہ دیتے ہیں) کہ اسکا وبال انہیں پر ہوگا (اور) اپنی ان خفیف الحرکاتیوں سے وہ لوگ (نہیں بگاڑ سکتے تمہارا کچھ)۔ وہ لوگ آپکو اسلئے ضرر نہیں پہنچا سکتے کہ خود خدا آپکا محافظ ہے۔ اور وہ جو فیصلہ میں طعمہ کی تائید کا آپکو خیال گزرا، وہ بھی صرف ظاہری اسباب کی وجہ سے تھا، نہ کہ طبعی طور پر آپکا میلان اسطرف تھا۔

یعنی آپکا طعمہ کے حق میں فیصلہ کرنے پر طبعی میلان نہیں تھا۔ اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا؟ (اور)

یہ بات کیسے ممکن تھی؟ اسلئے کہ (اتارا اللہ) تعالیٰ (نے تم پر کتاب) قرآن کریم (وحکمت کو) یعنی قرآن کریم میں مذکور احکام اور حلال وحرام کی تفصیل کو، (اور) بذریعہ وحی (سکھادیا سب کچھ) غیب کی باتیں اور پوشیدہ امور، (جو) تاوقت تعلیم (نہیں جانتے تھے اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر بہت بڑا ہے)۔ اسلئے کہ نبوت عامہ اور حکومت تامہ سے بڑھ کر اور کونسا بڑا فضل ہوگا۔

اس مقام پر فضل عظیم سے آپکو معصوم رکھنا اور 'ما کان وما یکون' کی تعلیم عطا فرمانا مراد ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے 'عالم ما کان وما یکون' بنادیا گیا ہو، اسے طعمہ کی قوم کی ان سرگوشیوں سے کیسے بے خبر رکھا جاسکتا ہے، جو وہ طعمہ کو چوری کے الزام سے، بچانے کیلئے آپس میں کرتے رہے۔

۔۔۔ اسطرح کی غلط سرگوشیاں کرنے والے کان کھول کر سن لیں۔۔۔ کہ۔۔۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ

کوئی فائدہ نہیں ان کی کئی سرگوشیوں میں، مگر جس نے حکم دیا صدقہ کا، یا کسی نیکی کا،

اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

یا لوگوں میں صلح کرانے کا۔ اور جو ایسا کرے اللہ کی رضا مندی کی طلب میں،

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

تو جلد ہم دیں گے اس کو بڑا اجر ●

(کوئی فائدہ نہیں) ہے (انکی کئی) یعنی اکثر وبیشتر (سرگوشیوں میں) اس سے انہیں کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔۔۔ ہاں۔۔۔ (مگر) سودمند، فائدہ بخش اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا کام اسکا ہے (جس نے حکم دیا صدقہ کا) یعنی صدقہ وخیرات (یا) اسکے سوا (کسی) دوسری (نیکی کا)۔۔۔ مثلاً: قرض دینے کا، مظلوم کی فریاد رسی اور عاجز بے چاروں کی دستگیری کا، وغیرہ وغیرہ (یا) حکم کرے (لوگوں میں صلح کرانے کا)، ایسی صلح جو انکے دلوں سے کدورت رفع کردے۔

ان تینوں باتوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اسلئے ہے، کہ یہ ایسے امور ہیں جن کے منافع عامل سے متجاوز ہوکر دوسروں تک پہنچتے ہیں۔ کیونکہ اسمیں دوسروں کو فائدہ پہنچایا اور نقصان کو دفع کیا جاتا ہے۔

تو سن لو (اور) یاد رکھو (جو ایسا کرے) اور ان جملہ امور کو بجالائے اور وہ بھی ریاکاری کے

طور پر، دوسروں کو دکھانے کیلئے اور انکی واہ واہی حاصل کرنے کی غرض سے نہیں، بلکہ (اللہ) تعالیٰ (کی رضامندی کی طلب میں) کرے۔ اسلئے کہ بندوں کو چاہیے کہ اپنے جملہ امور میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھیں۔ ایسوں کیلئے ارشاد خداوندی ہے کہ اسطرح کے اعمال خیر وخیرات انجام دینے والے کو محروم نہ رکھیں گے۔ (تو) جو بھی ایسا کریگا (جلد ہم دینگے) اپنے فضل وکرم سے (اسکو بڑا اجر) کہ اس سے نہ صرف طلب دنیا کی عادت دفع ہو جائیگی، بلکہ دنیا کے جمیع اسباب کو 'لاشئ' سمجھنے لگ جائیگا۔

ایسوں کا حال طعمہ کے حال کی طرح نہیں ہوگا، کہ اس نے ایک طرف چوری کی اور دوسری طرف رسول کریم ﷺ کے حکم کی مخالفت کی اور چوری کی سزا، یعنی قطع ید کے خوف سے مدینہ طیبہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ چلا گیا اور اپنے آباء کا پرانا دین کفر اختیار کر کے کافر ہو کر مرا۔ تو ۔۔لوگو! طعمہ کا حال وانجام دیکھ کر سبق حاصل کرو۔۔۔

وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ

اور جو مخالفت کرے رسول کی اس کے بعد کہ اس پر ٹھیک راہ روشن ہو چکی، اور چل پڑے رواج

سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۱۱۵﴾

دستور اہل ایمان کے خلاف، تو ہم رہنے دینگے جیسے رہے، اور ڈال دیں گے اسکو جہنم میں، اور وہ پلٹاؤ کی بری جگہ ہے ●

(اور) اس ارشاد خداوندی کو ہر وقت پیش نظر رکھو کہ (جو مخالفت کرے رسول کی) اور ان پر نازل ہونے والے الہامات ربانی کی، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے بھیجے ہوئے ہیں (اسکے بعد کہ اُسپر ٹھیک راہ روشن ہو چکی) یعنی اسکے سامنے ہدایت واضح ہو چکی اور اُسے معلوم ہو چکا کہ واقعی یہ الہام ربانی اور اسکا نور ہے (اور چل پڑے رواج ودستور اہل ایمان کے خلاف)۔ یعنی ہر دور میں مومنین صالحین جو امور انجام دیتے رہے اور جس کام کو اچھا سمجھتے رہے، ان اعمال وامور کو یہ بُرا کہنے لگے اور سارے اہل ایمان کو راہِ صواب سے بھٹکا ہوا تصور کرنے لگے اور خود خواہشات نفسانی اور شیطان کی راہ پر چلنے لگے، (تو ہم رہنے دینگے) اُسے (جیسے) وہ (رہے)۔ یعنی ہم اسکو اسی رسوائی کے سپرد کردینگے جسکا وہ خود خواہاں ہے۔

جیسا کہ طعمہ کے حال سے ظاہر ہے جو مکہ کی طرف بھاگا اور مرتد ہو گیا۔ وہاں بھی کسی کے گھر میں نقب لگاتا تھا، تو اسپر دیوار پھٹ پڑی اور وہ اسکے نیچے دب گیا۔ دوسرے دن

لوگوں نے اُسے دیوار کے نیچے سے نکالا اور چاہا کہ مار ڈالیں۔ بعض اہل مکہ نے سفارش کی کہ یہ مدینہ سے بھاگ کر آیا ہے اور یہاں پناہ لے لی ہے تو اسکو مار ڈالنا مناسب نہیں، پھر اُسے مکہ سے نکال دیا۔

قضاعہ کے تاجروں کے ساتھ اس نے شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور ایک منزل میں قافلہ کو غافل پا کر انکے اسباب میں سے کچھ چرایا اور بھاگا۔ آخر گرفتار ہوا اور لوگوں نے اُسے سنگسار کیا۔ اور اسکے تعلق سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جدہ سے کشتی پر سوار ہوا اور کشتی میں دینار کی ایک تھیلی چرائی۔ یہ بات تحقیق ہونے کے بعد کشتی والوں نے اُسے دریا میں ڈالدیا۔ یہ تو دنیا کا عذاب تھا کہ عملاً جس ذلت ورسوائی میں اس نے رہنا چاہا، اُسے اسی ذلت ورسوائی میں رہنے دیا گیا۔۔ الغرض۔۔ اس نے کفر وارتداد کو دوست رکھا، تو اسکو عدل خداوندی نے کفار ومرتدین کے گروہ سے باہر نہیں ہونے دیا۔

(اور) اب رہا عذاب آخرت کا معاملہ، تو وہاں کا عذاب چکھنے کیلئے **(ڈالدینگے اسکو جہنم میں اور وہ پلٹاؤ کی بری جگہ ہے)** جہاں خواہش نفسانی کی اتباع اور شیطان کی پیروی اور اسکی تابعداری نے ایک قسم کے شرک میں مبتلا کر کے اُسے جہنم رسید کر دیا۔

کفر وشرک اور نبی کی مخالفت اور آپکی گستاخی کرنے والوں سے، توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ ہاں اگر کفر وشرک کے سوا کوئی اور گناہ ہو چھوٹا یا بڑا تو اسکو بخش دیئے جانیکا امکان ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ جب ایک بوڑھے اعرابی نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں بوڑھا ہوں گناہوں میں ڈوبا ہوا، مگر جب سے میں نے خدا کو پہچانا کسی کو اسکا شریک نہیں کیا، اور اسکے سوا کسی کو میں نے دوست نہیں رکھا، اور خدا کے ساتھ جرأت اور بے ادبی کر کے میں نے گناہ نہیں کئے، اور کبھی میرے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ پلک مارتے میں بھاگ کر خدا کو عاجز کر دونگا اور اسکی گرفت سے بچ جاؤنگا۔ اب گناہوں سے پشیمان ہو کر اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے حاضر ہوا ہوں، اب آپ میرے تعلق سے کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ اس عرض پر ارشاد خداوندی ہوا کہ۔۔۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

بے شک اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے، اور بخش دے اس سے نیچے جرم کو جسے چاہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے، تو وہ دور کی گمراہی میں پڑا●

(بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں بخشتا کہ اسکے ساتھ کفر کیا جائے)۔

اس مقام پر شرک کی تعبیر کفر سے کی گئی ہے، اسلئے کہ شرک کی مغفرت نہ ہونے کی وجہ اسکا کفر ہونا ہی ہے اور کفر کسی درجہ کا ہو یا کسی رنگ وروپ میں ہو، وہ ایمان کی ضد ہے، بغیر توبہ جسکی مغفرت نہیں ہوسکتی۔ رہ گیا وہ عمل جس پر شرک کا اطلاق کیا گیا ہے، مگر وہ کفر نہیں۔۔ مثلاً: ریا کاری کے طور پر کوئی عمل انجام دینا، یہ بھی شرک ہے مگر کفر نہیں۔۔ لہٰذا۔۔ اسکا شمار ان گناہوں میں ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بغیر توبہ بھی جن کی مغفرت ہوسکے۔۔ چنانچہ۔۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا پورا اختیار ہے۔۔۔

(اور) وہ اس بات پر قادر ہے کہ **(بخش دے اس سے نیچے جرم کو)** جو کفر کے سوا ہو **(جسے چاہے)**۔۔ لہٰذا۔۔ اچھی طرح سے یہ بات ذہن نشین رہے، **(اور)** ہمیشہ کیلئے یاد رہے کہ **(جو)** کسی غیر خدا کو **(اللہ)** تعالیٰ **(کا شریک ٹھہرائے)** اور اسکی ذات وصفات کو خدا کی ذات وصفات کی طرح سمجھے، **(تو وہ دور کی گمراہی میں پڑا)** یعنی گمراہی کے آخری درجہ پر پہنچ گیا اور ایسا کفر اختیار کرلیا جسکی مغفرت نہیں۔ یہ مشرکین فہم ودانش سے کتنے عاری ہیں کہ۔۔۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

نہیں پوجتے اللہ کو چھوڑ کر مگر زنانہ نام والوں کو، اور نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان کو●

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

اللہ کی مار ہو اس پر۔۔۔ اور وہ بول چکا ہے کہ میں ضرور لے کے رہوں گا تیرے بندوں سے اپنا مقررہ حصہ●

(نہیں پوجتے اللہ) تعالیٰ **(کو چھوڑ کر)** اسکے باغی ہوکر **(مگر زنانہ نام والوں کو)**۔۔۔ مثلاً: لات، عزیٰ، منات اسطرح ہر قبیلہ کا بت تھا، اسکو کہتے تھے فلانے قبیلے کی عورت۔ چونکہ انکی مورتیاں عورتوں کی شکل میں ہوتی تھیں، اسلئے بھی انکو عورتوں کا پجاری قرار دیا گیا۔ ایک طرف تو وہ عورتوں پر مردوں کی برتری کے قائل تھے اور دوسری طرف عورتوں کی شکل وصورت والی مورتیوں کے پجاری بھی بن گئے تھے۔ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے گمان فاسد کی بنیاد پر ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور پھر ان کو پوجتے تھے۔

اسطرح خوداپنے خیال کی روشنی میں وہ عورتوں کے پجاری تھے۔

(اور) صحیح بات تو یہ ہے کہ بتوں کی پرستش کی شکل میں وہ مشرکین **(نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان کو)**۔۔۔**(اللہ)** تعالیٰ **(کی مار ہوا سپر)**۔۔۔اور وہ رحمت الٰہی سے ہمیشہ دور رہے۔اسلئے کہ یہی سرکش شیطان مشرکوں کو بت پرستی کا حکم کرتا ہے۔اور مشرکین اسکی اطاعت کرتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ وہ اسی کی فرمانبرداری میں بتوں کے پجاری بن گئے۔

ابلیس کی ایسی اطاعت کو خود اسکی عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے جو بندوں کو غیر خدا کا پجاری بنادے۔شیطانوں کے سردار ابلیس کی سرکشی اور حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کے نتیجے میں، جب اسکے گلے میں لعنت کا طوق پہنا دیا گیا، تو اس نے اسی وقت بنی آدم کو گمراہ کرنے کا ایک منصوبہ تیار کرلیا تھا۔

(اور) صرف ذہنی طور پر ہی منصوبہ نہیں بنایا، بلکہ **(وہ بول)** بھی **(چکا ہے کہ میں ضرور لیکے رہونگا تیرے بندوں سے اپنا مقررہ حصہ)** اور یہ وہ لوگ ہونگے جو میرے وسوسوں کو قبول کرینگے اور میری اتباع کرینگے۔

ارشاد الٰہی ہے کہ:

'میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دونگا'

۔۔۔کے پیش نظر اسکی امید بندھ گئی ہوگی کہ میرے پیروکاروں کی تعداد بے شمار ہوگی اور ظاہر ہے کہ انکو جہنم رسید کرانے میں میرے ہی کردار کا عمل دخل ہوگا، اسی لئے اس نے یہاں تک دعویٰ کرلیا کہ میں اولادِ آدم کو ضرور جڑ سے اکھاڑ دونگا، سوا قلیل لوگوں کے۔اسکے سوا خود ارشاد الٰہی میں ہے کہ:

'اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی، تو
تم سب شیطان کی پیروی کرلیتے، سوا قلیل لوگوں کے'

۔۔۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلیل انسانوں کے سوا سب شیطان کے پیروکار ہیں اور زیر تفسیر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے پیروکار بعض ہیں۔اسکا جواب یہ ہے کہ لاتعداد فرشتے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں اور انکے اعتبار سے، شیطان کے متبعین بعض ہی ہیں

۔۔الختصر۔۔ابلیس نے جو منصوبہ بنایا۔۔۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ

اور انھیں ضرور گمراہ کروں گا اور راہ ہوس پر انھیں لگاؤں گا اور ضرور انھیں حکم دوں گا، تو وہ چیریں گے چوپایوں کے کان،

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ

اور میں انھیں حکم دوں گا تو وہ بدل دیں گے اللہ کی بنائی صورت کو۔ اور جو بنالے شیطان کو یار،

دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۭ﴿۱۱۹﴾

اللہ کو چھوڑ کر، تو بے شک وہ پڑ گیا کھلے گھاٹے میں●

(اور) پروگرام تیار کیا ان میں پہلا یہ ہے کہ میں (انہیں ضرور گمراہ کرونگا) یعنی اگر چہ میرے اختیار میں یہ بات نہیں ہے، کہ میں کسی کے دل میں گمراہی پیدا کردوں۔۔بایں ہمہ۔۔میں انکے دلوں میں وسوسہ ڈالکر، انہیں گمراہی کی دعوت دیتا رہونگا (اور) دوسرا یہ کہ (راہ ہوس پر انہیں لگاؤنگا) اور انہیں غلط خیالوں میں مبتلا کر دونگا اور انہیں باور کراتا رہونگا کہ مال ودولت، عمر کی درازی وغیرہ۔۔الغرض۔۔تم جو چاہتے ہو وہ تمہیں حاصل ہوگی۔۔لہٰذا۔۔تم یہ کرلو وہ کرلو۔۔یونہی۔۔میں انکو سمجھاؤں گا کہ زندگی بہت طویل ہے۔۔لہٰذا۔۔ابھی توبہ کی ضرورت نہیں، بعث ونشر کی کوئی حقیقت نہیں، دخول بہشت ایک خیالی بات ہے۔۔یونہی۔۔ارتکاب ذنوب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

(اور) تیسرا یہ کہ (ضرور انہیں حکم دونگا تو وہ چیرینگے ان چوپایوں کے کان) اور اسمیں ذرا بھی تاخیر نہیں کرینگے اور نہ ہی اسپر کچھ سوچیں گے، صرف اپنی غلط رسم ورواج کا پاس ولحاظ کر کے اپنے بتوں کیلئے انکے کان چیر کر چھوڑ دینگے، اور پھر نہ انکا دودھ پئیں گے اور نہ ہی ان سے کوئی نفع اٹھائینگے۔۔الغرض۔۔ان تمام بکریوں، گایوں اور اونٹ کے کان چیر کر ان سے نفع اٹھانا اپنے اوپر حرام کرلینگے۔۔الغرض۔۔خدائی احکام کی تعمیل کو نظر انداز کر کے میری پیروی میں لگ جائینگے اور خدا نے جن جانوروں کو حلال فرمادیا ہے، انکو اپنے اوپر حرام کرلینگے۔

(اور) چوتھا یہ کہ (میں انہیں حکم دونگا تو وہ بدل دینگے اللہ) تعالیٰ (کی بنائی صورت کو) یعنی مخلوق خدا کی صورت یا صفت کو، جیسے آدمی کا خصی کرنا، دانت کالے کرلینا، مرد کا مرد سے مجامعت کرنا، عورت کا عورت سے مجامعت کرنا، ہاتھ پاؤں پر نیل گدوانا، عورتوں کا زینت کیلئے چہرے اور ابرو کے بال اکھاڑنا، عورتوں کا اپنے دانتوں کو لوہے کی کسی چیز سے گھس کر باریک بنانا، تاکہ نوجوان عورتوں سے مشابہت ہو،

اپنے بالوں کو دوسرے انسانوں کے بالوں سے ملانا، تاکہ بال لمبے نظر آئیں، عورتوں کا مردوں کے مشابہ ہونا۔۔یا۔۔مردوں کا عورتوں کے مشابہ ہونا۔۔یا۔۔فطرت اسلامیہ کو بدل دینا۔۔یا۔۔اعضاء وقویٰ کو امور باطلہ میں استعمال کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

۔۔الحاصل۔۔شیطان تو اپنے بنائے ہوئے منصوبے پر عمل کریگا ہی (اور) گمراہ کرنے کی ہر صورت کو اختیار کرتا ہی رہیگا، تو اب (جو بنالے شیطان کو یار، اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) یعنی شیطان اللہ تعالیٰ کے خلاف جس بات کی طرف بلائے، وہ اُسی بات کو مانے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روگردانی کر کے شیطان کی پیروی قبول کرلے، (تو بیشک وہ پڑ گیا کھلے گھاٹے میں) کیونکہ اس نے اپنے راس المال اور پونجی کو بالکل ضائع کردیا اور بہشت میں جگہ لینے کی بجائے جہنم میں جگہ بنائی ۔۔باوجودیکہ شیطان۔۔۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾

انہیں وعدے دے اور امیدیں دلائے، حالانکہ شیطان نہیں وعدے دیتا مگر دھوکے کا ●

(انہیں وعدے دے) وہ بھی ایسے وعدے جو پورے ہونے والے نہیں۔۔مثلاً: درازی عمر، دائمی عافیت، لذائذ دنیا، جاہ ومال اور شہوات نفسانیہ، یہ ساری چیزیں عارضی اور فنا ہونے والی ہیں (اور) ان وعدوں کے سوا (امیدیں دلائے)۔۔مثلاً: یہ کہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی حساب ہے اور نہ ہی کوئی جزا وسزا۔۔یا۔۔یہ سمجھائے کہ آخرت کا ثواب عمل کے بغیر حاصل ہوگا۔ جہاں تک وعدہ دینے کا سوال ہے وہ بڑے بڑے وعدے دیتا ہے (حالانکہ شیطان نہیں وعدے دیتا مگر دھوکے کا)۔۔یعنی۔۔ضرر والی شے کو فائدہ مند بتاتا ہے، یہ کتنا بڑا دھوکہ اور فریب ہے۔ تو سن لو کہ شیطان کے یہ سارے دوست یار۔۔۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾

وہ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور نہ پائیں گے اس سے رہائی ●

(وہ ہیں جنکا ٹھکانہ جہنم ہے اور نہ پائینگے اس سے رہائی) بھاگ جانے کی جگہ کہ بھاگ کر وہاں چلے جائیں۔

شیطان کے وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ انکے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور اپنے دوستوں کے ذریعہ انہیں بہکاتا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور پھر انکی سزا کو بیان فرمایا، اور اب اپنے اسلوب کلام کے مطابق وعید کے بعد وعد کا ذکر فرما رہا ہے۔۔ المختصر۔۔ کافروں کے بعد مومنوں کا، بدکاروں کے بعد نکوکاروں کا، اور شیطان کے جھوٹے وعدوں کے بعد اپنے سچے وعدہ کا ذکر فرما رہا ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور جو ایمان لاچکے اور کیے اچھے کام، جلد ہم داخل کریں گے انھیں جنتوں میں کہ بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ

جن کے نیچے نہریں، اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔ اللہ کا وعدہ بالکل ٹھیک۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور کون بولی کا اللہ سے زیادہ سچا ہے●

(اور) واضح فرمایا جارہا ہے کہ (**جو ایمان لاچکے اور**) پورے خلوص کے ساتھ (**کیے اچھے کام**)، جس سے صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ اسمیں وہ ساری عبادتیں اور اعمال صالحہ داخل ہیں جنکا وہ مکلّف ہے۔۔ نیز۔۔ وہ نیک اعمال بھی شامل ہیں جو تقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں اگرچہ انکی تکلیف نہیں دی گئی ہے۔ تو ایسے ایمان و نیک عمل والوں کو عنقریب اور (**جلد ہم داخل کرینگے انہیں جنتوں میں کہ بہتی ہیں جن کے**) مکانوں اور درختوں کے (**نیچے نہریں**)۔ یہ خوش بخت لوگ (**اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش**) اس میں انکی رہائش کبھی ختم نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہمیشہ کیلئے جنت میں رکھنے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ اور بیشک (**اللہ**) تعالیٰ (**کا وعدہ بالکل ٹھیک**) ہے، جسکا پورا ہونا قطعی اور یقینی ہے۔

سمجھ والو! غور کرو (اور) انصاف سے بتاؤ کہ (**کون بولی کا اللہ**) تعالیٰ (**سے زیادہ سچا ہے**)۔

خدائی ذات، وہ ذات جامع کمالات ہے، جسکا صدق واجب ہے۔ اسلئے کہ وہ خود 'واجب الوجود' ہے جسکی کوئی صفت 'ممکن' نہیں اور جب صدق واجب ہوا، تو اسکا کذب محال ہوگیا۔ اسلئے کہ اگر بفرض محال اسکا کذب ممکن مان لیا جائے، تو پھر اسکا صدق واجب نہیں

رہ جاتا۔ایسی صورت میں اسکے سارے وعدو وعید اور اسکی ساری خبریں، یہاں تک کہ دین اسلام کی حقانیت بھی شک کے دائرے میں آجاتی ہے۔۔نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔۔

ارشاد زیر تفسیر میں ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی قید لگا کر یہ واضح فرمادیا کہ ایمان کے بعد اعمال صالحہ کو غیر ضروری سمجھنا صحیح نہیں۔ کیونکہ جزاوثواب ان دونوں پر مرتب ہوتے ہیں۔یادرکھنا چاہئے کہ ایمان صرف خیالی باتوں کا نام نہیں، بلکہ سچا ایمان وہ ہے جسکے اثرات دل پر ہوں اور اسکی علامت عمل صالح ہے۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں سچائی اور ہر وعدے میں صدق ویقین ہے۔اسکے برعکس شیطان کا ہر وعدہ جھوٹا اور اسکی ہر بات میں دھوکہ وفریب ہے۔اس مقام پر مسلمانو! یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے وہ صرف یہ اقرار کرلینے سے کہ:

'تمہارا نبی آخری نبی ہے، تمہاری کتاب آخری کتاب ہے، اور تم بہشت کے حقدار ہو' ۔۔۔تم اُس ثواب تک نہیں پہنچ سکتے۔۔اور۔۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ

نہ تمہارے خیالات اور نہ اہل کتاب کے اوہام، جو برائی کرے اس کا بدلہ لیا جائے گا،

وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

اور وہ نہ پائے گا اپنے لیے مفید جن کو اللہ کو چھوڑ کر یاور ومددگار قرار دے رکھا ہے●

(نہ) ہی (تمہارے) دوسرے (خیالات) اور آرزوئیں تمہیں اس ثواب کے حصول تک پہنچا سکتی ہیں (اور) ایسے ہی (نہ) تو (اہل کتاب کے اوہام) جسکی بنیاد پر انہوں نے خود کو خدا کا محبّ اور اسکا بیٹا قرار دے لیا ہے، انہیں اس ثواب موعود کا مستحق بنا سکیں گے۔

۔۔بلکہ۔۔ سچی بات یہی ہے کہ جسکو ریاض بہشت چاہئے وہ ایمان کی سلامتی کے ساتھ اعمال صالحہ کی ریاضت میں لگا رہے۔۔چونکہ۔۔ایمان کے بغیر کوئی عمل جو بظاہر نیک عمل معلوم ہوتا ہو، حقیقتاً نیک عمل نہیں ہوتا، اسلئے یہود ونصاریٰ کے اپنی نجات کے تعلق سے سارے اوہام، اوہام ہی ہیں، جو کبھی شرمندۂ تعبیر ہونے والے نہیں۔رہ گئے بے عمل ایمان والے، تو اگر فضل الٰہی اور مغفرت خداوندی انکی دستگیری نہ کرے، تو وہ بھی خدائی عذاب و عتاب سے اپنے کو بچا نہیں سکتے۔

اسلئے (جو) بھی (برائی کرے) اس سے (اسکا بدلہ لیا جائیگا)۔ خواہ بدلہ جلد لے لیا جائے ۔۔یا۔۔ کچھ تاخیر سے۔ خواہ دنیا ہی میں مصائب میں مبتلا کر کے ۔۔یا۔۔ آخرت میں عذاب وعتاب فرما کر۔ یہی عدل خداوندی کا فیصلہ ہے۔ برائی کرنے والے ہرگز ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ قیامت میں انکو کچھ مددگار مل جائینگے جو خدا کے مدمقابل ہو کر انکو بچالینگے اسلئے کہ جو برائی کرنے والا ہے (اور) نیک عمل سے تہی دامن ہے (وہ نہ پائیگا اپنے لئے مفید) انکو (جن کو اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اور خدا کا باغی ہو کر اپنا (یار و مددگار قرار دے رکھا ہے)۔

آخر وہ کسی کیلئے کیسے مفید ہو سکتا ہے، جسکو بارگاہِ خداوندی میں کوئی قرب ہی نہ ہو، اور جسے رب کریم نے کسی کی مدد و نصرت اور شفاعت کیلئے اذن ہی نہ دیا ہو۔۔ لہٰذا۔۔ جو 'ماذون الشفاعۃ' ہوں جنہیں کسی شفاعت کیلئے اذن خداوندی مل چکا ہو، تو بیشک وہ شفیع و مفید بھی ہوگا اور کارآمد بھی۔۔ الغرض۔۔ برائی کرنے والا اپنی بدعملی کا نتیجہ دیکھے گا۔۔۔

وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ

اور جو نیکیوں کا کام کرے مرد ہو یا عورت، درآنحالیکہ وہ صاحب ایمان ہے،

فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ نَقِيۡرًا ﴿۱۲۴﴾

تو وہ داخل ہوں گے جنت میں، اور نہ ظلم کئے جائیں گے کچھ بھی ●

(اور) اسکے برعکس (جو نیکیوں کا کام کرے) وہ (مرد ہو یا عورت، درآنحالیکہ وہ صاحب ایمان ہے) اسلئے کہ ایمان کے بغیر عمل کا اعتبار نہیں (تو وہ) بفضلہ تعالیٰ (داخل ہونگے جنت میں اور) انکے اعمال کے ثواب میں کچھ کمی نہ کی جائیگی۔۔ چنانچہ۔۔ وہ (نہ ظلم کئے جائینگے کچھ بھی) یعنی اس لکیر کی مقدار میں بھی نہیں جو خرمے کے پشت پر ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا ایمان و اعمال صالحہ والوں کی عظمت و رفعت اور انکی فیروز بختی و خوش بختی کا کیا کہنا؟ فکر و دانش والو! غور کرو۔۔۔

وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ

اور اس سے اچھا کس کا دین، جس نے جھکا دیا اپنے کو اللہ کیلئے، اور وہ مخلص ہے، اور چل پڑا

مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًا ﴿۱۲۵﴾

ملت ابراہیم پر الگ تھلگ باطلوں سے۔ اور بنا لیا اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست ●

(اور) بتاؤ کہ (اس سے اچھا کس کا دین) ہے (جس نے) دین اسلام کو قبول کر کے (جھکا دیا اپنے کو اللہ) تعالیٰ (کیلئے)۔

یعنی اپنی ذات اور نفس کو صرف اللہ تعالیٰ کے حضور جھکایا اور خاص اسی کی طرف سپرد کر دیا۔ اسمیں کسی غیر کا حق نہ سمجھا۔ نہ خالقیت وملکیت میں، اور نہ ہی عبودیت و بندگی میں۔ اس ارشاد میں بنیادی طور پر دین حق کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ لیکن اس سے ضمناً اس دین کو ماننے والوں اور اسپر مخلصانہ عمل کرتے رہنے والوں کی بھی برتری و بہتری ظاہر ہو جاتی ہے۔ یاد رکھئے کہ صرف دین برحق کو دل سے مان لینا ہی صلاح وفلاح کیلئے کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ اگر ایک طرف اسکی شان یہ ہے کہ وہ ایمان والا ہے۔۔۔

(اور) بارگاہِ الٰہی میں سرنگوں ہو جانے والا ہے، تو دوسری طرف (وہ مخلص ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام جو اسپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوئے، نہایت ہی عزت واحترام اور خشوع و خضوع سے بجالانے والا ہے۔۔نیز۔۔نیکی کرنے والا اور برائیوں کو چھوڑنے والا ہے (اور) ایسا مخلص جو (چل پڑا ملت ابراہیم پر الگ تھلگ) ہو کر (باطلوں سے)۔

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین وملت پر تمام دینوں کے لوگ متفق تھے اور سبھی اپنے ملت ابراہیمی میں ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، اسی لئے اسکا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا اور ملت موسیٰ اور ملت عیسیٰ کی بات نہیں کی گئی۔۔کیونکہ۔۔انکے دینوں میں اختلاف کیا گیا ہے۔۔الحاصل۔۔کسی بھی دین کے واجب القبول، برحق اور بہتر ہونے کی ایک پہچان تو یہ ہے کہ وہ ایمان باللہ اور اعمال صالحہ پر مشتمل ہو، اور جب انسان کسی کو معبود مان لیتا ہے تو اسکے آگے سر جھکا دیتا ہے۔

سو جس نے اپنے جسم کے اعضاء میں سے سب سے اشرف اور اعلیٰ عضو کو اللہ کے سامنے جھکا دیا، وہ اللہ پر ایمان لانے والا ہے اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہوگا، جب اسکے رسولوں، اسکی کتابوں، اسکے فرشتوں اور اسکی فرمائی ہوئی تمام باتوں کو مان لیا جائے اور اسکے ارشادات پر سر تسلیم خم کر لیا جائے اور اللہ کے آگے سر جھکانا اسی وقت صحیح ہوگا، جب غیر اللہ کے آگے سر نہ جھکایا جائے اور کسی غیر خدا کی پرستش نہ کی جائے۔

اس پیمانے پر اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکانے والوں کے مفہوم میں صرف مسلمان داخل ہیں۔۔المختصر۔۔یہ لفظ اختصار کے ساتھ اسلام کے تمام عقائد پر مشتمل

ہے۔اسی طرح لفظ 'محسن' اپنے اختصار کے ساتھ تمام اعمال کو بجالانے اور تمام برے کاموں سے اجتناب کو محیط ہے۔تو جب صرف دین اسلام ہی تمام عقائد صحیحہ اور تمام اعمال صالحہ پر مشتمل ہے، تو اس سے اچھا اور کون سا دین ہوگا۔تو اب اسی دین کو قبول کرنا واجب ہوا۔ دین اسلام ہی دین برحق ہے۔

اسکی دوسری پہچان یہ ہے کہ یہی ایک دین ایسا ہے جس میں ملت ابراہیمی اور شریعت ابراہیمی کے احکام موجود ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت مشرکین عرب اور یہود ونصاریٰ سب کے نزدیک مسلّم و واجب القبول تھی۔آپ سب کے نزدیک معزز ومکرم تھے اور چونکہ حضرت ابراہیم کی ملت اور انکی شریعت کے احکام۔۔ مثلاً: ختنہ کرنا، ڈاڑھی بڑھانا، مونچھیں کم کرنا، زیرناف بال مونڈنا، ناک میں پانی ڈالنا، غرارہ کرنا اور دیگر طہارت کے احکام، یہ صرف دین اسلام ہی میں ہیں۔

۔۔یونہی۔۔دس ذوالحجہ کو قربانی کرنا، حج میں احرام باندھنا، صفا ومروہ کی سعی کرنا، منیٰ میں جمرات پر شیطان کو کنکریاں مارنا اور کعبہ کا طواف کرنا، یہ تمام امور حضرت ابراہیم کی یادگار ہیں اور صرف دین اسلام میں بہ طور عبادت داخل ہیں۔پھر تو اسلام سے اچھا اور کون سا دین ہوگا۔۔لہٰذا۔۔اسی دین کو قبول کرنا سب پر واجب ہے۔اس آیت کے پہلے جز میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی ملت کی پیروی کا حکم دیا تھا اور اسکے بعد اسکی وجہ بیان فرمائی کہ۔۔۔

۔۔۔**(اور بنالیا اللہ) تعالیٰ (نے ابراہیم کو خاص دوست)۔**

دونوں ایک دوسرے سے بڑی ہی محبت فرماتے تھے۔۔چنانچہ۔۔حضرت ابراہیم ہر حال میں اپنے کو صرف اللہ ہی کا محتاج سمجھتے تھے اور جو کام کرتے تھے صرف اللہ ہی کی رضا کیلئے کرتے تھے اور ہر حال میں اس سے راضی رہتے تھے۔یہ تو رہی حضرت ابراہیم کی محبت خدا سے۔اب رہ گئی خدا کی محبت حضرت ابراہیم سے۔۔تو اسکا آپ پر خصوصی اکرام واحسان کرنا اور دنیا وآخرت میں آپکی ثناء جمیل کرنا، اسکی محبت کی خاص نشانیاں ہیں۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خاص دوست بنالیا اور انہیں برگزیدہ فرمایا اور ایسی کرامت کے ساتھ خاص کرلیا جو مشابہ ہے اس عنایت وکرامت کے جو دوست کو دوست کے ساتھ ہوتی ہے۔

اس مقام پر یہ بات فائدہ سے خالی نہیں کہ ایک ہے خلت اور ایک ہے محبت۔خلت کی شرط یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں ذوالجلال کا مطیع رہے اور یہ مقام ابراہیمی تھا۔۔چنانچہ۔۔ آپ لفظ خلیل سے ملقب ہوئے اور محبت کی شرط حبیب کا فنا ہوجانا ہے محبوب میں اور 'باقی

بالمحبوب' ہونا، اور یہ مقامِ محمدی ہے۔ اسی لئے اس مقام کے موافق آپکا اسم مبارک حبیب مقرر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی خلت کا ذکر وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا فرما کر واضح لفظوں میں فرمایا۔ اور ہمارے حبیب ﷺ کی محبت اشارہ اور کنایہ سے بیان فرمائی، اور فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ فرما کر اپنے محبوب کے فرمانبرداروں کو اپنا محبوب قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر اپنے آخری عظیم رسول کو اپنا محبوب فرمائے، تو اس میں حیرت کی بات کیا ہے۔ اسکا الطاف وکرم تو اتنا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے چاہنے والوں کو بھی اپنا محبوب قرار دے رہا ہے۔۔ المختصر۔ خلیل سالک تھے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا:

اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ ﴿الصفت:۹۹﴾

میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف

۔۔۔ اور حبیب مجذوب، جن کے جذب، کھینچ لینے، کی بشارت:

اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا ﴿بنی اسرائیل:۱﴾

لے گیا اپنے بندہ کو ایک رات۔

۔۔۔ سے عطا فرمائی۔ 'سلوک'، ہستی اور تفرقہ کی نشانی ہے اور 'جذب'، نیستی اور جمعیت کی علامت ہے۔

یقیناً جس جگہ حضرت ابراہیم کی نظر پہنچی:

نُرِیْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ ﴿الانعام:۷۵﴾

ہم نے ابراہیم کو ملکوت سماوات کا نظارہ کرایا۔

۔۔۔ وہاں حبیب کا قدم پہنچا۔۔ چنانچہ۔۔ فرمایا:

دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿النجم:۸﴾

قریب ہوا، پھر قریب تر ہوا۔

اس مقام پر کوئی یہ نہ سوچے کہ دنیا میں لوگ اپنی ضرورت کی وجہ سے کسی کو دوست بناتے ہیں تو حق تعالیٰ کو کون سی ضرورت پیش آ گئی جس کیلئے اس نے اپنا خلیل بنایا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اسلئے خلیل نہیں بنایا کہ اُسے خلیل کی ضرورت تھی۔ بھلا اسکو کسی خلیل کی کیا ضرورت؟۔۔ کیونکہ۔۔ اسکی شان۔۔۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴿١٢٦﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر ایک کو گھیرے میں لیے ہے●

(اور) عظمت کا حال یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں) ہے (اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کو) اپنے علم وقدرت کے (گھیرے میں لئے) ہوئے (ہے)۔

اس آیت کریمہ کے ذریعہ لوگوں کو یہ ہدایت بھی مل رہی ہے کہ عموماً لوگ اطاعت اسکی کرتے ہیں جسکی قدرت کامل ہو اور کوئی شخص اسکی گرفت اور پکڑ سے باہر نہ ہو سکے۔۔۔نیز۔۔ اسکا علم کامل ہو، تاکہ کسی شخص کا کام اسکے علم سے مخفی نہ ہو سکے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اپنے علم وقدرت کے کمال کو بھی ظاہر فرمادیا جس سے واضح ہوگیا کہ اسکے سوا اور کوئی اطاعت اور عبادت کا مستحق نہیں۔

قرآن کریم کی ترتیب میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے چند احکام بیان فرماتا ہے، پھر ان احکام کے عمل پر اجر وثواب کی بشارت دیتا ہے اور ان احکام کی معصیت کرنے پر عذاب کی وعید سناتا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ اپنے علم اور قدرت کی کبریائی بیان فرماتا ہے، تاکہ واضح ہو کہ کسی کی معصیت اسکے علم سے باہر نہیں اور اس پر گرفت اسکی قدرت سے خارج نہیں۔

پھر اسکے بعد دوبارہ ان احکام کا بیان شروع فرمادیتا ہے۔اور اس اسلوب کا فائدہ یہ ہے کہ مسلسل ایک ہی قسم کی عبارت سے بعض اوقات قاری کا ذہن اکتاجاتا ہے، اسلئے قاری کے ذہن کو اکتاہٹ، غفلت اور بے توجہی سے دور رکھنے اور اسکے ذہن کو بیدار، اسکے ذوق و شوق کو تازہ اور اسکی توجہ کو برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ کلام میں تنوع ہو اور ایک مضمون کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا جائے۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور یتیم بچوں کے حقوق کو بیان فرمایا تھا، پھر اسکے بعد اور مختلف نوعیت کے احکام بیان فرمائے، وعد اور وعید، ترغیب اور ترہیب اور اپنی عظمت وکبریائی کے متعلق آیات نازل فرمائیں، اسکے بعد اب پھر عورتوں کے حقوق کے متعلق احکام بیان فرمارہا ہے۔۔۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور دریافت کرتے ہیں تم سے عورتوں کے بارے میں، کہہ دو کہ اللہ خود بتاتا ہے تم کو انکے بارے میں، اور جو تلاوت کیا جاتا ہے تم پر

فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ

قرآن میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں، جن کو نہیں دیتے تم جو مقرر کیا گیا ہے ان کا حق، اور بے رغبتی کرتے ہو

اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى

کہ ان سے نکاح کرلو، اور کمزور بچوں کے بارے میں یہ کہ قائم رہو یتیموں کے لیے

بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

انصاف پر۔ اور جو کرتے رہو بھلائی، تو بے شک اللہ اس کا علم رکھتا ہے●

(اور) ارشاد فرمارہا ہے کہ اے محبوب! عیینہ بن حصین کے توسط سے اسکے ہم خیال لوگ (دریافت کرتے ہیں) اور جاننا چاہتے ہیں (تم سے عورتوں) کی وراثت (کے بارے میں)۔

کیونکہ یہ سائلین اپنے قدیم رواج کے مطابق اسی کو وراثت کا حقدار سمجھتے تھے جو جنگ میں شریک ہوسکے اور مالِ غنیمت حاصل کرسکے، اسلئے وہ عورتوں اور بچوں کو وراثت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ جب آنحضرت ﷺ نے ہرمیت کی لڑکی اور اسکی بہن کو وراثت کا حصہ دلوادیا، تو لوگ سوال کر بیٹھے۔

تو اے محبوب! ایسے سارے سوال کرنے والوں سے (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (خود بتاتا ہے) اور بیان فرماتا ہے (تم کو) اپنا حکم (ان) کی وراثت (کے بارے میں)۔۔ الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ (اور) اسکا وہ کلام (جو تلاوت کیا جاتا ہے تم پر قرآن میں)، تمہیں وہی حکم سابق دیتا ہے (یتیم لڑکیوں کے بارے میں جن کو) اپنے رسم ورواج کے پیش نظر (نہیں دیتے تم جو مقرر کیا گیا ہے انکا حق)۔ اگر وہ خوبصورت اور مالدار ہوں تو تم ان سے نکاح کرلینے کی رغبت رکھتے ہو (اور) اگر وہ خوبصورت نہ ہوں تو بے رغبتی کرتے ہو کہ ان سے نکاح کرلو)۔

۔۔ چنانچہ۔۔ اگر عورت خوبصورت اور مال دار ہوتی، تو اسکا سرپرست اس میں رغبت کرتا اور اس سے نکاح کرلیتا اور اگر وہ خوبصورت نہ ہوتی، تو وہ اس سے نکاح نہ کرتا اور کسی اور سے بھی اسکا نکاح نہ کرتا، بلکہ نکاح کرنے سے منع کرتا، کہ کہیں کوئی اور شخص اسکے مال کا وارث نہ بن جائے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسکو تاحیات نکاح نہیں کرنے دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اسطرح کے مظالم سے تمہیں روکتا ہے (اور) حکم دیتا ہے (کمزور بچوں کے بارے میں) کہ انکو بھی وراثت کا حقدار سمجھواور اپنے اس گمان فاسد سے باز آجاؤ کہ وراثت کے حقدار صرف وہ مرد ہیں جو کاروبار کرتے ہیں اور عورتوں اور بچوں کی ضروریات کے کفیل ہوتے ہیں۔اور اچھی طرح جان لو کہ حکم الٰہی اُن بچوں کے تعلق سے (یہ) ہے (کہ قائم رہو یتیموں کیلئے انصاف پر) کبھی بھی انکے ساتھ بے انصافی کا خیال بھی نہ کرو۔نہ انکے اچھے مال کو اپنے خراب مال سے تبدیل کرو۔اور نہ ہی انکے مال کو اپنے مال میں ملا کر اور خلط ملط کر کے استعمال کرو۔

۔۔الغرض۔۔انکی مہر اور میراث کے تعلق سے عدل اور درستی والا طرز عمل اختیار کرو۔بلکہ انکے ساتھ حسن سلوک کرنے میں کچھ زیادہ ہی نیکی اور بھلائی کا مظاہرہ کرو (اور) یاد رکھو انکے ساتھ تم (جو کرتے رہو بھلائی) امور مذکورہ ہوں۔۔یا۔۔انکے علاوہ، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (اس) میں سے ہر ایک (کا) بخوبی (علم رکھتا ہے) اسی لئے تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا عطا فرمائیگا۔

عورتوں، یتیم لڑکیوں اور کمزور بچوں کے تعلق سے جو احکام اللہ تعالیٰ نے پہلے فرض کئے تھے، یہاں مسلمانوں کے سوال کے جواب میں پھر انہی احکام کی طرف متوجہ کیا، تاکہ مسلمان ان آیات پر غور وفکر کریں اور انکے تقاضوں پر عمل کریں۔اسلام صلح وآشتی کا دین ہے، وہ ہر حال میں صلح کو پسند فرماتا ہے اور اسکی ترغیب دیتا ہے تاکہ ہر ہر گھر میں امن وسکون کا ماحول برقرار رہے۔۔چنانچہ۔۔ایسی صورت پیش آنے۔۔۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ

اور اگر کوئی عورت ڈری اپنے شوہر سے زیادتی کرنے کو یا بے توجہی کرنے کو، تو ان پر کوئی الزام نہیں کہ

اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ

باہمی صلح کرلیں۔اور صلح بڑی اچھی چیز ہے۔اور پھنسادی گئی ہیں نفس کی خواہشیں لالچ سے۔

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

اور اگر احسان کرو اور خوف خدا سے کام لو، تو بے شک اللہ جو کرو اس سے باخبر ہے●

(اور) لاحق ہونے کی حالت میں (اگر کوئی) شادی شدہ (عورت ڈری اپنے شوہر سے زیادتی کرنے کو یا بے توجہی کرنے کو) اور یہ خوف بعض قرائن کو دیکھنے سے اسکے دل میں پیدا ہوا ہو

۔۔ مثلاً: شوہر اسکے ساتھ محبت آمیز سلوک نہ کرے، اسکی ضروریات کا خیال نہ رکھے، اس سے بات چیت کم کرے یا بالکل نہ کرے، نہ اسکے ساتھ عمل زوجیت کرے، خواہ اسکی وجہ اسکی بدصورتی ہو یا زیادہ عمر کی ہو یا اسکے مزاج میں شوہر کے ساتھ ہم آہنگی نہ ہو۔۔یا۔۔وہ مالی اعتبار سے شوہر کے معیار کی نہ ہو، یا جہیز کم لائی ہو، اور اب عورت کو یہ خطرہ ہو کہ اگر یہی صورت حال رہی تو شوہر اسکو طلاق دیکر الگ کر دیگا، اور عورت یہ چاہتی ہے کہ نکاح کا بندھن قائم رہے **(تو ان)** دونوں **(پر کوئی الزام نہیں)** اور ان کیلئے کوئی مضائقہ نہیں **(کہ باہمی صلح کرلیں)**۔

اور عورت بعض حقوق کو ساقط کردے اور شوہر کو طلاق دینے سے منع کرے۔۔مثلاً: وہ اسکو دوسری شادی کی اجازت دیدے اور اگر اسکی دوسری بیوی ہو جس سے شوہر کو دلچسپی ہو، تو اسکے حق میں اپنی باری ساقط کردے یا اسکا خرچ جو شوہر کے ذمہ ہے، اسکو ساقط کردے اور اسطرح شوہر کے ساتھ صلح کرلے۔ شوہر اپنی پسند کی بیوی کے ساتھ وقت گزاریگا اور وہ مطلقہ ہونے سے بچ جائیگی۔

عہد رسالت میں بعض خواتین نے اسی طریقے کو اپنا کر اپنے شوہروں سے صلح کرلی اور اسلام نے انکے اس عمل کو جائز قرار دیا، جس سے ظاہر ہو گیا کہ شوہر اور بیوی جس چیز پر صلح کرلیں وہ جائز ہے۔ خود ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ حضور آپ مجھے اپنے سے جدا کرنے کا خیال نہ فرمائیں اور میری باری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیدیں۔ اسطرح خانوادۂ نبوت ہی سے تمام مسلمان خواتین کو نمونۂ عمل بھی مل گیا۔ اب اگر ایسا کرنے والی عورتیں ام المومنین کی سنت پر عمل کرنے کی نیت بھی کرلیں، تو انکو الگ سے اسکا بھی اجر بفضلہٖ تعالیٰ حاصل ہو جائیگا۔ کسی بھی نقطۂ نظر سے سوچو۔۔۔

(اور) غور کرو، تو تم پر ظاہر ہو جائیگا کہ **(صلح بڑی اچھی چیز ہے)** خصومت اور مفارقت سے۔ یہ صحیح ہے کہ شوہر اور اسکی زوجہ دونوں میں سے ہر ایک مجامعت اور مروت میں بخل کرتا ہے **(اور)** ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ **(پھنسا دی گئی ہیں نفس کی خواہشیں لالچ سے)**۔۔لہٰذا۔۔نفسوں کو بخل ہر وقت حاضر اور انکے اندر گھسا ہوا ہے۔ نہ عورت اپنے حقوق مرد کو معاف کرتی ہے اور نہ مرد اپنی عورت کی شکل وصورت کی قباحت اور بڑھاپے پر حسن معاشرہ کی سوچتا ہے۔ نہ اسکے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں اچھا سلوک کرتا ہے اور نہ میٹھی گفتگو۔

ایسی حالت میں نفس کے خلاف کر کے (اور) نفسانی خواہشات کو پامال کر کے، (اگر احسان کرو) اور بھلائی کرنا اختیار کرو (اور خوف خدا سے کام لو)، یعنی ان پر ظلم کرنے سے بچو اور نہ ہی انہیں حقوق معاف کرنے پر مجبور کرو، (تو) سن لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (جو کرو اس سے باخبر ہے)۔۔الغرض ۔۔اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل۔۔مثلاً: تقویٰ واحسان کو خوب جانتا ہے اور تمہاری نیتوں سے بھی باخبر ہے، اسکا تمہیں اجر وثواب عطا فرمائیگا۔ اسلئے کہ وہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اگر چہ اے چند بیویوں کے شوہرو! یہ بات بھی صحیح ہے جسے غیر فطری نہیں قرار دیا جاسکتا۔۔۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا

اور ناممکن ہے کہ پورا انصاف کرلو چند بیبیوں میں، گو تم خود اس کے حریص ہو، تو جھک بھی نہ جاؤ

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا

بالکل ایک طرف، پھر چھوڑ دو دوسری کو، جیسے ٹنگی ہوئی ہو۔ اور اگر تم صلح

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

وتقویٰ سے کام لو، تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(اور) اسکو بالکل نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ (ناممکن ہے کہ پورا انصاف کرلو چند بیبیوں میں گو تم خود اسکے حریص ہو)، یعنی انصاف کرنے کی تمہاری دلی خواہش بھی ہے اور بہ گمان خود تم اس انصاف کرنے پر قادر بھی ہو۔

اسلئے کہ حقیقی معنوں میں عدل یہ ہے کہ کسی طرف زیادہ میلان نہ ہو اور یہ متعذر ومحال ہے۔

اسی واسطے آنحضرت ﷺ جب ازواجِ مطہرات میں تقسیم فرماتے، تو عدل کا لحاظ رکھتے اور کہتے اے اللہ! کہ یہ تقسیم تو اس چیز میں ہے، جسکا میں مالک ہوں یعنی صحبت اور نفقہ میں، اور جسکا تو ہی مالک ہے میں نہیں ہوں، اسمیں مجھ سے مواخذہ نہ کر بعض کے ساتھ محبت میں۔

جیسا کہ آنحضرت ﷺ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب بیبیوں سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

۔۔المختصر۔۔اے شوہرو! اگر فطری تقاضے کی روشنی میں تم اپنی ساری بیویوں کو ایک طرح کی محبت نہ دے سکو (تو) اسمیں تمہیں معذور سمجھا جائیگا۔ مگر اس صورت میں تم (جھک بھی نہ جاؤ بالکل ایک

رف، پھر چھوڑ دو دوسری کو جیسے ٹنگی ہوئی ہو) نہ مطلقہ ہو نہ شوہر والی ہو۔یعنی تقسیم اور نفقہ میں اپنی محبوبہ کی طرف زیادہ نہ جھک جاؤ اور میلان دل کو میلان فعل کے ساتھ اکٹھا نہ کرلو۔۔الختصر۔۔ظاہری حقوق سبھی ادا کرتے رہو اور کسی کی حق تلفی نہ کرو (اور اگر تم صلح وتقوی سے کام لو) یعنی زمانۂ گذشتہ میں تم نے عورتوں کے جو امور بگاڑ رکھے ہیں، انہیں درست کرلو اور پھر زمانۂ آئندہ میں ویسا کام کرنے سے پرہیز کرو (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (غفور) پچھلے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور (رحیم ہے)، یعنی آئندہ اطاعت کی توفیق عطا فرمانے والا مہربان ہے اور اگر ۔۔بالفرض۔۔ بات یہاں تک پہنچ جائے، کہ صلح کی ساری تدبیریں ناکام ہو جائیں۔۔۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر دونوں جدائی اختیار کرلیں تو غنی فرمادے گا اللہ ہر ایک کو اپنی کشائش سے۔اور اللہ کشائش فرمانے والا حکمت والا ہے●

(اور) پھر (اگر دونوں) طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے (جدائی اختیار کرلیں) تو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، بس اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اسکے جود وعطا سے امیدیں وابستہ رکھیں۔ایسا (تو) انشاء المولیٰ تعالیٰ (غنی فرمادیگا اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کو اپنی کشائش) اور وسعت رحمت (سے) (اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (کشائش فرمانے والا) اور تنگی دور فرمانے والا ہے اور بخشش فرمانے والا ہے۔۔نیز۔۔(حکمت والا ہے) یعنی اپنے افعال اور احکام میں محکم کار ہے۔

اس ارشاد میں زوجین میں سے ہر ایک کیلئے تسلی ہے، کہ انشاء المولیٰ تعالیٰ، بفضلہٖ تعالیٰ ہر ایک مرد کو دوسری زوجہ اور عورت کو دوسرے شوہر کی شکل بدلہ مل جائے۔اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں اور کمزوروں کے ساتھ عدل اور انصاف کا جو حکم دیا، وہ اسلئے نہیں دیا ہے کہ اسمیں خود حق تعالیٰ کا کوئی فائدہ ہے۔۔یا۔۔اسکو اسکی کوئی احتیاج ہے، اسلئے کہ وہ تو قادر مطلق مختار کل ہے۔۔۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔اور بے شک ہم نے کہہ دیا تھا ان کو جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ

کتاب تم سے پہلے دی گئی اور تمہیں بھی، کہ ڈرو اللہ کو۔ اور اگر نہ مانو، تو بے شک اللہ ہی

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے●

(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں) میں جواہر علوی ہیں (اور جو کچھ زمین میں) ازقسم کائنات سفلی (ہے) تو پھر اُسے کسی کی کیا ضرورت۔ وہ ہر چیز سے غنی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ مگر یہ اسکا کرم ہے کہ بندوں کو نیکی اور خیر پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اے ایمان والو! یہ خدائی ہدایتیں صرف تمہارے ساتھ مخصوص نہیں (اور) ہمارے یہ احکام صرف تمہارے ہی لئے نہیں بلکہ (بیشک ہم نے کہہ دیا تھا) اور حکم دیا تھا (ان) یہودونصاریٰ (کو جن کو کتاب تم سے پہلے دی گئی) اور احکام خداوندی سے آگاہ کیا گیا۔

۔۔الغرض۔۔ وہ حکم جو تم سے پہلے والوں کو دیا گیا (اور تمہیں بھی) دیا گیا وہ یہی تھا، (کہ ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (اور) اب (اگر نہ مانو) گے (تو) سن لو (بیشک اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے) سب مخلوق اور مملوک اُسی کے ہیں۔ پس تمہارے کفر اور گناہ سے خدا کو کچھ ضرر نہ ہوگا، جس طرح تمہارے ایمان اور عبادت سے اُسے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (بے نیاز) ہے اپنی ساری مخلوقات سے، وہ اسکا حکم مانے یا نہ مانے۔ اور (خوبیوں والا ہے) اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے، خواہ مخلوق اسکی حمد اور تعریف کرے یا نہ کرے۔۔۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی کارساز ہے●

(اور) یہ بھی تو غور کرو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں) ہیں فرشتے وستارے وغیرہ (اور جو کچھ زمین میں ہے) ازقسم نباتات، حیوانات اور جمادات وغیرہ۔

اور یہ سب کے سب خدا کی تسبیح وتہلیل اور توصیف وتحمید میں لگے ہوتے ہیں۔ تو پھر مخلوقات کا ایک چھوٹا طبقہ جو جنوں اور انسانوں سے تعلق رکھتا ہے، اسکا حمد الٰہی نہ کرنا اور اپنے کو حق تعالیٰ کی تعریف وتوصیف سے باز رکھنا، کس شمار وقطار میں ہے۔ اور یہ بھی تو اپنی جگہ حقیقت ہے کہ نقش کی تعریف دراصل نقاش کی تعریف ہوتی ہے۔

--یونہی--مخلوق کی تعریف اسکے خالق کی تعریف، مصنوع کی تعریف اسکے صانع کی تعریف قرار پاتی ہے۔اوراب کائنات میں کسی بھی شے کی تعریف کی گئی، تووہ خالق کائنات ہی کی تو حمد ہوگی اور اگر یہ سب کچھ بھی نہ ہوتو خدا کی کامل واکمل حمد تو وہی ہے جو خود اس نے اپنی فرمائی ہے۔چونکہ اسکی اپنی معرفت کامل، تواب اس معرفت کی بنیاد پر جو حمد ہوگی، وہ حمد بھی کامل ہوگی، تواب اسکی اپنی کی ہوئی حمد سب سے اعلیٰ وارفع ہے--لہٰذا--وہ اس بات سے بے نیاز ہے کہ کوئی اسکی تعریف کرے، تب جاکے وہ محمود وحمید بنے۔

یادرہے کہ بندے جو خدا کی حمد کرتے ہیں اس سے خود اسکے کمالات میں کسی طرح کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ خود تعریف کرنے والا اپنے کو قابل تعریف بناتا ہے--الغرض--اس حمد و ثنا سے خود تعریف کرنے والے کا فائدہ وابستہ وہم رشتہ ہے۔اس ارشاد ربانی میں:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

---کی تکرار بڑی ہی خوبیوں پر مشتمل ہے۔پہلی جگہ اسے اپنے مالک کل ہونے کی تمہید بنایا۔دوسری جگہ اپنے غنی اور حمید ہونے کا عنوان قرار دیا اور تیسری جگہ اپنے کارساز ہونے کو مدلل فرمایا---

--چنانچہ--فرمایا(اوراللہ)تعالیٰ(کافی کارساز ہے)اورتمہارے امور کی تدبیر فرمانے والا سہارا وکیل ہے۔تمہیں بھی چاہئے کہ تم اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کردو اور صرف اسی پر سہارا کرو، غیروں کے سہارے بالکل ترک کردو۔سہارا ہوتو ایسے قادر مطلق کا جسکی قدرت کاملہ کا حال یہ ہے کہ---

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط

اگر چاہے تو لے جائے تم کو اے لوگو! اور لے آوے دوسروں کو،

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

اور اللہ اس پر قادر ہے●

(اگر چاہے تو لے جائے تم کو اے لوگو!) یعنی بالکل فنا کرکے مٹادے (اور لے آوے) تمہاری بجائے (دوسروں کو)۔یعنی یکبارگی تمہاری بجائے دوسروں کو پیدا فرمادے--یا--تمہاری بجائے، انسانوں کے سوا دوسری مخلوق پیدا کردے--الختصر--اگر وہ تمہارا فنا کرنا اور دوسروں کو پیدا کرنا چاہے، تو تمہیں یکسر فنا کردے۔مگر تمہاری بے شمار غلطیوں کے باوجود تمہیں فنا نہیں کرتا۔

اسی سے اندازہ لگائیے کہ وہ تمہاری عبادات و اطاعت کا محتاج نہیں اور نہ ہی وہ تمہارے مٹانے اور فنا کرنے سے عاجز ہے۔ اس آیت میں نافرمانوں کو زجر و توبیخ اور غلط کاریوں پر متنبہ کیا گیا ہے۔

جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (اس) یکباری فنا کر دینے اور یکباری دوسروں کو پیدا کر دینے (پر قادر ہے) جو بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اُسے اپنی مراد سے کوئی روک نہیں سکتا، اسلئے صرف اسی کی اطاعت کرو اور اسکی نافرمانی سے بچو اور اسکے عذاب سے ڈرو اور ہوش مندی سے کام لو اور بارگاہِ خداوندی سے صرف دنیا ہی کے فائدے کے طلبگار نہ بنو اور جان لو کہ۔۔۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

جو چاہتا ہے دنیا کا فائدہ، تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت کا ثواب ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے●

(جو چاہتا ہے دنیا کا فائدہ)۔۔مثلاً: مجاہد، جہاد غنیمت کے واسطے کرے (تو) اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ (کے پاس دنیا و آخرت) دونوں (کا ثواب ہے)۔ فرق یہ ہے کہ دنیا کا ثواب خسیس اور ناچیز ہے اور آخرت کا ثواب شریف اور عزیز ہے۔ پس وہ چیز جو سب سے زیادہ خسیس اور ناچیز ہے اُسے کیوں طلب کرے۔ اور جو چیز سب چیزوں سے زیادہ شریف اور عزیز ہے، اُس سے کیوں باز رہے۔

جبکہ صورت حال یہ ہو کہ اگر اشرف چیز کی طرف مائل ہوگا، تو خسیس اور کمتر چیز اسکے تابع ہوگی۔ اس واسطے کہ اگر مجاہد خدا کے واسطے جہاد کرے، تو اسکے واسطے آخرت میں اتنی نعمت ہے کہ دنیا کی غنیمت اسکے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتی اور نہایت حقیر چیز ہے اور دنیا کی غنیمت بھی اُسے ملے گی۔ پس اصل کی طرف توجہ کرنی چاہئے کیونکہ فرع تو خود اسکے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اسی طرح جو موذن، امام، خطیب، واعظ، مفتی، محدث اور فقیہ اپنی دینی، تبلیغی اور تدریسی خدمات سے صرف دنیاوی وظائف اور نذرانوں کا ارادہ کرتے ہیں، وہ عارضی اور فانی اجر کے طالب ہیں۔ انکو چاہئے کہ وہ اپنی خدمات میں اجر اخروی کی نیت رکھیں اور

دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے بہ قدر حاجت اور فراغت، وظائف حاصل کریں۔

(اور) ہر عمل کرنے والا اچھی طرح سے جان لے کہ (اللہ) تعالیٰ تمام مسموعات اور مبصرات کا (سننے والا دیکھنے والا ہے) اور انکے اغراض بھی اسے معلوم ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ انکی باتوں سے واضح کر دیتا ہے کہ انکی غرض۔۔مثلاً: صرف مالِ غنیمت ہے اور انکے کردار سے بھی واضح ہو جاتا ہے کیونکہ یہ جہاد کیلئے اسوقت تیار ہو جاتے ہیں جب انہیں یقین ہوتا ہے کہ اس جنگ میں ہمیں مال غنیمت حاصل ہوگا۔ اس ارشاد میں ریاکار منافقین کیلئے زجر و توبیخ بھی ہے۔ اس پورے رکوع میں عائلی اور خانگی معاملات میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور اب عمومی طور پر عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى

اے وہ جو ایمان لا چکے! قائم ہو جاؤ انصاف پر گواہی دینے والے اللہ واسطے، گو خود

اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ

اپنے پر، یا ماں باپ اور قرابت مندوں پر پڑے، اگر وہ دولت مند یا محتاج ہے، تو اللہ

اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا

ان دونوں سے قریب ہے۔ تو ہوس کے پیچھے مت چلو کہ انصاف سے کنارے ہو جاؤ، اور اگر صاف نہ بولو یا انکار ہی کر دو،

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

تو بے شک اللہ جو کرو، اس سے باخبر ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے!) اب ایمان لانے کے تقاضے پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ اور (قائم ہو جاؤ انصاف پر) یعنی عدالت کے مراسم قائم کرنے میں کوشش کرنے والے رہو اور ہو جاؤ (گواہی دینے والے) صرف (اللہ) تعالیٰ کی رضا کے (واسطے) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھ کر گواہی دو اور اسطرح حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ خود اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بھی ادائیگی کرتے رہو اور گواہی دیتے وقت یہ مت سوچو کہ تمہاری سچی گواہی سے کسے فائدہ پہنچتا ہے اور کسے نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے (گو خود اپنے پر یا ماں باپ اور قرابت مندوں پر پڑے)۔

اپنی ذات میں گواہی یہ ہے کہ جو حق اسکے ذمہ ہے اسکا اقرار کرے۔ اسی اقرار کو اپنے

اوپر شہادت دینا کہتے ہیں۔ اب اگراس اقرار سے اسکو کوئی ضرر اور نقصان پہنچتا ہے، خواہ حاکم کی طرف سے یا عوام کی طرف سے، تو اسکی پرواہ نہ کرے اور صرف رضائے الٰہی کیلئے اپنے اوپر گواہی دے۔

۔۔یونہی۔۔اگر تمہارے والدین میں سے کسی پر کسی کا حق ہو اور اسکا علم تم کو ہو، تو اسکی بھی گواہی دینے سے باز نہ رہو اور سبق حاصل کرو اس انصار کے واقعہ سے، جس نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے باپ پر کسی کا حق ہے اور میں اسپر گواہ ہوں، لیکن باپ کی مفلسی اور محتاجی مجھے اس گواہی سے باز رکھتی ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی، جس نے ظاہر کر دیا کہ گواہی سے باز نہ رہو، اگرچہ خود اپنے یا اپنے والدین یا اپنے قرابتداروں پر گواہی دینی پڑ جائے۔

(اگر) چہ (وہ) شخص جس پر گواہی دی گئی ہے۔۔یا۔۔وہ شخص جسکے واسطے گواہی دی گئی ہے، دونوں یا ان میں کا کوئی ایک **(دولت مند) ہے (یا محتاج ہے)** یعنی غنی کی حرمت اور عزت اسکی مالداری کی وجہ سے نہ کرو اور فقیر پر صرف اسکی محتاجی کی وجہ سے رحم نہ کرو۔ رہ گیا ان میں سے کسی کے ساتھ مہربانی کا معاملہ، **(تو)** سن لو کہ **(اللہ) تعالیٰ (ان دونوں سے قریب ہے)** تو خدا کی مہربانی سے بڑھ کر ان دونوں پر کس کی مہربانی ہو سکتی ہے، تو اگر وہ جانتا ہے کہ ان پر۔۔یا۔۔انکے واسطے گواہی دینا مصلحت نہیں ہے، تو گواہی کا حکم ہی نہ فرماتا۔

۔۔المختصر۔۔حق وصداقت اور عدل وانصاف کی پاسداری کو ملحوظ خاطر رکھو اور اب جب تمہارے لئے ہر حال میں عدل وانصاف قائم رکھنا ضروری ہو گیا، **(تو ہوس کے پیچھے مت چلو)** اور خواہش نفسانی کی متابعت نہ کرو، اور وہ بھی ایسا **(کہ انصاف سے کنارے ہو جاؤ)** اور حق سے انحراف کر لو **(اور)** اچھی طرح سن لو گواہی دیتے وقت **(اگر)** بالفرض **(صاف) صاف (نہ بولو)** اور سچی گواہی سے اپنی زبان کو پلٹ لو **(یا)** گواہی دینے سے **(انکار ہی کر دو)** اور حق بات چھپا لیجاؤ **(تو)** اچھی طرح سے جان لو کہ **(بیشک اللہ) تعالیٰ (جو کرو)** یا کرو گے، خواہ عدل وانصاف کرو یا حق سے انحراف، **(اس سے باخبر ہے)**، تمہیں اسکی جزا دیگا۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ حق وصداقت اور عدل وانصاف کی پاسداری وہی تو کریگا جو حقیقی معنوں میں ایمان والا اور خدا اور رسول کا ماننے والا ہوگا۔ صرف دعوئ ایمان کر لینے سے کوئی حقیقی طور پر ایمان والا نہیں ہوتا۔۔تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى

اے ایمان دار بننے والو! مان ہی جاؤ اللہ کو اور اس کے رسول کو اور اس کتاب کو جس کو اتارا اپنے

رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

رسول پر، اور اس کتاب کو جسے اتارا پہلے سے، اور جو انکار کردے اللہ اور اس کے فرشتوں،

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اور کتابوں، اور رسولوں، اور پچھلے دن کا، تو بے شک وہ بہک گیا بہت دور●

(اے ایمان دار بننے والو) کافروں کی اس روش کو نہ اپناؤ جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لات وعزیٰ پر اور اسی کو وہ صحیح معنوں میں ایمان والا ہونا سمجھتے ہیں اور نہ ہی منافقوں کے طرز عمل کو اپناؤ، جو صرف زبان سے ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دل سے نہیں مانتے اور نہ ہی مومنو اہل کتاب کی اس سادہ لوحی اور زلت فکری کے ہم نوا بنو، جو کہتے تھے کہ اے اللہ کے رسول ہم فقط آپ پر، قرآن پر اور موسیٰ اور عزیر۔۔نیز۔۔زبور اور توریت پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی رسول اور کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔

۔۔المختصر۔۔جب تم اپنے کو ایمان والا کہہ رہے ہو اور کھلے عام اپنے مومن ہونے کا اظہار کر رہے ہو، تو اب تکلف کیا۔ **(مان ہی جاؤ)** ہمیشہ کیلئے دل کی سچائی کے ساتھ **(اللہ)** تعالیٰ **(کو اور اسکے رسول)** محمد ﷺ **(کو اور اس کتاب کو)** جو اس شان کی ہے کہ **(جسکو اتارا)** نازل فرمایا **(اپنے)** عظیم **(رسول پر اور اس کتاب کو جسے اتارا پہلے سے)** نزول قرآن سے پہلے انبیاء سابقین پر جو کتابیں اور صحائف نازل کئے گئے۔۔الغرض۔۔سب پر ایمان لاؤ ایسا نہیں کہ بعض پر ایمان لاؤ بعض کا انکار کردو۔

(اور) غور سے سن لو **(جو انکار کردے اللہ)** تعالیٰ **(اور اسکے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور پچھلے دن کا، تو بیشک وہ بہک گیا بہت دور)**، یعنی اسکی اس عظیم گمراہی نے اُسے اسکے مقصود سے بہت بعید اور مقصد سے بہت دور کردیا ہے۔ اب آخرت کی صلاح وفلاح اور مغفرت ونجات کا اسکا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ پر، رسول پر، اور آسمانی کتابوں پر ایمان برقرار رکھیں اور اسمیں ثابت قدم رہیں۔ اور اب ایمان پر ثابت قدم نہ رہنے والوں اور انکے انجام کا ذکر فرما رہا ہے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ

بے شک جو ایمان لائے، پھر انکار کر دیا، پھر مان گئے، پھر انکار کر دیا، پھر انکار میں بڑھ گئے،

اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۷﴾

اللہ بخشے انھیں اور نہ راہ پر لادے انھیں ●

بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾

اور منہ پر کہہ دو منافقوں کے، کہ ان کیلئے دکھ دینے والا عذاب ہے ●

(بیشک جو) حضرت موسیٰ پر (ایمان لائے پھر) بچھڑے کی پرستش کر کے کافر ہو گئے اور انکا (انکار کر دیا پھر مان گئے) اور توبہ کر لی، (پھر) آگے چل کر حضرت عیسیٰ کی شان کا (انکار کر دیا) اور آپ پر ایمان لانے سے منکر ہو گئے یہاں تک کہ انہیں قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا، یہیں تک نہیں بلکہ (پھر) وہ اپنے (انکار میں بڑھ گئے) اور نبی آخر الزماں کی بعثت کے بعد ان سے بھی کفر کر بیٹھے اور ان پر بھی ایمان لانے سے انکار کر دیا اور آپ سے حسد کرنے لگے۔

ان کھلے کافروں کی طرح چھپے ہوئے کافروں یعنی منافقین کی بھی حالت ان سے ملتی جلتی رہی جو بظاہر ایمان لائے، پھر کفر کی طرف لوٹ گئے اور گمراہی میں مر گئے۔ انہوں نے توبہ کا موقع ضائع کر دیا۔ یہ تو بعض کی حالت رہی۔ رہے بعض دوسرے منافقین جو اپنے ظاہری اسلام پر برقرار رہے اور در پردہ کافروں کے ہم نوا رہے، ان سب کا انجام یہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ نہ تو (بخشے) گا (انہیں اور نہ) ہی (راہ) حق (پر لادے) گا (انہیں) اے محبوب! صاف صاف آمنے سامنے۔۔۔

(اور منہ پر کہہ دو منافقوں کے، کہ ان کیلئے) آخرت میں (دکھ دینے والا عذاب ہے)۔۔

کیونکہ۔۔ یہ وہی ہیں۔۔۔

الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ

جو بنائیں کافروں کو دوست ایمان والوں کو چھوڑ کر۔

أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾

کیا چاہتے ہیں ان کے پاس عزت؟ تو بے شک عزت اللہ کیلئے ہے ساری ●

(جو بنائیں کافروں کو دوست ایمان والوں کو چھوڑ کر) آخر یہ لوگ کافروں کی نزدیکی اور ان

کی دوستی سے (کیا چاہتے ہیں انکے پاس) سے (عزت) اور قوت چاہتے ہیں؟ (تو) واشگاف انداز میں سنادو کہ (بیشک) اصل غلبہ اور حقیقی (عزت) تو صرف (اللہ) تعالیٰ (کیلئے ہے ساری) کی ساری اور پھر وہ اپنی عنایت سے جسکو غلبہ عطا فرمادے اور عزت بخش دے، تو اسکے فضل وکرم سے اسے بھی غلبہ حاصل ہوجاتا ہے اور وہ بھی عزت والا ہوجاتا ہے، جیسے کہ رسول کریم اور مومنین صالحین۔

۔۔المختصر۔۔کفار نہ تو لائق اعزاز غلبہ والے ہیں اور نہ ہی قابل تعریف عزت والے ہیں، تو پھر یہ کسی کو حقیقی عزت اور لائق تحسین غلبہ کس طرح دے سکتے ہیں۔ یہ کفار ومشرکین تو اسقدر بے باک، منہ زور، اور شرم وحیاء سے عاری ہیں کہ، جو کتاب انکی ہدایت اور انکو راہِ نجات دکھانے کیلئے نازل فرمائی گئی وہ اسکا برملا انکار کردیتے ہیں اور اسکا مذاق اڑاتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔مکہ شریف میں بھی انکی یہی روش تھی اور مدینہ شریف میں بھی انہوں نے اسی چلن کو اپنا رکھا ہے۔ منافقین بھی انکے ساتھ انکی ہنسی مذاق میں شریک ہوجاتے تھے۔ ایسوں سے اعراض اور انکی ہنسی مذاق والی مجلس سے دور رہنے کی ہدایت ایمان والوں کو انکی مکی زندگی میں بھی دی جاچکی ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا

اور بے شک اتارا تم پر کتاب میں، کہ جب سنا اللہ کی آیتوں کو کہ اس کا انکار کیا جاتا ہے

وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۡ

اور مذاق کیا جاتا ہے اس سے، تو مت بیٹھوان لوگوں کے ساتھ، یہاں تک کہ لگ جائیں دوسری بات میں،

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝۱۴۰

ورنہ تم بھی انھیں کی طرح ہو۔ بیشک اللہ ایک جگہ لائے گا سارے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ●

(اور) اے محبوب! (بیشک اتارا) جاچکا ہے (تم پر) انکے تعلق سے دور رہنے کا فرمان (کتاب)، یعنی قرآن کریم (میں)۔ جسکا حاصل یہ ہے (کہ) اے ایمان والو! (جب سنا اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو کہ اسکا انکار کیا جاتا ہے، اور مذاق کیا جاتا ہے اس سے، تو مت بیٹھوان لوگوں کے ساتھ، یہاں تک کہ لگ جائیں دوسری بات میں) اور قرآن کریم کی آیات کا مذاق اڑانا بند کردیں اور اسکا استہزاء کرنے سے باز آجائیں۔

اس ارشاد میں خاص کر کے ان کیلئے ہدایت ہے، جو قرآنی آیات سے یہودیوں کی ہنسی مذاق والی مجلس میں جان بوجھ کر بیٹھ جاتے ۔۔یا۔۔ برضا ورغبت سنا کرتے ۔۔الغرض۔۔ ایسوں کی مجالس مخالفت سے روگردانی اور ان سے مستقل طور پر دوری بنائے رکھنا، اہل ایمان کیلئے ضروری ہے۔۔۔

تو اے ایمان والو! کفار کے آیات سے کفر واستہزاء کے وقت تم انکے ساتھ ہرگز ہرگز نہ بیٹھو، (ورنہ تم بھی) عذاب کے استحقاق اور کفر میں (انہیں کی طرح ہو) جاؤ گے، اسلئے کہ کسی کے کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (ایک جگہ لائیگا سارے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں)۔

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بیٹھنے والوں کو بھی کفر کی مجلس میں برضا ورغبت بیٹھنے سے کفر لازم ہوگیا۔۔لہٰذا۔۔اس استلزام پر وہ بھی عذاب میں انکے شریک ٹھہرے۔۔۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا

جو تاکا کرتے ہیں تم کو، تو اگر تمہاری فتح ہوئی اللہ کی طرف سے، بولے

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ

کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، اور اگر کافروں کا حصہ ہوا، تو بولے وہاں کہ کیا ہم زور نہ رکھتے تھے

عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

تم پر، اور کیا ہم نے بچایا نہیں تم کو مسلمانوں سے۔ تو اللہ فیصلہ فرمادے گا تم سب کا قیامت کے دن۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾

اور نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ●

یہ منافقین بھی عجیب ہیں (جو تاکا کرتے ہیں تم کو) اور تمہاری بھلائی برائی دونوں میں کسی ایک کے وقوع کے منتظر رہتے ہیں (تو اگر تمہاری فتح ہوئی) (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) تو (بولے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے) یعنی ہم بھی تو تمہارے ہی دین اسلام کے ماننے والے ہیں، تو مال غنیمت میں ہمارا بھی حصہ نکالو۔ (اور اگر کافروں کا حصہ ہوا) اور مسلمانوں پر کفار غالب آگئے، (تو بولے وہاں) کافروں کے پاس (کہ کیا ہم زور نہ رکھتے تھے تم پر) اور ہم تمہارے ساتھ مسلمانوں پر غلبہ کرنے والے نہ تھے؟ کیا ہم نے تمہارے ساتھ مل کر جنگ میں مسلمانوں کو قتل اور قید نہیں کیا؟ اور تمہاری طرفداری نہیں کی؟ (اور کیا ہم نے بچایا نہیں تم کو مسلمانوں سے)۔

ہم نے انہیں تمہارے اوپر حملہ کرنے سے روکا اور انکے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالے کہ کسی طرح انکے دل پر رعب چھا جائے اور وہ تمہارے اوپر حملہ نہ کرسکیں، ورنہ وہ تمہیں قسم قسم کی تکالیف میں مبتلا کردیتے۔۔لہٰذا۔۔تمہیں جو کچھ جنگ سے مال واسباب حاصل ہوا ہے اس سے ہمارا حصہ بھی نکالو، (تو اللہ) تعالیٰ (**فیصلہ فرمادیگا**) مومنین ومنافقین۔۔الغرض۔۔(**تم سب کا قیامت کے دن**)۔

یعنی قیامت میں ہر ایک کیلئے اسکی شان کے لائق فیصلہ ہوگا۔مومن کو جزا اور کافر ومنافق کو سزا۔رہ گیا دنیا کا معاملہ تو اسمیں اسکو مہلت دی جاتی ہے جس نے زبان سے کلمہء اسلام پڑھ لیا، تو اس کیلئے فیصلہ فرمایا، کہ اسپر نہ تلوار چلائی جائے اور نہ ہی اُسے مارا جائے۔

(اور) رہ گیا معاملہ قیامت کا، تو (نہ دیگا اللہ) تعالیٰ (**کافروں کو مسلمانوں پر**) غلبہ وبرتری کی (**کوئی راہ**)۔

۔۔المختصر۔۔قیامت میں کوئی کافر کسی مومن پر فوقیت نہیں حاصل کرسکتا۔۔البتہ۔۔دنیا میں استدراجاً یعنی مہلت کے طور پر کبھی کافر کو غالب کرتا ہے اور کبھی مغلوب۔۔۔اللہ تعالیٰ قیامت میں مومن کے ایمان کا اثر یوں ظاہر فرمائیگا کہ مومن کے ساتھ کئے ہوئے وعدے پورے فرمائیگا۔ اسوقت کی لذتوں میں کفار شریک نہ ہونگے، جیسے کہ وہ آج کی نعمتوں میں اہل ایمان کے ساتھ شریک ہیں، تاکہ انہیں معلوم ہو کہ حق پر اہل ایمان ہیں۔ویسے بھی اس دنیا میں بھی اہل اسلام کی حجت تمام مذاہب پر غالب ہے۔اُن پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کفار کا اہل اسلام پر کوئی چارہَ کار نہیں اسلئے کہ انکے مکر و فریب کا وبال اور اسکی سزا انہیں کی طرف لوٹتی ہے اور حق چونکہ منجانب اللہ اہل اسلام کو نصیب ہوا ہے، اسلئے حق کی مدد حق والوں کو نصیب ہوگی اور باطل والوں کو حق ذلیل وخوار کرتا ہے۔ باطل جتنا تیزی سے ابھرتا ہے، اتنا جلد ترمٹتا ہے۔

مومن پر لازم ہے کہ وہ دینی امور میں ہمت بلند کرے اور علم ویقین کے حصول میں جدوجہد کرے۔فتوحات اخرویہ سے غفلت کرکے فتوحات دنیویہ کا انتظار نہ کرے۔فتوحات دنیویہ کا انتظار، فتوحات غیب ومشاہدہ سے 'جن سے وصول الی الحق نصیب ہوتا ہے' محروم کردینے والا ہوتا ہے۔اس سے پہلی آیتوں میں منافقوں کی علامتیں اور انکے خواص بیان فرماکر اب بطورِ تتمہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ

بے شک! منافق دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور وہ دھوکے کا بدلہ دینے والا ہے۔ اور جب نماز کو کھڑے ہوئے

قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

تو کھڑے ہوئے تھکے ہارے، دکھلاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑا●

(بیشک منافق دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کو)۔

دراصل منافقین رسول عربی کی رسالت کے منکر تھے اور بگمان خود رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دیتے تھے، اسلئے کہ انکا بھی یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں، لہٰذا اُسے تو اپنے دل کی بات چھپا کر دھوکہ دیا نہیں جاسکتا۔ تو درحقیقت وہ رسول کریم ہی کو فریب دینا چاہتے تھے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خود اللہ تعالیٰ کو فریب دینے سے تعبیر کیا ہے۔

تاکہ ظاہر ہوجائے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسطرح کا کوئی معاملہ کرنا بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ انکے دھوکے کی یہ سزا دیتا ہے کہ اپنے نبی کو انکے نفاق سے مطلع فرمادیا، اور آپ نے مسلمانوں کو یہ خبر دیدی۔ انکا راز فاش ہوگیا اور وہ دنیا میں رسوا ہوگئے۔ اسکے علاوہ آخرت میں اللہ تعالیٰ انکو الگ سزا دیگا۔۔ المختصر۔۔ منافقین بزعم خود اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

(اور وہ) خدائے عزوجل انکو انکے (دھوکے کا بدلہ دینے والا ہے) انکے مکروفریب کی جزا دنیا میں تو یہ کہ انکے راز کو فاش کردیا جائیگا، ایسا کہ وہ اپنا نفاق چھپا نہ سکیں گے اور سب کے روبرو رسوا ہوجائینگے۔ اور قیامت میں اسکی جزا یہ ہوگی کہ مومنوں کے ساتھ ساتھ انکو جو نور دیا جائیگا، پل صراط پر قدم رکھتے ہی وہ نور غائب ہوجائیگا اور وہ اندھیرے میں رہ جائینگے۔ پھر انکے پاؤں لغزش کھائینگے اور وہ دوزخ میں گر پڑینگے۔ انکے برعکس مومنوں کو جو نور دیا جائیگا وہ باقی رہ جائیگا اور اُسی نور میں مومنین پل صراط پر سے گزر جائینگے۔

ان منافقین کی پہچان (اور) انکی خاص نشانی یہ ہے کہ (جب نماز کو کھڑے ہوئے تو) ایسے (کھڑے ہوئے) لگتا ہے کہ بڑے ہی (تھکے ہارے) ہیں۔ بے حد کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کام کو انجام دینے میں کراہت محسوس کرتے ہیں۔ وہ صرف اپنا نمازی

ہونا (دکھلاتے ہیں لوگوں کو) اصحاب میں سے کسی نے انہیں دیکھ لیا تو نماز پڑھ لیتے ہیں، نہیں تو نہیں پڑھتے۔ (اور نہیں ذکر کرتے اللہ) تعالیٰ (کا مگر تھوڑا) وہ بھی لوگوں کے سامنے، تنہائی میں نہیں۔۔یا ۔۔زبان ہی سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ زبان کا ذکر دل کے ذکر کے بہ نسبت تھوڑا ہی ہے۔انکا ذکر اسلئے بھی تھوڑا ہے کیونکہ وہ خالص نہیں۔انھوں نے اپنے اس ذکر کو طمع دنیا کے ساتھ ملا رکھا ہے اور دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے نہایت تھوڑا اور مختصر ہے۔اور خدا کا ہی ذکر سب چیزوں سے بڑا ہے۔منافقین کا حال یہ ہے کہ وہ کفر وایمان کے درمیان متحیر ومتردد ہیں۔۔۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ

ڈگ مگ ڈگ مگ بیچ میں، نہ ادھر نہ اُدھر

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

اور جس کی گمراہی اللہ دکھا دے، تو اس کیلئے کوئی راہ نہ پاؤ گے●

(ڈگ مگ ڈگ مگ بیچ میں، نہ اِدھر نہ اُدھر اور) یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ (جسکی گمراہی اللہ) تعالیٰ (دکھا دے) اور واضح فرما دے، اسکی چال وچلن اور اسکے کردار وگفتار سے، (تو اس کیلئے) حق وصواب اور نجات کی (کوئی راہ نہ پاؤ گے)۔۔الغرض۔۔گمراہی میں پڑا رہنا ہی اسکا مقدر ہے۔۔تو۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

اے وہ جو ایمان لے آئے! نہ بناؤ کافروں کو دوست

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

مسلمانوں کو چھوڑ کر۔کیا چاہتے ہو کہ بنالو اللہ کی اپنے اوپر کھلی حجت؟●

(اے وہ جو ایمان لے آئے!) منافقین کی روش سے دور رہو اور (نہ بناؤ کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر)۔اس واسطے کہ ان منافقین کا کام ہے کہ خدا کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہیں۔تو اے ایمان والو! (کیا) تم (چاہتے ہو کہ بنالو اللہ) تعالیٰ (کی اپنے اوپر کھلی حجت) اور وہ کافروں کی دوستی ہے جو عقوبت اور عذاب کا سبب ہے۔۔اور جان لو کہ۔۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًاۙ﴿۱۴۵﴾

بے شک منافق لوگ سب سے نیچے طبقہ میں ہیں جہنم کے۔ اور نہ پاؤ گے کوئی ان کا مددگار●

(بیشک منافق لوگ سب سے نیچے طبقے میں ہیں جہنم کے) جس طبقے کی آگ ایسوں کے دل کو جلانے کیلئے ہے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ انکے دل سے لپٹ جائیگی اور پھر وہ ابدالآباد عذاب ہی میں رہیں گے۔ (اور نہ پاؤ گے کوئی انکا مددگار) جو حمایت کر کے انہیں اس طبقہ سے نکالے۔۔ الغرض۔۔ سارے منافقین اسی عذاب میں رہیں گے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ

مگر جنھوں نے توبہ کر لی اور درست ہو گئے اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کو، اور کھرا کر لیا اپنے دین کو اللہ کیلئے، تو وہ

مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَؕ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا﴿۱۴۶﴾

مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ اور جلد دے گا اللہ مسلمانوں کو بڑا اجر●

(مگر جنہوں نے توبہ کر لی) نفاق سے (اور) اپنا بگڑا ہوا حال سدھار کر (درست ہو گئے اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ) تعالیٰ کی رسّی یعنی دین الٰہی اور سنت نبوی (کو، اور کھرا کر لیا اپنے دین کو اللہ) تعالیٰ (کیلئے)، یعنی محض رضائے الٰہی کے واسطے عبادت کرتے رہے، (تو وہ) توبہ واصلاح اور اعتصام واخلاص کی صفتوں سے موصوف لوگ (مسلمانوں کے ساتھ ہیں)۔۔ الغرض۔۔ دونوں جہان میں انکا شمار مسلمانوں ہی میں ہوگا۔ (اور) پھر (جلد دیگا اللہ) تعالیٰ (مسلمانوں کو بڑا اجر) اور یہ لوگ بھی اسمیں شریک ہونگے۔۔ اور ذرا سوچو تو کہ۔۔

مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا﴿۱۴۷﴾

کیا کرے گا اللہ تم پر عذاب کر کے؟ اگر تم شکر گزار ہو جاؤ اور ایمان لے آؤ۔ اور اللہ شکر کا قبول فرمانے والا اعلم والا ہے●

(کیا کریگا اللہ) تعالیٰ (تم پر عذاب کر کے اگر تم) اسکی فرمانبرداری کے ساتھ (شکر گزار ہو جاؤ اور ایمان لے آؤ) یعنی اسکی وحدانیت کی تصدیق کرو وتحقیق کی رو سے۔۔ یا۔۔ ایمان لاؤ اس

بات پر کہ تمہاری نجات اسکے فضل پر ہے، نہ کہ تمہارے شکر پر۔ (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (شکر کا قبول فرمانے والا) ہے۔ یعنی شاکروں کو اسکا ثواب دینے والا ہے اور (علم والا ہے) وہ شکر اور ایمان کے حقوق کو بخوبی جانتا ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۱ جنوری ۲۰۰۹ء

﴿بروز چہار شنبہ﴾

پانچوے پارے کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

۶
لا یحب اللہ

تمام احکام کا مدار دو چیزوں پر ہے: ﴿۱﴾۔۔خالق کی عظمت ﴿۲﴾۔۔مخلوق پر شفقت۔اس سے پہلے کی آیت میں خالق کی عظمت کا بیان فرمایا اور اس میں مخلوق پر شفقت کا ذکر ہے۔اور مخلوق پر شفقت بھی دو طرح سے ہے: ﴿۱﴾۔مخلوق سے ضرر دور کرنا۔﴿۲﴾۔۔ان کو نفع پہنچانا۔ضرر دور کرنا زیادہ اہم ہے، اسلئے اسکے ذکر سے آغاز فرمایا اور پھر نفع پہنچانے کی صورت ظاہر فرمائی۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، اے لوگو!۔۔۔

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ

اللہ پسند نہیں فرماتا علانیہ بدگفتاری، مگر جو مظلوم ہو،

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾

اور اللہ سننے والا علم والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (پسند نہیں فرماتا) یعنی غضبناک ہوتا ہے اس بات پر کہ کوئی (علانیہ بدگفتاری) کرے (مگر جو مظلوم ہو)، کیونکہ اسے درست ہے کہ ظالم کی برائی آشکارا کردے۔

۔۔یا۔۔اسکی فریاد کرے اس مرد مسافر کی طرح، جس نے ایک قوم سے ضیافت چاہی، اسے کسی نے کھانا نہ دیا، اس نے شکایت کرنی شروع کی۔ جہاں جاتا اس قوم کی بے مروتی کا حال زبان پر لاتا، بعض صحابہ نے اس پر اس شکایت کے سبب غصہ کیا، اسکے عذر میں یہ آیت نازل ہوئی کہ مظلوم کو ظلم کی شکایت درست ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ مظلوم کی بات (سننے والا) اور ظالم کے ظلم کا (علم) رکھنے (والا ہے)، اس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔

اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾

اگر تم دکھا کر نیکی کرو، یا چھپا کر، یا معاف کردو کسی کی بدزبانی، تو بیشک اللہ معاف فرمانے والا قدرت والا ہے●

(اگر تم دکھا کر نیکی کرو) وہ بھلائی عام ہے۔اقوال سے متعلق ہو یا افعال سے۔۔۔الغرض۔۔۔ بھلائی اور طاعت ظاہر کرو (یا چھپا کر) پوشیدہ بجالاؤ، یعنی انھیں مخفی رکھو (یا معاف کردو کسی کی بدزبانی) اور اسکی اس برائی کو، جس پر مواخذہ کرنے کا تمھیں حق پہنچتا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ برائی ظاہر کرنا۔۔یا۔۔چھپانا ان دونوں باتوں کا ذکر بطور تمہید ہے، اصل مقصود تو صرف یہ بتانا ہے کہ عمدہ عمل تو یہی ہے کہ بندہ کو اگر بدلہ لینے کی قدرت ہو، تب بھی معاف کردے۔ کیا بندہ دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ بڑی قدرت رکھتا ہے، کہ بندوں سے انکے گناہوں کا مواخذہ کرسکتا ہے، تاہم انھیں معاف فرمادیتا ہے۔

(تو بیشک اللہ) تعالیٰ (معاف فرمانے والا) اور (قدرت والا ہے) اور جب وہ باوجود قدرت کے درگزر فرمادیتا ہے، تو بندوں کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اسکے طریقے پر عمل کریں۔

اس میں مظلوم کی ترغیب ہے کہ باوجود اسکے کہ اسے ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت ہے، لیکن اسے معاف کردینا بہت اچھا ہے۔ اس میں مکارم اخلاق کی عادت ڈالنے کی ترغیب و تحریص ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے قبائح وفضائح کا اظہار پسند نہیں فرماتا۔۔ہاں۔۔اس ظالم کے قبائح وفضائح کا اظہار جائز ہے جسکا ضرر، دجل، اور مکروفریب، حد سے بڑھ جائے۔

ارشاد رسول ہے کہ:

'فاسق کے فسق کو ظاہر کرو تاکہ دوسرے لوگ اسکے شروفساد سے بچ جائیں'۔۔۔

اسلئے ظالم حاکم، کھلم کھلا فسق وفجور کا عادی اور بدعت سیئہ کا مرتکب اور اسکی دعوت دینے والا۔۔نیز۔۔ایسا شریر جسکے شروفساد اور کذب وفریب سے دوسروں کو نقصان پہنچ سکتا ہو، تو دوسروں کو انکی حرکتوں کے شر سے بچانے کیلئے انکی نقصان پہنچانے والی برائیوں کو ذکر کردینے کی رخصت ہے۔ اور صرف رخصت ہی نہیں، بلکہ بعض حالات میں ذکر کردینا ضروری ہے۔۔۔

اس مقام پر یہ ضابطہ ذہن نشین رہے کہ ہر انسان کے عیبوں اور برائیوں کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں: ایک وہ برائی جسکا دنیوی اور اخروی وبال اس فرد کے ساتھ مخصوص ہے، اس برائی سے کسی اور کا نہ دنیوی نقصان ہے اور نہ ہی اخروی، تو ایسوں کے ایسے عیبوں اور برائیوں کا دوسروں کے سامنے ذکر معیوب ہے، اسلئے کہ اس سے صرف اس فرد کی تحقیر وتذلیل مقصود ہوتی ہے، اور یہ کوئی اچھا عمل نہیں۔۔۔ دوسری وہ برائی جسکے شر کا شکار دوسرے افراد بھی ہوتے ہیں۔۔مثلاً: کذب وفریب، چوری، ڈکیتی اور بدکرداری وبدفعلی وغیرہ، تو ایسے کاذب وفریبی، چور وڈاکو اور بدکرداروں سے لوگوں کو ہوشیار رکھنا ضروری ہے، تاکہ کوئی انکے شر کا شکار نہ ہوجائے۔

۔۔ یونہی۔۔ مجروح راویوں پر جرح کرنا اور فاسق گواہوں کے عیوب نکالنا، ہرگز ہرگز معیوب نہیں، بلکہ ضرورت کی وجہ سے واجب ہے۔ایسے ہی اگر کوئی کسی شخص سے کسی بھی قسم کا معاملہ کرنے کیلئے مشورہ کرے اور اس شخص میں کوئی عیب ہو،تو مشورہ دینے والے پر واجب ہے کہ اس عیب کو ظاہر کردے۔اسطرح کسی فاسق۔۔یا۔۔بدعتی معلم سے علم حاصل کرنے میں ضرر کا اندیشہ ہو،تو جانکار کو چاہئے کہ اس سے علم حاصل کرنے والے متعلّم کو اس معلم کی بدعت اور فسق سے متنبہ کردے، ایسے ہی نا اہل۔۔یا غافل۔۔یا عیبی۔۔حاکم کی نا اہلی اور اسکی غفلت شعاری۔۔نیز۔۔اسکے عیبوں سے اسکے حاکم اعلیٰ کو باخبر کردینا بالکل درست ہے، تاکہ اسکو برطرف کرکے کسی لائق کا تقرر کردے۔

اب اگر کوئی علی الاعلان فسق وفجور اور بدعات کا ارتکاب کرتا ہو، تو ایسے شخص کے ان عیبوں کو پس پشت بیان کرنا جائز ہے، جن کو وہ علی الاعلان کرتا ہو۔اسکے پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا رد فرمایا تھا اور اب یہود ونصاریٰ کا رد فرما رہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا

بے شک جو انکار کریں اللہ اور اس کے رسولوں کا، اور چاہیں کہ ماننے میں امتیاز رکھیں

بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ

اللہ اور اس کے رسولوں میں، اور کہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کا انکار کریں گے،

وَّ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۵۰﴾

اور چاہیں کہ بنالیں درمیانی راستہ ●

(بیشک جو انکار کریں اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسولوں) میں سے کسی بھی رسول (کا اور چاہیں کہ ماننے میں امتیاز رکھیں اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسولوں میں، اور کہیں ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کا انکار کریں گے)۔

جیسے کہ یہودیوں نے کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام اور توریت اور عزیر علیہ السلام کو مانتے ہیں اور انکے سوا کسی کو بھی نہیں مانتے۔۔یا۔۔جیسے عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر ایمان لائے، لیکن قرآن اور رسول کریم ﷺ کے منکر ہوگئے۔یہی کفرٌ باللہ والرسل' ہے۔اور اسی کو

تفریق 'باللہ والرسل' کہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا فرض فرمایا ہے۔ اب کسی ایک نبی کو بھی نہ ماننا، تمام انبیاء علیہم السلام کے نہ ماننے کے برابر ہے، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے کے مترادف ہے۔ یہودی ہوں یا عیسائی، دونوں نے اپنے اپنے رسولوں کی رسالت ونبوت کی دلیل انکے معجزات ہی کو قرار دیا ہے۔۔تو۔۔اب نبی آخرالزماں کے معجزات کو آپکی نبوت ورسالت کی دلیل نہ قرار دینا سراسر ہٹ دھرمی ہے۔

اولاً تو وہ بعض کو ماننے کا دعویٰ کریں اور بعض کو ماننے سے انکار کریں، (اور) اسپر مزید براں اپنے اس عمل سے (چاہیں کہ بنالیں درمیانی راستہ)، کفر وایمان اور حق وباطل کے درمیان۔ یہ انکی خام خیالی ہے، کہ وہ حق وباطل کے درمیان ایک تیسری راہ کے آرزومند ہیں، اسلئے کہ نہ تو کفر ایمان ہوسکتا ہے اور نہ ہی ایمان کفر، اور نہ ہی کوئی ایسی صورت نکلتی ہے کہ کوئی شے ایمان اور کفر دونوں ہی ہوں۔اب ان ہٹ دھرموں کی ہٹ دھرمی دیکھ لینے کے بعد، انکی سزا سنو۔ یہ اوصاف مذکورہ قبیحہ والے لوگ۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾

وہی یقیناً کافر ہیں۔ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کیلئے ذلت والا عذاب●

(وہی) ہیں جو (یقیناً کافر ہیں) اگرچہ وہ اپنے کو اہل حق سمجھتے ہیں اور مومن ہونے کے مدعی ہیں، ان کے ایمان کے یہ دعوے بالکل باطل ہیں۔ اور یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ وہ یقیناً اپنے کفر میں یکتا ہیں۔ ویسے بھی صرف یہی کیا، بلکہ جنھوں نے بھی کفر کیا، تو یقین مانو کہ واقعی انھوں نے کفر کیا۔ اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ انھیں کافر سمجھو اور بوقت ضرورت انھیں کافر کہو۔ یہ بات کس قدر صاف ہے کہ کسی کافر کو کافر نہ سمجھنا، یہ اسکے کفر کو ایمان سمجھنا ہوا، اور ظاہر ہے کفر کو ایمان سمجھنے والا خود کافر ہے۔ اب ان سارے کافروں کی سزا سنو! (اور) عبرت حاصل کرو، کہ (ہم نے تیار کر رکھا ہے) ان سارے (کافروں کیلئے ذلت والا عذاب) جسے وہ عنقریب چکھیں گے، جب ان پر نازل ہوگا اس میں وہ دائمی طور پر ذلیل وخوار ہونگے۔

رب کریم نے اپنے اسلوب کلام کے مطابق، کفار کی وعید بیان کرنے کے بعد، اب مومنین سے وعدے کا بیان فرمایا۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ

اور جو مان گئے اللہ اور اس کے رسولوں کو، اور ماننے میں ان میں کوئی امتیاز نہ رکھا، وہی لوگ ہیں

سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

کہ جلد دے گا ان کو ان کا اجر۔ اور اللہ غفور رحیم ہے●

(اور) ارشاد فرمایا کہ (جو مان گئے اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسولوں کو اور ماننے میں ان میں کوئی امتیاز نہ رکھا) کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، جیسا کہ کافروں کا طریقہ ہے، تو یہ (وہی) خوش نصیب (لوگ ہیں کہ جلد دیگا انکو انکا اجر) وثواب۔ یعنی انکا یہ اجر وثواب اتنا یقینی ہے، جو انھیں مل کے رہے گا، اگرچہ دیر سے ہی۔ بیشک (اور) یقیناً (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے، اپنے بندوں کے گناہوں اور ان سے سرزد ہو جانے والی زیادتیوں کو بخشنے والا ہے، خواہ بندے کی توبہ کی وجہ سے یا کسی 'ماذون الشفاعۃ' کی سفارش سے۔۔۔یا۔۔خاص کر کے اپنے ہی فضل وکرم سے۔۔۔یا۔۔بعض آزمائشوں سے گزارنے کے بعد۔۔الختصر۔۔ایمان والے گنہگار بندے بھی اسکی مغفرت سے محروم ہونے والے نہیں۔۔۔رہ گئے نکو کار بندے، تو رب تعالیٰ انکے لئے (رحیم) اور ان پر بڑی مہربانی کرنے والا (ہے) کہ انکی نیکیوں پر ان کو کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرمائیگا۔ اے محبوب! ذرا دیکھو تو کہ تمہارے پاس آکر۔۔۔

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ

تم سے فرمائش کرتے ہیں اہل کتاب کہ اتار لاؤ لکھی لکھائی کتاب آسمان سے، تو ان لوگوں نے

سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ

فرمائش کی تھی موسیٰ سے اس سے بڑھ کر، چنانچہ کہا تھا کہ دکھا دو ہمیں اللہ کو کھلم کھلا، تو پکڑ لیا ان کو

الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

کڑک نے ان کے ظلم کی وجہ سے۔ پھر انھوں نے بنالیا بچھڑا، باوجودیکہ آچکی تھیں ان کے پاس روشن آیتیں،

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

تو ہم نے اس کو معاف فرما دیا۔ اور دے دیا موسیٰ کو کھلا ہوا غلبہ●

(تم سے فرمائش کرتے ہیں اہل کتاب) یہود ونصاریٰ، کہ ہم آپ کی دعوت کی اس وقت تک پیروی نہیں کرینگے، یہاں تک (کہ اتار لاؤ لکھی لکھائی کتاب آسمان سے)۔

جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انکے پاس 'الواح' لائے تھے۔۔یا۔۔کم از کم ہماری جانب اللہ تعالیٰ کے پاس سے یہ مکتوب آئے، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور فلاں کے پاس بھی مکتوب آئے، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

تو اے محبوب! انکے از راہ عناد کئے جانے والے اس مطالبہ سے آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں اسلئے کہ اسطرح کے معاندانہ اور غیر معتدل سوال کرنے کے یہ موروثی طور پر عادی ہیں۔۔چنانچہ۔۔جب عادت سے مجبور ہوئے **(تو ان لوگوں)** کے مورثین **(نے فرمائش کی تھی موسیٰ سے اس سے بڑھ کر، چنانچہ کہا تھا کہ دکھادو ہمیں اللہ)** تعالیٰ **(کو کھلم کھلا)** یہ سائلین ستر نقباء تھے جو حضرت موسیٰ کے ساتھ تھے اور انھوں نے پہاڑ پر یہ سوال کیا، جبکہ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوئے، تو انھوں نے سوال کردیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایسے کھلم کھلا دیکھنا چاہتے ہیں، جیسا کہ دیگر اشیاء کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

(تو پکڑلیا انکو کڑک نے انکے ظلم کی وجہ سے) وہ یہ کہ سرکشی کر کے ایسا سوال کردیا جو انکے حال کی مناسبت سے قطعاً محال تھا۔۔القصہ۔۔انکے اس گستاخانہ مطالبے کی وجہ سے کہ دنیا میں خدا کو دیکھنے کی درخواست کر بیٹھے، ان پر آسمان سے بجلی گری اور انھیں خاکستر کرگئی۔۔۔انکے مورثین کی یہ پہلی غلطی ہی کیا کم تھی، تو ان سے دوسری بڑی غلطی ہوگئی۔اور **(پھر انھوں نے بنالیا بچھڑا)** کو اپنا معبود ۔۔الغرض۔۔اسکی پرستش کرنے لگے، اور یہ سب **(باوجودیکہ آچکی تھیں انکے پاس روشن آیتیں)**۔

ایک تو یہی آسمانی بجلی جو اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کرنے والوں پر گری اور حضرت موسیٰ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے پھر انکو زندہ کردیا۔جس سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کے کامل علم وقدرت کا پتہ چلتا ہے، تو دوسری طرف حضرت موسیٰ کی نبوت کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔اسکے علاوہ انھوں نے حضرت موسیٰ کا عصا دیکھا، ید بیضا دیکھا، دریا کو چیر کر اس میں ۱۲ راستوں کو بنانا دیکھا، انکے تعاقب میں آنے والے فرعون اور ان کے لشکر کا انھیں راستوں پر ڈوبنا دیکھا، اور ان تمام معجزات کو دیکھ لینے کے بعد، انھوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنالیا اور اسکی پرستش کی۔

تو اے رسول مکرم! آپ سے انکا یہ مطالبہ کرنا کہ انکے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آجائے، انشراح صدر کیلئے نہیں ہے۔یہ انکی وہ سرکشی اور ہٹ دھرمی ہے، جو ان میں نسل در نسل چلی آرہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انکی گوسالہ پرستی کی سزا میں اس قوم کو بالکل صفحۂ ہستی سے نہیں مٹادیا، بلکہ اس پر کرم کیا اور فرمایا۔

(تو ہم نے اسکو معاف فرمادیا اور دے دیا موسیٰ کو) انکے مخالفین پر (کھلا ہوا غلبہ)۔ یعنی کفار پر تسلط اور بہت بڑا کھلم کھلا غلبہ عنایت فرمایا کہ انکی توبہ کی قبولیت کی خاطر انھیں خود اپنی قوم کے گوسالہ پرست لوگوں کو قتل کردینے کا حکم دے دیا، اور انھوں نے فرمانبرداری کی۔

اس میں نبی کیلئے یہ رمز اور بشارت ہے کہ اگرچہ کفار آپ کی مخالفت کررہے ہیں اور آپ کے خلاف معاندانہ کارروائیوں میں مصروف ہیں، لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ اور فتح عطا فرمائیگا۔۔۔ اب آگے آیت ۱۶۱ تک یہود کی باقی سرکشیوں اور انکی جہالتوں کا ذکر ہے، ان میں سے ایک جہالت اور سرکشی اس موقع پر ہوئی، جب انھوں نے توریت کی شریعت قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اور اٹھوادیا ان کے سروں پر کوہ طوران سے عہد لینے کیلئے۔ اور ہم نے انھیں حکم دیا کہ دروازہ میں داخل ہو سجدہ کرتے ہوئے،

وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۱۵۴﴾

اور انھیں حکم دیا کہ سنیچر کے بارے میں قانون نہ توڑو اور لے لیا ہم نے ان سے گاڑھا عہد●

(اور) اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے ذریعے (اٹھوادیا انکے سروں پر کوہ طوران سے عہد لینے کیلئے) تاکہ اس پہاڑ کے خوف سے توریت کی شریعت کو قبول کرنے کا عہد کرلیں۔۔ چنانچہ۔۔ انھوں نے خوف میں آکر حضرت موسیٰ کے دین پر عمل کرنے کا عہد کرلیا، تو حکم الٰہی ہوا کہ اب یہ پہاڑ ان سے ہٹالو۔

۔۔یا۔۔صورت حال یہ رہی ہو، کہ اولاً ان سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ دین موسوی سے نہ پھریں، لیکن وہ دین سے پھر گئے، پھر انکے اوپر پہاڑ اٹھا کر عہد لیا گیا، کہ وہ عہد شکنی نہیں کرینگے، اور انھوں نے اپنے اوپر پہاڑ کے گرنے کے خوف سے عہد کرلیا۔ انکی دوسری جہالت اور سرکشی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

(اور ہم نے انھیں) یوشع علیہ السلام کی زبان سے (حکم دیا کہ) شہر 'اریحا' کے (دروازہ میں داخل ہو) جاؤ (سجدہ) شکر (کرتے ہوئے)، یعنی مطمئن ہوکر اور سر جھکا کر اس شکر گزاری میں، کہ انھیں جنگل میں بھٹکنے سے بچالیا، تو انھوں نے اس حکم سے انکار کردیا اور جو حکم ہوا تھا، اسکے برعکس

چوتڑوں پر گھسیٹ مار کر داخل ہوئے۔

ان سے تیسری سرکشی (اور) جہالت یہ ہوئی کہ جب ہم نے حضرت داوٗد کی زبان سے (انھیں حکم دیا کہ سنیچر کے بارے میں قانون نہ توڑو، اور لے لیا ہم نے ان سے گاڑھا عہد)، مضبوط اور سخت وعدہ، اطاعت وفرمانبرداری کا۔۔ چنانچہ۔۔ انھوں نے وعدہ کرلیا اور کہہ دیا، **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر انھوں نے دین سے روگردانی کی، تو اللہ تعالیٰ جیسا چاہے گا، عذاب میں مبتلا کریگا۔ لیکن یہ بدبخت سنیچر کے دن جو صرف عبادت کیلئے مخصوص کردیا گیا تھا، عبادت ترک کر کے مچھلی کے شکار میں مصروف ہوگئے۔ حالانکہ ان پر لازم کردیا گیا تھا کہ تلاشِ روزگار اور حصولِ معاش کیلئے، ہفتے کے دن کوئی کام نہ کرنا، خواہ وہ مچھلی کا شکار ہو یا کوئی اور کام۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ

پھر اپنے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے، اور اللہ کی آیتوں سے انکار کردینے، اور انبیاء کو ناحق

بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا

مار ڈالنے، اور اس بکنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں، بلکہ چھاپ لگادی اللہ نے انکے دلوں پر

بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾

انکے کفر کی وجہ سے، تو یہ نہیں مانیں گے مگر تھوڑے●

(پھر) یہ چند وجوہ کفر کے مرتکب ہوگئے (اپنے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے اور اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں)، یعنی توریت وقرآنِ کریم اور معجزاتِ انبیاء علیہم السلام (سے انکار کردینے) کی وجہ سے۔

چونکہ نبی کی نبوت معجزہ سے ثابت ہوتی ہے، تو کسی معجزہ کا انکار اس صاحب معجزہ نبی کی نبوت کا انکار ہوتا ہے، اور ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے۔

(اور انبیاء)۔۔ مثلاً: حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام (کو ناحق مار ڈالنے)، یعنی شہید کردینے کی وجہ سے، جنکا شہید کردینا کبھی حق ہوتا ہی نہیں، بلکہ ناحق ہی ہوتا ہے۔ (اور اس بکنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں)، جسکی وجہ سے ہم رسولِ عربی کے ارشادات کا اثر قبول نہیں کرتے اور آپکی باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ آپکی باتیں ہمارے دل تک پہنچتیں ہی نہیں۔۔ یا۔۔ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دل علوم سے بھرے ہوئے ہیں۔ اب کسی کے علم کی ہمیں احتیاج نہیں۔۔۔ حالانکہ جو یہ

بکواس کرتے ہیں، درحقیقت ایسا نہیں ہے، (بلکہ) سچی بات تو یہ ہے کہ (چھاپ لگادی اللہ) تعالیٰ (نے انکے دلوں پر) یعنی انکے دلوں پر مہر لگادی ہے (انکے کفر کی وجہ سے، تو یہ نہیں مانیں گے مگر تھوڑے)۔

جیسے کہ عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب۔۔یا یہ کہ۔۔انکا ایمان لانا تھوڑی باتوں پر ہے، اسلئے انکا ایمان لانا غیر معتبر ہے، کیونکہ انکا ایمان ناقص ہے، کیونکہ وہ بعض رسولوں اور بعض کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں۔۔یا یہ کہ۔۔انکے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ انھیں مومن کہا جائے، بلکہ وہ تو یقیناً کافر ہیں۔

۔۔علاوہ ازیں۔۔ہم نے انکو جو دوسری سزائیں دیں ہیں۔۔۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

اوران کے کفر کی وجہ سے اوران کی بکواس سے مریم پر بڑے بہتان کی ●

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا

اوران کے اس ڈینگ کی وجہ سے کہ ہم نے قتل کرڈالا مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو۔ حالانکہ

قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ

نہ قتل کیا، نہ انھیں سولی دی۔ لیکن ایک ملتا جلتا بنادیا گیا ان کیلئے، اور بیشک جنھوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا،

شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾

تو وہ شک ہی شک میں ہیں۔ انھیں اس کا کچھ علم نہیں سوا گمان سے کام لینے کے۔ حالانکہ نہیں قتل کیا عیسیٰ کو یقیناً ●

(اور) ان پر عذاب نازل فرمایا ہے، تو وہ (انکے کفر کی وجہ سے) جو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا (اور) بسبب (انکی بکواس سے مریم پر بڑے بہتان کی)، یعنی بدکاری کے اتہام کی۔ (اورانکے اس ڈینگ کی وجہ سے، کہ ہم نے قتل کرڈالا مسیح عیسیٰ ابن مریم) بقول خود (اللہ) تعالیٰ (کے رسول کو)۔۔المختصر۔۔ہم نے ابن مریم کو قتل کرڈالا جو اپنے کو اللہ کا رسول فرمارہا تھا، (حالانکہ نہ قتل کیا) اور (نہ) ہی (انھیں سولی دی)۔۔۔پھر آخر کس کو قتل کیا؟

اس تعلق سے روایات مختلف ہیں، کسی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے حواریین ہی میں سے ایک نیک بخت تھے، جنھوں نے حضرت عیسیٰ کے فرمانے سے آپ کا ہم شکل بن کرآپ پر قربان ہونا قبول کرلیا، تو حضرت عیسیٰ کو تو آسمان پر اٹھالیا گیا اور انکے

ہم شکل کو عیسیٰ سمجھ کر شہید کر دیا گیا۔

دوسری روایت کا خلاصہ یہ ہے، کہ وہ حضرت عیسیٰ کے حوارین کے درمیان ایک منافق تھا جس نے مخبری کا کام انجام دیا۔۔ چنانچہ۔۔اسی مخبر کو حضرت عیسیٰ کا ہم شکل بنا دیا گیا، پھر یہودیوں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا۔

تیسری روایت کا خلاصہ یہ ہے، کہ وہ خود یہودیوں کا سردار، یہودا تھا، جو حضرت عیسیٰ کی تلاش میں اس گھر میں داخل ہوا جس میں آپکے موجود ہونے کی خبر اسے ملی، مگر جب وہ گھر میں داخل ہوا، تو اسے کوئی نظر نہیں آیا اور پھر جب وہ باہر نکلا، تو خود وہی دوسروں کی نظر میں حضرت عیسیٰ کا ہم شکل دکھائی دیا۔۔ چنانچہ۔۔لوگوں نے عیسیٰ سمجھ کر اسے قتل کر دیا۔ وہ لاکھ کہتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، مگر کسی نے اسکی بات کا خیال نہیں کیا۔

اس واقعہ کے تعلق سے یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کا قصد کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انکو آسمان پر اٹھالیا۔ اب یہود کے سرداروں نے سوچا کہ اگر یہودی عوام کو معلوم ہو گیا کہ انکو آسمانوں پر اٹھالیا گیا ہے، تو وہ فتنہ میں پڑ جائینگے اور ممکن ہے کہ یہودیت ہی سے برگشتہ ہو جائیں، یونہی، اگر عیسائی انکو نہ پائینگے، تو وہ بھی ایک فتنہ برپا کر دینگے اور معلوم کرنا چاہیں گے کہ آخر وہ کہاں ہیں؟ تو انھوں نے ایک انسان کو جو غیر معروف تھا، پکڑ کر قتل کر دیا اور اسکو سولی پر لٹکا دیا، اور لوگوں کو اس مغالطہ میں رکھا کہ وہ مسیح ہیں۔

چونکہ حضرت مسیح لوگوں میں بہت کم مل جل کر رہتے تھے، آپکو گوشہ نشینی زیادہ پسند تھی، اسلئے عام لوگ آپکو صرف نام سے جانتے تھے، شکل سے نہیں پہچانتے تھے۔ ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ نہ شہید کیے گئے اور نہ ہی سولی دیئے گئے۔

(**لیکن ایک ملتا جلتا بنا دیا گیا انکے لئے**)۔۔ چنانچہ۔۔انھیں تشابہ ہوا کہ نہ معلوم قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام تھے یا انکا اپنا آدمی۔ اور یہ شبہ ہر حال میں انکو لاحق رہا، خواہ قتل ہونے والا ہم شکل رہا ہو یا نہیں۔ اسلئے کہ یہودیوں نے ہر لاش کو حضرت مسیح کی لاش قرار دیکر ہی سولی دی۔

اب رہ گیا مذکورہ بالا روایات میں، ہم شکل ہونے کا مسئلہ، تو وہ بطورِ خرق عادت ہوا ہے اور ایسے خوارق عادت کا دورِ نبوت میں ظہور ہونا، کوئی بڑی بات نہیں اور جو چیز نبی کے معجزہ کے طور پر ظاہر ہو، عام طور پر عادتاً اسکا ظہور محال ہی رہتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ سازشی لوگوں نے تو اپنے طور پر اپنا کام کر دیا، مگر اس واقعہ کے بعد خود ان ہی لوگوں

میں اختلاف پیدا ہو گیا، بعض کہتے ہیں کہ اگر یہ مقتول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر یہی ہمارا آدمی ہے، تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے۔ بعض نے کہا کہ اس مقتول کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے، لیکن اسکا جسم ہمارے آدمی کا ہے، اسلئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل اس شخص کو دی گئی، تو صرف چہرہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہوا، باقی بدن ویسے کا ویسا رہا۔

اور جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سنا تھا کہ وہ آسمان پر اٹھائے جائیںگے، وہ تو یقین رکھتے تھے، وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں (اور) اسکے سوا (**بیشک جنھوں نے انکے بارے میں اختلاف کیا، تو وہ شک ہی میں ہیں۔ انھیں اسکا کچھ علم نہیں، سوا گمان سے کام لینے کے**)۔ بالآخر انکے خیالات آپس ہی میں ٹکرا گئے۔ (حالانکہ) اگر وہ عقل سے کام لیتے اور حضرت مسیح کے ارشاد پر ایمان لاتے، تو ضرور اعتراف کر لیتے کہ (**نہیں قتل کیا عیسیٰ کو یقیناً**)۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

بلکہ اٹھا لیا ان کو اللہ نے اپنی طرف۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(**بلکہ اٹھا لیا انکو اللہ**) تعالیٰ (**نے اپنی طرف**) اور انھیں محل کرامت پر لے گیا (**اور اللہ**) تعالیٰ (**غلبہ والا**) ہے۔ حضرت عیسیٰ کو اٹھا لینا اور یہودا سے انتقام لینا، دونوں اسکی قدرت و اختیار میں ہے، اور عظیم (**حکمت والا ہے**) جس نے حکمت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مہم میں تدبیر فرمائی اور یہودا پر لعنت برسائی۔

یہ ذہن نشین رہے کہ اپنی اس حیاتِ ظاہری میں حضرت عیسیٰ کی شان میں کوئی کچھ بھی خیال ظاہر کرے اور کچھ بھی بکواس کرے۔۔۔ لیکن بالآخر یہود۔۔۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ

اور کوئی کتابی نہیں مگر ایمان لائے گا ان پر مرنے سے پہلے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے●

(**اور**) نصاریٰ میں سے (**کوئی کتابی نہیں، مگر ایمان لائیگا ان پر**) اپنے (**مرنے سے پہلے**) چنانچہ نزع طاری ہونے کے بعد جبکہ امورِ آخرت سامنے ہوتے ہیں، ملائکہ یہودی سے پوچھیں گے کہ حضرت عیسیٰ نبی بن کر تشریف لائے، لیکن تم نے انھیں جھٹلایا۔ یونہی نصاریٰ سے پوچھیں گے کہ

تمہارے پاس حضرت عیسیٰ، اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول بن کر تشریف لائے، لیکن تم نے انکو 'الہٰ' اور 'ابن اللہ' مانا۔ اس وقت یہودی بھی ایمان لائیگا اور عیسائی بھی کہے گا، کہ اب میں انھیں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول مانتا ہوں، لیکن اس وقت کا ایمان لانا ان میں کسی کو بھی فائدہ نہ دے گا۔ بات تو اس وقت بنتی، جب نزع کی کیفیت طاری ہونے سے پہلے اور امورِ آخرت کے ظہور سے پہلے وہ ایمان لاتے۔

تمام کتابیوں کے تعلق سے مرنے سے پہلے ایمان لانے کا مذکورہ بالا بیان لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ کے اصول کے مطابق ہے۔ یعنی اکثر و بیشتر کتابیوں کا یہی حال ہوگا، لیکن وہ کتابی جو اچانک دشمن کے حملے سے مرجاتا ہے۔۔یا۔۔خودکشی کرلیتا ہے۔۔یا۔۔کسی حادثہ کا شکار ہوکر مرجاتا ہے، وہ اس حکم سے مستثنیٰ رہے گا۔

ارشادِ ربانی کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے، کہ خود حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے ان پر ہر کتابی ایمان ضرور لائیگا۔ اور یہ اس وقت ہوگا، جب حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں گے اور دجال کو قتل کرڈالینگے، تو سب اہل کتاب حضرت عیسیٰ پر ایمان لائینگے اور یقین جانیں گے کہ وہ پیغمبر تھے۔ اور حضرت عیسیٰ اہل کتاب کو دین اسلام کی طرف بلائینگے اور مختلف ملتیں لوگوں میں سے اٹھ جائینگی، اور ملت اسلامیہ کے سوا کوئی ملت نہ رہے گی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے حضرت سرور انبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی کتاب اور سنت کے موافق عمل کرینگے۔ اور چالیس برس زمین پر رہیں گے، پھر انتقال فرمائینگے۔ مومنین ان پر نماز پڑھیں گے۔ گنبدِ خضراء میں آپ کی آخری آرامگاہ ہوگی۔

(اور) پھر (قیامت کے دن وہ ان) کتابیوں (پر گواہ ہونگے)۔۔چنانچہ۔۔یہود پر تکذیب کی گواہی دینگے اور نصاریٰ پر اس بات کی گواہی دینگے کہ انھوں نے انھیں خدا کا بیٹا کہا ہے۔ چونکہ یہودی متعدد بداعمالیوں کا شکار ہوگئے تھے۔۔۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ

توان یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے حرام فرمادیا ہم نے پاکیزہ چیزیں جو حلال تھیں ان کو،

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾

اور ان کے روک دینے کی وجہ سے اللہ کی راہ سے۔ بہتوں کو●

(توان) دین یہود پر متدین رہنے والے (یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے)، یعنی ان مظالم کی وجہ

سے جوان سے واقع ہوئے، بطورِ سزا (حرام فرمادیا ہم نے پاکیزہ چیزیں جو حلال تھیں انکو)، جیسے اونٹ کا گوشت اور اسکا دودھ اور چربی۔ انھیں جن بداعمالیوں کی یہ سزا دی گئی ہے (اور) انکو پاکیزہ چیزوں سے محروم کردیا گیا ہے، تو اس پر اولاً (انکے روک دینے کی وجہ سے اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے بہتوں کو)۔

یعنی انھوں نے توریت کے حکم اور ہمارے رسول مقبول کی نعت میں تحریف کردی اور لوگوں سے کہنے لگے کہ اس شخص پر ایمان نہ لاؤ، اس واسطے کہ یہ وہ پیغمبر نہیں جسکا وعدہ کیا گیا ہے۔

وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ

اوران کے سود لینے کی وجہ سے، جس سے وہ منع کردئے گئے تھے، اوران کے کھانے کی وجہ سے لوگوں کا مال ناحق۔

وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۶۱﴾

اور ہم نے تیار کر چھوڑا ہے ان میں سے کفر کرنے والوں کے لیے دکھ دینے والا عذاب●

(اور) ثانیاً (انکے سود لینے کی وجہ سے، جس سے وہ) توریت میں (منع کردیئے گئے تھے) (اور) ثالثاً (انکے کھانے کی وجہ سے لوگوں کا مال ناحق) رشوت لیکر، غصب کرکے، حالانکہ یہ ساری چیزیں ان پر حرام کردی گئی تھیں۔ ایسے سارے لوگ کان کھول کر سن لیں (اور) یادرکھیں، کہ (ہم نے تیار کر چھوڑا ہے ان میں سے کفر کرنے والوں کیلئے دکھ دینے والا عذاب)، جسکے دکھ درد کی شدت ناقابل برداشت ہوگی۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ

لیکن جوان میں ٹھوس ہیں علم میں، اور ایمان دار ہیں، وہ مانتے ہیں جو اتارا گیا

اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ

تم پر، اور جو نازل کیا گیا تمہارے پہلے اور نماز کو قائم رکھنے والے، اور زکوۃ دینے والے،

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۶۲﴾ ع

اور ماننے والے اللہ کو، اور پچھلے دن کو۔ وہ ہیں کہ بہت جلد دیں گے ہم ان کو بڑا اجر●

(لیکن جوان میں ٹھوس ہیں علم میں)، یعنی وہ لوگ جو علم شریعت سیکھتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ عمل میں لاتے ہیں، جیسے بنی اسرائیل میں عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب، (اور) مہاجرین و

انصار میں سے (ایمان دار ہیں)، جنکی خاص پہچان یہ ہے کہ (وہ مانتے ہیں جو اتارا گیا تم پر) یعنی قرآنِ کریم کو، (اور جو نازل کیا گیا تمہارے پہلے) یعنی سب کتب ربانی۔ ان سب پر ایمان کے ساتھ ساتھ دائمی طور پر (اور) کما حقہ (نماز کو قائم رکھنے والے) ہیں، (اور) باضابطہ (زکوٰۃ دینے والے) ہیں، (اور ماننے والے) ہیں (اللہ) تعالیٰ (کو اور پچھلے دن کو)، یعنی روزِ قیامت کو۔

ذہن نشین رہے کہ اس مقام پر مقصودِ کلام رسولوں اور ان پر نازل شدہ کتابوں پر ایمان ہے، کیونکہ اہل کتاب انھیں کے منکر تھے، اسلئے اسکا ذکر اہتمام کے ساتھ پہلے کیا گیا۔ رہ گیا اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان، تو اہل کتاب اسکے منکر نہ تھے، بلکہ بظاہر وہ اسکے قائل تھے، اسلئے اسکے ذکر کو موخر رکھا گیا۔

جن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، یہ تصدق اور تصدیق کرنے والے (وہ) لوگ (ہیں، کہ بہت جلد دینگے ہم ان کو بڑا اجر)، اسلئے کہ انھوں نے ایمان کی دولت کے ساتھ، نیک اعمال میں بھی جدوجہد کی۔

یادرہے کہ عمل صالح وہ ہے، جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو۔ ان سب کی سردار پانچ نمازیں ہیں جنھیں صحیح طریقے سے ادا کیا جائے۔

اے محبوب! یہودیوں کا آپ سے یہ کہنا، کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ پر بھی اسطرح یکبارگی کتاب نازل کی جائے، جس طرح حضرت موسیٰ پر کتاب نازل کی گئی تھی، ان کی کم عقلی کی دلیل ہے۔ اسلئے کہ۔۔۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَ

بے شک ہم نے وحی فرمائی تمہاری طرف جس طرح وحی فرمائی تھی نوح اور ان کے بعد کے انبیاء کی طرف، اور

أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ

وحی کی تھی ہم نے ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب وآل یعقوب وعیسیٰ

وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾

وایوب ویونس وہارون وسلیمان کی طرف، اور دیا ہم نے داؤد کو زبور●

(بیشک ہم نے وحی فرمائی تمہاری طرف جس طرح وحی فرمائی تھی نوح اور انکے بعد کے انبیاء کی طرف، اور وحی کی تھی ہم نے ابراہیم واسماعیل واسحٰق ویعقوب وآل یعقوب وعیسیٰ وایوب ویونس و

ہارون وسلیمان کی طرف)، اورتم نوح، ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، ایوب، ہارون، اور سلیمان کو نبی مانتے ہو، حالانکہ ان پر بھی آسمان سے کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی تھی۔ تو تمہارا آسمان سے کتاب نازل کئے جانے کا مطالبہ کٹ حجتی کے سوااور کچھ نہیں۔

نبوت کا ثبوت صرف اظہارِ معجزہ پر موقوف ہے۔ آپ سے پہلے نبیوں کی نبوت بھی معجزہ سے ثابت ہوئی اور آپ نے اپنی نبوت پر متعدد معجزات پیش کئے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے، جسکی نظیر پیش کرنا۔۔یا۔۔جس میں کمی بیشی اور تحریف ثابت کرنا، آج بھی پوری دنیا کیلئے چیلنج ہے اور قیامت تک رہیگا، جبکہ باقی انبیاء کرام کے معجزات میں سے کسی نبی کا معجزہ انکے جانے کے بعد باقی نہیں رہا۔ تو یہ کس قدر انصاف سے بعید ہے، جن نبیوں کے معجزات فانی تھے انکو نبی مانا جائے، اور جس عظیم الشان نبی کا معجزہ زندہ جاوید ہے، اسکی نبوت کا انکار کردیا جائے۔

انبیاء کے ذکر میں اس آیت میں سب سے پہلے حضرت نوح کا ذکر فرمایا، کیونکہ وہ سب سے پہلے نبی تھے جنھوں نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور انکے لئے دعائے ہلاکت فرمائی۔۔یا۔۔اسلئے کہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں، جنھوں نے احکام شرعیہ بیان کئے۔۔یا۔۔اسلئے کہ جس طرح نبی ﷺ کی دعوتِ اسلام تمام روئے زمین کے انسانوں کیلئے تھی، اسی طرح حضرت نوح کی دعوت بھی تمام روئے زمین کے انسانوں کیلئے تھی۔

حضرت نوح کے ذکر کے بعد دوسرے نبیوں کا بالعموم ذکر فرمایا، پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم کا نام لیا، یہ انکے شرف کی وجہ ہے، کیونکہ وہ تمام نبیوں کے سلسلہ آباء میں تیسرے اہم باپ ہیں۔ پہلے حضرت آدم، دوسرے حضرت نوح، اور تیسرے آپ، یعنی حضرت ابراہیم۔۔۔حضرت عیسیٰ کا ذکر یہود کا رد کرنے کیلئے فرمایا، کیونکہ یہودی انکی نبوت کے منکر تھے۔ اب رہ گیا قرآنِ کریم کو اسلئے نہ ماننا، کہ اسکا نزول قسط وار ہوا ہے، اس فضول گوئی کی بنیاد، صرف عناد اور کٹ حجتی ہے۔

(اور) یہ بات مہمل کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (دیا ہم نے داؤد کو زبور) جس میں فقط حق تعالیٰ کی حمد وثنا تھی، اوامر ونواہی نہیں تھے۔ حضرت داؤد کی شریعت وہی توریت کی شریعت تھی۔۔بایں ہمہ۔۔حضرت داؤد، صاحب کتاب نبی تھے اور انکی کتاب یعنی زبور بھی جو ایک سو پچاس سورتوں پر مشتمل ہے۔ قرآن کریم کی طرح قسط وار ہی نازل فرمائی گئی تھی، اسکو بھی یکبارگی نازل نہیں کیا گیا تھا، تو اس پر ایمان

لانا اور قرآن پر ایمان نہ لانا، ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کیا ہے؟۔۔۔

قرآن کریم کے قسط وار نازل ہونے کو یہود نے اپنی کم عقلی سے نقص گردانا، حالانکہ اس میں ہمارے نبی کی بڑی فضیلت ہے۔ کیونکہ کتاب نازل کرنے کا جو رابطہ حضرت موسیٰ کی زندگی میں صرف ایک بار ہوا، وہ رابطہ نبی کریم کے ساتھ تاحیات رہا۔ حضرت موسیٰ تورات لینے کوہِ طور پر گئے تھے۔ نبی کریم کو قرآن مجید کیلئے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا، بلکہ آپ جہاں تشریف فرما ہوتے تھے، قرآن مجید وہیں نازل ہو جاتا تھا۔ جہاں آپ ﷺ سے کوئی سوال کیا جاتا۔۔یا۔۔ یہود و نصاریٰ اعتراض کرتے، وہیں اسکے جواب میں آیت کا نزول ہو جاتا۔ یہ سہولت یکبارگی نزول میں کہاں؟

پھر اگر یکبارگی کتاب نازل ہوتی تو، تمام احکام یکبارگی فرض ہو جاتے، اور لوگوں پر ایک دم ان پر عمل کرنا اور پرانی عادتوں اور رسموں کو چھوڑنا مشکل ہوتا۔ بتدریج کتاب کے نزول سے لوگوں پر اسلام کا قبول کرنا آسان ہو گیا۔ قرآن مجید کو یکبارگی نازل نہ کرنے میں یہ فضیلت، باریکیاں، اور فوائد ہیں، جو یہود کی سمجھ میں نہیں آئے۔ اور جب ان کو سمجھایا گیا، تو انھوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے مانا نہیں۔ اس مقام پر یہ بات بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ اگرچہ **النَّبِیّٖنَ** کے لفظ سے اجمالاً تمام انبیاء کرام کا ذکر کر دیا گیا تھا، پھر بھی بعض برگزیدہ و مشاہیر انبیاء کرام کا انکی مخصوص شرافت، و بزرگی کی وجہ سے نام لیکر بھی ذکر کر دیا گیا۔ اور پھر فرمایا گیا کہ اے محبوب بھیجا ہم نے مذکورہ بالا پیغمبروں۔۔۔

وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ

اور چند رسولوں کو جنھیں ہم بتا چکے ہیں پہلے ہی، اور چند رسولوں کو

نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا ۚ﴿۱۶۴﴾

کہ ابھی نہیں بیان فرمایا تم سے، اور اپنا کلیم خاص بنایا اللہ نے موسیٰ کو ●

(اور) انکے سوا **(چند رسولوں کو جنھیں ہم)** آپکو **(بتا چکے ہیں پہلے ہی)**۔۔ مثلاً: حضرت یوسف، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیسع، اور حضرت عزیر علیہم السلام وغیرہ کے واقعات و حالات **(اور چند رسولوں کو، کہ ابھی نہیں بیان فرمایا تم سے)** یعنی آج سے پہلے۔۔یا۔۔ اس سورہ کے نزول سے پہلے بعض انبیاء کا قصہ آپ سے بیان نہیں فرمایا۔

یہاں بعض انبیاء کرام کے قصے اور حالات بیان نہ کرنے کی بات ہے۔رہ گیا ان انبیاء کرام کی تعداد سے باخبر کرنا۔۔یا۔۔نہ کرنا، اسکا کوئی ذکر نہیں، اسلئے یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی خبروں سے مطلع نہ فرمایا ہو، لیکن یہ اطلاع دی ہو کہ کل نبی اتنے ہیں۔لہٰذا یہاں یہ گمان کرنا کہ اس آیت میں نبی ﷺ کے عدم علم کی تصریح ہے، صحیح نہیں۔اسلئے کہ نبی کریم اس سے منزہ ہیں، کہ آپ کو انبیاء کی تعداد کا علم نہ ہو۔

۔۔چنانچہ۔۔جب آپ سے انبیاء کرام کی تعداد کے متعلق سوال کیا گیا، تو ایک روایت کے مطابق آپنے ارشاد فرمایا، ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں اور تین سو تیرہ مرسلین کرام۔ اور ایک دوسری روایت میں پیغمبروں کی تعداد دو لاکھ چوبیس ہزار ارشاد فرمائی، لیکن افضل یہی ہے اس آیت کریمہ کی رو سے کسی شمار پر عقیدہ نہ رکھا جائے۔اگرچہ حدیث شریف میں انکی گنتی بتائی گئی ہے، لیکن وہ 'خبر واحد' ہے، اور 'خبر واحد' صرف 'ظن' کا فائدہ دیتی ہے اور 'ظنیات' کو قطعی اعتقادیات میں دخل نہیں۔

مذکورہ بالا مرسلین (اور) مبعوثین ہی میں سے (اپنا کلیم خاص بنایا اللہ) تعالیٰ (نے موسیٰ کو)، جن سے کوہِ طور پر بے واسطہ کلام فرمایا اور حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے حقیقتاً ہم کلام ہوئے۔

ارشادِ الٰہی میں **کَلَّمَ** کی تاکید **تَکۡلِیۡمًا** یعنی مصدر سے فرما کر واضح فرمادیا کہ یہاں حقیقی کلام مراد ہے۔ہاں اگر وہ مصدر سے موکد نہ کیا جاتا اور انسان کو کسی اور طریق سے پہنچتا، تو اہل عرب اس کو مجازاً کلام تو کہتے، مگر حقیقی کلام نہ قرار دیتے، اسلئے کہ مجازات میں فعل کو موکد نہیں کیا جاتا۔

۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ کا بے واسطہ کلام فرمانا، مراتب وحی میں اعلیٰ درجہ کا مرتبہ ہے، اور یہ مرتبہ حضرت موسیٰ کو کوہِ طور پر حاصل ہوا۔اور ہمارے سرکار حضور آیہء رحمت ﷺ کو خلوت خانہ نور میں مقام **دَنَا فَتَدَلّٰی** پر حاصل ہوا۔حضرت موسیٰ پر جو وحی ہوئی، اسکا علم سارے بنی اسرائیلیوں کو ہوگیا، مگر جو آنحضرت ﷺ پر وحی فرمائی گئی، اسے **فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی** کے حجاب میں پوشیدہ کردیا گیا۔جس پر کسی عارف کامل نے بھی، بے تعلیم محمدی اطلاع نہیں پائی۔

۔۔۔یہ جن جن رسولوں کو ہم نے بھیجا، یہ سارے کے سارے۔۔۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ

رسول بشارت دینے والے اور ڈرانے والے، تاکہ لوگوں کو اللہ سے بولنے کی جگہ نہ رہ جائے ان رسولوں کے آنے کے بعد۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے ●

(رسول بشارت دینے والے) بہشت کی اہل ایمان کو (اور ڈرانے والے) جہنم سے کافروں اور منافقوں کو، (تاکہ لوگوں کو اللہ) تعالیٰ (سے بولنے کی جگہ نہ رہ جائے ان رسولوں کے آنے کے بعد)۔۔ چنانچہ۔۔وہ کہہ نہ سکیں کہ ہمارے پاس پیغمبر نہیں آئے، جو ایمان کی طرف بلاتے اور ہم کو شرک سے باز رکھتے۔۔ الحختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے انکے لئے کسی عذر کی گنجائش نہیں چھوڑی، (اور) نہ انھیں اس سلسلے میں کوئی معقول بات کرنے کا موقع دیا۔ اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے۔۔ چنانچہ۔۔ سرکشوں کے سوال کرنے پر جواب دینے سے اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور نہ ہی وہ کسی معاملے میں کسی سے مغلوب ہوسکتا ہے۔ اور وہ (حکمت والا ہے)، اسکے تمام افعال میں ہزاروں حکمتیں ہیں، من جملہ انکے، رسولوں کا مبعوث فرمانا اور کتابوں کا نازل فرمانا بھی ہے۔

اے محبوب! کفار نے آپ سے جو آسمان سے کتاب نازل ہونے کا مطالبہ کیا تھا، یہ انکے سرکش ذہن کی پیداوار تھی اور جان بوجھ کر ایک طرح کی بہانہ بازی تھی۔ اپنے اس مطالبے کے پردے میں وہ کہنا چاہتے تھے، کہ ہم اسکی گواہی بالکل نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہاں اس وقت آپ کو رسول مانیں گے اور آپکی رسالت کی شہادت دینگے، جبکہ ہمارے کہنے کے مطابق آسمان سے کتاب نازل ہو۔ تو اے محبوب! آپ پر نازل فرمودہ کتاب قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کی، یہ کفار شہادت نہیں دیتے۔۔۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ

لیکن اللہ گواہ ہے جو تم پر اتارا اس کو اپنے علم سے اتارا،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾

اور فرشتے گواہ ہیں۔ اور اللہ کافی گواہ ہے ●

(لیکن اللہ) تعالیٰ (گواہ ہے جو تم پر اتارا) یعنی قرآن مجید، جو آپکا معجزہ ہے اور آپکی نبوت پر دلالت کرتا ہے جبکہ لوگ آپ کی نبوت پر انکار اور آپکی تکذیب کرینگے، اسلئے کہ یہ قرآن فصاحت و بلاغت کی انتہا کو پہنچا ہوا ہے، کہ جسکی فصاحت و بلاغت پر اولین و آخرین حیران ہیں۔ اور اسکے معارضہ

کی تو بات ہی کیا، اور نہ ہی اسکے مثل لانے کی کسی کو جرأت ہوئی، نہ ہو سکتی ہے اور نہ ہو گی۔

اس قرآن نے آنحضرت ﷺ کے دعویٰ رسالت پر آپکی نبوت و رسالت کی تصدیق کی۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم کی شہادت کا معنی یہ ہے، کہ وہ قادر مطلق معجزات کے اظہار سے اپنے رسول پاک ﷺ کی نبوت کا اثبات فرماتا ہے، جیسے کہ اور دعاوی دلائل سے ثابت کئے جاتے ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ نے **(اسکو اپنے علم سے اتارا)**، یعنی اسے اپنے علم خاص سے وابستہ و ملتبس کر کے نازل فرمایا ہے، کہ اسے صرف وہی جانتا ہے اور ایسے ایسے عجیب وغریب طریق سے مرتب کر کے نازل فرمایا ہے، کہ جسکے مقابلے سے ہر فصیح و بلیغ عاجز ہے۔

۔۔یا۔۔اسکا مطلب یوں ہے، کہ جن پر یہ قرآنِ کریم نازل فرمایا ہے، انھیں وہ خود جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان میں انوارِ قدسیہ کے اقتباس کی کتنی استعداد ہے۔ضمناً فرشتوں کی شہادت کا بھی ذکر آ گیا، اسلئے کہ فرشتوں کی شہادت اللہ تعالیٰ کی شہادت کے تابع ہے، تو جب اللہ تعالیٰ کی شہادت کی تصریح ہے، تو انکی شہادت کا ذکر بھی ضمناً آ گیا۔

(اور) ظاہر ہو گیا کہ **(فرشتے)** بھی حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے **(گواہ ہیں اور)** حقیقت تو یہ ہے کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(کافی گواہ ہے)**، اور اسی رب کریم کی شہادت ہی کافی ہے، کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں۔آپکی نبوت کی اس صداقت پر ایسے واضح معجزات اور کھلے دلائل قائم فرمائے، کہ آپکی نبوت کیلئے کسی دوسرے کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے محبوب! اگر یہود آپ کی تکذیب کرتے ہیں، تو آپ انکی پرواہ نہ کیجئے، اسلئے کہ جب میں خود رب العالمین آپکی صداقت پر گواہی دیتا ہوں، اور عرش و کرسی اور ساتوں آسمانوں کے ملائکہ بھی آپ کی نبوت کے شاہد ہیں، تو پھر چند نکمّے لفنگے یہودی آپکی تکذیب کرتے ہیں، تو کیا ہوا؟ انکی شہادت کی آپکو ضرورت ہی کیا ہے؟

اے محبوب! آپ اعلان فرما دیں کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۶۷﴾

بے شک جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، تو وہ بہت دور بہک گئے۔●

(بیشک جنھوں نے کفر کیا) اور آپ پر نازل شدہ کتاب پر ایمان نہیں لائے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسکی گواہی دی ہے **(اور)** صرف یہی نہیں، بلکہ **(اللہ)** تعالیٰ **(کے راستے سے روکا)** ان اہل

اسلام کو، جو حضور علیہ السلام سے استفاضہ کرتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کو دین اسلام سے ہٹانے کی کوشش کرتے رہے اور بڑی ہی بے شرمی و بے باکی کا مظاہرہ کرتے رہے اور اپنے اس جھوٹ کی تشہیر کرتے رہے، کہ ہم تو اپنی کتابوں میں محمد ﷺ کے متعلق کچھ جانتے بھی نہیں، (تو وہ) راہِ حق سے روک کر اور کفر کر کے گمراہ ہوئے اور (بہت دور بہک گئے)، یعنی بہت سخت گمراہ ہو گئے، کیونکہ انھوں نے دوسروں کو گمراہ کیا، تو ہر گمراہ کن، گمراہی میں ایسا غرق ہوتا ہے، کہ اس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ جان لو کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

بے شک جنھوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ ان کو نہ بخشے گا،

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿۱۶۸﴾

اور نہ راہ دے گا●

(بیشک جنھوں نے کفر کیا) جنکا ذکر ابھی گزرا ہے، (اور) جنھوں نے حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر کے، آپکے اوصافِ کریمہ کو چھپا کر، انکے بجائے اور غلط باتیں گھڑ کر، نبی کریم پر (ظلم کیا)۔۔ یا۔ لوگوں کو راہِ حق سے باز رکھ کر ان پر ظلم کیا۔۔ یا۔۔ وہ لوگ جن میں دنیا و آخرت کی سعادت کے حصول کی صلاحیت تھی، لیکن انھوں نے ضائع کر دی اور اپنے اوپر زیادتی کی، تو ایسوں کیلئے ارادۂ خداوندی یہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (انکو نہ بخشے گا)۔ اسلئے کہ کافر کی بخشش محال ہے، (اور نہ) ہی (راہ دے گا)۔۔۔

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۱۶۹﴾

سوا راہ جہنم کے ہمیشہ ہمیش اس میں رہیں گے۔ اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے●

(سوا راہ جہنم کے) اسلئے کہ ان میں راہِ حق اور اعمالِ صالحہ کی استعداد بھی مفقود ہو چکی ہے۔ یعنی بہشت میں پہنچنے کے تمام راستے اب انکے لئے بند ہو چکے ہیں۔ صرف ایک جہنم ہی کا راستہ ہے، جو انکے لئے کھلا ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے لئے ایسے اعمالِ قبیحہ پیدا فرمائے ہیں، جو انھیں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انکے اعمال اس وقت پیدا فرمائے جب انھوں نے اپنی قدرت و طاقت اور اختیار کا رخ برائیوں کی طرف پھیر دیا۔۔ یا۔۔ اس سے قیامت کے دن کا معاملہ مراد ہے، کہ ملائکہ کرام انھیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جائینگے۔

۔۔۔اور پھر وہ (ہمیشہ ہمیش اس میں رہیں گے)۔

لفظ خلود کبھی عرصہ دراز تک ٹھہرنے کے معنی میں آتا ہے۔اسلئے خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا فرما کر اس احتمال کو اٹھادیا گیا ہے، تاکہ کوئی کافر یہ نہ سمجھ لے کہ اسے فقط چندروز جہنم میں ٹھہرایا جائیگا۔

(اور یہ) یعنی انکو دائمی طور پر جہنم میں ٹھہرانا (اللہ) تعالیٰ (کیلئے آسان ہے)، اسلئے کہ یہ محال ہے کہ وہ اپنے ارادوں کو پورا نہ کرسکے۔اور وہ بھی بآسانی پورا نہ کرسکے۔۔۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دلائل کثیرہ کے ساتھ یہود کے قول باطل کا رد کیا، اور رسول عربی کی نبوت کے صادق اور برحق ہونے کو ظاہر کیا، اور اب اس آیت میں نبی کی نبوت کو ماننے کی عام دعوت دی جارہی ہے۔خواہ یہود ہوں یا غیر یہود ہوں، سب کو رسولِ عربی کی نبوت کو ماننے کی دعوت دی ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا

اے لوگو! بے شک آگیا تم میں رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر، تو مان جاؤ یہی

خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

تمہارے لیے بہتر ہے۔اور اگر انکار کردو گے تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اے لوگو! بیشک آگیا تم میں رسول، تمہارے رب کی طرف سے) یعنی یہ اللہ تعالیٰ ہی کے بھیجے ہوئے ہیں، اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے، (حق لیکر) یعنی قرآنِ کریم لیکر، جسکے اعجاز نے حضور علیہ السلام کے حق ہونے کو ثابت کیا۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ماسوی اللہ سے اعراض کی دعوت لیکر، اسلئے کہ عقل سلیم بھی گواہی دیتی ہے کہ یہی بات حق ہے، (تو مان جاؤ) انکو اور جو احکام وہ ساتھ لائیں ہیں، ان پر ایمان لاؤ، کیونکہ (یہی تمہارے لئے بہتر ہے) دنیا و آخرت میں۔(اور اگر انکار کردو گے) اور کفر پر مداومت کرو گے اور اس پر اصرار کرتے رہو گے، تو سن لو کہ تم اپنے کفر سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے، جس طرح تمہارے ایمان سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں۔

۔۔الختصر۔۔حق تعالیٰ فائدہ حاصل کرنے۔۔یا۔۔نقصان سے بچنے کیلئے تمہارا محتاج نہیں، کیونکہ

وہی قادر مطلق اور مالک کل ہے، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے)، یعنی انکے اندر جتنے موجودات ہیں سب اسی کے ہیں، اور خود آسمان اور زمین بھی۔ اسلئے کہ جب انکے اندر والی اشیاء اسکی ملک ہیں، تو وہ خود بطریق اولیٰ اسکے ملک ہوئے۔ باقی رہیں وہ اشیاء جوان سے خارج ہیں، وہ بھی اسی کی ملک ہیں۔ اسلئے کہ اگر چہ وہ ان سے خارج ہیں، لیکن انکا استقرار توانھیں پر ہے، اسلئے صراحتاً ثابت ہوا کہ جمیع 'ذوی العقول' اور 'غیر ذوی العقول' سب اسی کی ملک ہیں۔

اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، کہ تمام اشیاء تخلیقاً، ملکاً اور تصرفاً اسی کی ملک ہیں۔ اسکی ملکیت اور تصرف سے کوئی شے باہر نہیں۔ جسکی یہ شان ہو، اسکے متعلق یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے، کہ وہ کافر کے کفر پر عذاب دینے پر قادر ہے۔ اور جسکا یہ مرتبہ ہے، اسے کسی کی ضرورت نہیں۔ اسکو نہ کسی کا کفر ضرر پہنچا سکتا ہے، اور نہ ہی کسی مومن کا ایمان نفع پہنچا سکتا ہے۔ اور جسکا یہ درجہ ہو، کہ ساری خدائی اسی کی ہے، تو پھر سب اسی کی عبادت کریں اور اسی کے حکم کے آگے سر جھکائیں۔

(اور اللہ) تعالیٰ بہت بڑے (علم والا) ہے، وہ سب کے حالات سے باخبر ہے۔ تمہارا کفر کرنا بھی اسکے علم میں ہے، اور وہ بہت بڑی (حکمت والا ہے)، اسکے اپنے جملہ امور میں سوسو حکمتیں ہیں۔ من جملہ انکے ایک یہ بھی ہے، کہ تمھیں تمہارے کفر پر عذاب دیتا ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا رد کیا تھا، جو حضرت عیسیٰ کی شان میں کمی کرتے تھے۔ حضرت مریم پر بڑا بہتان باندھتے تھے اور کہتے تھے، کہ انھوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نزاھت اور وجاہت بیان فرمائی ۔۔ الختصر ۔۔ ایک طرف یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کی شان میں 'تفریط' سے کام لیا تو دوسری طرف عیسائیوں نے آپ کو حد سے بڑھا کر 'افراط' کا راستہ اختیار کر لیا۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کا رد کیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ ۔۔۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ

اے اہل کتاب حد سے نہ گھٹو بڑھو اپنے دین میں، اور مت بولو اللہ پر مگر ٹھیک۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ

بات بس اتنی ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں، جن کو مریم کی طرف بھیجا

وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ

اور اسکی طرف سے روح ہیں، تو مان جاؤ اللہ کو اور اسکے رسولوں کو، اور مت کہا کرو تین۔ باز آ جاؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

اللہ ہی بس ایک معبود ہے۔ پاک ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہو۔۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں

وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی کارساز ہے●

(اے اہل کتاب! حد سے نہ گھٹو بڑھو اپنے دین میں) یعنی اے عیسائیوں، حضرت عیسیٰ کی شان بیان کرتے وقت، حد سے تجاوز نہ کرو اور انکے لئے 'الوہیت' کا دعویٰ مت کرو۔ **(اور مت بولو اللہ) تعالیٰ (پر، مگر ٹھیک)**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے وہ بات کہو جو حق ہو، یعنی اسکو ایسے صفات سے موصوف نہ کرو، کہ جن سے اسے موصوف کرنے سے محال لازم آتا ہو، جیسے حلول، اتحاد، بیوی، بیٹا، ثابت کرنا وغیرہ۔ بلکہ اسکی ان تمام امور سے تنزیہہ وتقدیس بیان کرو اور یاد رکھو کہ حضرت عیسیٰ کے تعلق سے سچی اور حق **(بات بس اتنی ہے، کہ) وہ (مسیح عیسیٰ)** یعنی مبارک **(ابن مریم)** ہیں، ابن اللہ نہیں ہیں۔ **بلکہ (اللہ) تعالیٰ (کے رسول)** ہیں، یعنی نہ خدا ہیں اور نہ اسکے بیٹے، اور یہی قول حق ہے **(اور اسکے کلمہ ہیں)**۔ یعنی وہ خوش خبری ہیں، جو حضرت مریم کو ہوئی تھی کہ تیرے لڑکا پیدا ہوگا بے کسی مرد کے ہاتھ لگائے ہوئے، اور نطفہ کے واسطے کے بغیر صرف امر 'کن' سے۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لفظ 'کن' کا تعلق انکی والدہ ماجدہ کے شکم شریف میں ہوا۔ انکے برعکس دوسری مخلوقات سے 'کن' کا تعلق وسائط سے ہوتا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ حضرت عیسیٰ، اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں **(جن کو)** حضرت جبرائیل کی پھونک کے ذریعہ **(مریم کی طرف بھیجا)**، یعنی آپ تک پہنچایا **(اور اسکی طرف سے روح ہیں)**، یعنی صاحب روح ہیں۔ وہ روح جو حق تعالیٰ کی تخلیق وتکوین سے، باپ کے واسطے کے بغیر صادر ہوئی اور جنکی پھونک سے بے روح، روح والے ہو جاتے تھے، **(تو)** لوگو، سمجھ سے کام لو اور **(مان جاؤ اللہ) تعالیٰ (کو)**، یعنی صرف اسی کو 'الٰہ' مانو **(اور اسکے رسولوں کو)** انھیں وصف رسالت کی حیثیت سے مانو۔ انھیں وصف رسالت سے نکالکر 'الوہیت' کے درجے میں نہ لے جاؤ۔ اور چونکہ حضرت عیسیٰ بھی تمام رسولوں میں سے ایک رسول ہیں، لہٰذا انھیں بھی صرف رسول ہی مانو، انھیں 'الٰہ' قرار نہ دو۔ **(اور مت کہا کرو)** کہ خدا **(تین)** ہیں۔

﴿۱﴾۔۔اللہ ﴿۲﴾۔۔عیسیٰ علیہ السلام ﴿۳﴾۔۔حضرت مریم

۔۔۔اور نہ ہی دوسرے نصاریٰ کے قول کے مطابق یہی کہو کہ اللہ تین چیزوں سے عبارت ہے۔

﴿ایک﴾۔۔اقنوم الاب: یعنی باپ کی ذات۔ ﴿دوسری﴾۔۔اقنوم الدین: یعنی علم۔

﴿تیسری﴾۔۔اقنوم الحیاۃ: یعنی روح القدس۔۔۔جنھیں وہ 'اقانیم ثلثہ' کہتے تھے۔

۔۔۔جان لو کہ دونوں خیالات باطل ہیں۔نہ خدا تین اور نہ ہی تین اقانیم ،یعنی تین اصول یا تین ذاتوں کا مجموعہ ہے۔تو تین معبود ماننے اور عقیدۂ تثلیث سے (باز آجاؤ)، کیونکہ عقیدۂ تثلیث سے باز آنا (یہی تمہارے لئے بہتر ہے)۔

۔۔الغرض۔۔ بھلائی کی طرف آؤ۔تین خدا ماننا چھوڑ کر، صرف ایک خدا کو مانو۔اسلئے کہ درحقیقت (اللہ) تعالیٰ (ہی بس ایک معبود) برحق (ہے)۔وہ واحد بالذات اور 'تعدد' سے منزہ ہے۔ کوئی صورت اسکے لئے 'تعدد' نہیں۔وہ 'الوہیت' اور 'الٰہیت' دونوں میں منفرد ہے، کوئی اسکا شریک نہیں۔(پاک ہے) اس سے (کہ اسکے کوئی اولاد ہو)، اسلئے کہ جسکی اولاد ہو، وہ فانی ہوتا ہے۔۔ثانیاً: اولاد صرف اسلئے ہوتی ہے کہ وہ نسل ختم نہ ہو۔جیسے کہ ملائکہ کی اولاد نہیں اور اہل بہشت کی اولاد نہیں۔ اور ذاتِ حق کو دائمی بقا ہے اور اولاد حادث اور فانی ہوتی ہے۔

غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد کیسے ہو، جبکہ وہ ازلی وابدی ہے اور ہر طرح کی مثال سے منزہ اور تمام اشیاء سے مقدس ہے۔اور (اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے) یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے، اسکی ملکیت سے کوئی شے بھی خارج نہیں ہوسکتی۔انھیں اشیاء میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں، اور جب انکی یہ شان ہے کہ وہ خدا ہی کی مخلوق اور اسکے مملوک ہیں، تو پھر وہ خدا کے بیٹے کیسے ہوسکتے ہیں؟ کتنی جہالت کی بات ہے کہ ایک طرف حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اسکا مملوک بھی قرار دو اور بیٹا بھی کہو۔

غور کرو کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ خالق ومخلوق میں کسی قسم کی جنسیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ حقیقی مالک اور اسکے مملوک بھی جنسیت سے پاک ہیں۔پھر بھی اپنی جہالت سے نصاریٰ، اللہ تعالیٰ کیلئے ولد اور زوجہ ثابت کرتے ہیں (اور) یہ بھی نہیں سوچتے کہ (اللہ) تعالیٰ (کافی کارساز ہے) اور تمام مخلوق اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کرتی ہے۔اور وہ تمام عالم سے مستغنی ہے، پھر اسکے لئے اولاد کا تصور کس طرح ہوسکتا ہے، جبکہ اولاد کا ہونا عجز اور محتاجی پر دلالت کرتا ہے، اسلئے کہ اولاد کیلئے یہی

تصور ہوتا ہے کہ اپنے آباء کے قائم مقام ہوکر انکے جملہ امور کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینگے۔۔یا۔۔ کم ازکم، انکی معاونت کرینگے۔۔الغرض۔۔بیٹا باپ کی مہمات کو کفایت کرنے کے واسطے چاہئے اور حق تعالیٰ تو خود بندوں کو مہمات کی کفایت کرنے کیلئے کافی ہے، جو بندوں کی حفاظت فرمانے والا ہے اور انکا کام بنانے والا ہے، تو اسے اولاد کی کیا ضرورت؟

۔۔الختصر۔۔حق تعالیٰ صاحب اولاد ہونے سے مستغنی ہے، اور یونہی وہ مستغنی ہے، یار اور مددگار سے۔اے محبوب! نجران کے نصاریٰ کا آپ پر یہ الزام، کہ آپ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بندہ کہہ کر ان پر عیب لگاتے ہو اور انکی شان گھٹاتے ہو، اسلئے کہ بندگی عیب ہے۔ یہ انکی سراسر جہالت ہے، اسلئے کہ خدا کی بندگی عیب اور باعث عار نہیں۔ کسی عقل سلیم والے نے اسے عیب نہیں شمار کیا۔۔چنانچہ۔۔آپ نے انکو جو جواب عطا کیا، کہ خدا کی بندگی عیب نہیں، بلکہ باعث فخر ہے، بالکل حق ہے۔۔۔عام سمجھ والوں کو تو ایک طرف رکھئے۔۔۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ

ہرگز برا نہ مانیں گے مسیح اس کو کہ بندہ ہیں اللہ کے اور نہ برگزیدہ فرشتے۔

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

اور جو برا مانیں اس کے بندہ ہونے سے اور غرور کریں، تو بہت جلد وہ ہانک کر لائے گا اُن سب کو اپنی طرف●

(ہرگز برا نہ مانیں گے) اور اپنی کسر شان نہ سمجھیں گے، خود حضرت (مسیح) اپنے تعلق سے (اس) اعتراف کرنے (کو، کہ) وہ (بندہ ہیں اللہ) تعالیٰ (کے، اور نہ) ہی حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور انکے ہم مرتبہ عرش کے قریب رہنے والے (برگزیدہ فرشتے) بھی اسے عار سمجھتے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، حالانکہ وہ عظیم علم اور قدرت کے حامل ہوتے ہیں۔انکو انبیاء کرام سے مفضول صرف اسلئے کہا جاتا ہے، کہ انکا اجر وثواب انبیاء کرام کے اجر وثواب سے کم ہوتا ہے۔اور فضیلت کا معیار اجر وثواب کی زیادتی ہی ہے۔تو جو زیادہ اجر وثواب والا ہوگا، وہی زیادہ فضیلت والا سمجھا جائیگا۔

اس مقام پر فرشتوں کے ذکر سے یہ بھی واضح کرنا مقصود ہے، کہ فرشتے جو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے، تو جب وہ اللہ کی عبادت میں عار نہیں سمجھتے، تو مسیح علیہ السلام جو

صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے، وہ عبادت کرنے کو کیسے باعث عار قرار دینگے؟ لہٰذا ملائکہ پرست لوگوں کا ان فرشتوں کو خدا کا فرزند قرار دینا، اسی طرح باطل ہے جس طرح نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنا باطل ہے۔

خدا کی بندگی کو اپنے لئے کسرِ شان سمجھنے والے سن لیں (اور) یاد رکھیں! کہ (جو برا مانیں، اسکے بندہ ہونے سے) اور اس میں اپنی کسرِ شان سمجھیں (اور غرور کریں) اور سرکشی کا مظاہرہ کریں، (تو بہت جلد وہ ہانک کر لائیگا ان سب) ننگ و عار رکھنے والے مغروروں (کو اپنی طرف)، تاکہ جزا اور مکافات انھیں پہنچائے۔ چونکہ یہی مغرورین اور استنکاف والے، یعنی سرے ہی سے عبادت الٰہی کے استحقاق کا انکار کرنے والے، اور استکبار والے، یعنی استحقاق مان کر انکار کرنے والے، یہی سب وہ لوگ ہیں جو عذاب آخرت اور غضب خداوندی کی شدید گرفت میں ہونگے۔

اسلئے حشر میں انکو جمع کرنے کا خصوصی طور پر ذکر کر دیا گیا۔ ویسے حشر کے میدان میں سبھی کو اکٹھا ہونا ہے خواہ وہ 'مستنکف' ہو یا 'مستکبر'۔۔ 'مقر' ہو یا 'مطیع'، پھر سب کو سزا ۔۔یا۔۔ جزا دی جائیگی۔۔۔

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَیَزِیۡدُہُمۡ

تو جو ایمان لا چکے اور نیک کام کر لیے، تو پورا پورا دے گا انھیں ان کا اجر، اور زیادہ بھی دے گا

مِّنۡ فَضۡلِہٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡکَفُوۡا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ

اپنے فضل سے۔ اور لیکن جنہوں نے برا مانا اور غرور کیا، تو ان کو عذاب دے گا دکھ دینے والا عذاب۔

وَّلَا یَجِدُوۡنَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۱۷۳﴾

اور نہ پائیں گے اپنے کام کا جنھیں بنا رکھا ہے اللہ کو چھوڑ کر یا ور و مددگار●

(تو جو ایمان لا چکے اور نیک کام کر لئے، تو) رب کریم (پورا پورا دیگا انھیں انکا اجر)، جس اجر کو عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یعنی انکے اعمال کی انھیں پوری پوری جزا ملے گی، اس میں کسی قسم کی کمی نہ کی جائیگی۔ بلکہ (اور زیادہ بھی دیگا اپنے فضل سے)، جسکی کوئی حد متعین نہیں۔ (اور لیکن جنھوں نے برا مانا) اور اللہ کی عبادت کو ننگ و عار سمجھا، (اور غرور کیا)، سرکشی پر اتر آئے، (تو) انکے استنکاف اور استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ (انکو عذاب دیگا دکھ دینے والا) دردناک (عذاب)، جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ (اور) یہ لوگ (نہ پائینگے اپنے کام کا جنھیں بنا رکھا ہے اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اپنا

(یاورومددگار) جوانکے معاملات کوسلجھائے اور نہ ہی کوئی حمایتی جوانھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اورخوف سے بچا کرانکی مدد کر سکے۔

اس سے پہلی آیات میں آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کے 'منزّل من اللہ' ہونے کے متعلق، کفار، منافقین اور یہود و نصاریٰ کے تمام شبہات کا ازالہ کیا، اوراب اس آیت میں اس وقت کے تمام فرقوں کوعمومی طور پرآپ کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا۔۔

چنانچہ۔۔ارشادفرمایا۔۔۔

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے انسان! بیشک آگئی تمہارے پاس دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے،

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾

اوراتاردیا ہم نے تمہاری طرف روشن نور●

(اے انسان! بیشک آگئی تمہارے پاس) توحید الٰہی اوررسالت محمدی کی حقانیت منوانے کیلئے ذاتِ محمدی کی صورت میں قوی (دلیل)، اوروہ بھی (تمہارے پروردگار کی طرف سے)۔

اللہ تعالیٰ نے آپکے وجود مسعوداورآپکی ذاتِ گرامی کو بجائے خودآپکی نبوت اورآپکی رسالت پردلیل قراردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے نبیوں اوررسولوں نے اپنی نبوت اور رسالت پرخارجی معجزات پیش کیے اورحضورآیہء رحمت ﷺ نے اپنی نبوت اوررسالت پر اپنی زندگی پیش کی۔۔چنانچہ۔۔فرمایا کہ:

"میں تم میں اس 'نزول قرآن' سے پہلے اپنی عمر کا ایک حصہ گزارچکا ہوں، تو کیا تم نہیں سمجھتے"۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی مرتضیٰ، اور حضرت زید بن حارثہ، یہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اور یہ سب بغیر کسی معجزہ کے ایمان لائے تھے، انکے لئے یہی دلیل کافی تھی، کہ انھوں نے آپکی زندگی کو دیکھا تھا، اور آپکی زندگی ہی آپکے دعویٰ نبوت کی صداقت پربہت قوی دلیل تھی۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ذاتِ محمدی کے علاوہ، اسی ذاتِ ستودہ صفات کے توسط سے قرآن مجید کی شکل میں (اتاردیا ہم نے تمہاری طرف روشن نور) جوخودبھی ظاہر ہےاوردوسری چیزوں کوبھی ظاہر کرنے والا ہے۔

قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کی وجہ سے خود ظاہر ہے، اور احکام شرعیہ، ماضی اور مستقبل کی خبروں، عقائد صحیحہ اور اسرار کونیہ کو بیان کرنے والا اور ظاہر کرنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا والوں پر سیدنا محمد ﷺ کا رسول ہونا اور قرآن مجید کا کتابِ الٰہی ہونا ثابت کردیا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو آپ کی شریعت پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔۔ چنانچہ۔۔ فرمایا۔۔۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ

تو جنہوں نے مان لیا اللہ کو اور تھام لیا اس کو، تو بہت جلد داخل فرمائے گا انھیں اپنی رحمت

وَ فَضْلٍ وَّ یَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۱۷۵﴾

وفضل میں، اور ہدایت فرمائے گا سیدھی راہ کی●

(تو جنھوں نے مان لیا اللہ) تعالیٰ (کو) اسکے موافق جس طرح انکے پاس آئے ہوئے برہان کا تقاضہ ہے، (اور) مضبوطی سے (تھام لیا اس) کتاب (کو)، یا نفس امارہ کی اتباع اور شیطان کے حملوں سے بچنے کیلئے، اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرلی، (تو بہت جلد داخل فرمائیگا) اللہ تعالیٰ (انھیں اپنی رحمت) میں، یعنی انکے ایمان و عمل صالحہ کے مطابق ثواب عنایت فرمائیگا، جیسا کہ اسکے حقوقِ واجبہ کا تقاضہ ہے اور اپنے کرم (وفضل میں)۔

یعنی اجر و ثواب کے علاوہ ایک ایسا مزید احسان ہوگا، کہ جسے نہ کسی نے دیکھا ہوگا اور نہ ہی کسی بشر کے تصور میں آسکتا ہے۔

(اور ہدایت فرمائیگا) اسلام کی (سیدھی راہ کی)، یعنی دنیا میں طاعت اور آخرت میں راہِ جنت کی۔

اس سورۃ کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے اموال اور میراث کے احکام بیان کئے تھے اور اسکے آخر میں بھی میراث کے احکام بیان کئے ہیں، تاکہ سورۃ کے اول و آخر میں مناسبت ہو اور اس سورۃ کے وسط میں یہود و نصاریٰ اور منافقین کا رد فرمایا ہے اور انکے شبہات کو زائل فرمایا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا، حضرت سید عالم ﷺ میری عیادت کے واسطے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ، میرے پاس مال ہے اور میں 'کلالہ' ہوں، یعنی نہ میرے والدین ہیں، اور نہ ہی کوئی اولاد۔ ہاں، بہنیں ہیں، تو میں اپنا مال بہنوں کو کس طرح تقسیم کروں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَيۡسَ لَهٗ

تم سے دریافت کرتے ہیں، کہدو کہ اللہ بتائے دیتا ہے یتیم وبیسر لاولد کے بارے میں، کہ اگر کوئی مر گیا

وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهَا وَلَدٌ ؕ

لاولداوراس کی ایک بہن ہے، تو بہن کا نصف حصہ ترکہ میں ہے۔ اور وہ وارث ہوگا بہن کا اگر بہن بھی لاولد ہو۔

فَاِنۡ كَانَتَا اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنۡ كَانُوۡۤا اِخۡوَةً رِّجَالًا

پھر اگر بہن دو ہوں، تو دونوں کا حق دوتہائی ہے ترکہ سے۔ اور اگر کئی بھائی بہن مرد

وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ؕ

وعورت سب ہوں، تو مرد کیلئے دو عورت کے حصے کے برابر ہے۔ صاف صاف بتادے دیتا ہے اللہ تمہیں کہ کہیں گمراہ ہو جاؤ۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۷۶﴾

اور اللہ ہر علم کا جاننے والا ہے●

(تم سے دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (بتائے دیتا ہے یتیم وبیسر لاولد کے بارے میں کہ اگر کوئی مر گیا لاولد) یعنی نہ ہوا سکے واسطے کوئی فرزند یعنی بیٹا، اس واسطے کہ اگر بیٹی ہوگی، تو بہن کو درجہءوراثت سے ساقط نہیں کرتی، (اور اسکی ایک بہن ہے، تو بہن کا نصف حصہ ترکے میں ہے، اور وہ وارث ہوگا بہن کا، اگر بہن بھی لاولد ہو۔ پھر اگر بہن دو ہوں، تو دونوں کا حق دوتہائی ہے ترکے سے۔ اور اگر کئی بھائی بہن مرد وعورت سب ہوں، تو مرد کیلئے دو عورت کے حصے کے برابر ہے) کس قدر فضل وکرم کی بات ہے کہ (صاف صاف بتادے دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہیں کہ کہیں) لاعلمی کی وجہ سے (گمراہ) نہ (ہو جاؤ)۔۔یا یہ کہ۔۔اللہ تعالیٰ بیان فرما دیتا ہے جو بات راست اور درست ہے تاکہ اس امر کو مکروہ جان کر کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ، (اور) جان رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہر علم کا جاننے والا ہے)۔ زندگی اور موت میں بندوں کی جو مصلحتیں ہیں، ان سب سے وہ باخبر ہے۔

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ سے واضح ہو گیا کہ جو شخص 'کلالہ' ہونے کی حالت میں فوت ہوا، اسکے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت سے چار احوال ہیں:

﴿۱﴾۔۔ایک شخص فوت ہوا اور اسکی صرف ایک بہن ہو، تو اسکو اسکے ترکہ میں سے نصف ملے گا۔ پھر اگر اسکے 'عصبات' ہیں، تو باقی ترکہ انکو ملے گا، ورنہ وہ باقی نصف بھی اسی بہن کو مل جائیگا۔

ع ۲۴

﴿۲﴾۔۔ایک عورت فوت ہوجائے اور اسکا صرف ایک بھائی وارث ہو، تو اس عورت کا تمام مال اس بھائی کو مل جائیگا۔اسی طرح اگر ایک شخص فوت ہوجائے اور اسکا صرف ایک بھائی وارث ہو، تو وہ بھی اسکے تمام ترکہ کا وارث ہوگا۔

﴿۳﴾۔۔کوئی مرد۔۔یا۔۔عورت فوت ہوا اور اسکے صرف دو۔۔یا۔۔دو سے زیادہ حقیقی یا علاتی بہنیں ہوں، تو ان بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

﴿۴﴾۔۔کوئی مرد یا عورت فوت ہوا اور اسکے وارث صرف بھائی بہن ہوں، تو ان بہن بھائیوں میں اسکا ترکہ تقسیم کر دیا جائیگا۔۔بایں طور۔۔کہ مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ دیا جائیگا۔

آخر میں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترکہ کی تقسیم کیلئے نہ کسی ملک مقرب کو پسند فرمایا اور نہ ہی کسی نبی مرسل کو، یہاں تک کہ اسے اپنے لئے مخصوص فرمایا، اور ہر صاحب حق کا حق خود بتایا۔یاد رکھو کہ وارث کیلئے وصیت نہیں ہوتی۔اس میں حکمت یہ ہے کہ دنیا تمام لوگوں کیلئے جاذب نظر ہے اور مال انسان کی محبوب ترین شے ہے، اور لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت گھر کیئے ہوئے ہے، لہٰذا لوگ اسکے لئے فطرتاً بخل کرتے ہیں۔

اگر اسکے متعلق اللہ تعالیٰ خود واضح طور پر نہ بتاتا، بلکہ اسکو اپنے محبوب کی طرف منسوب فرماتا، تو شیطان لوگوں کے دلوں میں حضور نبی کریم کے متعلق غلط خیال اور گندے وسوسے ڈالتا، جس سے وہ حضور ﷺ کی گستاخی و بےادبی سے کافر ہوجاتے۔اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں کہ نبی کریم کی گستاخی کا ارتکاب کر کے ایمان والے کافر ہوجائیں۔

۔۔المختصر۔۔شیطان کا کام یہی ہے کہ انسان کے دل میں مال کے لطائف ونفائس کے وسوسے ڈالتا ہے۔پھر ترکہ کی تقسیم اگر حضور علیہ السلام کے سپرد ہوتی، تو شیطان کو رہتی دنیا تک امت کو حضور علیہ السلام پر بدگمان کرنے کا موقع مل جاتا، پھر آسانی سے اسکا ازالہ نہ ہوتا۔اس طرح امت زندگی میں، اور پھر بعد وفات اپنے نبی علیہ السلام کے قرب سے محروم ہوجاتی۔

اسلئے اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ اپنے لئے مخصوص رکھا اور میراث کے ہر ہر مسئلہ میں مقدار کو اپنے فضل وکرم سے متعین فرمایا، تاکہ رشتہ داروں میں جھگڑے برپا نہ ہوں۔۔بالخصوص۔۔عورتوں کے متعلق کہ وہ ضعیف وکمزور ہیں، انھیں کسب مال میں عجز ہے۔ساتھ یہ بھی بتادیا گیا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے، کہ وہ ان سے عقل اور دین میں کم ہوتی ہیں۔اور پھر

اہل ایمان کو واضح طور پر مسائل بتادیئے گئے، تاکہ وہ اپنے نبی پاک ﷺ پر بدگمانی کر کے گمراہ نہ ہوجائیں۔

بعونہ تعالیٰ آج ۸ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔۴ فروری ۲۰۰۹ء بروز چارشنبہ سورہ نساء کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔
اور جو تفسیر ہوچکی، اس میں اگر بھول چوک اور لغزش ہوگئی ہو، تو اسے معاف فرمائے۔
اور آگے کے کام میں لغزشوں سے بچائے۔ آمین یا مجیب السائلین بحرمت سید المرسلین ﷺ۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ ۹ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔ ۵ فروری ۲۰۰۹ء
بروز پنج شنبہ، سورہ المائدہ کی تفسیر شروع کردی ہے،
رب کریم اسکی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ امین۔

یہ وہ مبارک سورۃ ہے جس میں دو مقام پر 'المائدۃ' یعنی خوان نعمت طعام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک آیت ۱۱۲ میں، اور دوسرا آیت ۱۱۴ میں۔ قراء کوفیین کے نزدیک اس میں ایک سو بیس ۱۲۰ آیتیں ہیں۔ ہمارے پاس قرآنِ مجید کے جو نسخے ہیں، اس میں بھی یہی ہے۔ حجازیین کے نزدیک ایک سو بائیس ۱۲۲ اور بصریین کے نزدیک ایک سو تیئیس ۱۲۳ آیتیں ہیں۔ یہ اختلاف ہر ایک کے اپنے اپنے شمار کی وجہ سے ہے، ورنہ سب کے نزدیک سورۃ المائدۃ کی وہی آیتیں ہیں جو اس میں درج ہیں۔

اب رہ گئی یہ بات کہ کتنی آیتیں درج ہیں، تو بعض کے نزدیک یہ ایک سو بیس ۱۲۰ ہیں اور بعض کے نزدیک ایک سو بائیس ۱۲۲ ہیں، اور بعض کے نزدیک ایک سو تیئیس ۱۲۳ ہیں۔ اور اس میں اتفاق ہے کہ سولہ ۱۶ رکوع ہیں۔ سورہ المائدۃ مدنی ہے۔ ہجرت کے بعد نازل ہوئی، اگرچہ اسکی بعض آیتیں حدیبیہ سے لوٹتے وقت مکہ میں نازل ہوئیں۔۔۔المختصر۔۔ حدیبیہ کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات تک، یعنی ۷ ہجری سے لیکر ۱۰ ہجری تک سورۃ المائدۃ کے نزول کا زمانہ ہے۔

اس سے پہلے مصحف میں مذکورہ سورۂ نساء کی طرح اس میں بھی اہل کتاب یہود و نصاریٰ، منافقین اور مشرکین کے اعتراضوں کے جوابات بیان کئے گئے ہیں اور انکے باطل عقائد اور نظریات کا رد کیا گیا ہے اور رسولِ عربی کی نبوت و رسالت کو ثابت کیا گیا ہے ۔۔یونہی۔۔ان دونوں سورتوں میں عقود اور عہود کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔سورۂ نساء میں تحریم خمر، یعنی انگوری شراب کی حرمت کی تمہید بیان کی تھی اور سورۂ المائدۃ میں قطعی طور پر خمر کو حرام قرار دیا ہے۔

جس طرح سورۂ البقرہ اور سورۂ آل عمران، دونوں سورتوں میں توحید اور رسالت پر زیادہ زور دیا گیا ہے، اسی طرح سورۂ نساء اور سورۂ المائدۃ میں، مسائل فرعیہ اور احکامِ شرعیہ پر زور دیا گیا ہے۔وضو اور تیمّم کے احکام ان دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔سورۂ نساء میں پاک دامن مسلمان عورتوں سے نکاح کے احکام بیان فرمائے ہیں اور سورۂ المائدۃ میں پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے احکام بیان کئے ہیں۔اور عدل وانصاف کرنے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم ان دونوں سورتوں میں ہے۔سورۂ المائدۃ کھانے پینے، شکار، احرام، چوروں اور ڈاکوؤں کی حد اور کفارہ، قسم کے احکام میں منفرد ہے۔جیسے سورۂ نساء خواتین کے حقوق، وراثت اور قصاص کے احکام میں منفرد ہے۔

سُورَةُ الْمَآئِدَةِ ۵ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — اٰيَاتُهَا ۱۲۰ رُكُوعَاتُهَا ۱۶

سورۂ مائدہ مدنیہ — نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا — آیات ۱۲۰ رکوع ۱۶

ایسی عظیم المرتبت سورۂ شریفہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے)، جو بہت (بڑا مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کو (بخشنے والا) ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَـكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ

اے وہ جو ایمان لاچکے! اپنے عہد پورے کرو۔حلال کردئے گئے تمہارے لیے چوپائے، مگر جو تم کو آئندہ

اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ غَيۡرَ مُحِلِّى الصَّيۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ‌ؕ

بتایا جائے گا حلال نہ جانتے ہوئے خشکی کے شکار کو، جب کہ تم احرام میں ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ مَا يُرِيۡدُ ۝۱

بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے! اپنے عہد پورے کرو) ظاہر ہے کہ ایمان لا کر اور اسلام کو قبول کر کے تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کرلیا ہے، کہ تم اسکی طرف سے نازل فرمودہ جملہ احکامِ شرعیہ اور تکالیف دینیہ پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتے رہو گے، تو تم نے ایمان باللہ کے توسط سے خدا سے جو عہد کرلیا ہے، اسپر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور اس عہد کو پورا کرتے رہو، اور کسی حال میں بھی عہد شکنی نہ ہونے پائے۔۔ یونہی۔۔اگر تم میں سے کسی نے دوسرے بندوں سے آپس میں کوئی معاہدہ کیا ہو، تو اسکو بھی وفا کرو اور بے وفائی اور بدعہدی سے اپنے کو بچاؤ۔ وہ معاہدہ معاملات سے متعلق ہو۔۔یا۔۔امانات سے۔

۔۔الختصر۔۔عقود شرعیہ جیسے عقد شرکت، عقد نکاح اور عقد بیع وغیرہ ہوں۔۔یا۔۔آپس کے باہمی معاہدے جو تم پر پورے کرنے ضروری ہوں۔۔یا۔۔کم از کم مستحسن ہوں، انھیں پورا کرو۔ اے ایمان والو! جب تم تکالیف شرعیہ واحکامِ اسلامیہ جو تم پر واجب ہیں، انکی ادائیگی کا حکم سن چکے اور انکی تفصیل سے پورے طور پر آگاہ کئے جا چکے، تو اب مطعومات کی حلت وحرمت کے احکام کو بھی سن لو اور یاد رکھو کہ (حلال کردیئے گئے تمہارے لئے چوپائے) یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، ان چاروں کے نر و مادہ۔

اس اعتبار سے حلال چوپاؤں کی آٹھ قسمیں ہوئیں، جن کو 'ازواج ثمانیہ' بھی کہا جاتا ہے۔ ہرنی اور وحشی گائے وغیرہ 'انعام' کے لفظ سے ملحق ہیں۔

(مگر جو تم کو آئندہ بتایا جائیگا) آیت کریمہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ۔۔الایہ میں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے المائدہ کی تیسری آیت میں جن چوپایوں کا استثناء فرمایا ہے، انکے علاوہ باقی تمام جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کو کھانا اور ان سے بار برداری وغیرہ کے دیگر منافع حاصل کرنا جائز ہے۔

۔۔الختصر۔۔سب چارپائے تم پر حلال ہیں، لیکن (حلال نہ جانتے ہوئے خشکی کے شکار کو جبکہ تم احرام میں ہو)۔

یعنی تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا اور نہ ہی اسے حلال سمجھ کر کھانا۔۔الغرض۔۔ حالت احرام میں جنگل کے شکار کو حرام جانو، عملاً بھی اور اعتقاداً بھی بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ کی حلت بیان کرکے پھر اسے حالت احرام میں حرام قرار دینا، اس حکمت کی وضاحت کیلئے ہے کہ یہ اشیاء ہم نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔۔کیونکہ۔۔تمہیں انکی ضرورت بھی ہے اسلئے کہ بحالت احرام شکار کی حرمت دلالت ہے، کہ انھیں شکار کیلئے روکا گیا، تو باقی اشیاء کی ممانعت خود بخود واضح ہوگئی۔

گویا اب یہاں فرمایا گیا کہ تمہارے لئے مطلقاً تمام چوپائے حلال ہیں، لیکن بعض اوقات تمہیں اپنی حلال کردہ اشیاء سے بھی روکا جارہا ہے، جبکہ تم اس وقت سخت ضرورت رکھتے ہو کہ وہ تمام اشیاء حلال ہوں۔

یہ اسلئے کہ (**بیشک اللہ**) تعالیٰ (جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے)۔یعنی جس طرح اسکی حکمت کا تقاضہ ہوتا ہے، ویسے ہی حلت وحرمت کا حکم دیتا ہے اور ان دونوں سے ایفاء عہد کا تقاضہ ہے، کہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھیں اور اسی پر عمل کریں اور عقیدہ بھی اسی طرح رکھیں۔

یہاں یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ جب اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا حقیقی مالک ہے، تو اسے اختیار ہے کہ وہ جیسے چاہے اپنے ملک میں تصرف کرے۔۔چنانچہ۔۔وہ جو چاہتا ہے، حکم دیتا ہے۔ تو اسی کے حکم سے اور اسی کی اجازت سے جانوروں کو ذبح کرنا ان پر ظلم نہیں، اسلئے کہ دوسروں کی ملکیت میں تصرف کرنا ظلم ہے، نہ کہ خود اپنے ملک میں تصرف کرنا۔ تو جو لوگ اسکو ظلم سمجھ رہے ہیں، اسے انکی کوتاہ فکری قرار دیا جائیگا۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ

اے وہ جو ایمان لا چکے! نہ بے حرمتی کرو شعائر اللہ کی، اور نہ محترم مہینوں کی،

وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا

اور نہ قربانی کی اور نہ قلادہ والے قربانی کے جانوروں کی، اور نہ عازمین بیت اللہ کی، جو چاہتے ہیں

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اپنے پروردگار کا فضل وخوشی۔ اور جب احرام کھول دیا تو شکار کھیلنا ہو تو کھیلو۔ اور نہ ابھارے تم کو

شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ

کسی قوم کی عداوت کہ روک دیا تھا تم کو مسجد حرام سے اس پر، کہ تم زیادتی کرو۔۔۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠

باہم مدد کرتے رہو نیکی اور تقویٰ پر۔ اور نہ مدد کرو گناہ اور زیادتی پر۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

اور اللہ کو ڈرو بے شک اللہ عذاب کرنے میں سخت ہے ●

(اے وہ جو ایمان لا چکے!) اپنے نفسانی جذبات کا دباؤ قبول کر کے کوئی فیصلہ نہ کر بیٹھو اور ہر

وقف لازم

منزل ۲

حال میں حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم رکھو اور (نہ بے حرمتی کرو شعائر اللہ کی)، یعنی اے مسلمانو! شعائر اللہ کی ہتک نہ کرو اور نہ ان لوگوں کے اعمال میں رخنہ ڈالو، جو بیت اللہ شریف کا حج کرتے ہیں اور مواقف حج کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اب اگر مشرکین بھی ان پر حج وقربانی کی پابندی لگنے سے پہلے حج کیلئے حاضر ہوں، اور اپنے رسم ورواج کے مطابق قربانیوں کو قلادے ڈال لیں، تو تم ان پر حملہ بول کر انکی قربانیاں مت چھین لو، اسلئے کہ گو انکی قربانی اسلامی قربانی نہیں، لیکن اسکی نقل ہے، اور اس سے وہ لوگ بھی اپنا مقصد وہی ظاہر کرتے ہیں جو مسلمانوں کی قربانیوں کا مطلوب ہے۔

تو اے ایمان والو! ان کی قربانیوں کو چھین لینا اور انکے حج میں رخنہ ڈالنا، تمہاری شان کے لائق نہیں۔ (اور)۔۔یونہی۔۔(نہ) بے حرمتی کرو (محترم مہینوں کی) یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب، ان چار مہینوں میں قتل وغارت گاری نہ کرو، (اور نہ قربانی کی) یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مکہ معظّمہ میں بھیجی جائے۔ انکو انکے محل وقوع تک پہنچنے سے منع نہ کرو، (اور نہ قلادہ والے قربانی کے جانوروں کی) قربانیوں کے پیچھے پڑو۔

یہ خاص قربانی ہوتی ہے اور 'الھدیٰ' سے اشرف واعلیٰ سمجھی جاتی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کے خصوصاً 'ذوات القلائد' سے بچ کر رہو۔ قلادۃ سے مراد ہر وہ شے، جو اونٹ وغیرہ کے گلے میں ڈالی جائے۔۔ مثلاً: جوتے کے ٹکڑے، کھجور کے درخت کی چھال، تاکہ معلوم ہو کہ یہ حج کی قربانی ہے، تاکہ کوئی اس جانور سے تعرض نہ کرے۔

(اور نہ عازمین بیت اللہ کی) بے عزتی کرو اور نہ ہی ان لوگوں کو چھیڑو، جو بیت اللہ شریف کی زیارت کیلئے حاضر ہوتے ہیں، کہ تم انھیں کوئی حیلہ بہانہ کر کے بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دو۔ ان زیارت کرنے والوں کو (جو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کا فضل)، یعنی مومن ہونے کی صورت میں خدا سے ثواب کی زیادتی کے طالب ہیں، اور تجارت کے سبب، روزی کے بھی طلبگار ہیں ۔۔اور۔۔اگر وہ کافر ہیں، تو وہ صرف روزی ہی چاہتے ہیں۔۔نیز۔۔انکے اپنے گمان میں حج کرنے سے رب تعالیٰ کی رضا (وخوشی) مدنظر ہوتی ہے۔

حالانکہ انکا یہ گمان فاسد ہے، اسلئے کہ اسلام کے دامن کے بغیر رضائے الٰہی کا حصول ناممکن ہے، اگرچہ اپنے گمان میں کوئی لاکھ دعویٰ کرے کہ مجھے رضائے الٰہی مطلوب ہے۔ مگر چونکہ وہ بظاہر طالب رضائے الٰہی ہیں، تو کسی نہ کسی حد تک انکا بھی پاس ولحاظ کرو اور انکے

ساتھ ایسی چھیڑ چھاڑ نہ کرو، جو انھیں زیارتِ بیت اللہ شریف سے محروم کردے۔

آیت سابقہ میں شکار کرنے کی حرمت اس وقت تک کیلئے تھی، جبکہ تم حالت احرام میں رہو **(اور جب)** تم نے **(احرام کھول دیا، تو)** اب یہ پابندی ختم ہوگئی۔۔لہٰذا۔۔تم اب اگر **(شکار کھیلنا)** چا **(ہو، تو کھیلو اور)** ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ **(نہ ابھارے تم کو)** کفار قریش۔۔یا۔۔ان جیسی خصلت رکھنے والی **(کسی قوم کی عداوت)** اور ان سے سخت دشمنی، **(کہ روک دیا تھا تم کو مسجد حرام سے)** سال حدیبیہ میں، یعنی کعبہ شریف کی زیارت اور عمرہ کے طواف سے۔

۔۔الحاصل۔۔انکی سابقہ اس زیادتی اور حرکت کا خیال تم کو **(اس)** بات **(پر)** برانگیختہ و آمادہ نہ کرے **(کہ تم)** بھی بدلے کے طور پر ان کے ساتھ **(زیادتی کرو)**، اور انکو بیت اللہ کی زیارت سے روک کر اپنے دل کی بھڑاس نکالو اور انکے مال لے لینے کا ارادہ کرلو۔۔المختصر۔۔جب تک وہ حالت احرام میں رہیں، ان کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے۔ مسلمانو! تمہارے ایمان کا تقاضہ ہے کہ تم ہمیشہ اعلیٰ کرداری کا مظاہرہ کرتے رہو، اور **(باہم)** ایک دوسرے کی **(مدد کرتے رہو نیکی اور تقویٰ پر)** یعنی درگزر اور چشم پوشی، اور ایک دوسرے کے معاملات سے مددگاری اور خواہشات نفسانی سے دوری، احکامِ شرعیہ کی اتباع، اور سنت رسول کی پیروی۔۔المختصر۔۔ہر نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو **(اور نہ مدد کرو گناہ)** یعنی ترک فرمانِ الٰہی۔۔یا۔۔حب دنیا۔۔یا۔۔کفر **(اور زیادتی)** ظلم و تعدی اور اتباع بدعت **(پر)**۔

۔۔الحاصل۔۔گناہوں اور حد سے تجاوز کرنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔۔یونہی۔۔ظلم کی بھڑاس نکالنے، بدلہ لینے کی غرض سے، گناہ اور ظلم کرنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔۔ہاں۔۔جب کوئی کسی کو دوسرے پر تجاوز کرتا دیکھے، تو اسے مظلوم کی مدد کرنا چاہئے۔ پھر اس پر یہ مدد کرنا حتی الامکان لازم ہے۔

فطرت کا تقاضہ ہے کہ پہلے شے کو خرابیوں سے پاک وصاف کیا جائے، پھر اسکو عمل میں لایا جائے۔ 'نہی' میں پہلے صفائی کی جاتی ہے، پھر 'امر' سے اسپر عمل کا حکم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں مناسب یہی لگتا ہے کہ پہلے **لَا تَعَاوَنُوْا** کی نہی کا ذکر فرمایا جاتا اور پھر **تَعَاوَنُوْا** کا امر ارشاد فرمایا جاتا۔ اور یہاں پر معاملہ برعکس ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس پورے ارشاد کا مقصود بالذات تعمیل حکم ہے، اور وہ امر میں نمایاں ہے، اسلئے اسکو مقدم رکھا گیا۔

۔۔علاوہ ازیں۔۔نہی مذکور سے یہی مقصود ہے کہ گناہ اور 'تجاوز عن الحد' پر تعاون نہ کرو اور یہی بعینہٖ تعاون عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ہے۔اسلئے پہلے امر فرما کے تعاون عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی کا اجمالی حکم ہوا، پھر نہی سے اسکی تصریح کر دی گئی۔'بر' اور 'اثم' کی ایک جامع تفسیر یہ ہے کہ 'بر' خلق حسن اچھے اخلاق کو کہتے ہیں اور 'اثم' یہ ہے کہ دل گواہی دے کہ واقعی یہ برا عمل ہے، اور لوگوں کے سامنے اس عمل کے اظہار کا بھی جی نہ چاہے۔

۔۔الغرض۔۔ہوش سے کام لو (اور) جمیع امور میں (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) من جملہ انکے یہی ہے کہ اسکے جمیع اوامر و نواہی مذکورہ کی مخالفت نہ کی جائے۔اور جان لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (عذاب کرنے میں سخت ہے) جو اس سے نہیں ڈرتا، وہ اسے سخت عذاب میں مبتلا فرماتا ہے۔

سورۂ مبارکہ کے شروع میں حلال چوپایوں کا ذکر کر کے جن جانوروں کا استثناء کیا گیا تھا، اب انکی تفصیل سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

حرام کر دیا گیا تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت، اور جس پر ذبح کے وقت نامزد کیا گیا غیر خدا،

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ

اور جھٹکا، اور چوٹ کھایا، اور گرا پڑا، اور سینگ مارا، اور جس کو کسی درندہ نے کھا لیا ہو، مگر ان میں سے جس کو تم نے مرنے سے

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ

پہلے ذبح کر لیا۔اور جو ذبح کیا گیا بتوں کے اڈوں پر، اور پانسوں کے ذریعہ بانٹنا،

ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

یہ گناہ ہے۔آج ناامید ہو گئے جنھوں نے انکار کر دیا ہے تمہارے دین کا، تو ان کو مت ڈرو،

وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ

مجھے ڈرو۔آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے تمہارے دین کو اور تمام کر دی تم پر اپنی نعمت، اور پسند فرما لیا

لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ

تمہارے لیے دین اسلام۔تو جو بے قابو ہو گیا بھوک پیاس میں حرام کھانے پر بغیر میلان گناہ کے،

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(حرام کردیا گیا تم پر مردار) یعنی اس جانور کا کھانا جسکی روح بے ذبح کئے نکل گئی ہو، (اور خون) جو رگوں میں جاری رہتا ہے، نہ کہ جگر اور تلی کا جمع ہوا خون۔

اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ خون کو آنتوں میں محفوظ کرلیتے تھے، پھر انھیں بھون کر کھاتے اور کہتے کے جو جانور ذبح کرلیا جائے، تو اس سے نکلا ہوا خون حرام نہیں ہوتا۔

---(اور سور کا گوشت) اپنے سب اجزاء سمیت یعنی ہڈی چربی وغیرہ۔

سور چونکہ 'نجس العین' ہے اسلئے اگر---بالفرض---اسے ذبح بھی کردیا جائے، جب بھی اسکا گوشت ناپاک ہی رہیگا، دوسرے درندوں کے برعکس۔ اسلئے کہ دوسرے حرام جانوروں کو جب ذبح کیا جائے، تو انکا گوشت پاک ہوجاتا ہے۔ اگرچہ انکا کھانا حرام ہوتا ہے، لیکن پاک ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایسا گوشت پانی میں گرجائے، تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، بخلاف خنزیر کے گوشت کے، جو ذبح کے بعد بھی ناپاک ہی رہتا ہے، اسلئے کہ وہ 'نجس العین' ہے۔

اس مقام پر خاص کرکے خنزیر کے گوشت کی حرمت کا ذکر اسلئے بھی ہے، کہ بہت سارے کفار خنزیر کے گوشت کے بہت خوگر تھے۔ یوں بھی سور بے پناہ حریص ہونے کے ساتھ ساتھ شہوانی اشیاء کی بہت رغبت رکھتا ہے۔ اور اسکی بے غیرتی کا عالم یہ ہے کہ اگر وہ اپنی مادہ پر کسی دوسرے سور کو چڑھا ہوا دیکھتا ہے، تو اس سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ انھیں وجوہ کے پیش نظر انسان پر لازم ہے کہ اسکے کھانے سے پرہیز کرے، تاکہ اسکی عادات وخصائل اس میں پیدا نہ ہوجائیں۔

---(اور) یونہی (جس) جانور (پر ذبح کے وقت نامزد کیا گیا غیر خدا)۔

جس طرح ذبح کے وقت کفار کہا کرتے تھے 'باسم اللات والعزیٰ' تو اس صورت میں مذبوحہ جانور حرام ہوجائیگا۔--اور اگر ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر ہی کہہ کر ذبح کرے--مگر--ذبح کرنے سے پہلے اسکو فلاں کے عقیقہ کا جانور، فلاں کی قربانی کا جانور، فلاں کی ضیافت کا جانور اور فلاں کے ایصال ثواب کا جانور وغیرہ وغیرہ کہے، تو اس سے وہ جانور حرام نہیں ہوتا--بلکہ--اگر--بالفرض--کافروں نے کسی جانور کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا ہو، اسکو بھی اگر کوئی مسلمان بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر کہہ کر ذبح کرے، تو اسکا بھی گوشت کھانا حرام نہیں ہوگا۔

--الحاصل--اس مقام پر حلت وحرمت کا معیار ذبح کے وقت خدا--یا--غیر خدا کا نام لیکر ذبح کرنا ہے۔ اب اگر خدا کے نام سے ذبح کیا، تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔

---(اور جھٹکا) یعنی وہ جانور جسے گلا گھونٹ کر مارا جائے۔

گلا گھونٹنا کسی انسان سے ہو یا کسی اور سبب۔۔ مثلاً: کسی جانور کا گلا اتفاقاً شکاری کے جال یا کسی چیز میں پھنس جائے اور وہ اس حالت میں مر جائے۔ اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ بکریوں کا گلا گھونٹ کر مار دیتے، پھر انکا گوشت کھا جاتے۔ چونکہ گلا گھونٹا ہوا جانور مردار کی ایک قسم ہے، اسلئے کہ جس طرح مردار کی روح نکل جانے کے بعد خون نہیں بہتا، اسی طرح اسکا خون بھی نہیں بہتا۔ یہ اسی لئے حرام ہے کہ 'شرعی ذبح' کرنے کے بغیر مر گئی ہے۔ 'جھٹکے' کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ بغیر کسی کا نام لئے جانور کو گردن پر تلوار کا ہاتھ مار کر ذبح کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی 'ذبح شرعی' نہیں پایا جاتا، اسلئے کہ 'ذبح شرعی' کیلئے ضروری ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی ذبح کیا جائے۔

۔۔۔(اور) لکڑی یا پتھر کی (چوٹ کھایا) ہوا، اور پھر وہ مر گیا ہو۔

اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جانوروں کو لکڑی۔۔یا۔۔ پتھر سے مار کر جان نکال لیتے تھے، پھر انکا گوشت کھاتے تھے۔

(اور) اوپر سے نیچے (گرا) پھر 'ذبح شرعی' سے پہلے مر گیا اور (پڑا) رہا۔۔یا۔۔ کنویں میں گر کر 'ذبح شرعی' سے پہلے مر جائے۔ (اور) وہ جانور بھی حرام ہیں جسے کسی جانور نے (سینگ مارا) ہو اور وہ مر گیا ہو۔ (اور)۔۔ یونہی۔۔ (جسکو کسی درندہ نے کھالیا ہو)، تو کھانے کے بعد جو بچ رہا وہ مردار ہے، جسکا کھانا حرام ہے۔۔۔ اہل جاہلیت ایسے جانوروں کو بھی کھا جاتے تھے۔

۔۔الغرض۔۔ جو شکار درندے ماریں اسکا کھانا حرام ہے۔ (مگر ان میں سے جس کو تم نے مرنے سے پہلے ذبح کرلیا) یعنی درندے نے جس جانور پر حملہ کیا، اسکے مرنے سے پہلے تمہیں اس پر قابو مل گیا اور پھر اس میں جان باقی رہنے کی حالت میں اسکو ذبح کر دیا، تو وہ تمہارے لئے حلال ہے۔

جان باقی رہنے کی علامت یہ ہے کہ اس میں ذبح کے وقت حرکت واضطراب پایا جائے، اس قدر بھی کہ اپنی آنکھیں پھیرے یا اپنی دم ہلائے۔

(اور) ایسے ہی وہ جانور بھی حرام ہے (جو ذبح کیا گیا بتوں کے اڈوں پر)، یعنی جو باطل معبودوں کے نشان پر پہنچ گیا ہو۔

وہ تین سو ساٹھ پتھر تھے بیت الحرام کے گرد، کہ اہل جاہلیت ان پتھروں کی تعظیم کیا کرتے تھے اور ان پر قربانی کیا کرتے تھے اور ان میں سے بعض پتھروں کو جنھیں 'نُصُب' کہا جاتا ہے اپنے مذبوحہ جانوروں کے خون سے لت پت کر دیتے اور کچھ گوشت بھی اس پر رکھ

چھوڑتے تھے۔اس کووہ قرب الٰہی سمجھتے تھے۔

اہل عرب کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ جب انھیں کوئی مہم پیش آتی،توان تیروں کی طرف رجوع کرتے جو بے پر اور بے پیکان،انکے پاس محفوظ تھے،جنھیں وہ ازلام: 'فال لینے کے تیر جن سے جاہلیت میں عرب تقسیم کیا کرتے تھے' اور **اقداح**: 'نوک اور پر کے بغیر تیر، جوئے کا تیر' کہتے تھے۔یہ تین تیر تھے،جن کوایک تھیلی میں ڈال کراسے دیتے جو 'ھُبل' کا مجاور ہوتا۔۔ایک تیر پرلکھاہوتا: اَمَرَنِیْ رَبِّیْ یعنی 'حکم کیا مجھ کومیرے رب نے' اوردوسرے پر لکھاہوتاتھا: نَھَانِیْ رَبِّیْ یعنی 'منع کیا مجھ کومیرے رب نے' اور تیسرے پر کچھ نہیں لکھاہوتا، اسکو 'منیح' کہتے تھے یعنی 'جوئے کا تیسرا تیرجسکا کوئی حصہ نہیں ہوتا'۔۔۔

پھر جب کوئی شخص کسی کام کا قصد کرتا تو 'ھُبل' کے مجاور کے پاس جاتااوراسکے واسطے تحفہ اور ہدیہ لاتااور تیروں کی اس تھیلی میں ہاتھ ڈالتااورایک تیر نکالتا۔اگراس تیر پر لکھا ہوتا 'اَمَرَنِیْ رَبِّیْ' تو فوراًاس کام میں وہ تیر نکالنے والا مشغول ہوجاتا۔اوراگر تیر پر 'نَھَانِیْ رَبِّیْ' لکھاہوتا،تو سال بھر تک اس کام کوترک کرتا۔اوراگر 'منیح' یعنی بے لکھا تیر نکلتا،تو وہ شخص، پھر تھیلی کی طرف رجوع کرتااوردوبارہ قسمت آزمائی کرتا۔ایک قول یہ بھی ہے،کہ کفاراپنے بتوں پر مذبوحہ جانوروں کی تقسیم تیروں کے ذریعہ کرتے۔

(**اور پانسوں کے ذریعے بانٹنا**) یعنی تمہارا جوئے کے تیروں سے اپنے حصے تقسیم کرنا (یہ گناہ ہے) اور باہر نکل جانا ہے دائرہ اسلام سے۔اس واسطے کہ حق تعالیٰ پر 'افتراء' ہے،اگر رب کی طرف اسے منسوب اورمشہور کرتے ہیں۔اور 'شرک' ہے،اگر غیر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے محبوب! یہ نہایت شکر کا مقام ہے کہ (**آج ناامید ہوگئے**) ہیں (**جنھوں نے انکار کردیا ہے**) اور کفر پر اڑے ہوئے ہیں،کہ وہ (**تمہارے دین کا**) کچھ بگاڑ نہ سکیں گے اوراب وہ تمہارے دین کے ناکام اور مغلوب ہونے کی طرف سے مایوس ہوچکے ہیں،اورانھیں یقین ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دین کوتمام ادیان پر غالب فرمائیگا۔

بالآخراس نے جو وعدہ فرمایا تھا،اب اس نے پورا کردیا،(**تو**) مسلمانوں (**ان کومت ڈرو**) اور خالص ومخلص ہوکر (**مجھے**) ہی (**ڈرو**)۔اب وہ تمہارا کچھ بگاڑ سکنے والے نہیں،اسلئے کہ میری مخصوص مہربانیاں تمہارے ہی ساتھ ہیں۔(**آج**) سے (**میں نے**) مدد دیکر (**کامل کردیا تمہارے لئے تمہارے دین کو**)،اوراسے تمام ادیان پر غالب کرکے مکمل کردیا ہے۔میں نے تمہارے عقائد کے اصول وضوابط

واضح طور پر بیان کئے ہیں اور تمہارے شرعی مسائل کے اصول اور اجتہاد کے قوانین پر تمہیں پوری طور پر واقف کردیا ہے۔ اب اسکے احکام منسوخ نہ ہونگے۔ (اور تمام کردی تم پر اپنی نعمت) یعنی ہدایت و توفیق ۔۔یا۔۔ دین اور شرعی اصول کی تکمیل ۔۔یا۔۔ فتح مکہ اور اس میں امن والے اور غلبہ پا کر داخل ہونے سے ۔۔یا۔۔ جاہلیت کے گندے رسوم اور انکے مناسک کے غلط طریقے مٹا کر، تمہارے دین کو کامیاب کیا اور یہ بھی تمہارے دین کی تکمیل کی علامت ہے، کہ اب کوئی مشرک مکہ مکرمہ میں حج نہیں کر سکے گا، اور نہ ہی وہ ننگا ہو کر کعبہ معظمہ کا طواف کر سکے گا۔

۔۔الغرض۔۔ سن لو (اور) یاد رکھو کہ ہم نے (پسند فرمالیا تمہارے لئے دین اسلام) کو، جو سب دینوں سے پاکیزہ تر ہے۔

یہ آیت حجۃ الوداع میں نویں ذی الحجہ کو بروز جمعہ، بوقت نماز عصر یا با ثناء خطبہء جمعہ نازل ہوئی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ اپنی ناقہ شریف پر سوار تھے یا ممبر پر رونق افروز تھے۔ اس آیت شریفہ کے نازل ہونے کے بعد آپ اکاسی ۸۱ دن اس ظاہری دنیا میں جلوہ افروز رہے۔

مذکورہ بالا ارشاد میں اولاً محرمات کا ذکر فرمایا گیا، پھر بعض ان امور کا ذکر کیا گیا جن سے بھی احتراز ضروری ہے، اسلئے کہ ان امور کا ارتکاب بھی فسق ہے۔ اور انکی تحریم بھی دین کامل میں شامل ہے اور ان سے بچنا بھی نعمت تامہ اور پسندیدۂ اسلام ہے۔

(تو جو) شخص (بے قابو ہوگیا) جان لے لینے والی ۔۔یا۔۔ کم از کم موت کے قریب کردینے والی (بھوک پیاس میں حرام) چیز (کھانے) پینے (پر، بغیر میلان گناہ کے)، یعنی جبکہ اسکا اس حرام کی طرف جھکاؤ اور میلان نہ ہو۔

۔۔الغرض۔۔ نہ تو وہ اسے لذت کے طور پر استعمال کرے اور نہ ہی رخصت کی حد سے متجاوز ہو کر سدرمق سے زیادہ کھا جائے ۔۔یا۔۔ کسی مجبور محض سے چھین کے نہ کھالے۔

۔۔المختصر۔۔ اسکا حال یہ ہو کہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ اسکے لئے (غفور) ہے۔ اسکے اس گناہ کو بخشنے والا ہے، کہ ایسی حالت میں حرام کھانے پر مواخذہ نہیں فرمائیگا اور (رحیم ہے)، یعنی بے حد رحم فرمانے والا ہے، اس پر کہ اس قدر کھانے کی اجازت مرحمت فرمادی ۔۔محرمات کے ذکر کے بعد اب بعض حلال چیزوں کا ذکر فرمارہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے محبوب!۔۔۔

یَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمۡ‌ؕ قُلۡ اُحِلَّ لَـكُمُ الطَّيِّبٰتُ‌ ۙ وَمَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ

تم سے پوچھتے ہیں کہ انکے لئے کیا حلال ہے۔کہہ دو کہ حلال ہے تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں۔ اور جو سدھار کھا ہے تم نے

الۡجَـوَارِحِ مُكَلِّبِيۡنَ تُعَلِّمُوۡنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ‌ فَكُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَكۡنَ

اپنے شکاری شکار پر دوڑانے کو، توانھیں سکھاتے ہو جو اللہ نے تمہیں علم دیا، تو کھالو جس شکار کو وہ تمہارے لیے پکڑیں۔

عَلَيۡكُمۡ وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ‌ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴﴾

اور اُس پر اللہ کا نام بھی لو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے●

(تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کیلئے کیا حلال ہے)، تو آپ ان سے (کہہ دو کہ حلال ہے تمہارے لئے سب) طیبات یعنی (پاکیزہ چیزیں) اور پاکیزہ جانور، جنھیں تم نے خدا کے نام کے ساتھ ذبح کیا ہو، (اور جو سدھار کھا ہے تم نے اپنے شکاری) درندوں ۔۔ مثلاً: کتا، چیتا، وغیرہ یا پرندوں ۔۔ مثلاً: شکرا، باز اور عقاب وغیرہ کو (شکار پر دوڑانے کو)، تاکہ تم انھیں بوقت ضرورت شکار کیلئے دوڑا سکو (توانھیں سکھاتے ہو، جو اللہ) تعالیٰ (نے تمھیں علم دیا)۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ جانوروں کا شکار تمہارے لئے اس وقت جائز ہے جبکہ تمھیں انکے سکھانے کی پوری مہارت ہو اور تم اس معاملے میں بہت بڑے حاذق سمجھے جاتے ہو، اور اس فن میں تم مشہور زماں ہو، اور یہ مہارت اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے کہ اسکا علم ایسے کامل الفن سے حاصل کرو، جو اس فن کی پوری مہارت رکھتا ہو اور اسکے جمیع حقائق ودقائق پر حاوی ہو ۔۔ بلکہ ۔۔ اس فن کی تمام گہرائیوں کا کامل غواص ہو، اگرچہ اسکے حصول کیلئے دور دراز کی مسافت طے کرنی پڑے۔

گو اس علم کیلئے بھی عقل کی ضرورت ہے اور کسی نہ کسی قدر اس میں بھی عقل کا دخل ہے، لیکن جب تک فضل الٰہی نہ ہو، تو کیسے کسی لاشعور کو شعور دیا جاسکتا ہے، اور وہ بھی ایسا شعور کہ مالک کے اشارے پر کام کرے۔ شکار کو پکڑ کر مالک کا انتظار کرے۔ اور یہ بھی ہو کہ جب اسے روکا جائے، تو رک جائے اور جب بلایا جائے، تو فوراً بھاگ کر لوٹ آئے اور شکار کرے، تو اس سے کچھ نہ کھائے، صرف پکڑ رکھے ۔۔ الغرض ۔۔ یہ علم بھی بنیادی طور پر الہامی ہے، جو بغیر فضل الٰہی حاصل ہونے والا نہیں۔

(تو کھالو) اس شکار سے (جس شکار کو وہ) سکھائے ہوئے شکاری جانور تمہارے حکم سے

(تمہارے لئے پکڑیں)، اور روک رکھیں۔ مگر ان جانوروں کو بھی ایسے ہی شکار پر نہ چھوڑ دو (اور) اسکا پورا خیال رکھو کہ شکار پر چھوڑتے وقت (اس) شکاری جانور (پر اللہ) تعالیٰ (کا نام بھی) ضرور (لو)۔ اور بِسۡمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكۡبَرُ کہہ کر شکار پر چھوڑو۔ عمداً بسم اللہ شریف ترک کرنے سے جانور حرام ہوجاتا ہے۔ اسلئے کہ وہ بسم اللہ کے عمداً ترک کرنے سے مردار ہوگیا۔ ہاں اگر بھول کر بسم اللہ چھوٹ جائے، تو وہ مذبوحہ جانور حلال ہے۔

اے ایمان والو! محرمات سے بچتے رہو (اور) خدا نے جس چیز کو حرام کردیا ہے، اسے کھانے میں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ) تعالیٰ (جلد حساب لینے والا ہے)۔ یعنی اسکا حساب عنقریب جلدتر آنے والا ہے۔۔یا۔۔ اسکا حساب جلد ختم ہوگا، جبکہ وہ حساب لینا شروع فرمائیگا، تو اسکا حساب لینا مختصر سے وقت میں ختم ہوجائیگا۔۔۔ الحاصل۔۔۔ تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب تھوڑے سے وقت میں ختم ہوجائیگا۔۔۔

اَلۡيَوۡمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمۡ

آج حلال کردی گئیں تمہیں پاکیزہ چیزیں۔ اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہیں حلال،

وَطَعَامُكُمۡ حِلٌّ لَّهُمۡ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡمُحۡصَنٰتُ

اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال۔ اور مسلمان پارسا عورتیں، اور نیک چلن

مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ

کتابیہ عورتیں، جب کہ تم نے دے ڈالا ان کو ان کا مہر

مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ وَلَا مُتَّخِذِىۡۤ اَخۡدَانٍ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ

ایک دوسرے کے پابند ہوکر، نہ کہ شہوت نکالنے اور نہ آشنائی کرنے کیلئے اور جو

بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝ ع ٥

ایمان لاکر کفر کرے، تو بے شک ملیامیٹ ہوگیا اس کا عمل۔ اور وہ آخرت میں بڑے گھاٹے والوں سے ہے●

(آج) یعنی نزول آیت کے دن سے (حلال کردی گئیں تمہیں پاکیزہ چیزیں)۔ طیبات سے وہ اشیاء مراد ہیں، جن سے پاک طبائع نفرت وکراہت نہ کریں۔ اور پاک طبائع سے اہل مروّت اخلاق حمیدہ سے مزین حضرات مراد ہیں۔۔یا۔۔ طیبات سے مراد وہ امور ہیں، جن کی حرمت پر نہ

شارع کی 'نص' دلالت کرے اور نہ ہی مجتہد کا 'قیاس'۔ (اور اہل کتاب) یعنی یہود و نصاریٰ (کا ذبیحہ) جس پر راجح قول کی بنیاد پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیکر ذبح کیا ہو، (تمھیں حلال اور تمہارا ذبیحہ انکو حلال) خود انکے دین میں، کیونکہ تم خدا کے نام کے ساتھ ذبح کرتے ہو۔ تمھیں کچھ حرج نہیں کہ تم انھیں اپنے ذبائح میں سے کچھ کھلاؤ۔۔یا۔۔انکے ہاتھ بیچو۔

اگر ہماری اشیاء انکے لئے حرام ہوتیں، تو نہ ان کیلئے ہمارا طعام حلال ہوتا اور نہ ہی ہماری بیع وشراء۔

(اور) یونہی غیر شادی شدہ (مسلمان پارسا عورتیں) بھی تمہارے لئے حلال ہیں، جن سے تم نکاح کر سکتے ہو۔

یہاں آزاد اور پاکدامن عورتیں مراد ہیں۔ انکے ذکر کی تخصیص صرف اسلئے ہے کہ وہی نکاح وغیرہ میں اصل ہیں، ورنہ لونڈیوں کی نفی مطلوب نہیں، اسلئے کہ مسلمان لونڈیوں سے بھی بالاتفاق نکاح جائز ہے، لیکن اولیٰ یہی ہے کہ آزاد عورت ہی سے نکاح کیا جائے۔ اگرچہ وہ اہل کتاب ہی ہو، بشرطیکہ آزاد عورتوں سے نکاح کی قدرت رکھتا ہو۔ اسلئے کہ لونڈیوں کی اولاد مملوک غیر رہے گی۔ کیونکہ اولاد آزاد اور مملوک ہونے میں ماں کے حکم میں ہوتی ہے، پھر جب وہ اپنے لئے مملوک ہونا پسند نہیں کرتا، تو چاہئے اپنی اولاد کیلئے بھی پسند نہ کرے۔ ہمارے امام کے نزدیک اہل کتاب کی لونڈیوں کا حکم مسلم عورتوں جیسا ہے۔

(اور) اسی طرح (نیک چلن کتابیہ عورتیں) بھی تمھیں حلال ہیں، جن سے تم نکاح کر سکتے ہو (جبکہ تم نے دے ڈالا) افضلیت کے پیش نظر (انکو) نکاح ہی کے وقت (انکا مہر)۔

گو فوراً نکاح ہی کے وقت مہر کی ادائیگی لازم نہیں، مگر نکاح کے وقت یہ تو ضروری ہے کہ مقررہ مہر کو قبول کرلے، اور پھر اس کو ادا کرنے کا عہد کرلے۔

اور تمہارا حال یہ ہو کہ تم ان سے نکاح کر کے (ایک دوسرے کے پابند ہو کر)، اور ایک دوسرے کے حصار میں رہ کر، اپنی عفت و پاکیزگی کی حفاظت کرتے رہو۔ ایسا (نہ) ہو (کہ) صرف اپنی جنسی تسکین کیلئے اور صرف اپنی (شہوت نکالنے) کیلئے، بغیر نکاح ان سے زنا کرنے والے ہو جاؤ۔ (اور نہ) ہی (آشنائی کرنے کیلئے)، یعنی چوری چھپے عورتوں سے دوستی گانٹھنے کیلئے تمہارا کوئی عمل ہو، اسلئے کہ یہ بھی ایک قسم کا زنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حرام فرما دیا ہے۔۔ہاں۔۔عورتوں سے نکاح کر کے ہر قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے۔

(اور) اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیے، کہ (جو ایمان لاکر کفر کرے) یعنی ضروریات دین میں سے کس ایک کا بھی انکار کردے، (تو بیشک ملیا میٹ ہوگیا اسکا) وہ نیک (عمل)، جو اس نے حالت ایمان میں انجام دیا تھا۔

اس آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جو ایمان کا منکر ہے، یعنی جن چیزوں پر ایمان لانا واجب ہے ان پر ایمان لانے سے انکار کیا، چنانچہ شرائع اسلام کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ من جملہ ان کے ایک یہ بھی ہے جس کے حلال وحرام کے احکام ابھی بیان کئے گئے ہیں۔ انکار کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ ان احکام کو قبول نہ کرے، تو اسکے سارے اعمال اکارت جائینگے اور اعتبار کے قابل نہ رہیں گے، اور ظاہر ہے جو عمل غیر معتبر ہو، وہ اگر بظاہر نیک بھی ہو، تو باطل ہے۔ اس سے عمل کرنے والے کو کچھ ملنے والا ہے، تو اسکے اعمال کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اسے مل نہ سکے اور وہ ضائع ہی ہوگئے۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (وہ آخرت میں بڑے گھاٹے والوں) میں (سے ہے) یعنی زبردست نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔

ذہن نشین رہے کہ انسان کے طبعی تقاضے دو چیزوں میں منحصر ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اور عمل ازدواج۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں اسکے لئے کیا چیزیں حلال ہیں اور کیا چیزیں حرام، اور جنسی خواہشوں کی تکمیل کیلئے کون سی عورتیں اسکے لئے حلال ہیں اور کون سی حرام، اور اب اس آگے والی آیت میں یہ بتایا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کیلئے، اس پر اللہ تعالیٰ کی عبادات فرض ہیں۔ اور ان عبادات میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کی شرط طہارت ہے اور طہارت غسل اور وضو سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر پانی نہ مل سکے، تو طہارت تیمم سے حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے اس آیت میں وضو، غسل اور تیمم کا بیان فرمایا۔۔تو۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ

اے وہ جو ایمان لاچکے! جب کھڑے ہونے لگے نماز کو، تو دھوڈالو اپنے چہرے،

وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ

اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ، اور مسح کرلو اپنے سرکا، اور پاؤں کو گٹوں تک۔

وَإِنْ كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ

اور اگر بے غسلے ہو تو غسل کر ڈالو۔ اور اگر بیمار ہو یا برسر سفر ہو، یا کوئی

مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا

تمہارا آیا استنجے سے، یا تم نے لمس کیا عورتوں کا پھر پانی نہ پایا، تو تیمم کرو پاک

طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ

مٹی سے، تو مسح کر واپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا اس سے۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر

عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ

کوئی تنگی ڈال دے، لیکن چاہتا ہے کہ تم کو صاف ستھرا کر دے اور تا کہ تمام فرمادے

نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝٦

اپنی نعمت کو تم پر، کہ تم شکر گزار بنو●

(اے وہ) لوگ (جو ایمان لا چکے جب کھڑے ہونے لگے نماز کو) ادا کرنے کے ارادے سے اور تمہارا وضو نہ ہو، (تو) پہلے اچھی طرح وضو کرلو، جسکا پہلا فرض یہ ہے کہ (دھوڈالواپنے چہرے) کو۔ اسکی حد، سر کے بالوں کے جمنے کی جگہ سے ٹھوڑی تک ہے بلحاظ طول کے، اور بلحاظ عرض کے، کان کی ایک لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔ (اور) اسکا دوسرا فرض یہ ہے کہ دھوڈالو (کہنیوں تک اپنے) دونوں (ہاتھ) کہنیوں سمیت۔ (اور) اسکا تیسرا فرض یہ ہے کہ (مسح کرلواپنے سر کا)۔۔المختصر۔۔مطلقاً سر کا مسح فرض ہے اور مسلک امام اعظم میں چوتھائی سر کا مسح کرنا واجب ہے۔ (اور) چوتھا فرض یہ ہے کہ دھوڈالواپنے (پاؤں کو گٹوں تک) یعنی گٹوں سمیت۔ (اور اگر) غسل کی ضرورت پیش آجانے کے باوجود، تم ابھی (بے غسلے ہو، تو) خوب خوب پاکی حاصل کرنے کیلئے (غسل کر ڈالو)، کیونکہ ایسی صورت میں صرف وضو سے مکمل طہارت حاصل نہیں ہوتی۔

(اور اگر) تم (بیمار ہو) اور پانی کا استعمال تمہیں مضر ہو، (یا برسر سفر ہو)، سفر طویل ہو یا تھوڑا۔ (یا کوئی تمہارا آیا استنجے سے) رفع حاجت کر کے، (یا تم نے لمس کیا عورتوں کا)، یعنی ان سے صحبت کر لی ہے، (پھر) ان تمام صورتوں میں کسی صورت کو پیش آجانے پر طہارت کیلئے، (پانی نہ پایا) ڈھونڈ ھنے کے باوجود۔۔یا۔۔پانی کی جگہ اور تم میں کوئی حائل ہو، دشمن یا درندہ کہ اس سے جان جانے

کا یقین ہو۔۔یا۔۔پانی کنویں میں ہو، لیکن پانی نکالنے کا سامان مثلاً ڈول رسّی وغیرہ نہ پائی جائے ۔۔یا۔۔پانی بکتا ہے، مگر تمہارے پاس قیمت نہیں۔۔الحقر۔۔پانی نہ ملنے یا اس پر قدرت نہ رکھنے کی صورت پیش آئے (تو) طہارت حاصل کرنے کیلئے (تیمم کرو پاک مٹی) یا اسکی جنس (سے) یعنی پتھر وغیرہ سے جو زمین ہی کی قسم سے ہو۔

اور جب تیمّم کرنا چاہو، (تو مسح کرو اپنے چہروں کا اور) دونوں (ہاتھوں کا، اس) مٹی (سے)، اس خاک پر دو بار ہاتھ مارنا ہے۔پہلی بار منہ پر مسح کرنے کیلئے اور دوسری بار ہاتھوں پر مسح کرنے کیلئے۔ ایمان والو! یاد رکھو کہ نماز کی طہارت۔۔یا۔۔تیمّم کے حکم سے (اللہ) تعالیٰ (نہیں چاہتا) اور اسکا ارادہ یہ نہیں ہے (کہ تم پر کوئی تنگی ڈالدے) اور تمھیں خواہ مخواہ کیلئے پریشان کردے۔(لیکن چاہتا ہے کہ تم کو صاف ستھرا کردے) بے وضو ہونے سے۔۔یا۔۔گناہوں سے، اس واسطے کہ وضو گناہوں کا کفارہ ہے۔(اور تاکہ تمام فرمادے اپنی نعمت کو تم پر)، یعنی ایسے طریقے مشروع فرمائے، جن سے تمہارے اجسام بھی پاک وصاف ہوں، اور ان سے تمہارے گناہ بھی دھل جائیں۔

۔۔الحقر۔۔وہ نعمت جو دین سے متعلق ہے، وہ صرف تمہارے لئے مخصوص ہے۔۔یا۔۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ جو امور لازمی طور پر تمہیں ادا کرنے تھے، انھیں رخصت سے تبدیل کر کے تمہارے لئے موجب نعمت بنادیا گیا۔

(کہ تم شکر گزار بنو) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعہ اسکی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو، اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کسی نعمت کو اسکی نافرمانی میں صرف نہ کرو۔ چونکہ نعمت کی یاد سے منعم یاد آجاتا ہے۔۔نیز۔۔نعمت کی یاد سے منعم کا شکر کرنے کی رغبت ہوتی ہے، اسلئے سمجھداری سے کام لو۔۔۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ

اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو، اور اس عہد کو جس کو اس نے تم سے مضبوطی سے لیا، جبکہ تم نے اقرار کرلیا تھا کہ

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

ہم نے سنا اور کہے کو مانا، اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جانتا ہے سینوں کے راز کو●

(اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو) کہ اس نے تمھیں اسلام اور شرائع احکام کی

دولت عطا فرما کر اسے قبول کر لینے کی توفیق عطا فرمائی۔ (اور) ساتھ ساتھ (اس عہد کو) بھی یاد کرو (جسکو اس نے تم سے مضبوطی سے لیا) اور تم نے بھی قبول کر لیا (جبکہ تم نے اقرار کر لیا تھا کہ ہم نے سنا اور کہے کو مانا)۔

یہ وہی میثاق ہے، جو حضور نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے بیعت لی کہ دکھ اور سکھ، اختیار و اکراہ، میں احکام الٰہیہ کو قبول کر کے ان پر حتی الامکان عمل کریں۔

تو اے ایمان والو! نعمتوں کو بھولنے (اور) عہد و پیمان کو توڑنے میں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو، بیشک اللہ) تعالیٰ بخوبی (جانتا ہے سینوں کے راز کو) اور سینے کے اندر پوشیدہ تمام امور کو، تو ایسا بھی نہ کرنا کہ زبان سے اطاعت کا اقرار کرو، اور دل میں اسکے خلاف سوچو۔۔تو۔۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘ وَ لَا

اے وہ جو ایمان لا چکے! قائم ہو جاؤ اللہ کیلئے انصاف کے گواہ ہو کر۔ اور کبھی نہ

یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا١ؕ اِعْدِلُوْا١۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى٘

ابھارے کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر کہ انصاف چھوڑ دو۔ تم انصاف کرو۔۔۔ وہ تقویٰ سے بہت نزدیک ہے۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ١ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝۸

اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ جو کرو اس سے باخبر ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے) عدل و انصاف کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ۔۔چنانچہ۔۔ (قائم ہو جاؤ اللہ) تعالیٰ (کیلئے انصاف کے گواہ ہو کر) درآنحالیکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو۔

۔۔الختصر۔۔ حق پر مضبوطی سے قائم رہنا۔۔اور۔۔انصاف کے ساتھ گواہی دینا، یہ ایسے دو امور ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم بھی ہے اور بندوں پر شفقت بھی۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی ہے۔ حق پر مضبوطی سے قائم رہنے کا تعلق اللہ کی تعظیم کے ساتھ ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے کا تعلق بندوں پر شفقت کے ساتھ ہے۔

۔۔الختصر۔۔ تم ہر حال میں انصاف کا خیال رکھو (اور کبھی نہ ابھارے کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر کہ انصاف چھوڑ دو) اور حد سے تجاوز کر جاؤ، خواہ انھوں نے تمہارے ساتھ برائی کی ہو، مگر تم انکے ساتھ نیکی اور اچھائی کے ساتھ پیش آؤ، انکے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کرو۔

یعنی ایسا کبھی نہ ہو کہ جب وہ اسلام لائیں، تو انکا اسلام قبول نہ کیا جائے، انکے بچوں کو قتل کیا جائے، بڑوں کا مثلہ کیا جائے اوران سے کیۓ ہوئے معاہدوں کو توڑ دیا جائے۔
ایک تفسیر کی روشنی میں یہ آیت کفار مکہ کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کو چھ ہجری میں مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے آگے نہیں جانے دیا تھا، سواس وجہ سے تم ان پر ظلم وزیادتی نہ کرنا۔
۔۔الغرض۔۔(تم انصاف کرو) کیونکہ (وہ تقویٰ سے بہت نزدیک ہے)، اسلئے کہ اگر تقویٰ کا یہ معنی لیا جائے 'خوفِ خدا کی وجہ سے گناہوں سے اجتناب کرنا'۔۔ تو جو شخص عدل کرتا ہے وہ گناہوں سے اجتناب کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور اگر یہ معنی لیا جائے 'خوفِ الٰہی کی وجہ سے عذاب اخروی سے بچنا' تو جو شخص عدل کرتا ہے، وہ عذاب اخروی سے بچنے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔۔الغرض۔۔ پرہیزگاری اپناؤ، (اور) ہر حال میں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو) اسلئے کہ تمام امور کا سرتاج اور آخرت کا بہترین زادراہ یہی تقویٰ ہے۔ جان لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (جو کرو اس سے باخبر ہے)۔ ان سب کی تمہیں جزاوسزا دیگا۔
اس آیت میں اس پر غور کرنا چاہیۓ کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور جب اللہ کے دشمنوں کے ساتھ عدل کرنا واجب ہے، تو اللہ کے دوستوں کے ساتھ عدل کرنا کس قدر زیادہ مطلوب ہوگا۔ چونکہ مضمون بالا وعدؤعید کیلیۓ بمنزلہ 'علت' ہے، کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اسے بھلائی کا وعدہ ہے جو اسکے خلاف کرتا ہے، اسے جہنم کی وعید۔ اسلئے فرمایا۔۔۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹

وعدہ فرمالیا اللہ نے جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، اُن کیلیۓ بخشش اور بڑا اجر ہے●

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰

اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ جہنم کے لوگ ہیں●

(وعدہ فرمالیا اللہ) تعالیٰ (نے) ان سے (جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں) کہ (ان کیلیۓ) گناہوں کی (بخشش اور) پھر بہشت میں (بڑا اجر ہے، اور) انکے برعکس (جنھوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا) من جملہ، انکے یہی ہے جو ابھی بیان ہوا، کہ وہ لوگ نہ عدل وانصاف کرتے ہیں

اور نہ ہی تقویٰ وطہارت، تو (وہ) کفر وتکذیب کا ارتکاب کرنے والے، جنکا ذکر ابھی گذرا، تو یہی (جہنم کے لوگ ہیں) جس میں وہ دائمی طور پر رہیں گے۔

اس میں مومنین کو مزید وعدہ سے نوازا گیا ہے، اسلئے کہ جب انکے دشمنوں کو اتنے بڑے ڈر سنائے گئے، تو انھیں خوشی نصیب ہوگی، اور وہ اپنے اندر جو حزن وملال رکھتے ہونگے کہ کافروں نے انھیں دکھ پہنچائے، انکے عذاب کی خبر سن کر دل ٹھنڈا کرینگے۔ اسلئے کہ فطرت انسانی ہے کہ انسان اپنے دشمن کی ذلت سے خوش ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر اتنی مکمل نعمت عنایت فرمائی کہ جس میں دشمنوں کے خوف کا ذرّہ بھر بھی خطرہ نہیں تھا اور نہ ہی مخالفین کو ایسا موقع میسر ہوا، جس سے اہل اسلام پر ہاتھ کھڑا کر سکیں۔ ہاتھ کھڑا کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو محفوظ فرمالیا۔۔ چنانچہ۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ

اے وہ جو ایمان لاچکے! یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر، جب کہ قصد کیا ایک قوم نے

اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

کہ پھیلا دیں تم پر اپنے ہاتھ، تو اللہ نے روک دیا انکے ہاتھوں کو تم سے، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ ہی پر ایمان والے بھروسہ رکھیں●

(اے وہ جو ایمان لاچکے یاد کرو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو اپنے اوپر جب)۔

جنگ غطفان کے موقع پر بنی ثعلبہ کے جنگجولڑاکے اپنے سردار دعثور۔۔یا۔ غورث کی معیت میں پہاڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے اور لشکر اسلام پر نظر رکھے ہوئے تھے، کہ اچانک سردار نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ لشکر اسلام سے بہت دور ایک درخت کا تکیہ لگائے استراحت فرمارہے ہیں، اس موقع کو غنیمت جان کر غورث تلوار کھینچے ہوئے آیا اور آپ ﷺ سے بولا۔۔ کہ اب تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے پورے اطمینان وسکون کے ساتھ فرمایا کہ۔۔۔ مجھے میرا رب بچائیگا۔ اس جواب سے اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اسکے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی، جسے اللہ کے رسول نے اٹھالیا اور غورث سے پوچھا کہ اب تو بتا کہ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائیگا، وہ بول پڑا، مجھے کوئی نہیں بچاسکتا۔ تو سرکار نے اسے معاف

کر کے، اسکی تلوار اسکو واپس کردی اور وہ خود ایمان لے آیا اور اپنی قوم کو بھی جا کر اسلام کی دعوت دی۔۔یونہی۔۔جبکہ آنحضرت ﷺ بنی نضیر کے محاصرہ میں آ گئے تھے، اور انھوں نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔۔الختصر۔۔جب جب ایسے حالات آئے۔

(کہ قصد کیا ایک قوم نے کہ پھیلا دیں تم پر اپنے ہاتھ) لڑنے کیلئے، **(تو اللہ) تعالیٰ (نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے)** اور ان کے ضرر کو تمہاری طرف سے پھیر دیا۔تو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اس عنایت کو یاد رکھو۔ **(اور اللہ) تعالیٰ ہی (سے ڈرتے رہو اور اللہ) تعالیٰ (ہی پر) چاہئے کہ (ایمان والے بھروسہ رکھیں)**۔۔۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا: اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے، اسکو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے' اور آگے اب یہ فرمارہا ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی پختہ عہد لیا تھا۔لیکن انھوں نے اس عہد کو فراموش کر دیا اور پورا نہیں کیا۔تو اے مسلمانوں تم اس برائی میں یہود کے مثل نہ ہو جانا۔کہیں ایسا نہ ہو کہ عہد شکنی کی پاداش میں تم بھی اللہ کے غضب، اس کی لعنت کا مصداق نہ بن جاؤ اور تم پر بھی ذلت اور مسکینی ڈال دی جائے۔

۔۔نیز۔۔اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا: 'تم پر جو اللہ کی نعمت ہے، اسکو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے تم سے انکے ہاتھوں کو روک لیا'، جیسا کہ اسکے تعلق سے دو واقعوں کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ مزید برآں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں نے نبی کریم اور آپکے بعض صحابہ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور انکے اصحاب کو ان یہودیوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ سو اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی مزید شرارتیں اور خباثتیں بیان کیں، کہ انھوں نے صرف اللہ کے نبی کے ساتھ ہی خباثت نہیں کی، بلکہ انھوں نے خود اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و میثاق کو توڑ ڈالا تھا۔

اس آنے والی آیت کا، اس سے پہلی آیتوں سے ایک ربط یہ بھی ہے کہ پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا، کہ وہ اللہ کے احکام کی اطاعت کریں اور اسکی نافرمانی اور سرکشی سے باز رہیں۔اس آیت میں یہ بتایا کہ یہ انکے لئے کوئی نیا حکم نہیں، بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کو بھی یہی حکم دیا تھا، کہ وہ اسکی اطاعت کریں اور سرکشی نہ کریں۔۔۔ تو غور سے سنو۔۔۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ

اور بے شک لیا تھا اللہ نے اسرائیلیوں سے مضبوط عہد۔ اور بھیجا ان میں سے بارہ نقیب۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ

اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم قائم کرتے رہے نماز کو، اور دیتے رہے زکوٰۃ، اور مانتے رہے

بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ

میرے رسولوں کو، اور تعظیم کرتے رہے ان رسولوں کی، اور اللہ واسطے قرض حسنہ دیتے رہے، تو ہم تمہارے گناہوں کا

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ

کفارہ کردیں گے، اور تم کو داخل کریں گے ان جنتوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

تو جو کافر ہوا اس کے بعد تم میں سے، تو بے شک بہک گیا سیدھے راستہ سے ●

(اور) ذہن نشیں رکھو کہ (بیشک لیا تھا اللہ) تعالیٰ (نے اسرائیلیوں سے مضبوط عہد اور بھیجا ان میں سے بارہ نقیب) جو اپنی قوم کے احوال کی نگرانی کریں (اور اللہ) تعالیٰ (نے فرمایا کہ) علم و قدرت ونصرت کے لحاظ سے (میں تمہارے ساتھ ہوں) تمہارے دشمنوں پر تمھیں فتح دونگا، البتہ (اگر تم قائم کرتے رہے نماز کو) اس کی شرطوں کے ساتھ، (اور دیتے رہے زکوٰۃ) انکے مستحقین کو، (اور مانتے رہے میرے رسولوں کو) دل کی سچائی کے ساتھ، (اور) نصرت آمیز (تعظیم کرتے رہے ان رسولوں کی) (اور اللہ) تعالیٰ (واسطے) یعنی فی سبیل اللہ (قرض حسنہ دیتے رہے)۔

قرض حسن سے وہ نفلی صدقات مراد ہیں، جو حلال، پسندیدہ اور بہترین مال سے دیئے جائیں۔ دلی رغبت سے، نہ کہ جبر واکراہ سے۔ اور خلوص سے، کہ اس میں ریاء اور شہرت کو ہرگز دخل نہ ہو۔ اور نہ ہی دیگر کسی کا دل دکھایا جائے۔

(تو ہم) ضرور (تمہارے گناہوں کا کفارہ کردینگے) یعنی تم سے تمہارے گناہ دور کردینگے (اور) ضرور (تم کو داخل کرینگے ان جنتوں میں جنکے) درختوں اور مکانوں کے (نیچے نہریں بہتی ہیں)۔

اس ارشاد میں پہلے گناہوں کی معافی کی خوشخبری سنائی گئی۔ اس سے بندے کی صفائی ہوگئی، پھر بہشت کا مژدۂ بہار سنایا گیا۔ اسطرح اسے گویا زیورات سے مزین کردیا گیا، اور قاعدہ ہے کہ پہلے صفائی ہوتی ہے، پھر تزئین۔

(تو جو کافر ہوا اس) عہد و پیمان اور ان شرائط (کے بعد)، جن شرائط کی سخت تاکیدیں کی گئیں، انکے نہ کرنے پر سخت سزا ہے اور کرنے پر بہترین جزا ہے، جن سے ایمان کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ایسی تاکیدی شرائط کا بھی پاس و لحاظ نہیں کیا اور منکر ہو گیا (تم میں سے) اور ان شرائط پر عمل پیرا نہیں ہوا (تو) وہ (بیشک بہک گیا) اور واضح طور پر بھٹک گیا (سیدھے راستہ سے)۔۔الغرض۔۔وہ بہت بڑی غلط روی کا شکار ہو گیا۔ اس پر اسکا کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا۔ بخلاف اس کے جو اس سے قبل غلطی کا مرتکب ہوا۔ اسلئے کہ اسکی وہ غلطی بوجہ اشتباہ کے تھی اور ایسے آدمی کا عذر بھی مسموع ہو سکتا ہے۔

بنی اسرائیل اپنی عہد شکنی اور بے وفائی سے کہیں باز نہیں آئے تھے۔۔چنانچہ۔۔جب یہ لوگ فرعون کے غرق ہونے کے بعد مصر میں رہنے سہنے لگے، تو انھیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ 'اریحا' جو شام میں واقع ہے، کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس 'اریحا' کو عرض مقدس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان میں کنعانی جبارین مقیم تھے۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے وہاں کی سکونت مقرر فرمائی ہے، تم وہاں چلے جاؤ اور ان جبارین سے جہاد کر کے انھیں وہاں سے نکال دو۔

انکی بڑی قوت و طاقت کے رعب میں مت آنا اور نہ ہی خوف کھانا، اسلئے کہ میں تمہاری مدد کرونگا۔ اور حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ آپ انکی قوم میں بارہ سردار مقرر فرمائیں، جو کہ ہر برادری کا علیحدہ علیحدہ نمائندہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دیانت دار ہو، اور ان سب کی ذمہ داری اسی کے سپرد ہو۔ اور جو احکام صادر کئے جائیں انکا اجراء انکے سرداروں کے ذمہ ہو۔۔چنانچہ۔۔انھوں نے خود اپنے بارہ سردار منتخب کئے اور ان سرداروں نے اپنی اپنی برادری کی کفالت کا ذمہ لیا اور چل پڑے۔ جب ارض کنعان کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سرداروں کو حالات کا جائزہ لینے کیلئے ارض کنعان میں بھیج دیا، تا کہ معلوم کریں انکا چال چلن کیسا ہے۔

ان سرداروں نے جب دیکھا کہ یہ کنعانی بڑے ہی موٹے، عظیم الجثہ اور قد آور لوگ ہیں اور بہت طاقتور ہیں، تو وہ لوگ یہ حالات دیکھ کر گھبرا گئے اور آتے ہی تمام حالات اپنی برادری میں پھیلا دیئے۔ حالانکہ انھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روکا تھا، کہ انکے حالات اپنی اپنی برادری کو نہ بتانا، لیکن انھوں نے عہد شکنی کی۔ صرف دو حضرات اس معاہدہ پر مستحکم رہے۔

﴿۱﴾۔۔حضرت کالب بن یوقنا جو کہ یہودا کی اولاد کے نقیب تھے۔

﴿۲﴾۔۔یوشع بن نون جو افرائم بن یوسف کی اولاد کے نقیب تھے۔

بنی اسرائیل میں دغدغہ پڑ گیا اور اضطراب پیدا ہوا کہ ہم ان جباروں سے کیونکر لڑیں گے

۔۔الختصر۔۔وہ خدائے قادر مطلق کی نصرت واعانت پر بھروسہ نہ کرسکے، بلکہ اپنی جسارت کا

مظاہرہ کیا اور حضرت موسیٰ سے بول پڑے کہ اے موسیٰ! 'آپ اور آپ کا رب، دونوں

جائیں، سووہ جنگ کریں، ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں'۔اور بیٹھ کر تماشہ دیکھنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت موسیٰ کو ان جبارین پر

غلبہ عطا فرما دیا اور یہ عہد شکن دیکھتے ہی رہ گئے۔انھوں نے صرف یہی ایک عہد شکنی نہیں کی

بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد انہوں نے بہت سارے رسولوں کو شہید کر ڈالا اور آسمانی

کتابوں میں تحریف اور احکامِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کی۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

پس ان کے اپنے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے مردود بنادیا ان کو، اور کر دیا ان کے دلوں کو سخت۔ الٹتے پلٹتے ہیں لفظوں کو

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ

ان کی جگہوں سے۔اور بھول گئے بڑا حصہ جو اُن کو نصیحت کی گئی تھی۔ اور ہمیشہ آگاہ ہوتے رہو گے ان کی ایک نہ ایک خیانت پر،

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

مگر تھوڑے ان میں سے، تو ان سے عفو سے کام لو اور درگزر کرو۔ بے شک اللہ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو●

(پس انکے اپنے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے مردود بنادیا ان کو)۔یعنی ہم نے انکو اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔۔یا۔۔انھیں بندر وخنزیر بنادیا۔۔یا۔۔ہم نے ان پر جزیہ قائم کر کے ذلیل وخوار کر دیا **(اور کر دیا انکے دلوں کو سخت)**۔اس قدر کی نشانیاں دیکھنے اور خوف کی باتیں سننے سے انکے دل میں کچھ اثر نہیں ہوتا۔انکے دل اس پتھر کی طرح ہیں جن میں بالکل نرمی نہیں ہوتی جسے 'قاسیہ' کہا جاتا ہے۔انکی سخت دلی اور فکری گمرہی کا عالم یہ ہے، کہ یہ خدا کے کلام بلاغت نظام سے اثر قبول کرنے کی بجائے، خود اس کلام ہی کو بدل دینا چاہتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔**(الٹتے پلٹتے ہیں)** کلامِ الٰہی کے **(لفظوں کو انکی جگہوں سے)** یعنی پھیرتے ہیں کلمات تورات کو۔۔یا۔۔آنحضرت ﷺ کی صفت کی جگہ پر دوسری صفت رکھ دیتے ہیں۔۔یا۔۔توریت کے کلمات میں تاویلات فاسدہ کرتے ہیں۔

(اور) اس تحریف کی نحوست سے **(بھول گئے بڑا حصہ، جو انکو نصیحت کی گئی تھی)** اسلئے کہ گناہ کی نحوست سے انسان کو بہت سی نیک باتیں بھول جاتی ہیں۔

۔۔یا۔۔بھولنے سے مراد ہے ضائع کردینا۔اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے توریت سے۔۔یا۔۔حضور ﷺ کی اتباع سے روگردانی کرکے اپناوافر حصہ ضائع کردیا۔الحاصل۔۔انھوں نے توریت میں تحریف کی اور جو کچھ ان پر نازل ہوا انھوں نے ضائع کردیا، کیونکہ انھیں کچھ حاصل نہ ہوسکا۔دھوکا اور خیانت ان کی عادت بن چکی ہے۔ اور نہ صرف انکی عادت ہے، بلکہ انکے اکابر بھی یوں ہی تھے کہ دھوکا بازی اور غداری انکی عادت بن چکی تھی۔تو یہ لوگ اپنی خیانت اور دھوکا بازی کو لاکھ چھپانے کی کوشش کریں، لیکن چھپا نہ سکیں گے۔

(اور ہمیشہ آگاہ ہوتے رہوگے ان) یہودیوں **(کی ایک نہ ایک خیانت پر)(مگر)** عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب جیسے **(تھوڑے ان میں سے)** ہیں، جو خیانت نہیں کرتے۔۔بایں ہمہ۔۔اگر یہ خیانت کرنے والے توبہ کرکے ایمان قبول کرلیں **(تو ان سے عفو سے کام لو، اور)** اگر جزیہ دینے کا التزام کرلیں، تو ان سے **(درگزر کرو)**، اور انھیں ایذاء نہ دو۔

اس توجیہ پر یہ آیت منسوخ نہیں ہوتی۔لیکن اگر یہ معنی لیا جائے کہ ان کو مطلقاً معاف کرو اور انکو ایذاء پہنچانے سے ہر حال میں منہ پھیرلو۔ایسی صورت میں یہ 'آیت سیف' یعنی **قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** سے منسوخ ہے۔

ایمان والو! تمھیں درگزر کرنے کی ہدایت اسلئے دی جارہی ہے کہ **(بیشک اللہ)** تعالیٰ **(محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو)**۔

اس ارشاد میں درگزر کرنے کی علت کی وضاحت کے ساتھ ساتھ فرمانبرداری کی طرف ترغیب بھی مطلوب ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب ایک کا فرخائن سے درگزر کرنا مستحسن ہے، تو پھر اسکے غیر سے تو بطریق اولیٰ درگزر کرنا چاہیئے۔۔مذکورہ بالا بیان یہودیوں سے متعلق ہے۔۔۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ

اوران لوگوں سے، جنھوں نے اپنے کو کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا تو بھول گئے حصہ، جسکی انھیں نصیحت کی گئی تھی،

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ

توڈال دی ہم نے ان میں باہمی دشمنی اور بغض، قیامت تک۔

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾

اور جلد اللہ انھیں بتادے گا جو کر چکے ہیں●

(اور) انکے سوا (ان لوگوں سے) بھی (جنھوں نے اپنے کو کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں)۔

تو خواہ انھوں نے اپنے تئیں خود کو نصرانی کہا۔۔یا۔۔نصران یا ناصر نام کے دیہات کی طرف اپنے کو منسوب کیا، جہاں اس وقت حضرت عیسیٰ قیام پذیر تھے۔۔یا۔۔اسلئے کہ وہ اپنے کو 'انصار اللہ' کہتے ہی تھے۔

بہر تقدیر (ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا) جس طرح یہود سے ہم نے لیا تھا، (تو) وہ بھی (بھول گئے) اور نظر انداز کر دیا وہ عظیم (حصہ) یعنی 'اتباع فارقلیط' بلفظ دگر احمد مرسل ﷺ کی پیروی، (جسکی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو) عہد شکنی کی نحوست کے سبب (ڈال دی ہم نے ان میں باہمی دشمنی اور بغض) اور وہ بھی چندروز کیلئے نہیں، بلکہ (قیامت تک) کیلئے۔اور وہ اسطرح سے کہ نصاریٰ کے تین فرقے ہوگئے۔

﴿۱﴾۔۔نسطوریہ: جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔

﴿۲﴾۔۔ملکانیہ: جو کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں، ایک خود اللہ، دوسرے حضرت عیسیٰ، اور تیسری انکی والدہ حضرت مریم۔

﴿۳﴾۔۔یعقوبیہ: جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خود خدا ہیں۔۔۔ان میں ہر ایک فرقہ دوسرے فرقے کا جانی دشمن ہے۔

مذکورہ آیت زیر تفسیر کا یہ بھی معنیٰ کیا گیا ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ میں عداوت پیدا کردی، جسکے نتیجے میں ان میں آپس میں بڑی خونی معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں اور اگر کبھی کہیں ان میں ظاہری میل ملاپ نظر آیا، وہ خالص منافقانہ تھا۔ ہر شخص دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کی فکر میں مستقل لگا رہا اور اگر کسی کو اپنے مخالف کو نقصان پہنچانے کا ذرا بھی موقع میسر آیا، تو اس نے اسے ضائع نہیں ہونے دیا۔۔یہ سارے یہود و نصاریٰ اس خام خیالی میں نہ رہیں کہ ان کے کرتوتوں کی کہیں کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی، اور انکے گندے کردار جو انکی ذات میں ایسا راسخ ہوگئے، گویا یہ افعال انہی کی صنعت ہیں، انکو ظاہر نہ کیا جائیگا۔

وہ غور سے سنیں کہ عنقریب (اور) بہت ہی (جلد) بروز قیامت (اللہ) تعالیٰ (انھیں بتادیگا) اور آگاہ کردیگا کہ وہ (جو کر چکے ہیں)، اور جس گندے کردار کے مرتکب ہو چکے ہیں، اسکا بدلہ کیا ہے؟

اوراسکی سزا کیا ہے؟۔۔۔

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود ونصاریٰ نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا اوران پر نازل کی ہوئی کتابوں کے احکام پر عمل نہیں کیا۔اسکے بعداللہ تعالیٰ انکو پھر اسلام کی دعوت دے رہا ہے اور یہ فرمایا کہ ہمارا نبی تم کو تمہاری کتاب کی وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو۔حالانکہ ہمارے نبی امی ہیں،انھوں نے کسی درسگاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔اسکے باوجود انکا تمہاری کتاب کی باتوں کو بتانا،انکے معجزات میں سے ہے۔

یہود رجم کی آیت کو چھپاتے تھے اور جن یہودیوں نے منع کرنے کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کیا،اسکی پاداش میں انکو بندر بنادیا گیا،اسکو بھی وہ چھپاتے تھے اور ہمارے نبی ﷺ نے ان امور کو بیان فرمادیا اور بہت سی ایسی باتیں جن کو یہود چھپاتے تھے انکو نبی نے نہیں بیان فرمایا،کیونکہ انکے بیان سے دین کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی۔اب انھیں کتابیوں کو مخاطب فرما کر فرمایا جارہا ہے۔۔۔

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَـكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ

اے اہل کتاب،بے شک آگیا تمہارے پاس ہمارا رسول جو ظاہر کردیتا ہے بہتیری چیزوں کو جن کو تم چھپاتے تھے

مِنَ الۡكِتٰبِ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ‌ؕ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۙ‏ ﴿۱۵﴾

کتاب سے،اور بہت کو معاف رکھتے ہیں۔بے شک آگیا تم میں اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب●

(اے اہل کتاب) یعنی توریت وانجیل والے یہود ونصاریٰ! (بیشک آگیا تمہارے پاس ہمارا رسول) یعنی وہ رسول جس کو تشریفاً اپنی ذات کی طرف منسوب کرکے تعارف کرارہے ہیں،اس میں اشارہ ہے کہ اسکی اطاعت واجب ہے۔یہ آنے والا وہ ہے (جو) باقتضائے مصلحت تھوڑا تھوڑا کرکے (ظاہر کردیتا ہے) ان (بہتیری چیزوں کو جن کو تم چھپاتے تھے) اپنی (کتاب) کے مضامین وارشادات (سے)،جیسے توریت میں مذکور نعت مصطفیٰ ﷺ اور آیت رجم،اورانجیل میں مذکور بزبان حضرت مسیح بشارتِ آمد احمد مجتبیٰ ﷺ۔(اور بہت) ساری وہ باتیں جن کو تم پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو،ان (کو معاف رکھتے ہیں) یعنی بیان نہیں فرماتے۔اسلئے کہ وہ باتیں ایسی ہیں جنکا تعلق تمہاری نجی زندگی سے ہے،جس سے دین کو نقصان کا کوئی خطرہ نہیں۔وہ اسلئے نہیں بتاتے تاکہ تم شرمسار نہ ہو۔

ایک مرتبہ ایک یہودی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا،کہ وہ بہتیری باتیں کون سی ہیں،

جس سے آپ نے درگزر کی؟ اس نے یہ سوچ کر سوال کیا تھا، کہ اگر اب رسول اسکو بتاتے ہیں، تو ہمیں کہنے کا موقع مل جائیگا، کہ کہاں آپ درگزر فرما رہے ہیں، آپنے ہم کو بتا تو دیا۔ اسطرح ہم قول وفعل میں تضاد دکھا کر انکو باطل قرار دے سکیں گے۔۔مگر۔۔سرکار نے اسکے اس سوال کا جواب نہیں دیا، بلکہ اپنا رخ پھیرلیا۔اس نے دوبارہ، پھر سہ بارہ یہی سوال کیا، آپ نے ہر بار رخ پھیرلیا۔یہودی نے جب ہر مرتبہ آپ کی یہ بے التفاتی دیکھی، تو اسے آپکی صداقت کا یقین ہوگیا اور وہ ایمان لے آیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا، اسلئے کہ۔۔۔

(بیشک آگیا تم میں) گمراہی کے اندھیرے کو دور کرنے والا **(اللہ)** تعالیٰ **(کی طرف سے)** شکل محمدی میں **(ایک نور اور)** اس نور کی معرفت کرانے اور اسکی لائی ہوئی خداوندی ہدایات کو پیش کرنے کیلئے **(روشن کتاب)** جس نے شرک اور شک کی ظلمتوں کو کافور کردیا، اور بہت سی حق کی باتیں جو لوگوں پر مخفی تھیں، اسے ظاہر کردیا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ سارے اقوال میں راجح یہی ہے کہ آیت کریمہ میں نور سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔اور یہ دونوں ہی ذریعہ ہدایت خداوندی ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں ہی سے ہدایت فرماتا ہے۔یہ دونوں بظاہر دو ہیں، مگر مقصد کے لحاظ سے ایک ذات ہیں۔۔یا۔۔چونکہ ان دونوں کے احکام ایک ہیں، اسلئے دونوں کا حکم ایک ہے۔دونوں کا مقصد ایک ہے۔مخلوق کو حق کی طرف بلانا دونوں ہی کا مقصد ہے۔اسلئے کہ ایک رسول الٰہی ہیں اور دوسرا انکا معجزہ بن کر انکا موید ہے، اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں انکی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے۔۔بنابریں۔۔واحد کی ضمیر لانا موزوں ہے۔اب اس بات کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ آیت کریمہ میں مذکورہ واحد کی ضمیر کی صحت ثابت کرنے کیلئے اس ضعیف قول کا سہارا لیا جائے، کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے۔۔الحاصل۔۔

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ

ہدایت عطا فرماتا ہے اس سے اللہ اس کی جو چل پڑا اس کی خوشی کیلئے سلامتی کی راہوں کی، اور نکال دیتا ہے ان کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

اندھیروں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے، اور راہ دے دیتا ہے سیدھی●

(ہدایت عطافرماتا ہے اس) مجمع البحرین، پیکر نوری، مشتمل برذات محمدی و معجزہ محمدی، بصورت قرآن کریم (سے)، (اللہ) تعالیٰ (اس کی، جو چل پڑا) حضور ﷺ پر ایمان لاکر (اسکی خوشی کیلئے) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے (سلامتی کی راہوں کی)، یعنی ان پر عذاب وعقاب سے نجات کے طریقے واضح کردئے جاتے ہیں۔

اس سے مراد شریعت مقدسہ ہے۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے (نکال دیتا ہے انکو) کفر وگمرہی اور جہل کے (اندھیروں سے)، ایمان وراستی وعلم ویقین کی (روشنی کی طرف اپنے حکم سے)۔ یعنی اسکے آسان کردینے اور اسکے ارادہ سے۔ (اور راہ دے دیتا ہے سیدھی) جو اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہے۔ جس پر چل کر اسکی بارگاہ میں پہنچنا یقینی ہو۔ اس نور مبین کے ظہور سے پہلے ہر طرف جہالت کے ابر چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی جہالت کی بنیاد پر۔۔۔

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ‌ؕ قُلۡ

بے شک کافر ہوگئے جو بولے کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ کہو

فَمَنۡ يَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ

کہ کون قابو رکھتا ہے کچھ بھی اللہ سے اگر ارادہ فرمالیا کہ ہلاک کردے مسیح ابن مریم

وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا‌ؕ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

اور ان کی ماں اور زمین پر جو ہے سب کو۔ اور اللہ کیلئے ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی

وَمَا بَيۡنَهُمَا‌ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۷﴾

اور ان کے درمیان کی۔ پیدا فرمادے جو چاہے۔ اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(بیشک کافر ہوگئے جو بولے کہ اللہ) تعالیٰ (مسیح ابن مریم ہی ہے)۔ ان جاہلوں کی عقل میں یہ بات نہ آسکی کہ ماں تو بیٹے سے مقدم ہوا کرتی ہے، اور بیٹا حادث ہوا کرتا ہے۔ جو حادث ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ماں بڑی ہوتی ہے اور بیٹا چھوٹا، اور یہ بات بعید از قیاس ہے چھوٹا بڑے کا خدا ہو، اور جسکا وجود بعد میں ہو، وہ اپنے سے پہلے موجود کا خدا ہو۔ الغرض۔۔ نجران کے نصاریٰ کے فرقہ یعقوبیہ، کی جہالت خود انہی کے قول سے ظاہر ہوجاتی ہے، کہ ایک طرف حضرت مسیح

کوخدا کہہ رہے ہیں، دوسری طرف ابن مریم بھی مان رہے ہیں۔

اے محبوب! انھیں خاموش کن جواب دیدو اوران سے **(کہوکون قابو رکھتا ہے کچھ بھی اللہ)** **تعالیٰ (سے، اگرارادہ فرمالیا)** اس نے (کہ) موت وفنا کے ذریعے **(ہلاک کردے مسیح ابن مریم اور)** بفرض حیات **(انکی ماں اورزمین پر جو)** جوموجود (ہے) **ان (سب کو)**۔۔۔

۔۔المختصر۔۔اگراللہ تعالیٰ کاان سب کوموت وفنا کے ذریعہ ہلاک کرنے کاارادہ ہوجائے، تو کون ہے جواللہ تعالیٰ کے ارادے سے اسے روک سکے اورانھیں انکی ہلاکت سے، بچاسکے، جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کوموت دی، توکوئی مانع نہ ہوا۔۔الغرض۔۔آیت کریمہ میں حضرت بی بی مریم صاحبہ کے ذکر سے نصرانیوں کے منہ بند کرنے کی تاکید مطلوب ہے اورواضح کرنا ہے کہ اگراللہ تعالیٰ کسی کوموت دینے کاارادہ فرمالے، تواسے کوئی روک نہیں سکتا۔

تواگر بالفرض اس وقت حضرت مریم باحیات ہوں اورپھرحق تعالیٰ ان پروفات طاری کرنا چاہے، توکسی میں یہ قدرت نہیں کہ انھیں موت سے بچاسکے۔۔الحاصل۔۔مسیح اورانکی ماں دوسرے سارے ممکنات کی طرح مغلوب ومقہوروقابل فنا ہیں اورایسے کوخدا جاننا نہ چاہئے۔

تواے نصرانیو! جب تم لوگوں نے بی بی مریم کی موت پراللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھ لی، توپھرتم ہی غورکروکہ باقیوں کی موت اس کیلئے کب ناممکن ہے؟

(اور) ناممکن ہونے کاسوال ہی کیا ہے، اسلئے کہ **(اللہ)** تعالیٰ ہی **(کیلئے ہے ملکیت آسمانوں اورزمین کی اورانکے درمیان کی)**۔آسمانوں اورزمینوں اورانکے مابین جوکچھ ہے سب کاسب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے، وہ ان سب پرقدرت تامہ اورمکمل قبضہ رکھتا ہے۔وہی تمام اشیاء پرایجاداً واعداماً واحیاءً واماتۃً، مطلقاً تصرف کامالک ہے۔اسکے سواکسی کونہ استقلالاً تصرف کاحق ہے، نہ ہی اشتراکاً۔۔بنابریں ۔۔صرف وہی 'الوہیت' کامستحق ہے۔کسی کواس کے سوایہ استحقاق نہ حاصل ہے، نہ ہوسکتا ہے۔وہ انواع مخلوق میں **(پیدافرمادے جوچاہے)** اورجس طرح چاہے، (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ **(اللہ)** **تعالیٰ (ہرچاہے پرقادرہے)**۔وہ جوچاہے کرے۔

اگرچاہے تواصل کے بغیر پیدا کرے، جیسے آسمان وزمین کے اندرکی چیزیں۔چاہے توکسی اصل سے لیکن اسکے جنس سے نہیں، جیسے آدم علیہ السلام اوردیگر بہت سے حیوانات کی تخلیق۔اسی طرح کسی ایسی اصل سے، جواسکی ہم جنس ہو، لیکن مادہ سے، جس میں نرکادخل

نہ ہو، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق ۔۔یا۔۔ دونوں کا دخل ہو جیسے باقی تمام انسانوں کی تخلیق ۔۔یا۔۔ اسکی تخلیق میں کسی غیر کا واسطہ نہ ہو۔ جیسے عام مخلوق کی تخلیق ۔۔یا۔۔ اپنی تخلیق میں کسی کو واسطہ بنائے، جیسے معجزے کے طور پر پرندوں کی تخلیق، اور مردوں کو زندہ کرنے، کوڑھیوں اور مادرزاد اندھوں وغیرہ کو اچھا کرنے میں عیسیٰ علیہ السلام کو واسطہ بنایا، لیکن ان سب کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوگی، نہ کہ کسی اور کی طرف۔

اوپر کے بیان سے ظاہر ہو چکا کہ یہود و نصاریٰ مسلسل عہد شکنی اور سرکشی کرتے رہے اور خدائی عذاب و عتاب کا شکار بھی ہوتے رہے، لیکن ان کو اپنے تعلق سے خوش فہمی بہت تھی ۔۔یا۔۔ وہ دوسروں کو بے وقوف بنانے کیلئے جان بوجھ کر ڈینگ ہانکنے کے عادی ہو چکے تھے۔۔۔چنانچہ۔۔۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ

اور یہود و نصاریٰ بولے، کہ ہم اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں، کہو کہ پھر تم پر عذاب کیوں کیا

بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

تمہارے گناہوں کی وجہ سے، بلکہ تم بشر ہو اللہ کی مخلوقات سے۔ وہ بخش دے جسکو چاہے اور عذاب دے جس کو چاہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور اللہ ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان کے درمیان کی، اور اسی کی طرف پھرنا ہے●

(اور یہود و نصاریٰ بولے کہ ہم اللہ) تعالیٰ (کے بیٹے) ہیں اور وہ ہمارے واسطے شفقت و مہربانی میں باپ کے مثل ہے۔ اور ہم لوگ قرب و منزلت میں اسکی اولاد کے مثل ہیں۔۔چنانچہ۔۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا مرتبہ اور بہت بڑی فضیلت حاصل ہے، جو دوسروں کو نصیب نہیں۔ اب اگر کبھی کبھار وہ ہم سے ناراض ہوتا ہے، تو وہ ناراضگی صرف اسی طرح کی ہے، جس طرح کوئی باپ اپنے بیٹے سے ناراض ہوتا ہے (اور)۔۔یونہی۔۔وہ۔۔نیز۔۔ بولے کہ ہم خدا کے (پیارے ہیں) اور اسکے چاہنے والے ہیں۔

تو اے محبوب! ان کو خاموش کن جواب دیدو اور ان سے (کہو کہ) اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو بتاؤ (پھر تم پر عذاب کیوں) نازل (کیا) گیا (تمہارے گناہوں کی وجہ سے)۔ کبھی تمھیں قتل کیا گیا، کبھی تم قیدی بنے، کبھی تمہاری شکلیں بدل گئیں، اور پھر اسکا بھی تمھیں اقرار ہے، کہ کل قیامت

میں تمھیں عذاب میں مبتلا کیا جائیگا، اگرچہ بقول شما، وہ گنتی کے دن ہی سہی، کہ جتنی تمہارے آباء و اجداد نے بچھڑے کی پرستش کی۔

بولو کہ اگر تم اپنے گمان فاسد میں سچے ہو، تو پھر تم سے ایسی غلطیاں کیوں سرزد ہوئیں اور تمھیں ایسے عذاب میں کیوں مبتلا کیا گیا۔ (بلکہ تم) عام (بشر) کی طرح (ہو، اللہ) تعالیٰ (کی مخلوقات سے) ۔۔۔الغرض۔۔۔ تم عام انسان ہو، جیسے دوسرے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق ہے۔ اور تمھیں کسی قسم کی بزرگی اور شرافت حاصل نہیں۔ (وہ) رب کریم اپنی مخلوقات میں سے (بخش دے جسکو چاہے اور عذاب دے جسکو چاہے)۔ لہٰذا وہ اپنے اوپر اور اپنے رسولوں پر ایمان لانے والوں کو اپنے فضل سے بخش دیتا ہے اور جو اسکو اور اسکے رسولوں کو نہیں مانتے، اپنے عدل سے ان پر عذاب نازل فرماتا ہے۔

۔۔المختصر۔۔ اللہ تعالیٰ خالق کل، قادر مطلق ہے (اور اللہ) تعالیٰ (ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی اور انکے درمیان) جو کچھ ہے ان سب (کی، اور) بالآخر سب کو (اسی کی طرف پھرنا ہے) اور قیامت میں اسکی بارگاہ میں حاضری دینی ہے۔ اسکے سوا نہ کوئی استقلالاً مالک ہے اور نہ ہی اشتراکاً۔ قیامت میں جو ہر ایک کو جزا۔۔یا۔۔ سزا ہوگی، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

محبت الٰہی کا دعوی کرنے والو! سن لو کہ صرف زبانی دعووں کا نام محبت نہیں، بلکہ سچی محبت کی بھی چند علامتیں ہیں۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ تم اللہ کی محبت کا دم بھرتے ہو اور اسکی نافرمانی بھی کرتے ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت میں سچے ہوتے، تو تم اسکی اطاعت کرتے، اسلیئے کہ محبّ وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے اور اسے راضی رکھتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ اگر خدا کو راضی رکھنا ہے، تو اسے خود اپنے بنائے ہوئے اصولوں سے راضی کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ اسی سے پوچھو کہ اے میرے رب تو کس بات سے راضی ہوگا؟ اس تعلق سے ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ۔۔۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ

اے اہل کتاب بیشک آگیا تمہارے پاس ہمارا رسول جو کھول کر ہمارا حکم ظاہر کر دیتا ہے، تم پر رسولوں کا سلسلہ ٹوٹ جانے پر،

اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ

کہ کبھی کہیں کہہ ڈالو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر۔ تو لو آگیا تمہارے پاس بشیر و نذیر۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ⁽١٩⁾

اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(اے اہل کتاب) کان کھول کر سن لو کہ (بیشک آگیا) ذریعۂ رضائے الٰہی بن کر (تمہارے پاس ہمارا رسول، جو کھول کر ہمارا حکم ظاہر کردیتا ہے تم پر)۔ بس اسی کی مخلصانہ اطاعت و پیروی کرو، میں خود تمھیں اپنا محبوب بنالونگا۔ اور یہ کتنی بڑی بات ہے۔ یاد رکھو کہ تمہارا خدا سے راضی ہونا کوئی خاص بات نہیں، بلکہ خاص بات تو یہ ہے کہ خود خدا تم سے راضی ہوجائے۔ اور یہ مقام اسی کو حاصل ہوتا ہے جو سراپا اخلاص ہو کر اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت و اتباع کرتا ہے۔ اور یہ وہ رسول ہے جو تم پر مبعوث کیا گیا (رسولوں کا سلسلہ ٹوٹ جانے پر)، یعنی حضور ﷺ ایسے وقت تشریف لائے کہ اس وقت رسل کرام علیہم السلام کی تشریف آوری اور وحی کی آمد بھی منقطع تھی۔ گویا آپ کے تشریف لانے کی اشد ضرورت تھی۔

ذہن نشین رہے کہ رفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ سلسلہ رہا کہ انبیاء علیہم السلام سے جبکہ ایک واصل بحق ہوتے، تو دوسرے تشریف لاتے۔ مگر حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھالئے جانے کے بعد، سید الانبیاء کے عہد تک بر بنائے قولِ مشہور تقریباً ۶۰۰ سال گزر گئے لیکن کوئی صاحب وحی و کتاب نبی نہیں آیا۔ بعض روایات میں اس عہد میں چار نبیوں کی آمد کا ذکر ہے، تو زیادہ قرین قیاس بات یہی ہے کہ وہاں نبی کا اطلاق ان نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں پر کردیا گیا ہے، جو مظہر شان نبوت تھے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر 'فترت' سے اپنا احسان جتلایا ہے۔ یہ اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد اور حضور سے پہلے کوئی اور نبی نہ ہو اور عرصہ دراز گزر جانے کے بعد انھیں سخت ضرورت محسوس ہوئی ہو، تاکہ انکی ضرورت کے پورا کرنے میں وہ سمجھیں کہ اب ہمارے اوپر نعمت و رحمت کا دروازہ کھلا ہے۔

'فترت' کا تقاضہ یہی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ورنہ اگر درمیان میں کوئی اور پیغمبر ہوتا، تو انکو حجت بازی کا موقع کیسے ملتا اور ان کیلئے اس عذر کو پیش کرنیکی گنجائش کہاں سے نکلتی کہ ہمارے ہاں کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا، جس عذر کا دروازہ بند کرنے کیلئے نبی آخر الزماں کو مبعوث کیا گیا۔ ویسے بھی روایتوں میں اس 'عہد فترت' میں خالد بن سنان اور انکے سوا جن بزرگوں کیلئے نبی ہونے کا گمان کیا گیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی اپنے نبی ہونے کا دعویٰ

نہیں کیا۔اور پھر اللہ کے رسول کا یہ فرمانا کہ: 'میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کے قریب تر ہوں میرے اور انکے درمیان کوئی نبی نہیں'۔ میں نے جو عرض کیا، اسکو راجح وانسب قرار دینے کیلئے کافی ہے۔۔الحتصر۔۔زمانہءفترت میں جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا، اپنے رسول کو مبعوث فرمانا، اگر ایک طرف رب کریم کا احسانِ عظیم ہے، تو دوسری طور اس عہد میں رہنے والو! خدا کو یہ پسند نہیں تھا اور اسے یہ منظور نہیں تھا۔۔۔

(کہ کبھی کہیں) تم یہ نہ (کہہ ڈالو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر، تو لو آ گیا تمہارے پاس بشیر ونذیر، اور) ایسا کیوں نہ ہو۔اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو پے در پے بھیجے، جیسا کہ مروی ہے کہ موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کے درمیان کم وبیش، ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ تھا۔اس اثناء میں کم وبیش ایک ہزار انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور اس بات پر بھی قادر ہے، کہ سلسلہ نبوت کو ایک عرصے کیلئے منقطع فرمادے اور پھر ایک ذات ستودہ صفات کو آخری نبی بنا کر بھیجے اور آئندہ کیلئے دروازۂ نبوت بند کردے، ایسا کہ قیامت تک پھر کسی کو نبوت کے منصب پر فائز نہ کرے۔جیسے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ایک طویل عرصہ تک کسی کو مبعوث نہیں فرمایا، اور پھر آخر میں ہمارے نبی ﷺ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنا کر مبعوث فرمایا۔۔۔

سابقہ آیات میں فرمایا تھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے بنواسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے بارہ نگراں مقرر کئے، تو اس آیت میں بنواسرائیل سے عہد اور میثاق لینے کا ذکر تھا اور اب آنے والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انکو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور اسکے مقابل میں بنواسرائیل کی سرکشی کا ذکر فرمایا ہے، کہ ان کو ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور انھوں نے اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کردیا۔

سابقہ ارشادات سے دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے رکوع میں سیدنا محمد ﷺ کی رسالت اور نبوت پر دلائل قائم کئے تھے اور یہ بتایا تھا کہ یہود آپ کی نبوت کو نہیں مانتے۔ اس رکوع میں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔جو یہود کے عناد پر دلالت کرتی ہیں۔ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بکثرت نعمتوں کا انکار کرتے تھے، دوسرے یہ کہ انھوں نے ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین کے خلاف لڑنے سے انکار کیا۔

ان آیتوں سے نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے کہ اگر یہود عناد کے سبب آپکی رسالت

کونہیں مانتے، تو آپ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں۔ عناد توان کی سرشت ہے، یہ اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی اور حضرت موسیٰ کی نافرمانی کر چکے ہیں۔ تو اے میرے پیارے محبوب! ﷺ اپنی نگاہِ علم وادراک میں اس واقعے کو حاضر کرلو۔۔۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو، "اے قوم یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر، کہ پیدا کیا

فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾

تم میں انبیاء کو، اور تم کو بنادیا بادشاہ، اور تم کو دیا جو کسی کو نہ دیا آج سارے جہاں میں" ●

(اور) یاد کرو (جب) کہ (کہا موسیٰ نے اپنی قوم) بنی اسرائیل (کو، اے قوم یاد کرو اللہ) تعالیٰ (کی) خاص (نعمت کو) جو اس نے تمہارے (اپنے اوپر) نازل فرمائی، وہ یہ (کہ پیدا کیا تم میں انبیاء کو) تا کہ تمھیں راہِ حق دکھائیں اور کسی امت میں اس قدر نبی مبعوث نہیں ہوئے، جتنے بنی اسرائیل میں ہوئے (اور تم کو بنادیا بادشاہ)، یعنی تمہاری برادری اور قوم ہی سے بادشاہ ہوئے۔

۔۔یا یہ کہ۔۔ایک دور تھا کہ تم غلام ومحکوم ہو کر فرعون والوں کے ملک وحکومت میں تھے اور تابع ہو کر انھیں جزیہ ادا کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھیں آزاد و خود مختار بنادیا۔۔یا یہ کہ۔۔اللہ تعالیٰ نے تم کو خدم وحشم والا بنادیا کہ تم نے اپنے لئے خدام ونوکر مقرر کر لئے، ورنہ اس سے پہلے یہ رسم نہ تھی۔۔یا یہ کہ۔۔تمھیں آراستہ محلات اور بلڈنگوں والا بنادیا جہاں آکر سکون وقرار حاصل ہو، اور جہاں خدمت کیلئے خدام حاضر ہوں۔ ان اشخاص کو بھی 'ملوک' کہا جاتا ہے جنکی بڑی بڑی کوٹھیاں ہوں، ان میں باغات لگے ہوں، اور ان میں ہر وقت پانی جاری رہتا ہو۔۔الختصر۔۔مذکورہ بالا تمام نعمتیں بنی اسرائیلیوں کو عطا فرمائی گئیں۔

(اور) اتنا نہیں بلکہ اے بنی اسرائیلیو! (تم کو) یعنی تمہارے مورثوں کو (دیا) اللہ تعالیٰ نے (جو کسی کو نہ دیا آج سارے جہاں میں)۔۔مثلاً: دریا کا پھٹ کر راستہ دے دینا، تمہارے دشمنوں کا ڈوب کر مر جانا، اور تمہارے سروں پر بادل کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا نزول، اور دیگر بڑے بڑے امور، اللہ تعالیٰ نے صرف تمھیں عطا فرمائے۔۔الختصر۔۔حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو ان ساری نعمتوں کو یاد دلایا اوران سے فرمایا کہ۔۔۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

”اے قوم داخل ہوز مین پاک میں جس کولکھ دیا اللہ نے تمہارے لیے،

وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾

اور نہ پلٹو اپنی پشت پر کہ پلٹ اٹھو گھاٹے میں“●

(اے) میری (قوم) کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا پاس ولحاظ رکھواور شکرادا کرو جسکی شکل یہ ہے کہ اسکی اطاعت کرو، جب اس نے حکم دے دیا ہے تو (داخل ہو) جاؤ (زمین پاک میں) یعنی بیت المقدس میں جہاں کی مقدس زمین شرک سے پاک ہے اور انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی قیام گاہ ہے۔ وہ مقدس زمین (جسکولکھ دیا اللہ) تعالیٰ (نے) لوحِ محفوظ میں (تمہارے لئے) کہ اگر تم ایمان لاؤ اور اطاعت کرو، تو وہ تمہارا مسکن رہے گی۔ لیکن جب انھوں نے نافرمانی شروع کردی، تو پھر انھیں وہاں سے نکال دیا اور پھر وہاں انکا داخلہ حرام فرمایا۔ انکو حکم تو یہی دیا گیا تھا کہ حکم الٰہی کی مکمل اطاعت کرو (اور نہ پلٹو اپنی پشت پر) یعنی جبابرہ کے خوف سے وہاں جانے سے پیچھے نہ ہٹو اور جس طرف سے آئے ہو، اسی طرف یعنی مصر کی طرف واپسی کا خیال ذہن سے نکال دو، کیونکہ اسطرح تم نافرمانوں میں ہو جاؤ گے ۔۔ الحاصل ۔۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے پیچھے نہ ہٹ جاؤ (کہ پلٹ اٹھو گھاٹے میں)، یعنی اگر تم نافرمانی کر کے لوٹو گے، تو تمہارا یہ حال ہوگا کہ تم خسارہ والے ہوگے اور ثواب دارین سے محروم ہو جاؤ گے۔

حضرت موسیٰ کے ارشادات سن کر نافرمانی کے ارادے سے ۔۔۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى

سب بولے، ”اے موسیٰ اس میں بڑے بڑے زبردست لوگ ہیں، ہم تو وہاں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ

يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

وہ وہاں سے نکل جائیں، ہاں اگر وہ نکل جائیں تو ہم ضرور پہنچیں گے“●

(سب بولے اے موسیٰ، اس میں بڑے بڑے زبردست لوگ ہیں)، وہ ایسے قوت والے ہیں کہ انکا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔۔ چنانچہ۔۔ (ہم تو وہاں داخل نہ ہونگے) اس زمین پر لڑنے کے واسطے،

(یہاں تک کہ وہ) بےلڑے بھڑے (وہاں سے نکل جائیں) اوراپنی ولایت ہمیں دے دیں۔ (ہاں اگروہ) ایسا کریں کہ ہم کومکمل قبضہ دیکر وہاں سے (نکل جائیں، تو ہم ضرور پہنچیں گے)۔ اس مقام پر یہ گمان نہ کرلیا جائے کہ اس انکار میں سب متفق تھے اور کوئی بھی حضرت موسیٰ کا حامی بھرنے والا نہ تھا۔ اسلئے کہ جب اکثر لوگوں نے حضرت موسیٰ کی اطاعت سے انکار کیا، تو اسی وقت۔۔۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا

اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو شخصوں نے کہا، ان دونوں پر اللہ کا انعام ہوا، کہ "داخل ہو

عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ

دروازہ میں زبردستی۔" پھر جب داخل ہو چکے تو بیشک تمہیں جیتے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

اوراللہ پر بھروسہ رکھواگر اسے مانتے ہو●

(اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والوں میں سے دو شخصوں نے کہا)، ایک حضرت یوشع اور دوسرے حضرت کالب، (ان دونوں پر اللہ) تعالیٰ (کا انعام ہوا)، جسکا یہ ثمرہ تھا کہ دونوں ہی اپنے ایمان اور اپنے عہد پر ثابت قدم رہے اوران پر جبارین کا خوف طاری نہیں ہوا۔۔ چنانچہ۔۔انھوں نے بنی اسرائیل کومشورہ دیا (کہ داخل ہو) جاؤ ان جبارین کے شہر 'اریحا' کے (دروازہ میں زبردستی) اوراچانک، تاکہ وہ صحرا میں جانے کا موقع پانہ سکیں اور تم انھیں تنگ راستے ہی میں گھیر لو۔ (پھر جب داخل ہو چکے) تم اس دروازہ سے اوراسی طریقہ پر جوہم نے کہا (تو) یقین جان لو کہ (بیشک تمہیں جیتے) اورفتحیاب ہوئے، اسلئے کہ ہم نے انھیں غور وخوض سے دیکھا، وہ دل کے نہایت کمزور ہیں، اگرچہ جسموں کے لحاظ سے موٹے ہیں۔ ان سے بالکل نہ گھبراؤ، بلکہ ان پر تنگ راستوں میں حملہ کردو، اسطرح انھیں بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ مل سکے گی۔۔ المختصر۔۔ انکا موٹاپا ان کیلئے بے فائدہ اور لاحاصل ہے۔

یہ بات انھوں نے الہامِ الٰہی سے جانی تھی۔۔یا۔۔ حضرت موسیٰ کے خبر دینے سے۔ ان مشورہ دینے والوں نے اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلادی، کہ جہاد فی سبیل اللہ میں اہل ایمان کی کامیابی خودانکے زورِ بازو کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ کامیابی اللہ تعالیٰ کی مدد اوراسی کی نصرت سے حاصل ہوتی ہے، تو پھر اپنی قوت وطاقت اوراپنے آلاتِ حرب وضرب پر بھروسہ نہ کرو، بلکہ دشمنوں سے بے خوف

ہو جاوٗ! (اور اللہ) تعالیٰ (پر بھروسہ رکھو، اگر اسے مانتے ہو) اور اس کے وعدہ پر یقین رکھتے ہو، اسلئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہو، تو اسکا تقاضہ یہی ہے کہ اس پر لازماً توکل کرو۔ مگر ان دونوں کی باتوں کی پرواہ کیئے بغیر اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے، باقی۔۔۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ

سب بولے، "اے موسیٰ ہم تو کبھی داخل نہ ہوں گے جب تک وہ اس میں ہیں، تو چلے جاوٗ تم

وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور تمہارا پروردگار، پھر دونوں مل کر جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں"●

(سب بولے اے موسیٰ ہم تو کبھی داخل نہ ہونگے) جبابرہ کے شہر میں (جب تک وہ اس میں) ٹھہرے ہوئے (ہیں)۔ ان سرکش لوگوں کے دل سے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی قدر و منزلت اٹھ گئی ہے۔ اسلئے گستاخانہ لب و لہجے میں حضرت موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ! بارہ[۱۲] نقیبوں میں آپ صرف دو ہی کا مشورہ قبول کرتے ہیں اور انکے سوا دس[۱۰] کی بات نہیں مانتے، پھر بطورِ استہزاء بولے کہ اے موسیٰ جب تم ہماری بات نہیں مانتے، (تو چلے جاوٗ تم اور تمہارا پروردگار، پھر دونوں مل کر جنگ کرو) تماشہ دیکھنے کیلئے (ہم یہاں بیٹھے ہیں)۔

اپنے اس کلام کے ذریعہ انھوں نے خدا اور رسول کی شان میں سخت بے ادبی کا مظاہرہ کیا ہے اور بدترین گستاخی کر بیٹھے ہیں۔

حضرت موسیٰ نے جب انکی یہ سرکشی اور ہٹ دھرمی دیکھی تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں رقیق القلب ہو کر نہایت ہی حزیں و غمگین ہو کر۔۔۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا

کہا موسیٰ نے، "پروردگارا میں نہیں ذمہ دار ہوں مگر اپنی ذات کا اور اپنے بھائی کا، تو الگ الگ کر دے ہم کو

وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

اور نافرمان قوم کو"●

(کہا موسیٰ نے پروردگارا، میں نہیں ذمہ دار ہوں مگر اپنی ذات کا اور اپنے بھائی کا)۔۔۔ چنانچہ ۔۔۔ صرف ہم دونوں تیرے ارشاد کی تعمیل کیلئے حاضر ہیں (تو الگ الگ کر دے ہم کو اور نافرمان قوم کو)

جو تیرے حکم سے باہر ہوگئے ہیں۔ تو ہمارے ساتھ وہ کر جسکے ہم مستحق ہیں اور ان نافرمانوں کے ساتھ وہ کر، جس کے وہ مستحق ہیں۔ حضرت موسیٰ کی اس گزارش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد۔۔۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ

فرمایا، "تو بے شک وہ اس زمین سے چالیس سال تک محروم ہوئے ٹاپتے پھریں گے زمین میں،

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۟ؒ (۲۶)

تو افسوس مت کرنا ان نافرمانوں پر"●

ع ۷/۸

(فرمایا، تو بیشک وہ اس زمین سے چالیس سال تک محروم ہوئے) نہ اس میں داخل ہوسکیں گے اور نہ ہی اسکے مالک ہوسکیں گے، اپنی نافرمانی کی شامت کی وجہ سے۔۔ المختصر۔۔ چالیس سال تک بیت المقدس میں انکا داخلہ حرام ہوگا، تو اس مدت میں نہ وہ اس میں داخل ہوسکیں گے اور نہ ہی اس کے کسی حصے کے مالک بن سکیں گے، بلکہ انھیں ان ایام میں کسی ایک جگہ سکون سے ٹھہرنا بھی نصیب نہ ہوگا اور اِدھر اُدھر (ٹاپتے پھریں گے زمین میں)۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضرت موسیٰ کی قوم زمین تیہ میں 'جو مصر سے بارہ میل کی دوری پر ہے' چالیس برس سرگرداں رہی۔ ہر صبح کو سفر کا قصد کرتے اور شام تک چلتے اور شب کو پھر وہیں ہوتے جہاں سے صبح کو چلے تھے۔ یہ پوری قوم صرف اٹھارہ میل کے احاطے والے میدان سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ گو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بھی انکے ساتھ تھے، لیکن انکے لئے راحت وفرحت تھی اور دوسروں کیلئے سزا، جیسے نار نمرودی حضرت ابراہیم کیلئے گلزار اور سلامتی وراحت وسرور کا سبب بن گئی اور دوسروں کی نظر میں وہ آگ تھی۔

اس مقام پر نحوست وبرکت دونوں کا مظاہرہ ہورہا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بنو اسرائیل کی نحوست سے انکے ساتھ چالیس سال جنگل میں رہے اور بنو اسرائیل پر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی برکت سے بادلوں نے سائے کئے، ان پر من وسلویٰ نازل ہوا، تاکہ واضح ہوجائے کہ بزرگوں کی صحبت میں کیا برکت ہوتی ہے اور بدبختوں کی صحبت میں کتنی پریشانی ہوتی ہے۔ جب حضرت موسیٰ نے اپنے قوم کے حق میں دعا کی اور حکم ہوا کہ یہ لوگ چالیس سال تک سرگرداں اور حیران پھرا کرینگے تو حضرت موسیٰ پشیمان وشرمندہ ہوئے، تو

حق تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا کہ جب ہم نے انکی حیرانی اور پریشانی کا حکم کرہی دیا اور وہ اسلئے کہ یہ لوگ بجا طور پر اسکے مستحق تھے۔۔۔

(تو) اے موسیٰ! (افسوس مت کرنا ان نافرمانوں پر) انکی حیرانی و پریشانی دیکھ کر۔ اسلئے کہ اپنی بے ادبیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے وہ اپنے کو اس سزا کا حقدار بنا چکے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خطاب ہمارے رسولِ کریم سے ہے، کہ موسیٰ کی قوم ایک مدت تک سرگرداں اور حیران رہی تھی۔ تو اے محبوب! آپ ان پر غم نہ کھاؤ، اسلئے کہ فسق و نافرمانی کی وجہ سے وہ حضرت موسیٰ کی دعائے قہر کے لائق ہو گئے تھے۔۔۔ یہود اپنے حسد اور بغض کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو ظالمانہ کاروائی کرتے تھے اور موقع بہ موقع آپکو آزار پہنچانے کی تگ و دو میں لگے رہتے تھے اور تورات کے ضمن میں انھوں نے آپ پر ایمان لانے کا جو عہد و میثاق کیا تھا، اسکو توڑ چکے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو تسلی دینے کیلئے اس سے پہلی آیتوں میں یہود کی عہد شکنیوں کو بیان فرمایا کہ۔۔۔

یہود نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے توڑ دیا اور انھوں نے حضرت موسیٰ سے عہد کر کے اسکو توڑا۔ اب اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرما رہا ہے، کہ جس طرح یہود نے حسد کی وجہ سے آپ کی نبوت کو نہیں مانا اور آپ کی مخالفت کی، اسطرح آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے قابیل نے حسد کی وجہ سے انکے دوسرے بیٹے ہابیل کو قتل کر دیا۔ تو اے محبوب! حسد، ضد اور حکمِ الٰہی سے بغاوت، کا کیا انجام ہوتا رہا ہے، اسکو سمجھانے کیلئے۔۔۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

اور انھیں پڑھ کر بتاؤ آدم کے دونوں بیٹوں کا ٹھیک واقعہ۔۔۔ جب کہ دونوں نے اپنی اپنی نیاز کی، پھر

مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ

ان میں ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ ہوئی۔ تو وہ بولا کہ "ہم تم کو مار ڈالیں گے ضرور"۔

قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾

جواب دیا کہ "اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اپنے ڈرنے والوں سے"●

(اور) واضح کر دینے کیلئے (انھیں) یعنی اہل کتاب کو (پڑھ کر بتاؤ آدم کے دونوں بیٹوں کا ٹھیک) یعنی سچا (واقعہ)۔

وقف لازم

النصف

انکا قصہ مجمل طور پر یہ ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام ہر حمل میں ایک لڑکا ایک لڑکی جنتی تھیں۔ جب وہ بڑے ہوتے، تو حضرت آدم ایک حمل کی لڑکی دوسرے حمل کے لڑکے کے نکاح میں دیدیتے۔ جو لڑکی قابیل کے ساتھ پیدا ہوئی، اسکا نام اقلیما تھا اور وہ نہایت حسینہ جمیلہ تھی۔ اور ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی تھی، اسکا نام لیوذا تھا۔ وہ ایسی خوبصورت نہ تھی۔ جب یہ چاروں جوان ہوئے حضرت آدم علیہ السلام نے لیوذا کو قابیل کیلئے نامزد کردیا اور اقلیما کو ہابیل سے منسوب کیا۔ قابیل نے حضرت آدم کی اس تجویز سے انکار کیا اور کہا کہ میری بہن بہت خوبصورت ہے اور میرے ساتھ رحم مادر میں رہی ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ وہ میرے نکاح میں آئے۔

حضرت آدم نے فرمایا کہ حکم خدا یونہی صادر ہوا ہے، مجھے اس میں کیا اختیار۔ قابیل نے نہ مانا اور کہا کہ تم ہابیل کو مجھ سے زیادہ چاہتے ہو، اس وجہ سے جو لڑکی بہت خوبصورت ہے، وہ اسکے عقد میں دیا چاہتے ہو۔ حضرت آدم نے فرمایا میری بات باور نہیں کرتے ہو، تو تم دونوں سے جو کچھ ممکن ہو اسکی قربانی کرو، جسکی قربانی مقبول ہو جائیگی، اقلیما اسی کی ہے۔

--چنانچہ--(جب کہ دونوں نے اپنی اپنی نیاز) پیش (کی) اور بارگاہِ الٰہی میں اس قربانی کے ذریعہ اپنا تقرب چاہا۔

ہابیل کے پاس بکریاں تھیں اور ایک خصی بہت فربہ جسے وہ نہایت دوست رکھتا تھا، لایا اور پہاڑ پر رکھا اور نیت کی کہ اگر میری قربانی قبول نہ ہوگی، تو میں اقلیما کو چھوڑ دونگا۔ اور قابیل کے کھیتی تھی، وہ اس میں سے ایک مٹھا گیہوں کا لایا اور وہ بھی ناقص، جس میں دانے کم اور پتلے پتلے تھے، چونکہ اسے رضائے الٰہی مطلوب نہیں تھی، اسلئے وہ اپنا پسندیدہ قیمتی اور اچھا مال قربانی کیلئے نہیں پیش کرسکا۔ ساتھ ہی ساتھ اسکی نیت کا فتور یہ تھا، کہ اس نے اپنے جی میں سوچا کہ اگر میری یہ قربانی قبول ہوجائے، پھر تو ٹھیک ہی ہے اور اگر نہ قبول ہوئی، جب بھی میں اپنی بہن سے دست بردار نہ ہونگا۔

(پھران میں ایک کی) قربانی (قبول ہوئی) اور وہ ہابیل کی قربانی تھی۔

اسکی قبولیت کی شکل یہ تھی کہ آسمان سے بے دھویں کی سفید آگ اتری اور خصی کو جلاگئی، چونکہ اس وقت کوئی محتاج اور فقیر نہ تھا، جسے ایسی قربانی کھانا روا ہو، اسلئے اسکی قبولیت کی علامت یہی تھی کہ آگ آئے اور اسے کھاجائے۔۔ الغرض۔۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی۔

(اور دوسرے) یعنی قابیل (کی) قربانی قبول (نہ ہوئی)۔ چنانچہ آگ آئی اور اسکی قربانی کی طرف سے گزر گئی، لیکن اسکو جلانے کی طرف ملتفت نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر غصے کی آگ قابیل کے دل میں بھڑکی اور حسد کے دھویں نے اسکے دیدۂ بصیرت پر اندھیرا چھادیا، (تو وہ بولا کہ) قسم خدا کی (ہم تم کو) قتل کر کے (مار ڈالیں گے ضرور) اس واسطے کہ تیری قربانی مقبول ہوئی اور میری مردود ہوئی۔ اسکی اس بات کو سن کر ہابیل نے (جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اپنے ڈرنے والوں سے) جنھوں نے قربانی میں اپنی نیت خالص کر لی ہے۔ اور اے قابیل سن لے کہ۔۔۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ

"اگر تو نے ہاتھ بڑھایا میری طرف کہ مجھ کو قتل کردے، تو بھی میں دست درازی نہ کروں گا، کہ تجھ کو

لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

مار ڈالوں۔ میں تو ڈرتا ہوں اللہ کو، پالنے والا سارے جہان کا"●

(اگر تو نے ہاتھ بڑھایا میری طرف کہ مجھ کو قتل کردے، تو بھی میں دست درازی نہ کرونگا کہ تجھ کو) قتل کر کے (مار ڈالوں)۔ اگرچہ حضرت ہابیل، قابیل سے بہت زیادہ قوی اور صاحب شوکت تھے، مگر انھوں نے راہِ عزیمت اختیار فرمائی۔

حضرت عثمانِ غنی نے بھی بلوائیوں سے مقابلے کی پوری طاقت وقوت رکھنے کے باوجود مقابلہ نہیں کیا اور شہید ہوگئے۔ اسطرح ان سے حضرت ہابیل کی سنت ادا ہوگئی، کہ اپنی ذات کیلئے انھوں نے بھی راہِ عزیمت ہی کو پسند فرمایا۔ الحاصل۔۔اسطرح کی شہادتیں خودکشی نہیں۔

حضرت ہابیل نے قضائے الٰہی اور رضائے خداوندی کیلئے سرنیاز خم کر کے فرمادیا کہ۔۔۔

(میں تو ڈرتا ہوں اللہ) تعالیٰ (کو) جو (پالنے والا) ہے (سارے جہان کا) کہ کہیں وہ ہم سے ناراض نہ ہوجائے۔ اور اس میں دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ۔۔۔۔

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ

میں چاہتا ہوں کہ تو لے جائے میرے گناہ اور اپنے گناہ، کہ ہوجا جہنم والوں سے۔

وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾

اور یہ ظالموں کا بدلہ ہے●

(میں چاہتا ہوں کہ تو لے جائے میرے) قتل کا (گناہ اور اپنے) حسد اور نبی کی نافرمانیوں کا (گناہ) دونوں کا بوجھ، تا (کہ ہوجا) ئے تو (جہنم والوں سے)، یعنی تو میرے قتل سے دوگنا ہوں میں ملوث ہوگا اور ان دونوں کا گناہ تیرے سر پر ہوگا۔ ایک تو تیرا وہ گناہ، جو تمہاری قربانی کے مردود ہونے کا سبب تھا اور دوسرا وہ گناہ، جو مجھے قتل کردینے کی وجہ سے تمہارے نامہء اعمال میں آجائیگا۔

(اور یہ ظالموں کا بدلہ ہے) جو ناحق کسی کو قتل کرتے ہیں کیونکہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے راضی نہ ہو، اس ظالم کی سزا یہی ہے کہ وہ جہنم میں جائے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اپنے بھائی کو ناحق قتل کرنا شرعاً وعقلاً ناجائز ہے۔ بلکہ اس سے طبعی طور پر بھی بہت نفرت وکراہت ہوتی ہے، جس سے الٹا خود نفس ایسے کام کرنے سے دور بھاگتا ہے۔ لیکن نفس امارہ پر اگر درندگی کی صفت کا غلبہ ہوجائے، تو پھر وہ ایسے فعل کے ارتکاب میں کسی قسم کی تنگی نہیں محسوس کرتا۔ پھر ایسا محسوس ہونے لگتا ہے، گویا اس فعل پر الٹا اسے نفس امارہ نے ابھارا ہے۔ چنانچہ بالآخر ایسا ہی ہوا۔۔اور۔۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

پھر لگا دیا اس کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے مارڈالنے کو، تو اس کو مارڈالا، تو ہوگیا گھاٹے والوں سے ●

(پھر) ابھارا اور (لگا دیا اسکو) یعنی قابیل کو (اسکے نفس نے اپنے بھائی) ہابیل (کے مار ڈالنے کو)۔

قتل کرنے سے پہلے وہ یہ بھی سمجھ نہیں پارہا ہے کہ قتل کیسے کیا جاتا ہے۔ پھر اس نے دیکھا ایک انسان 'دراصل وہ ابلیس تھا جو انسانی بھیس میں آیا تھا' اسکے سامنے ایک پرندہ یا سانپ لایا، اسکا سر ایک پتھر پر رکھ کر دوسرا پتھر اسکے سر پر مارا، جس سے وہ مرگیا۔ یہ دیکھ کر قابیل نے سمجھ لیا کہ کسی کو یوں قتل کیا جاتا ہے۔ یہ ترکیب دیکھ کر وہ چپ رہا، یہاں تک کہ ایک دن۔۔باختلاف روایات۔۔جنگل میں بکریوں کو چراتے ہوئے۔۔یا۔۔جبل ثور پر۔۔یا۔۔حراء کے پیچھے۔۔یا۔۔بصرہ میں، کہ جہاں آج جامع مسجد ہے، جبکہ ہابیل کی عمر بیس سال تھی، اس نے دیکھا کہ ہابیل پتھر پر سر رکھ کر سورہا ہے۔۔۔

(تو) ایک پتھر اسکے سر پر مارا، جس سے بھیجا بکھر گیا اور اسطرح (اسکو) قتل کرکے (مارڈالا)۔

(تو) اپنے اس قبیح عمل کے سبب وہ (ہوگیا گھاٹے والوں سے)، دنیا میں تو اسطرح کہ پھر عمر بھر کیلئے

مردود رہا اور آخرت میں اسلئے کہ سب دوزخیوں کا آدھا عذاب اکیلے اسی پر ہوگا۔

اپنے بھائی کو قتل کردینے کے بعد قابیل کی سمجھ میں یہ نہیں آسکا، کہ اب اس لاش کے ساتھ کیا کرے۔ اگر کسی میدان میں چھوڑ دے، تو خطرہ تھا کہ کہیں درندے پھاڑ کر کھا نہ جائیں، تو اس نے ایک مشکیزہ میں بند کر کے پیٹھ پر رکھ لیا اور اسے چالیس یوم ۔۔یا۔۔ایک سال ۔۔یا۔۔چالیس سال اٹھا کر پھرتا رہا، یہاں تک کہ تھک گیا۔ پرندے اور درندے اس انتظار میں تھے، کہ کب وہ اسے نیچے پھینکتا ہے، تا کہ ہماری غذا بنے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبۡحَثُ فِى الۡاَرۡضِ لِيُرِيَهٗ كَيۡفَ يُوَارِىۡ سَوۡءَةَ اَخِيۡهِ‌ؕ

تو بھیجا اللہ نے ایک کوا، کہ زمین کریدے تا کہ اسے دکھادے کہ کس طرح چھپائے اپنے بھائی کی لاش۔

قَالَ يٰوَيۡلَتٰٓى اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِثۡلَ هٰذَا الۡغُرَابِ

بولا "ہائے رے، میں کیا اتنا بھی نہ ہوا کہ اس کوے کی طرح ہوں کہ اپنے

فَاُوَارِىَ سَوۡءَةَ اَخِىۡ‌ۚ فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِيۡنَ ۛۚ ﴿۳۱﴾

بھائی کی لاش تو چھپادوں"۔ تو کھسیانا ہو گیا●

(تو) ایسی صورت میں (**بھیجا اللہ**) تعالیٰ (**نے ایک کوا کہ زمین کریدے، تا کہ اسے دکھا دے کہ کس طرح چھپائے اپنے بھائی کی لاش**)۔۔چنانچہ۔۔دو کوے اس کے سامنے آ کر لڑنے لگے، ایک نے دوسرے پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا، پھر گڑھا کھود کر زمین میں دبا دیا۔ قابیل یہ ماجرا دیکھتا ہے، پھر اپنی عقل پر افسوس کرتا ہوا (**بولا ہائے رے میں کیا اتنا بھی نہ ہوا کہ**) ظاہر کرسکوں کہ میں کم از کم (**اس کوے کی طرح ہوں**) تا (**کہ اپنے بھائی کی لاش تو چھپادوں**)۔ جو بات ایک کوے نے کر کے دکھادی، میں اس بات کو بھی سمجھنے سے عاجز رہا۔۔چنانچہ۔۔جب کوے نے یہ کام کر کے دکھایا (**تو**) وہ (**کھسیانا ہو گیا**) اور یہ سوچ کر شرم سے پانی پانی ہو گیا، کہ ایک حقیر جانور نے جو کر کے دکھایا اسے میں سمجھنے سے قاصر رہا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکی ندامت کی وجہ یہ تھی، کہ اسکے ماں باپ اس سے بیزار ہو گئے تھے اور اسکا سارا بدن سیاہ ہو گیا تھا اور ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے 'كُنۡ خَائِفًا اَبَدًا' یعنی ہمیشہ خائف رہ۔ پھر یہ حال ہو گیا کہ قابیل جسکو دیکھتا تھا، ڈر جاتا تھا کہ کہیں یہ مجھے قتل نہ کردے

اورآخراپنے ہی ایک اندھے بیٹے کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ قابیل کی ندامت اسکی اپنی پریشانی، کم فہمی اوراپنے رسواکن حالات کی وجہ سے تھی۔۔الغرض۔۔ اسکی یہ ندامت گناہ کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہیں تھی اور چونکہ یہ ندامت توبہ کے طور پر نہ تھی، اسلئے اسکی ندامت نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا۔

قابیل وہابیل کے قصے سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

﴿۱﴾۔۔قتل کے فعل میں اللہ تعالیٰ کی شدید نافرمانی اوراسکی ناراضگی ہے۔

﴿۲﴾۔۔قتل کرنے والا دوزخی ہے، نقصان اٹھانے والا ہے، اور پچھتانے والا ہے۔

۔۔۔تو چونکہ قتل کرنا ان خرابیوں کا سبب ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر قتل میں قصاص یعنی بدلہ لینے کو واجب کردیا، تاکہ لوگ کسی کو ناحق قتل کرنے سے باز رہیں۔ یہی وہ اصل مقصد تھا، جسکو بیان کرنے سے پہلے ہابیل وقابیل کا قصہ بطور تمہید ذکر کردیا گیا اور اسکو علت قرار دیا گیا، حکم قصاص کی۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا

اسی لیے۔۔۔ ہم نے آل یعقوب پر لکھ دیا، کہ جس نے کسی جان کو قتل کیا، نہ جان کے بدلے،

بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ

نہ زمین پر کسی مجرمانہ شورش کی سزا میں، تو اس نے گویا قتل کرڈالا سب لوگوں کو،

وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

اور جس نے مرنے سے بچایا ایک جان کو، گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا، اور بیشک ان میں آئے ہمارے، بہت سے رسول

بِالْبَیِّنٰتِ ٝ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

روشن دلیلوں کے ساتھ۔ پھر بھی ان کے بہتیرے زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں●

(اسی لئے ہم نے آل یعقوب پر لکھ دیا) انکی کتاب میں، اور حکم کیا ہم نے بنی اسرائیل کو۔۔ کو قتل ناحق کی حرمت اوراس پر قصاص کا وجوب بنی اسرائیل سے پہلے کی امتوں پر بھی تھا، لیکن بنواسرائیل کی خصوصیت یہ تھی، کہ یہ حکم پہلی بار انکی کتاب میں نازل فرمایا گیا۔ اس سے پہلے انبیاء زبانی طور پر قصاص کا ذکر فرمادیا کرتے تھے۔

(کہ جس نے کسی جان کو قتل کیا، نہ جان کے بدلے)، یعنی قتل بطور قصاص عمل میں نہیں آیا

وقف لازم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(نہ زمین پر کسی مجرمانہ شورش)۔۔مثلاً: رہزنی، ارتداد اور شادی شدہ کا زنا میں مبتلا ہونے (کی سزا میں) قتل نہیں کیا گیا۔(تو) ایسا قتلِ ناحق کر کے (اس نے گویا قتل کر ڈالا سب لوگوں کو)۔

اسلئے کہ ایک بے قصور انسان کا عمداً قتل کرنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے جتنا تمام انسانوں کو قتل کر دینا۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو عمداً قتل کرنے کی سزا جہنم مقرر کی ہے۔اس پر اپنا غضب نازل کیا، لعنت کی اور اسکے لئے عذاب عظیم تیار کیا۔اور اگر کوئی شخص تمام انسانوں کو قتل کر دیتا، تب بھی اسکی یہی سزا ہوتی۔۔نیز۔۔اگر تمام انسان کسی ایک بے قصور انسان کے قتل میں عمداً شریک ہوں، تو ان سب کو قصاص میں قتل کر دیا جائیگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک بے قصور انسان کو عمداً قتل کرنا، اتنا سنگین جرم ہے جو تمام انسانوں کے قتل کے برابر ہے۔

ویسے بھی کسی بے قصور انسان کو عمداً قتل وہی کر سکتا ہے، جسکی طبیعت پر غضب کا غلبہ ہے، اور جو اپنے جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک شخص کو قتل کر سکتا ہے، تو اسکے بعد دوسرے شخص کو پھر تیسرے شخص کو بھی قتل کر سکتا ہے۔اور اگر۔۔بالفرض۔۔اس سے ممکن ہو، تو وہ اپنے جوش غضب میں تمام انسانوں کو بھی قتل کر سکتا ہے۔جیسا کہ امریکہ کے ایک صدر نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے، جس سے لاکھوں انسان ہلاک ہو گئے اور جیسے امریکہ ہی کے دوسرے صدر نے، افغانستان و عراق میں لاکھوں انسانوں کا قتل عام کرا دیا۔

(اور) اسکے برخلاف (جس نے مرنے سے بچایا ایک جان کو، گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا)۔

۔۔مثلاً: کوئی شخص آگ میں جل رہا تھا، یا دریا میں ڈوب رہا تھا، یا بھوک سے مر رہا تھا، یا سردی میں ٹھٹھر کر مرنے والا تھا، اور کسی نے اسکو اس مصیبت سے نکال کر اس کی جان بچالی، تو اللہ کے نزدیک اسکی یہ نیکی اتنی عظیم ہے، جیسے کسی شخص نے تمام انسانوں کو موت کے چنگل سے آزاد کرا لیا ہو۔

۔۔الختصر۔۔قتل و غارت کے افعال قبیحہ سے بچانے کیلئے، (اور) زمین پر قتل ناحق کو معمولی گناہ سمجھ کر حد سے بڑھ جانے والوں کی ہدایت کیلئے، (بیشک ان) بنو اسرائیلیوں (میں آئے ہمارے بہت سے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ، پھر بھی انکے بہتیرے زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں)، جو حد اعتدال سے متجاوز ہیں۔۔یا۔۔قتل میں زیادتی کرنے والے۔۔یا۔۔اوامر و نواہی کے حدود سے گزرے

ہوئے ہیں۔۔اور۔۔ یہ بھی اس عالم میں کہ ان پر احکامِ الٰہیہ پر مشتمل کتاب نازل فرمائی جاچکی ہے اور ان میں اللہ کے رسول معجزات و بینات کے ساتھ مبعوث فرمائے جاچکے ہیں، یعنی احکامِ الٰہی ان تک بخوبی پہنچ چکے ہیں۔تو یہ ظالمین کان کھول کر سن لیں کہ۔۔۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ

ان کا بدلہ جو جنگ کریں اللہ اور اس کے رسول سے اور کرتے پھریں زمین میں

فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ

جھگڑے، یہ ہے کہ ایک ایک مارڈالے جائیں یا پھانسی پر لٹکائے جائیں یا انکے ایک طرف کے ہاتھ تراش لیے

مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡیٌ

جائیں تو دوسری جانب کے پاؤں، یا اپنی زمین سے نکال دیے جائیں۔ یہ تو ان کی

فِی الدُّنۡیَا وَلَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳۳﴾

دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کیلئے بڑا عذاب ہے●

(انکا بدلہ جو جنگ کریں اللہ) تعالیٰ **(اور اسکے رسول)** کے دوستوں، یعنی اہل اسلام **(سے اور کرتے پھریں زمین میں جھگڑے)** یعنی فساد کے واسطے راہ زنی اور لوٹ مار کرتے رہیں **(یہ ہے، کہ ایک ایک)** کر کے چن چن کر **(مارڈالے جائیں)** اگر کسی کو انھوں نے قتل کیا ہو لیکن مال نہ لیا ہو۔ **(یا پھانسی پر لٹکائے جائیں)** اگر انھوں نے قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لیا ہو۔ **(یا انکے ایک طرف کے ہاتھ تراش لئے جائیں تو دوسری جانب کے پاؤں)** اگر مال لیا ہو اور کسی کو قتل نہ کیا ہو۔ **(یا اپنی زمین سے نکال دیئے جائیں)** اگر انھوں نے لوٹ مار نہ کی ہو، مگر ڈرایا اور دھمکایا ہو۔ بہتر یہی ہے کہ ایسوں کو شہر بدر کرنے کی بجائے قید کر کے رکھا جائے، تا کہ انکے شر سے دوسرے شہر کے مسلمان محفوظ رہیں۔

اگر چہ یہ آیت کریمہ خاص کر کے کافر ڈاکوؤں کے متعلق نازل فرمائی گئی، لیکن اسکا حکم عام ہے، خواہ وہ لٹیرے کافر ہوں یا مسلمان، سب کیلئے یہی حکم ہے۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو آنحضرت ﷺ کے حکم سے قبیلہ بنی عرینہ کے ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے، اور انکی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی۔۔نیز۔۔انھیں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ جو لوگ مدینہ حاضر ہو کر اولاً مشرف باسلام ہوئے، پھر کچھ دنوں کیلئے مدینہ شریف ہی ٹھہر گئے، اس اثناء میں وہ

یسار پڑ گئے اور جب صحیح اور تندرست ہو گئے، تو ایک دن صبح کو متفق ہو کر خاص آنحضرت ﷺ کے پندرہ اونٹ ہانک لے چلے اور اپنے قبیلے کی طرف روانہ ہو گئے۔

آپ ﷺ کے غلام یسار نے جب انکا پیچھا کیا، تو ان ظالموں نے یسار کو پکڑ لیا اور ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھوتے رہے، یہاں تک کہ یسار شہید ہو گئے۔

جب آپ ﷺ کو اسکی خبر ہوئی، تو کرز بن جابر کو بیس ۲۰ سواروں کے ساتھ انکے پیچھے بھیجا، انھوں نے جا کر سبھوں کو گرفتار کر کے انکے ہاتھ، گردنوں میں باندھے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے انکے تعلق سے مذکورہ بالا حکم ارشاد فرمایا۔

(یہ تو انکی دنیا میں رسوائی ہے) کہ انھیں ذلت کی موت نصیب ہوئی **(اور آخرت میں انکے لئے)** اس سے بھی کہیں **(بڑا عذاب ہے)**، ایسا کہ اسکا اندازہ نہیں ہو سکتا، اسلئے کہ انکا جرم سنگین ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۚ

مگر جنھوں نے توبہ کر لی قبل اس کے کہ تم انھیں گرفتار کرو،

فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۴﴾

تو جان رکھو کہ اللہ غفور رحیم ہے●

(مگر جنھوں نے توبہ کر لی قبل اسکے کہ تم انھیں گرفتار کرو)، تو اللہ تعالیٰ اپنے حقوق انھیں معاف کر دیگا۔ **(تو)** اچھی طرح **(جان رکھو کہ اللہ)** تعالیٰ **(غفور)** یعنی توبہ کے سبب سے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور توبہ کرنے والوں پر **(رحیم)** ومہربان **(ہے)**۔

حقوق العباد پھر بھی معاف نہیں، اسلئے کہ وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔ ڈاکو، باغی، جب کسی کو قتل کر دیں، پھر گرفتاری سے پہلے اپنی غلطی سے تائب ہو جائیں کہ آئندہ ایسے فعل کے مرتکب نہیں ہونگے، تو ان سے صرف حد قتل کی سزا معاف ہوگی، لیکن مقتول کے ورثاء کا حق بحال رہے گا، کہ اگر چاہیں تو قصاص لیں چاہیں معاف کر دیں۔ اسی طرح وہ کسی کا مال چھین لیں اور گرفتاری کے قبل تائب ہو جائیں، تو قطع ید کی سزا معاف ہو جائیگی، لیکن مالکان کا حق ادا کرنا واجب ہوگا۔

اسی طرح اس نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا، تو سولی نہ چڑھایا جائیگا، لیکن ورثاء کے حوالے کیا جائیگا، چاہے قصاص لیں چاہے معاف کر دیں اور مال بھی لیں۔ لیکن ان غلطیوں کے

ارتکاب کے بعد اگر گرفتار ہو جائیں اور پھر توبہ کریں، تو اس وقت کی توبہ سے حد معاف نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی ان سے مالکان کا حق معاف ہوگا۔ البتہ آخرت کے عذاب عظیم سے بچ جائیں گے، یہ احکام مسلمان ڈاکوؤں کے ہیں۔

رہے مشرک ڈاکو، انکے متعلق تفصیل یہ ہے کہ ان کی گرفتاری سے قبل یا بعد کی توبہ قابل قبول ہے۔۔ مثلاً: ایسی غلطیوں کے ارتکاب کے بعد گرفتار ہو۔۔یا۔۔نہ ہو، لیکن اگر اس نے توبہ کرلی اور دولت ایمان سے نواز دیا گیا، تو اب اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کیا جائیگا۔ یعنی اس پر نہ سزا ہوگی اور نہ ہی مال کا مطالبہ ہوگا، اسلیئے کہ ایمان اسکے لئے ہر طرح کے امن و سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔

اس سے پہلے متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی، عناد اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر انکی جسارت اور دیدہ دلیری کو بیان فرمایا تھا اور اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنے سے انکے بعُد اور دوری کا ذکر فرمایا تھا۔ اللہ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ، اسکے خوف سے گناہوں کا ترک کرنا اور عبادات کا بجالانا، یہود نے اس وسیلے کو حاصل نہیں کیا تھا۔ اسلیئے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارا طریقہ یہود کے برعکس ہونا چاہئے۔ تم اللہ کے خوف سے گناہوں کو ترک کر کے اور عبادت کر کے اسکے قرب کا وسیلہ تلاش کرو۔

اس میں ایک ہدایت یہ بھی ہے کہ مسلمانو تم یہود کی طرح اپنے باپ دادا کے اعمال پر فخر نہ کرو، بلکہ اپنے اکابر اور اسلاف پر فخر کرنے کے بجائے نیک اعمال میں کوشش کرو، اور عبادات کے ذریعہ خدا کے قرب اور نجات کا وسیلہ تلاش کرو۔۔۔ ایمان والو! جب تم پر واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، تو قبولیت توبہ کیلیئے اسکی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

اے وہ جو ایمان لا چکے! اللہ کو ڈرو اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ،

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور جہاد کرو اس کی راہ میں، امید رکھو کہ کامیاب ہو جاؤ●

تو (اے وہ جو ایمان لا چکے)، ایمان لا کر ہی مطمئن نہ ہو جاؤ، اور اسی کو اپنی آخری منزل نہ سمجھ لو، اسلیئے کہ ایمان لانے ہی کے بعد تو کام شروع ہوتا ہے۔ سارے اسلامی فرائض، واجبات اور

موکدات کا مخاطب ایمان والا ہی ہوتا ہے۔ایمان کے بعد اعمال صالحہ کو اپنانا لازمی ہے، تو (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) اور کسی حال میں بھی اسکی مخلصانہ اطاعت وفرمانبرداری سے منہ نہ موڑو۔اور اس نے جو جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو، اور جس جس سے روکا ہے اس سے رکو، اور اسکے قریب تک نہ جاؤ۔

--الختصر--اپنے سر سے پیر تک میں پورے طور پر اسلام کو داخل کرلو--یا--بلفظ دگر تم خود سر سے پیر تک اسلام میں داخل ہو جاؤ۔اپنے ظاہری اور باطنی ہر ہر حصے کو مسلمان بنالو۔تم کو کوئی کسی زاویئے اور کسی بھی نظر سے دیکھے، تم اسے مسلمان ہی نظر آؤ۔یہ ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔

--مگر--خیال رہے کہ ایمان واعمال صالحہ کو اپنا کر مطمئن نہ ہو جاؤ اور یہ نہ سمجھ لو کہ منزل تک پہنچ گئے، بلکہ اٹھو (اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ)، یعنی وہ چیز جسے اسکی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کے واسطے، وسیلہ کرسکیں۔

جامع بات اس باب میں یہ ہے کہ جناب الٰہی میں تقرب حاصل کرنے کیلئے اوامر و نواہی کا لحاظ رکھنا وسیلۂ کلی ہے۔اس سلسلے میں بعض عارفین کے بصیرت افروز اور چشم کشا ارشادات یہ ہیں۔

﴿۱﴾--ریا سے اعمال کی تجرید، عجب سے احوال کی تفرید، اور طلب حظوظ سے انفاس کو خالص کرلینا، وسیلہ قرب الٰہی ہے۔

﴿۲﴾--عابدوں کا وسیلہ فضائل ہیں، عالموں کا وسیلہ دلائل ہیں، اور عارفوں کا وسیلہ ترک وسائل ہے۔عابد تو معاملہ سے توسل ڈھونڈھتا ہے اور عالم مکاشفہ سے راہ چلتا ہے اور عارف معائنہ سے راہ دیکھ لیتا ہے--عابد تو اس آیت میں فکر کرتا ہے کہ--

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا ﴿آل عمران:۱۹۱﴾

کھڑے بیٹھے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں'

---اور عالم اس آیت پر نظر کرتا ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ ﴿الاعراف:۱۸۵﴾

کیا ملکوت وسماوات میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے

---اور عارف اس بات سے درگزر نہیں کرتا:

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ ﴿الانعام:۹۱﴾

بس اللہ کہو، پھر ماسوی اللہ کو نظر انداز کردو۔

﴿۳﴾۔۔ایک عارف نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ الٰہی تیرے طرف وسیلہ بھی، تو ہی ہے۔اگر کسی نے طلب سے تجھے پایا، تو میں نے خود طلب تجھی سے پائی۔

۔۔المختصر۔۔ ہر اس شخص پر جو الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کا مصداق ہے، وسیلہ کا طلب کرنا لازمی ہے۔ پس جو جس درجے کا مومن ہوگا، اسکا وسیلہ بھی اسکی شایان شان ہوگا۔۔۔جسکا مطلوب جتنا اعلیٰ ہوگا، اس مطلوب تک پہنچنے کیلئے اسکا وسیلہ بھی اتنا ہی اعلیٰ وارفع ہوگا۔۔۔جو اسے اس مطلوب تک پہنچا سکے۔رہ گیا ہم جیسے گنہگاروں اور غفلت شعاروں کا معاملہ جنکی زبانِ حال یہ کہنے پر مجبور ہے ؎

فقط تمہاری شفاعت کا آسرا ہے حضور
ہمارے پاس گناہوں کے ماسوا کیا ہے۔

ایسوں کیلئے انکے اپنے طور پر انجام دیئے ہوئے اعمال صالحہ یعنی 'امتثال اوامر' اور 'اجتناب نواہی' کا بذاتِ خود بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونا، خود انہی کے نزدیک غیر یقینی ہے، انکی ان فطری ممکنہ کوتاہیوں کے سبب، جو گویا انکے خمیر کا حصہ ہوگئی ہیں۔اور ظاہر ہے صرف نامقبول اعمال کو قربِ الٰہی کا وسیلہ بنانا اور اسی پر بھروسہ کر لینا، ہرگز ہرگز دانشمندی نہیں۔تو ہم جیسوں پر لازم ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں کو بھی اپنا وسیلہ اور سفارشی قرار دیں، جنکا مقبول بارگاہِ الٰہی ہونا یقینی ہے۔

اور وہ انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین ہیں۔ان سے قلبی تعلق، باطنی ربط وضبط، مخلصانہ عقیدت ومحبت۔انکے ذکر کی کثرت، انکی پیروی واطاعت، اور انکی سچی ارادت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔تاکہ اگر خدانخواستہ میدانِ حشر میں یہ ظاہر ہو کہ ہمارے اپنے سارے اعمال کسی بھی سبب سے نامقبول ہوگئے ہیں۔۔تو۔۔اس کٹھن گھڑی میں ان مقبولوں کی سفارش ہماری نجات کا سبب بن جائے۔اب ارشادِ قرآنی کا حاصل ہوا کہ خدا تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو، خواہ وہ مقبول اعمال صالحہ کا وسیلہ ہو اور خواہ مقبول افراد صالحین کا وسیلہ ہو۔

(اور جہاد کرو اسکی راہ میں) ظاہری اعداء اور باطنی اعداء دونوں کے ساتھ پھر **(امید رکھو کہ)** ان اعمال کے سبب بفضلہٖ تعالیٰ تم **(کامیاب ہو جاؤ)** گے۔۔۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے فلاح کو چار چیزوں سے متعلق کیا، کہ بے ان چار چیزوں کے، اصلی چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا۔

پہلے :۔۔ ایمان: کہ ابتداء خلقت میں نور پہنچاتا ہے، اور یہ بندہ کو شرک کی تاریکیوں کے پردوں سے خلاصی دیتا ہے۔

دوسرے :۔۔ تقویٰ: کہ اعمالِ شرعیہ کا منبع اور اخلاقِ مرضیہ کا منشا ہے، سالک اس کے سبب سے گناہ کی ظلمت سے نجات پاتا ہے۔

تیسرے :۔۔ وسیلہ ڈھونڈھنا، اور ظاہر ہے کہ فنائے ناسوت ہے بقائے لاہوت میں، اور عارف اس کے سبب ہستی کی تاریکی سے باہر آتا ہے۔

چوتھے :۔۔ جہاد: اور وہ انانیت کو مضمحل اور ہویت کو ثابت کرتا ہے۔ اور موحد اس مقام و مرتبہ پر پہنچ کر وجود کی تیرگی سے چھوٹ کر، شہود کے نور میں پہنچ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے وسیلے کی تلاش ضروری ہے۔ لیکن وسیلہ اسی کو بنایا جائے، جو حقیقتاً وسیلہ بن سکے۔ اب اگر کوئی اپنی مرضی سے اپنے مشرکانہ و کافرانہ اعمال کو بارگاہِ خداوندی میں پہنچنے کا وسیلہ گمان کرنے لگے، اور سمجھنے لگے کہ ہم اپنے کافر آباواجداد اور اپنے اموال اور سرمایہ کے وسیلے سے دوزخ کے دائمی درد دینے والے عذاب سے بچ جائینگے، تو یہ سب اسکی خام خیالی ہے۔۔۔ اسلئے کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ

بے شک جنھوں نے کفر کیا اگران کا ہو جائے جو کچھ زمین میں ہے سب، اور اسی قدر اور،

لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ

کہ فدا کردیں قیامت کے عذاب سے بچنے کیلئے، تو ان سے قبول نہ کیا جائے گا۔

وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾

اور ان کیلئے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(بیشک جنھوں نے) بت، ملائکہ اور بچھڑا وغیرہ کو پوج کر (کفر کیا، اگر انکا ہو جائے جو کچھ زمین میں) مال واسباب (ہے سب، اور اسی قدر اور) یعنی جو کچھ نقد و جنس زمین پر ہے، اگر اسکا دونا بھی کافروں کے ملک میں ہو، تا (کہ) اپنی ذات کے فدیہ کے طور پر (فدا کردیں قیامت کے عذاب سے بچنے کیلئے، تو ان سے قبول نہ کیا جائیگا) اور وہی عذاب انھیں لازم رہے گا۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (ان) جیسوں ہی (کیلئے) تو جہنم کا (دکھ دینے والا عذاب ہے)۔۔ ویسے تو وہ لاکھ۔۔۔

يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا

چاہیں گے کہ نکل جائیں جہنم سے، اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٧﴾

اوران کیلئے ابدی عذاب ہے●

(چاہیں گے کہ نکل جائیں جہنم سے)، مگر اسی میں رہیں گے (اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں، اورانکے لئے ابدی عذاب ہے)، ایسا دائمی عذاب جو نہ زائل ہوگا اور نہ ہی منقطع۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پیر کاٹ دئے جائیں اور اب اگلی آیت میں چور کے بھی ہاتھ کاٹنے کاحکم دیا ہے۔اب اگراس نے دوسری چوری کی، تو حدیث کے حکم سے اسکا پیر کاٹ دیا جائے۔۔نیز۔۔اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان کی اہمیت بیان کی تھی، کہ ایک انسان کوقتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک گویا سارے انسانوں کاقتل کرنا ہے۔پھر فرمایا اگر یہی انسان ڈاکہ ڈالے، تو اسکوقتل کردیا جائیگا۔اوراب آگے یہ فرمارہا ہے کہ یہی انسان چوری کرے تو اسکا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا۔تو کسی تامل۔۔۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا

اور چور مرد وعورت، ان کے ہاتھ کاٹ لو، بدلہ میں اس کے جوانھوں

كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾

نے کرتوت دکھایا، اور سزا میں اللہ کی طرف سے، اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(اور) کسی شش وپنج میں پڑے بغیر (چور مرد وعورت) خواہ مرد چور ہو یا عورت، (انکے ہاتھ کاٹ لو)۔بشرطیکہ بقدر نصاب چوری کی ہو اور چوری کرنے والا عاقل بالغ ہو۔

جوکسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم یا اس سے زیادہ یا اتنی مالیت کی کوئی چیز چھپ کر، بغیر کسی شبہ وتاویل کے اٹھالے، جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو، درآنحالیکہ وہ چیز جلدی خراب ہونے والی نہ ہو، اسے 'سرقہ' کہیں گے۔اسکے برخلاف اگر کوئی یہ کام کھلم کھلا کرے، تو وہ 'اچکا اور لٹیرا' ہے اور اگر زبردستی چھینے تو 'غاصب' ہے۔'اچکے اور غاصب' کیلئے 'حد' نہیں ہے، بلکہ 'تعزیر' ہے۔کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں۔انکے خلاف گواہ قائم کئے جاسکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول

کیا جاسکتا ہے۔اس کے برخلاف چور چھپ کر مال لے جاتا ہے۔۔لہٰذا۔۔اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے، اسلئے اسکی سخت سزا رکھی، تاکہ اس سزا کو دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں، اور مسلمانوں کے مال محفوظ رہ سکیں۔

۔۔الحاصل۔۔جو بھی چور ہو، مرد ہو یا عورت، اسکے ہاتھ کاٹ دو (**بدلہ میں اسکے جوانھوں نے کرتوت دکھایا**) اور مال مومن کی حرمت کا پاس ولحاظ نہیں کیا۔۔الغرض۔۔یہ ہاتھ کاٹنا ایک طرف **بدلے میں ہے** (**اور**) دوسری طرف (**سزا میں**) ہے (**اللہ**) تعالیٰ (**کی طرف سے**)، تاکہ چور نصیحت حاصل کرے اور پھر ایسا کام کرنے سے اپنے کو باز رکھے (**اور اللہ**) تعالیٰ (**غلبہ والا**) ہے، اپنے حکم میں جو چاہے حکم دے۔اور (**حکمت والا ہے**) جو اپنے حکم کی حکمت کو بخوبی جانتا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ

تو جس نے توبہ کرلی اپنے ظلم کرنے کے بعد، اور اچھے چلن کا بن گیا، تو بیشک اللہ توبہ قبول فرماتا ہے اس کی۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۹

بیشک اللہ غفور رحیم ہے●

(تو جس نے توبہ کرلی اپنے ظلم کرنے کے بعد)، یعنی چوری کے بعد **(اور اچھے چلن کا بن گیا)** اور اپنے کام میں درستی اختیار کرلی، اس طور پر کہ مدعی کو راضی کردیا اور عزم صمیم کرلیا اس بات کا کہ پھر چوری نہیں کریگا، (**تو بیشک اللہ**) تعالیٰ اپنا حق معاف فرماکر (**توبہ قبول فرماتا ہے اسکی**)۔مگر ہاتھ کاٹنا ساقط نہ ہوگا، اس توبہ کرنے والے پر سے۔(**بیشک اللہ**) تعالیٰ (**غفور**) ہے، یعنی اسکے گناہ کو بخشنے والا ہے اور (**رحیم ہے**) اس پر مہربان ہے، محشر میں اسے رسوانہ کرے گا۔اے سننے والے!۔۔۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ

کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ بے شک اللہ اسی کی ہے ملکیت آسمانوں کی اور زمین کی۔ جسے چاہے عذاب دے

وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۰

اور جس کو چاہے بخش دے۔اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(**کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ بیشک اللہ**) تعالیٰ کی وہ شان ہے کہ (**اسی کی ہے ملکیت آسمانوں کی**

اور زمین کی) اور جب وہی کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے، تو (جسے چاہے عذاب دے اور جسکو چاہے بخش دے)۔ اسکا عذاب دینا بھی حسن اور حکمت پر مبنی ہے اور اسکا معاف فرمانا بھی حسن اور کرم پر مبنی ہے۔ عذاب دینا اسکا عدل ہے، اور معاف فرمادینا اور ثواب عطا فرمانا یہ اسکا فضل ہے، (اور) چونکہ (اللہ ہر چاہے پر قادر ہے) عدل کرنے پر بھی، اور معاف کر دینے اور ثواب عطا فرمانے پر بھی، مگر اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔

لہٰذا ہم اسکے عذاب سے اسکی پناہ طلب کرتے ہیں اور اسکے عفو و درگزر اور رحم و کرم کو طلب کرتے ہیں۔۔۔اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ڈاکہ اور چوری کے بارے میں احکام شرعیہ ارشاد فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مخالفین بہت گرم جوشی کے ساتھ کفر کا اظہار کرینگے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر کی تلقین کی اور ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ

اے رسول تمہیں پرواہ بھی نہ ہو، جو کفر میں دوڑ دوڑ کر تے ہیں بعض وہ جو

قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ

کہہ گئے اپنے منہ سے کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل نے مانا نہیں۔ اور بعض وہ جو یہودی ہیں۔

سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ

جھوٹ سننے کے بڑے شوقین، دوسرے لوگوں کی بات پر خوب کان دھرنے والے، جو تمہارے پاس نہیں آئے۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا

الفاظ بدل دیتے ہیں انکی جگہوں کے ثابت ہو جانے کے بعد۔ کہتے ہیں اگر یہ حکم دیا گیا

فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ

تو مان لینا اور اگر وہ حکم نہ دیا گیا تو بچنا۔ اور جس کی تباہی اللہ چاہے،

تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ

تو اس میں تمہارا اللہ سے کچھ زور نہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں کہ نہیں چاہا اللہ نے کہ پاک فرمادے ان کے دل۔

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾

ان کی دنیا میں رسوائی، اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے●

(اے رسول تمھیں پرواہ بھی نہ ہو جو کفر میں دوڑ دوڑ گرتے ہیں) عناد کی رو سے، اور کفر کی خندق میں اپنے کو ڈالنے کیلئے تیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے (بعض وہ) ہیں (جو کہہ گئے) صرف (اپنے منہ سے کہ ہم ایمان لائے اور انکے دل نے مانا نہیں)۔ دراصل یہ وہ منافقین ہیں، کافروں سے جنکی دوستی ہے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ آپ انکو اہمیت نہ دیں۔ اللہ عزوجل آپ کیلئے کافی ہے اور انکے مکر و فریب کے خلاف آپ کی مدد فرمائیگا۔ (اور بعض وہ) ہیں (جو یہودی ہیں)۔ ان یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کی بھی فکر نہ فرمائیں۔ یہ دونوں فریق یہود کے احبار ورھبان سے دین اسلام کے متعلق (جھوٹ سننے کے بڑے شوقین) ہیں۔ اور آپکی نبوت میں شبہات اور توریت میں تحریف پر مشتمل، اور (دوسرے لوگوں کی) اس (بات پر) جو آپ کی نبوت میں شبہات اور توریت میں تحریف پر مشتمل ہو، (خوب کان دھرنے والے) اور ان کو قبول کرنے والے ہیں۔ ان دوسرے لوگوں کی بات پر (جو تمہارے پاس نہیں آئے)۔

یہ خیبر کے یہود تھے، مدینے کے یہودی جنکی جاسوسی کرتے تھے اور مدینے کی خبر خیبر پہنچاتے تھے۔ مدینہ کے منافقین و یہود، خیبر کے یہودیوں کی باتوں کو بہت قبول کرتے تھے۔ اس آیت کریمہ کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے، کہ جو یہودی آپ کے پاس نہیں آتے، مدینہ کے یہودی انکے جاسوس ہیں۔ آپ پر جھوٹ باندھنے کیلئے، یہ آپ کی باتیں سنتے ہیں تا کہ جو کچھ آپ سے سنیں، اس میں تغیر و تبدل کرکے اور اپنے پاس سے جھوٹ ملا کر خیبر کے یہودیوں تک پہنچائیں۔

۔۔المختصر۔۔ان بدبخت یہودیوں کا حال یہ ہے کہ اپنی آسمانی کتاب کے (الفاظ بدل دیتے ہیں انکی جگھوں کے ثابت ہوجانے کے بعد)، جو لفظ توریت میں جس مقام پر ثابت تھا اسکو وہاں سے ہٹا کر اسکی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیتے ہیں۔۔یا۔۔جس لفظ کا معنی و مفہوم واضح و متعین تھا، اس میں بے جا تاویل کرکے اسکو اسکے اصل معنی و مقصود کے خلاف بیان دیا کرتے تھے۔۔۔

اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ اہل خیبر کے شرفاء میں سے ایک مرد اور ایک عورت کو زنا میں گرفتار کیا گیا۔ دونوں شادی شدہ تھے اور انکی حد توریت کے حکم سے سنگساری تھی۔ یہود نے ان دونوں کی دنیاوی شرافت اور بزرگی کا لحاظ کرکے، نہ چاہا کہ ان پر وہ حد جاری کریں۔ باہم مشورہ کیا کہ محمد عربی ﷺ کی کتاب میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں، اور بنی

قریظہ انکے ہمسایہ اور انکے حلیف ہیں۔ کسی کو انکے پاس بھیجو، کہ شادی شدہ زانی کی حد ان سے دریافت کریں۔ اگر وہ کوڑے مارنے کو کہیں، تو انکی بات مان لو اور اگر سنگسار کرنے کا حکم کریں، تو انکی بات نہ سنو۔

پس ان لوگوں میں سے کچھ لوگ دونوں زانیوں سمیت مدینہ آئے اور مدینہ کے یہود سے کیفیت واقعی بیان کردی۔۔ چنانچہ۔۔ اشرافِ یہود جیسے کعب، کنانہ اور مالک وغیرہم، آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آئے اور زنا کار شادی شدہ کی حد پوچھی۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا میرے حکم ہونے پر تم راضی ہو؟ وہ بولے ہاں۔ فوراً حضرت جبرائیل امین سنگساری کا حکم لیکر نازل ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے فرمادیا کہ سنگسار کرنا چاہئے۔ یہود نے انکار کیا اور بولے کہ توریت میں خدا نے حکم کیا ہے، کہ ایک قسم کے روغن میں کوڑے کو تر کرکے اُسی کوڑے سے چالیس۴۰ کوڑے مارنا چاہئے، تاکہ انکی پیٹھ سیاہ ہوجائے اور منہ کالا کرکے گدھے پر الٹا بٹھا کر مکانوں کے گرد پھرانا چاہئے۔

حضرت جبرائیل نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی کہ یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں اور ابن صوریا جو یہود کا بڑا عالم ہے، وہ جانتا ہے کہ توریت میں سنگساری کا حکم ہے، کوڑے مارنے کا نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہود سے پوچھا کہ تم لوگوں میں سے فدک میں کوئی جوان رہتا ہے، سادہ رو، سفید پوست کانا، کہ اسے ابن صوریا کہتے ہیں۔ وہ بولے کہ ہاں، علم توریت میں تمام جہاں کے عالموں سے زیادہ دانا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حکم توریت کے باب میں ہمارے تمہارے درمیان وہ حَکَم ہو، کیا تمہیں منظور ہے؟ بولے کہ ہاں، ہم اسکے حَکَم ہونے پر راضی ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسے حاضر کرنے کا حکم فرمایا۔ کئی دن کے بعد اسے لائے۔ حضرت ﷺ نے اس سے پوچھا، تو ہی ابن صوریا ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور لوگوں کے درمیان تو حَکَم ہو، اس واسطے کے یہود میں تو بڑا عالم ہے۔ ابن صوریا نے قبول کیا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تجھے قسم ہے اس خدا کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی، اور تم لوگوں کے واسطے دریا پھاڑ دیا اور تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی، اور تمہارے واسطے من وسلویٰ بھیجا، سچ بتا کہ تمہاری کتاب میں شادی شدہ زانی کی حد سنگساری ہے یا نہیں؟ ابن صوریا بولا کہ اگر جھوٹ بولونگا۔۔ یا۔۔ بدل کر بات کہوں

گا، تو توریت مجھے جلا دیگی۔۔۔اگر میں نہ ڈرتا تو اقرار نہ کرتا۔۔۔ٌتو بتا، کہ تیرے خدا کا کیا حکم ہے؟۔۔۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کہ میرے خدا نے تو یہ حکم کیا ہے کہ جب چار آدمی، 'محصن' یعنی شادہ شدہ مرد اور 'محصنہ' یعنی شادی شدہ عورت کی زنا پر گواہی دیں، تو ان دونوں کو سنگسار کرنا واجب ہے۔

ابن صوریا بولا قسم ہے موسیٰ کے خدا کی، توریت میں بھی یہی حکم فرمایا ہے۔ مگر ہمارے عالموں نے بنی اسرائیل کے اشرافوں کی طرف لحاظ کر کے انھیں کوڑے مارنا اور منہ کالا کرنا قرار دیا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کے حکم فرمانے سے دونوں کو مسجد کے دروازے پر سنگسار کر دیا گیا۔ مذکورہ بالا ارشاد میں حق تعالیٰ نے یہود کی اسی طرح کی تحریفات کی خبر دی ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔انھیں جہاں سنگساری کا حکم دیا گیا ہے، وہاں وہ اسکے عوض کوڑے مارنا اور منہ کالا کرنا لکھتے ہیں، اور خیبر کے یہود (کہتے ہیں) کہ (اگر) محمد عربی ﷺ کی طرف سے (یہ) تبدیل شدہ یعنی کوڑنے مارنے والا (حکم دیا گیا، تو مان لینا) اور اسے قبول کر لینا (اور اگر) انکی طرف سے (وہ) محرّف (حکم نہ دیا گیا) اور وہ سنگسار ہی کرنے کا حکم کریں (تو) اسکو ماننے اور قبول کرنے سے (بچنا) بلکہ اسکو ماننے سے انکار کر دینا۔

اے محبوب! یہودیوں کے اس طرزِ عمل سے آپ کو فکرمند اور رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ جسکے مقدر ہی میں برباد ہونا ہو، (اور جسکی تباہی) ضلالت یا فضیحت یا ہلاکت (اللہ) تعالیٰ (چاہے) اور اسے گمراہ، رسوا، اور ہلاک ہونے دے، (تو اس میں تمہارا اللہ) تعالیٰ (سے کچھ زور نہیں) ۔۔الغرض۔۔ارادۂ خداوندی اور مشیت ایزدی کے خلاف کوئی کام انجام دینا، آپ کے ہاتھ میں نہیں، اور نہ ہی ایسے امور کے انجام دینے کے آپ مالک ہیں، اور نہ اسطرح کے فتنوں کو دفع کرنا آپ کے فریضۂ نبوت میں ہے۔

(یہ لوگ) تو (وہ ہیں کہ) ازل ہی میں (نہیں چاہا اللہ) تعالیٰ (نے، کہ) کفر اور انکارِ حق میں ملوث ہونے سے (پاک فرمادے انکے دل)۔۔چنانچہ۔۔جزیہ اور مومنین سے خوف کی شکل میں (انکی دنیا میں رسوائی، اور آخرت میں انکے لئے بڑا عذاب ہے) کہ دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے۔ انکا حال یہ ہے کہ۔۔۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

گپ کے شوقین حرام خور۔ تو اگر وہ تمہارے پاس کبھی آئیں تو ان میں فیصلہ کردو

اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ

یا بے رخی کرلو۔ اور اگر تم نے بے رخی کی، تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور اگر فیصلہ کیا تو ان میں فیصلہ کرو انصاف سے۔ بیشک اللہ محبوب رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو●

(گپ کے شوقین) اِدھر اُدھر جھوٹ لگانے کیلئے باتیں سننے والے، اور (حرام خور) ہیں۔ رشوت کا حکم دیتے اور حرام کار ہیں، کہ کلامِ الٰہی میں تحریف کرتے ہیں اور اسکے عوض رشوت لیتے ہیں، اور حرام خوری کرتے ہیں۔ (تو) اے محبوب! (اگر وہ) محاکمہ کے واسطے (تمہارے پاس کبھی آئیں، تو) آپکو اختیار ہے خواہ (ان میں فیصلہ کردو، یا) فیصلہ فرمانے سے انکار کردو، اور انکے معاملے سے (بے رخی) اختیار (کرلو)۔ آپکی صوابدید پر جو چیز قرین مصلحت ہو، اسپر عمل فرمائیں (اور اگر)۔۔بالفرض۔۔ (تم نے بے رخی کی) انکا حکم بننا قبول نہ فرمایا اور انھیں کوئی حکم نہیں دیا، (تو) بھی (وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے)۔ ایسوں کو حکم دینا آپ پر لازم بھی نہیں، اسلئے کہ جنکے تعلق سے اس بات کا ظن غالب نہ ہو، کہ وہ حکم کو سچے دل سے قبول کرلیں گے، انہیں حکم فرمانا کیا ضروری؟

۔۔بایں ہمہ۔۔ازراہِ کرم (اور) انکے حکم بننے کے معروضے کو قبول فرما کر (اگر فیصلہ کیا) تم نے، (تو ان میں فیصلہ کرو انصاف سے) جس میں مکمل درستی اور سراپا عدل ہو، تو ویسا ہی فیصلہ فرمائیں جیسا آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، جیسے آپ نے رجم کا فیصلہ فرمایا۔ کیونکہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (محبوب رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو)، جو حکم میں عدل وانصاف کے تقاضے کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔

اے محبوب! ان یہودیوں کی بے وقوفی اور جہالت تو دیکھئے، یہ نہ تو آپ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ ہی آپکی کتاب کو مانتے ہیں، تو پھر کیونکر آپ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں۔۔۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ

اور کیسے تم کو پنچ بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے، پھر پھرے جاتے ہیں

مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ ‌ؕ وَمَاۤ اُولٰٓـئِكَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۴۳

اس کے بعد۔ وہ لوگ ماننے والے ہی نہیں ہیں●

(اور کیسے تم کو پنچ بناتے ہیں، حالانکہ انکے پاس توریت ہے) جسکو، بلکہ صرف اسی کو، وہ ماننے کے مدعی بھی ہیں، اور (جس میں اللہ) تعالیٰ کا سنگسار کرنے (کا حکم موجود ہے) کھلے ہوئے الفاظ میں۔ (پھر، پھرے جاتے ہیں) اور انکار کرتے ہیں آپ کے اس فیصلے کا، جو آپ نے انھی کی کتاب کے موافق کیا ہے۔ اور وہ بھی (اسکے بعد) کہ انھوں نے آپ کو فیصل مان لیا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ (وہ) بدبخت، بے عقل، جھوٹے اور شاطر (لوگ، ماننے والے ہی نہیں ہیں)۔ نہ تو وہ اپنی کتاب پر سچے دل سے ایمان لا چکے ہیں، اور نہ ہی انھوں نے آپکو دل سے حکم تسلیم کیا ہے۔ وہ تو صرف اسلئے آپکی خدمت میں آئے کہ شاید کوئی سہولت مل جائے، خواہ اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو یا ناراض۔۔۔ یہ اپنی جگہ روشن حقیقت ہے کہ۔۔۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰٮةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ

ہم نے اتارا توریت کو جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ فیصلہ کرتے رہے یہودیوں کا اسی پر انبیاء

اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا

جو پیغام اسلام لاتے رہے، اور اللہ والے، اور علماء، کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت کی

مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ‌ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ

ضمانت طلب کی گئی تھی اور اس پر گواہ تھے۔ تو لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو،

وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ‌ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

اور مت لو میری آیتوں کے بدلے ذلیل حقیر قیمت۔ اور جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اس کے جسکو اتارا اللہ نے،

فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝۴۴

تو وہی لوگ کافر ہیں●

(ہم نے اتارا) ان بنی اسرائیلیوں پر (توریت کو، جس میں ہدایت) کی راہیں اور احکام ہیں، جو انھیں حق دکھاتے ہیں، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی ہدایت دیتے ہیں۔ (اور روشنی ہے) جو ان پر وہ امور

منکشف کرتی ہے، جنکی میں انھیں خبر دیتا ہوں۔یعنی وہ نور، ظلماتِ جہل سے جو باتیں ان سے پوشیدہ ہیں، ان پر وہ ظاہر کرتا ہے۔ (**فیصلہ کرتے رہے یہودیوں کا اسی پر**) بنی اسرائیل کے (**انبیاء جو پیغام اسلام لاتے رہے**)، یعنی انکے فیصلے اسی تورات کے مطابق ہوتے اور اس پر عمل کرنے پر لوگوں کو رغبت دیتے۔ایسے ہی دوسرے نیک (**اور اللہ والے اور**) وہ (**علماء کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت کی ضمانت طلب کی گئی تھی اور**) جو (**اس پر گواہ تھے**) اور اس پر پورے طور پر نگرانی کرتے تھے، کہ اس میں کسی لحاظ سے تحریف نہ ہونے دیتے۔

(**تو**) اے یہودیوں کے سردارو! اور عالمو! توریت کے احکام کا اجراء اور اپنے اسلاف اور انبیاء کی اقتدا کرو اور اس معاملے میں (**لوگو سے مت ڈرو**) بلکہ توریت کے احکام اور حقوق کی رعایت میں کمی کرنے میں میرا خوف کھاؤ (**اور مجھ سے ڈرو**)۔اور یاد رکھو کہ جو بھی توریت کے بگاڑنے کے درپے ہوگا، اسے سخت سزا ملے گی۔(**اور مت لو میری آیتوں کے بدلے ذلیل چیز**) بطور (**قیمت**)۔۔ مثلاً: رشوت لیکر یا جاہ و مرتبہ کیلئے۔۔یا۔۔اپنی کسی بھی خواہش نفسانی کی تکمیل کیلئے۔۔الختصر۔۔دنیا کی لالچ میں ان آیتوں کو توریت سے مت نکالدو۔۔یا۔۔ان پر عمل کرنا ترک کردو۔یقین جانو کہ دنیا کی چیزیں اگرچہ بظاہر بہت اونچی نظر آتی ہیں، لیکن درحقیقت نہایت ہی حقیر ہیں۔ان امور کے بالمقابل جن سے توریت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ محروم ہو گئے۔

چونکہ تحریف کا ارتکاب کبھی دفع ضرر کیلئے ہوتا ہے۔۔مثلاً: کسی حکم کو کسی صاحب مرتبہ کے خوف سے چھپایا جائے اور کبھی نفع کمانے کیلئے ہوتا، جیسا کہ یہودیوں نے دنیوی منافع کیلئے کیا تھا۔اسلئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو صراحتاً منع فرمادیا۔۔الختصر۔۔ہر حال میں کتابِ الٰہی کے مطابق احکام ظاہر کرنا چاہئے اور کسی کے خوف یا کسی لالچ کی وجہ سے، حکم الٰہی نہیں چھپانا چاہئے۔جو بھی فیصلہ کیا جائے، وہ احکامِ خداوندی کے موافق ہو۔

(**اور جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اسکے جسکو اتارا اللہ**) تعالیٰ (**نے، تو وہی لوگ**) آیاتِ الٰہیہ کے انکار کی وجہ سے (**کافر ہیں**)۔

انہی کو آگے چل کر ظالم و فاسق بھی کہا ہے، کیونکہ یہ حکم الٰہی کے خلاف فیصلہ کرنے کی وجہ سے ظالم ہوئے اور حدودِ الٰہی سے متجاوز ہونے کی وجہ سے فاسق ہوئے۔۔۔ہماری طرف سے مکمل ہدایت کر دی گئی۔۔۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

اور ہم نے لکھ دیا ان پر اس میں کہ بے شک جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ

بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور سب زخموں میں اس کا بدلہ ہے۔

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

تو جس نے صدقہ سے کام لیا تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ اور جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اس کے جس کو اتارا اللہ نے،

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۵﴾

تو وہی ظالم ہیں●

(اور ہم نے) واضح لفظوں میں (لکھ دیا) اور فرض کر دیا (ان) یہودیوں (پر اس) کتاب توریت (میں، کہ بیشک جان کے بدلے جان) یعنی نفس کا بدلہ نفس ہے، جب کوئی کسی کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دے۔ (اور آنکھ کے بدلے آنکھ) یعنی آنکھ پھوڑ دی جائے، آنکھ پھوڑنے کے بدلے میں، اگر کسی نے ظلماً کسی کی آنکھ پھوڑ دی ہو۔ (اور ناک) کاٹنے (کے بدلے) میں (ناک) کاٹی جائے، اگر کسی نے ظلماً کسی کی ناک کاٹ لی ہو۔ (اور کان) کاٹنے (کے بدلے) میں (کان) کاٹ لیا جائے، اگر کسی نے ظلماً کسی کا کان کاٹ لیا ہو۔ (اور) یونہی (دانت) توڑنے (کے بدلے) میں (دانت) توڑ دیا جائے، اگر کسی نے کسی کا دانت ظلماً توڑ دیا ہو۔

۔۔الغرض۔۔ زخم بھی صاحب قصاص ہیں، (اور سب زخموں میں اسکا بدلہ ہے) مگر ایسا زخم جسکا قصاص لینا ناممکن ہو، جیسے کسی ہڈی کا ٹوٹ جانا۔۔یا۔۔ گوشت کے اندر زخم کر دینا، جیسے شکم کے اندر نیزے کی ضرب وغیرہ کا زخم وغیرہ، ان کیلئے کوئی قصاص مقرر نہیں، اسلئے کہ انکے متعلق معلوم نہیں ہوسکتا ہے کہ کتنا زخم آیا ہے، تاکہ اسی کے مطابق قصاص مقرر کیا جاسکے۔۔المختصر۔۔ جو زخم نا قابل قصاص ہوں، اسکے لئے دیت کا حکم دیا جائیگا۔ اس سلسلے میں حکومت عادلہ کا جو فیصلہ ہوگا، اس پر عمل کیا جائیگا (تو جس نے صدقہ سے کام لیا) اور شخص مستحق قصاص پر اپنی خوشی سے قصاص معاف کر دیا (تو وہ اسکے) گزشتہ (گناہ کا کفارہ ہے)۔ اللہ تعالیٰ بفضلہٖ اسکے گزرے ہوئے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

۔۔یا۔۔ جس پر حملہ ہوا ہے، وہ اگر حملہ آور کو معاف کر دے، تو اسکا معاف کرنا جانی حملہ آور کے

گناہوں کا بھی کفارہ بن جاتا ہے۔ اسلئے قیامت میں اس سے اس گناہ کا مواخذہ نہ ہوگا۔ جیسے قصاص اسکے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔ باقی رہا معاف کرنے والا اسکے اجر وثواب کا تو حساب ہی کیا، اسے اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے اجر عظیم عطا فرمائیگا۔ اس مقام پر معاف کرنے کی تعبیر تصدق سے کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے، تا کہ معاف کرنے والوں کو اسطرف مزید رغبت ہو۔

اس بات کو اچھی طرح سنو (اور) ہمیشہ کیلئے ذہن نشین کرلو کہ (جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اس) قانون الٰہی (کے، جسکو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے، تو وہی ظالم ہیں) جو اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ حدود سے تجاوز کرنے والے اور شے کو اپنی اصلی جگہ سے ناموزوں جگہ پر رکھنے والے ہیں۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے دو قسم کے اعراض بیان فرمائے تھے، ایک یہ کہ انھوں نے زنا کی حد میں تحریف کردی، پھر وہ جرح میں بتلا ہوئے اور اس معاملے میں نبی علیہ السلام کو حاکم بنایا۔ دوسرا یہ کہ انھوں نے قصاص کے حکم میں تحریف کردی اور بنو نضیر کے خون کی پوری دیت اور بنو قریظہ کے خون کی آدھی دیت مقرر کی۔ اور اب آگے کی آیت میں اللہ تعالیٰ ان کے تیسرے اعراض کو بیان فرما رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے نبیوں، ربانیین اور علماء کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت عیسیٰ حضرت زکریا کے بعد مبعوث کئے گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ تورات کے مصدق تھے، کیونکہ بنو اسرائیل نے تورات کے جن احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان احکام کو زندہ کیا، یہ حقیقی تصدیق ہے۔ اور انجیل نے جو تورات کی تصدیق کی ہے، اسکا معنی یہ ہے کہ انجیل کے احکام تورات کے موافق ہیں، ماسوا ان احکام کے، جن کو انجیل سے منسوخ کردیا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ اگلے پیغمبروں کے بعد۔۔۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اور ان کے نقش قدم پر ان کے پیچھے ہم نے بھیجا عیسی ابن مریم کو، تصدیق کرتے ہوئے اپنے سے آگے

مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا

آئے ہوئے توریت کی، اور دیا ہم نے ان کو انجیل، جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اور وہ تصدیق کرنے والی ہے

بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾

اپنے سے آگے توریت کی، اور ہدایت ونصیحت ہے ڈرنے والوں کیلئے●

(اور انکے نقش قدم پر) ان پیغمبروں کے پردہ فرمانے کے بعد، (انکے پیچھے ہم نے بھیجا عیسیٰ ابن مریم کو تصدیق کرتے ہوئے اپنے سے آگے آئے ہوئے توریت کی، اور) ان کو صاحب شریعت وصاحب کتاب رسول بنا کر، (دیا ہم نے انکو انجیل جس میں ہدایت) ہے توحید کی (اور روشنی ہے) راہِ حق کو بتانے اور اسپر چلانے کیلئے۔ (اور وہ تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے آگے) نازل شدہ (توریت کی، اور ہدایت ونصیحت ہے) حق تعالیٰ سے (ڈرنے والوں کیلئے)۔ گویہ کتاب سبھی کیلئے رہنما اور نصیحت کرنے والی ہے، لیکن اسکی رہنمائی اور پند ونصیحت سے وہی لوگ مستفیض ہونے والے ہیں، جو پرہیزگاری کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں، اور نکوکار بن کے رہنا چاہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی ان عنایات کا تقاضہ ہے کہ حکم الٰہی کا پاس ولحاظ رکھیں۔

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم

اور فیصلہ کریں انجیل والے جو اتارا اللہ نے اس میں۔ اور جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اس کے

بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤٧﴾

جو اتارا اللہ نے، تو وہی نافرمان ہیں●

(اور فیصلہ کریں انجیل والے) یعنی انکے علماء بالکل اسکے موافق (جو اتارا) ہے (اللہ) تعالیٰ (نے اس میں، اور) اب اس ہدایت کو پالینے کے بعد کہ ہم نے حکم دیدیا ہے کہ اہل انجیل اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق ہی فیصلہ کریں، (جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اسکے جو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے، تو وہی نافرمان ہیں)۔ پس وہ لوگ نکل جانے والے ہیں حکم خدا سے اور اگر حکم کا انکار کردیں، تو نکل جانے والے ہیں ایمان سے۔

سابقہ کتب سماویہ کے ذکر کے بعد مناسب تھا کہ اس آسمانی کتاب کا بھی ذکر کیا جائے جو ان کتب سماویہ کی محافظ ونگہبان رہی اور اس بات کی مضبوط دلیل رہی کہ وہ آسمانی کتابیں واقعی طور پر آسمانی اور الہامی کتابیں ہیں۔ انکے منجانب اللہ ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ چونکہ توریت، زبور، انجیل میں کمی وبیشی اور تحریف کی جاتی رہی، جس سے انکا الہامی کتاب ہونا مشکوک ہو گیا تھا۔ قرآن کریم نے آکر اس شک کو دور کردیا کہ گو اس میں کمی بیشی کی گئی ہے اور تحریف سے بھی کام لیا گیا ہے، لیکن بنیادی طور پر یہ کتابیں الہامی

ہی ہیں، جو منجانب اللہ نازل کی گئی ہیں۔ اس میں وہ سارے حصے جو غیر محرف ہیں، وہ کلام خداوندی ہی ہیں۔

قرآن کریم کی یہ شہادت ایک ایسی کتاب کی شہادت ہے، جسکی مکمل حفاظت کو خود قادر مطلق نے اپنے ذمہ ء کرم میں رکھ لیا تھا اور اس میں کسی طرح کی کمی بیشی کرنے اور اسکی مثال ونظیر پیش کرنے کو ناممکن بنادیا تھا۔ تو جب اس شان کی کتاب نے تورات وانجیل اور زبور کو آسمانی کتابیں قرار دیدیا، تو انکا بھی وجود ثابت ہوگیا، کیونکہ اگر قرآن مجید نہ ہوتا، تو محض ان کتابوں سے انکا آسمانی کتابیں ہونا ظاہر نہ ہوتا، کیونکہ ہر دور میں ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے، حتی کہ اب وہ عبرانی نسخے میں موجود نہیں ہیں، جس عبرانی زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے محبوب!۔۔۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

اور اتارا ہم نے تم پر کتاب بالکل حق، تصدیق کرتی ہوئی اپنے سے آگے کی کتاب کی،

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

اوران پر نگرانی رکھتی ہوئی، تو فیصلہ کروان میں جو اتارا تم پر اللہ نے، اوران کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو چھوڑ کر

عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ

جو آگیا ہے تمہارے پاس حق۔ ہر ایک کے لیے تم میں سے ہم نے بنارکھی تھی شریعت وطریقت۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو کردیتا ایک ہی امت۔ لیکن اس لیے کہ آزمائش میں ڈالے تم کو اس میں جو دیا تم کو،

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

تو لپکو نیکیوں کی طرف۔ اللہ تک سب کو لوٹنا ہے، تو وہ بتادے گا

بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ؀ۙ۴۸

جس میں تم جھگڑتے تھے●

(اور اتارا ہم نے تم پر کتاب) قرآنِ کریم (بالکل حق) جو درستی اور راستی کے ساتھ ہے۔ (تصدیق کرتی ہوئی اپنے سے آگے کی کتاب کی) یعنی ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں

ہیں۔ یہ قرآن انھیں کے موافق نازل ہوا، اس میں توحید وعدل اور اصولِ شرائع، انہی پہلی کتابوں کے مطابق ہیں (اور ان پر نگرانی رکھتی ہوئی)، یعنی انکی نگراں ہے اور تغیر وتبدیل سے انکی محافظت کرتی ہے، یعنی ان میں جو کچھ کمی بیشی کی جاتی ہے، اسے قرآن سے درست کرلیا جاتا ہے۔ گویا یہ پہلی کتابوں کے کتابِ الٰہی ہونے کی صحت پر گواہ ہے (تو) اے محبوب! (فیصلہ کروان میں) یعنی اہل کتاب کے درمیان بالکل اسکے مطابق (جواتارا تم پر اللہ) تعالیٰ (نے)، یعنی سنگساری کا حکم اور قصاص میں برابری۔

یہ آیت اس حکم کی ناسخ ہے، جس میں رسولِ مقبول ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ تمھیں اختیار ہے، چاہے حکم کرو چاہے حَکَم بننے اور حکم کرنے سے انکار کردو۔ وہ آیت اس سے پہلے گزر چکی۔

(اور انکی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو، چھوڑ کر جوآ گیا ہے تمہارے پاس حق)۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے درست وراست حکم آجانے کے بعد آپ کے کسی کی خواہش کے مطابق فیصلہ کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات تو آپ ﷺ کیلئے تو ناممکن ہے، لیکن اس میں آپ کی امت کے اولی الامر کیلئے ہدایت ہے، تاکہ وہ فیصلہ کرتے وقت کسی کی خواہش کی تابعداری کرکے حق سے انحراف نہ کریں۔

تو اے لوگو! (ہر ایک کیلئے تم میں سے) جو گزر گئے یا موجود ہیں (ہم نے بنا رکھی تھی شریعت)، یعنی واضح راستہ، جس پر کتابِ الٰہی میں نص وارد ہوئی (وطریقت)۔ یعنی ایک کھلی ہوئی راہ جو حدیث نبوی سے ثابت ہو۔

۔۔الحاصل۔۔کوئی ایسی امت نہیں جسکی کوئی راہ متعین نہ ہوئی ہو، مثلاً: موسیٰ علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک توراۃ، پھر عیسیٰ علیہ السلام سے حضور سرورِ عالم ﷺ تک انجیل، اور اے موجودہ لوگو! تمہارے لئے اور قیامت تک آنے والوں کیلئے قرآن مجید ہے۔۔لہٰذا۔۔اسپر ایمان لاؤ اور اسپر عمل کرو۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہم پہلی شریعتوں کے احکام پر عمل کرنے پر مامور نہیں۔ احکام امم سابقہ پر عمل کرنے کے اسی صورت میں مامور ہیں، جبکہ ہماری شریعت انکی تائید کرے، پھر ان پر عمل کرنا بایں معنی ہوگا، کہ وہ بھی ہماری شریعت کے احکام ہیں، نا کہ امم سابقہ کے۔ یاد رکھو کہ ہر ایک کیلئے الگ الگ شریعت ومنہاج بنانا اور ہر ہر امت کو ایک دوسرے سے مختلف احکام پر مامور کرنا، اس میں بڑی ہی حکمت ومصلحت ہے۔ جس زمانے کا جو تقاضہ تھا

اوراس دور کے لوگوں میں جوصلاحیت تھی، توانھیں انکی صلاحیت اوراس دور کے تقاضے کے مطابق احکام دیئے گئے۔

(اوراگراللہ) تعالیٰ **(چاہتا توتم سب کوکردیتاایک ہی امت)** تاکہ ہرزمانہ میں تم بلااختلاف رہو، متفقہ طورپرایک ہی جماعت میں رہو۔ سب کیلئے ایک ہی طرح کے احکام ہوں۔ جواحکام پہلے والوں کودیدیئے گئے، اس میں بعدوالوں کیلئے کوئی تبدیلی اورکسی طرح کی ترمیم وتنسیخ نہ ہو۔ **(لیکن)** اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے ایسانہیں چاہا، **(اسلئے)** تا **(کہ آزمائش میں ڈالے تم کواس میں جودیاتم کو)** مختلف شرائع میں سے، جیسا کہ زمانے کے حال کے مناسب ہوتا ہے، اس میں تم یقین اوراس اعتقادپرمضبوط ہوجاؤ، کہ یہ اختلافات مشیت الٰہی کے تقاضے کے مطابق ہیں، اوراس بات پرمبنی ہیں کہ اس میں ہزاروں حکمتیں اورسیکڑوں مصلحتیں ہیں، جوتمہارے معادومعاش کیلئے مفید ہیں۔

توا گرتم مذکورہ یقین واعتقادپررہے، تو آزمائش میں کامیاب ہوگئے اوراگرحق سے اعراض کیا، خواہشات کے تابعدارہوگئے، فوائد کے بجائے نقصانات کے پیچھے لگ گئے، اورہدایت کے بدلے گمراہی اختیارکرلی، توسمجھ لوکہ آزمائش میں ناکام ہوگئے۔

اورجب بات وہی حق ہے جومذکورہوئی، **(تولپکونیکیوں کی طرف)** اوران عقائدحقہ اوراعمال صالحہ'جوقرآن کریم میں درج ہیں' کیلئے جدوجہد کرو۔ اس میں تمہارے لئے دارین کی بہبودی ہے۔ چندروزہ زندگی کی فرصت کوغنیمت سمجھ کرانکے حصول میں عجلت کرو، اوراس فضل کوحاصل کرنے میں سبقت کرو، اورجان لوکہ **(اللہ)** تعالیٰ **(تک)** تم **(سب کولوٹنا ہے)** بالآخرتمہاراسب کارجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، خواہ تم میں کوئی مومن ہویاکافر، **(تووہ بتادیگاجس میں تم جھگڑتے تھے)** یعنی تمھیں اسکی خبردیگاان اموردین اورشریعت کے تعلق سے، جس میں تم اختلاف کرتے تھے کہ حق کیا ہے؟ اورباطل کیا ہے؟ یعنی تمھیں ایسی جزادیگاجوحق وباطل کاامتیازکرے گی اورجس میں تم اختلاف کرتے تھے، اسکی اصلی حقیقت میں کسی قسم کاشک باقی نہ رہیگا۔

مذکورہ بالاارشادمیں اسطرح سے تعبیرکرنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ سمجھ دارلوگوں کیلئے ایسی تعبیرسننے کے بعدوہم وگمان کاموقع نہیں رہتا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ

اوریہ کہ فیصلہ کروان میں جواتارااللہ نے تم پر، اورمت لگوان کی خواہشوں کے پیچھے۔ اوران سے بچتے رہو،

اَنْ یَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ

کہ فتنہ نہ بن جائیں تمہارے لیے بعض ان باتوں میں کہ اتارا اللہ نے تم تک۔ پھر اگر انھوں نے منہ پھرا رکھا، تو جان لو

اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْؕ

کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ دے دے ان کو سزا ان کے بعض گناہوں کی۔

وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ﴿۴۹﴾

اور بے شک لوگوں کی اکثریت نافرمان ہے●

(اور) اے محبوب! بھیجا ہم نے تیری طرف (یہ) امر (کہ فیصلہ کروان) اہل کتاب (میں) اس نازل شدہ حکم خداوندی کی روشنی میں، (جو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے تم پر اور مت لگو انکی خواہشوں کے پیچھے) یہ یہودی ایک سازشی قوم ہے، تو ان کے علماء نے آپس میں صلاح کر کے آپ کی خدمت میں آ کر مکر وفریب کا جو جال پھیلایا ہے اور ایک خاص پروگرام کے تحت آپ سے جو عرض کیا ہے، کہ اے محمد ﷺ، تم جانتے ہو کہ ہم اپنی قوم کے اشراف اور علماء ہیں، جب ہم تمہاری پیروی کرینگے، تو کیا ارذال کیا اشراف، سب یہودی ہماری تصدیق کے سبب تمہاری پیروی کریں گے۔ بالفعل، ہم میں اور ہماری قوم میں خونوں اور مالوں کے بابت جھگڑے ہیں، ہم تمھیں حکم کرتے ہیں اور فیصل بناتے ہیں، بشرطیکہ قصاص میں ہماری مرضی کے موافق حکم دو، تو ہم تمہارا دین قبول کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو خبر کر دی اور انکی التماس کو قبول کرنے سے ڈرایا اور فرمایا کہ جو خدا نے بھیجا ہے، اسکے موافق حکم کرو۔

(اور ان) فتنہ پروروں (سے بچتے رہو) تا (کہ) یہ (فتنہ نہ بن جائیں تمہارے لئے بعض ان باتوں میں کہ اتارا اللہ) تعالیٰ (نے تم تک) اور پھر تمھیں قرآنِ کریم کے بعض احکام کا اجراء نہ کرنے دیں، اگرچہ معمولی ہی سہی۔

اس مقام پر فتنہ سے، حق سے انحراف کر کے باطل میں پڑ جانا مراد ہے۔

۔۔الختصر۔۔اے محبوب! تم انکا فیصلہ حکم قرآنی کے مطابق ہی کرو۔ (پھر اگر انھوں نے) اس فیصلے کو قبول کرنے سے (منہ پھرا رکھا) اور قبول نہیں کیا، بلکہ اسکے برخلاف کوئی دوسرا حکم چاہیں، (تو جانلو کہ اللہ) تعالیٰ (یہی چاہتا ہے)، کہ اپنے نوشتۂ تقدیر کے مطابق وہ اعراض کریں تا (کہ دیدے انکو سزا انکے بعض گناہوں کی)، دنیا میں اور باقی کی عقبیٰ میں۔ دنیاوی عذاب تو اس طور پر کہ تمھیں ان پر

مسلط کردے اور پھر تم انھیں قتل کردو، یا جلاوطن کردو، یا ان پر جزیہ مقرر کردو۔ (اور) جان لو کہ (بیشک) عام (لوگوں) بالخصوص یہودیوں (کی اکثریت نافرمان ہے)، یعنی کفر میں منہمک ہے اور اسی پر اصرار کرنے والی ہے اور جو حدود شرع نے مقرر فرمائے ہیں، ان حدود سے تجاوز کرنے والی ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہود بولے کہ ہم تیرے حکم سے راضی نہیں۔۔۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ

تو کیا جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے میں

حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾

کون ہے، ان کیلئے جو یقین رکھیں●

ع ٧

(تو) ان بیوقوفوں سے پوچھو (کیا) یہ (جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں)، یعنی ایسا فیصلہ جسکا نہ کسی آسمانی کتاب میں ثبوت ہو اور نہ ہی اسے وحی ربانی سے کسی قسم کا تعلق ہو۔ ذرا غور تو کرو (اور) سوچو کہ (اللہ) تعالیٰ (سے بہتر فیصلہ کرنے میں کون ہے، انکے لئے جو یقین رکھیں)۔

۔۔الختصر۔۔ جس قوم کے لوگ غور وفکر سے کام لیتے ہیں اور الٰہی امور پر بچشم بصیرت نظر ڈالتے ہیں، تو انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمام دنیا والوں کے احکام سے احسن و اعدل ہے، جن میں ہزاروں مصلحتیں اور بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکے ہر حکم کے سامنے سر جھکائیں اور دل سے مانیں، نہ اس پر اعتراض کریں، نہ نکتہ چینی۔۔۔ سابقہ ارشادات کی روشنی میں یہود ونصاریٰ کے مکر وفریب اور انکی فطری سرکشی اور اسلام دشمنی کو سمجھنے کے بعد کہ یہ قوم اس لائق نہیں، کہ اہل ایمان اس سے دوستی کا رابطہ قائم کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ

اے وہ جو ایمان لا چکے! نہ بناؤ یہود ونصاریٰ کو دوست۔۔۔ ان میں ایک

أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ

دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو دوستی رکھے ان کی تم میں سے، تو وہ انھیں میں سے ہے۔ بے شک اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾

راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو●

(تو اے وہ جو ایمان لا چکے) خواہ وہ عام مومنین ہوں۔۔یا۔۔مخلصین (نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست)۔

یعنی ان سے ایسی دلی اور قلبی دوستی کا رشتہ نہ جوڑ و اور انکے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرو، جو عموماً یاروں اور دوستوں سے قلبی دوستی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔۔ہاں۔۔اگر انکی دوتی کا معاملہ صرف کاروبار اور معاملات و معاشرہ تک محدود ہو۔۔یا۔۔ان سے صرف خرید و فروخت کا سلسلہ ہو۔۔یا۔۔کسی کام کی وجہ سے ان سے واسطہ پڑ گیا ہو، تو اگر کوئی ظاہری طور پر ان سے دوستی کا دم بھرتا ہے، لیکن نہ انکے اعتقادات سے اسکا تعلق اور نہ ہی انکے امورِ دینیہ سے اسے دلچسپی ہو، تو پھر وہ اسی آیت میں مذکور، آنے والی وعید میں داخل نہ ہوگا۔

اس آیت کریمہ نے نازل ہوکر حضرت عبادہ بن صامت ﷺ کی مومنانہ بصیرت اور آپکے ایمان افروز کردار کو رضائے الٰہی کی سند عطا فرمادی، کہ انھوں نے ایک بار بارگاہِ رسالت میں عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر چہ یہودیوں میں میرے ان گنت دوست ہیں، لیکن میں ان سب کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول سے وابستہ ہوتا ہوں۔ یہ سن کر رئیس المنافقین، عبداللہ ابن ابی نے کہا تھا، کہ مجھے تو آئندہ کے حوادث اور فتنوں کا بڑا خطرہ رہتا ہے، لہٰذا میں تو اپنے یہودی دوستوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسلئے کہ حوادث اور فتنوں میں ان سے لازماً واسطہ پڑیگا۔اس سے بنی قینقاع کے یہود مراد ہیں۔

اے ایمان والو! یہ یہود و نصاریٰ بڑے مکار اور فریبی ہیں۔ باوجودیکہ خود ان میں آپس میں شدید اختلاف ہے، دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں، دونوں ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں، لیکن دونوں اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ وہ تمہیں ہر طرح کا نقصان پہنچائیں، تو اس نکتے پر (ان) دونوں (میں) ہر (ایک دوسرے کے دوست) یعنی ہم خیال (ہیں)۔اس صورت حال میں تمہارا اور انکا آپس میں مخلصانہ دوستی کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے، تو سن لو (اور) یقین کرلو کہ (جو) انکے دین کو اچھا سمجھتے ہوئے قلبی اور دلی (دوستی رکھے انکی تم میں سے، تو) جان لو اور اس سے کسی طرح کا فریب نہ کھاؤ، کہ (وہ انھیں میں سے ہے)۔

اب اگر وہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، تو وہ اسکی منافقت اور رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کی پیروی ہے، بے راہ روی جسکا مقدر ہے۔اسلئے کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ سیدھی اور صحیح (راہ) پر آنے

کی توفیق (نہیں دیتا ظالم لوگوں کو)، جو اپنے دین کے دشمنوں سے قلبی تعلق رکھ کر اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں، اور اسے دارین کے عذاب کا مستحق بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو انکے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے، کہ کفر کے گڑھے میں پڑیں یا گمراہی میں مریں۔ اہل اسلام کی دوستی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی یہود و نصاریٰ کی محبت اور دوستی کا دم بھرنے والوں کی اس سے بڑھ کر اور کون سی سزا ہو سکتی ہے؟ اے محبوب! سب کے حالات کا جائزہ لو گے۔۔۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ

تو دیکھو گے کہ جن کے دلوں میں کمزوری ہے، کہ دوڑ لگائیں گے ان یہود و نصاریٰ میں،

نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ

کہیں گے کہ ہمیں ڈر لگتا ہے، کہ ہمیں پہنچ جائے کوئی چکر۔ تو قریب ہے کہ اللہ فتح لائے گا

اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ

یا کوئی بات اپنی طرف سے، کہ ہو جائیں جو اپنے دل میں چھپا رکھا ہے اس پر کھسیانے ●

(تو دیکھو گے کہ) عبداللہ ابن ابی اور اسکے تابع لوگ۔۔ الغرض۔۔ جن (جنکے دلوں میں کمزوری ہے) یعنی منافقت کا مرض یا دینی امور میں سستی اور تکاسل ہے، (کہ دوڑ لگائینگے ان یہود و نصاریٰ) کی محبت اور دوستی اور انکے معاونت (میں)۔ یہ لوگ یہود و نصاریٰ کی محبت اور انکی دوستی پر ایسے ڈٹے ہوئے ہیں کہ انکا اس دوستی سے باز آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۔۔الغرض۔۔ عبداللہ ابن ابی اور اسکے تابع لوگ نجران کے یہود و نصاریٰ سے اپنی دوستی کا رشتہ کاٹ نہیں سکتے، مگر انکی دیدہ دلیری تو دیکھو کہ جب مومنین انکو انکی دوستی پر ٹوکتے ہیں، تو ان سے عذر کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ صرف خطرہ ٹالنے کیلئے دوستی ہے ورنہ ہمیں ان سے کیا واسطہ۔۔ المختصر۔۔ جب بھی کوئی ایمان والا انکی اس غلط روی پر انکو ٹوکے گا، تو جواباً (کہیں گے کہ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ ہمیں پہنچ جائے کوئی چکر) اور ہم کسی گردش کا شکار ہو جائیں۔۔ مثلاً: گردش روزگار کے نتیجہ میں، انھیں ایسی دولت اور غلبہ حاصل ہو، کہ وہ ہم پر غالب آجائیں، یعنی گردش زمانہ کے مصائب و تکالیف کا ہم شکار ہو جائیں۔۔ مثلاً: قحط سالی وغیرہ، تو پھر وہ لوگ ہمیں نہ قرض دینگے اور نہ غلہ وغیرہ۔

منافقین کی یہ قحط سالی وغیرہ کی باتیں تو مسلمانوں کو خاموش کرنے کیلئے تھیں، لیکن ان کو

دراصل جو کھٹکا تھا، تو یہ تھا کہ کہیں زمانہ پلٹ نہ جائے اور اہل اسلام مغلوب ہو جائیں اور کفار غالب ہو جائیں، تو اس وقت انکی دوستی کام آئیگی۔

حالانکہ اہل اسلام کے مغلوب ہونے کا انکا اندیشہ باطل ہے، اسلئے کہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ (تو) طے ہے کہ (قریب ہے کہ اللہ) تعالیٰ (فتح لائیگا) یا یہود کے منازل اور مواضع۔۔مثلاً: خیبر، تیماء اور فدک وغیرہ کی تسخیر عطا فرمائیگا۔

۔۔چنانچہ۔۔فتح مکہ کے علاوہ خیبر وغیرہ کو بھی مسلمانوں کے قبضہ میں دیدیا۔

(یا کوئی بات) یعنی کوئی حکم یہودیوں کے قتل یا جلاوطن کر دینے کے تعلق سے (اپنی طرف سے) نازل فرمائیگا، تا (کہ ہو جائیں، جو اپنے دل میں چھپا رکھا ہے)، یعنی کفر کا غلبہ اور نبی کریم کی نبوت میں شک۔۔الغرض۔۔اپنی (اس) ناقص سوچ (پر) شرمندہ اور (کھسیانے)،۔۔نیز۔۔اپنے کرتوتوں پر پچھتانے والے۔

۔۔چنانچہ۔۔وہ وقت آہی گیا کہ خود منافقین نے مشاہدہ کیا کہ اب انکی امیدیں بے کار ہوگئی ہیں اور انکے عزائم کی پختگی ختم ہوگئی کہ جن باتوں کی انھیں امید تھی، انکے متعلق معاملہ برعکس ہوگیا۔ جن امور کیلئے وہ طرح طرح کی باتیں بناتے تھے، وہ بہرصورت پورا نہ ہوسکا۔ منافقین کی یہ صورت حال۔۔۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ

اور کہیں گے جو واقعی مان چکے ہیں، "کہ کیا یہی ہیں؟ جنھوں نے قسم کھائی تھی اللہ کی، بڑے زور کی

أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾

قسم پر قسم، کہ یہ جو تمہارے ساتھ ہیں۔" اکارت گئے ان کے سارے عمل، تو ہوگئے دیوالیے●

(اور) انکی یہ کیفیت دیکھ کر یہود و نصاریٰ کو مخاطب بنا کر (کہیں گے) وہ (جو واقعی مان چکے ہیں) اور سچے اور سراپا اخلاص ایمان والے ہیں منافقین کی طرف اشارہ کر کے، (کہ کیا یہی ہیں جنھوں نے قسم کھائی تھی اللہ) تعالیٰ (کی)، اور وہ بھی (بڑے زور کی قسم پر قسم کہ یہ جو) بقول خود (تمہارے ساتھ ہیں) واقعی تمہارے ساتھی ہیں جو تمہاری پوری نصرت و معاونت کرینگے۔

۔۔چنانچہ۔۔منافقین نے یہود و نصاریٰ سے کہا تھا کہ اگر تم جنگ کیلئے تیار ہوئے، تو ہم

تمہاری پوری مدد کرینگے۔

مگراب انکا حال یہ ہے کہ **(اکارت ہوگئے انکے سارے عمل، تو ہو گئے دیوالیے)** یہود و نصاریٰ سے یاری دوستی کی جتنی جدو جہد کی سب ضائع ہوگئی، کیونکہ یہود و نصاریٰ سے انھیں کچھ نصیب نہ ہوا۔ بلکہ انکی تمام کارگزاری بیکار ہوئی اور بہت سے دکھ اور تکلیف سر پر اٹھائے۔

اس آیت زیر تفسیر کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا، کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی پختہ قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا تھا کہ تمہارے ساتھ ہیں، حالانکہ اب اللہ تعالیٰ نے نفاق پر پردہ چاک کر دیا اور یہ نقصان اٹھانے والے ہوگئے، کیونکہ انھیں ثواب کے بدلے عذاب ہوگا اور دنیا میں یہودیوں کے قتل اور جلاوطن ہونے کے بعد انکا کوئی سہارا نہ رہا اور یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے انھیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

یہیں سے یہ سبق ملتا ہے کہ حقیقی اور لازوال دولت صرف حق کیلئے ہے، اور باطل کیلئے تو صرف ظاہری صولت اور محض زبانی جمع خرچی ہے، جو بعد کو مٹ جاتی ہے اور ایسی فنا ہوتی ہے کہ جسکا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ مومن پر لازم ہے کہ وہ باطل کی طرف بالکل نہ جھکے، چاہے وہ کتنا ہی اچھا نظر آئے۔

ذہن نشین رہے کہ منافقین کا یہود و نصاریٰ سے میل ملاپ، انکی اسلام کو مٹانے کی مشترکہ درپردہ کوششیں اور دین اسلام کو ختم کر دینے کے سارے حربے، ہرگز ہرگز دین اسلام مٹا نہ سکیں گے، بلکہ اسکے فروغ وارتقاء کو بھی روک نہ سکیں گے۔

اس موقع پر قرآنِ کریم کی زبانی یہ غیب کی خبر بھی سن لو، کہ اگر۔۔۔بالفرض۔۔۔کسی دور کے مومنین بھی مرتد ہو جائیں، جب بھی اسلام کا آفتاب اقبال جگمگاتا ہی رہیگا۔۔تو۔۔۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ

اے وہ جو ایمان لاچکے! جو تم میں دین سے مرتد ہو جائے، تو جلد لائے گا اللہ

بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ

ایسی قوم جس کو اپنا محبوب بنادے، اور وہ اللہ کو محبوب مانیں۔ مسلمانوں پر نرم، کافروں پر خوف ناک،

یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍؕ

جہاد کریں اللہ کی راہ میں، اور نہ ڈریں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۝۵۴

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے جو تم میں دین سے مرتد ہو جائے) اور جھوٹے مدعیان نبوت۔۔مثلاً: مسیلمہ کذاب، طلیحہ رسیدی، اور سجاح کاہنہ، وغیرہ کا پیروکار ہو جائے۔۔یا۔۔بعض نجرانیوں کی طرح منکر زکوٰۃ ہو جائے۔۔المختصر۔۔کسی بھی طور سے اسلام چھوڑ کر ارتداد قبول کرلے، تو اس سے دین حق بے یار و مددگار نہیں ہو جائیگا، بلکہ جب کبھی ایسا ہوگا (تو جلد) از جلد (لائیگا اللہ) تعالیٰ اہل یمن۔۔یا۔۔اہل فارس ۔۔یا۔۔قبیلہ اشعری۔۔یا۔۔روزِ قادسیہ کے مجاہدین کی شکل میں، جن میں دو ہزار آدمی نخع کے تھے اور پانچ ہزار بجیلہ اور کندہ کے اور تین ہزار سب قبائل عرب یمن کے۔۔یا۔۔حضرت ابو بکر اور انکے ساتھ مرتدین سے جنگ کرنے والے سارے مہاجرین وانصار کی صورت میں۔(ایسی قوم، جسکو) اپنی سچی اور مخلصانہ محبت کی سند عطا فرما کر (اپنا محبوب بنادے) اور اسی اعزاز پر ان کو قائم رکھے۔

(اور) ساتھ ہی ساتھ ان سب کو ایسی توفیق رفیق عطا فرمائے، جس سے (وہ اللہ) تعالیٰ (کو) ہمیشہ ہمیش اپنا (محبوب مانیں)۔انکی خاص پہچان یہ ہوگی کہ یہ (مسلمانوں پر نرم) دل، خاکسار، اور مہربان ہونگے، لیکن (کافروں پر خوفناک) اور بے رحم ہونگے اور انکی کسی طرح کی کوئی رعایت نہیں کرینگے۔اور ضرورت پیش آنے پر ان پر شدید ترین حملہ کرنے سے بھی گریز نہ کرینگے بلکہ انکا قلع قمع کردینے کی جدوجہد میں لگے رہیں گے۔ چنانچہ وہ بوقت ضرورت (جہاد کریں) گے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) خالصاً لوجہ اللہ۔(اور نہ ڈریں) گے (کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو) اور نہ ہی کسی کی ملامت کا کچھ خیال کرینگے۔

یہ ان منافقوں کی طرح نہیں ہونگے، جو جب مسلمانوں کے لشکر میں چل نکلے، تو انھیں اپنے نصرانی اور یہودی یاروں اور دوستوں کا بھی دل میں اندیشہ تھا، کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کرینگے جس سے وہ یار دوست ہمیں ملامت کریں۔

۔۔الغرض۔۔کسی کی ملامت کے خوف سے حق سے انحراف کرنا سچے ایمان والوں کا طریقہ نہیں، بلکہ یہ منافقین کی روش ہے۔

یہ صفتیں جو مذکور ہوئیں (یہ اللہ) تعالیٰ (کا فضل ہے)، اور اسکی کرم فرمائی ہے، وہ (جسے چاہے) اسکی توفیق رفیق (دے، اور) جسکو چاہے اس فضل خاص سے نوازے۔ اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) ہے اور بڑا فضل فرمانے والا ہے اپنی مخلوق پر۔۔ نیز۔۔ اس بات کا (علم والا ہے) کہ اسکے اس فضل کا مستحق کون ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بندہ کے ساتھ خدا کی محبت کی صورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ دنیا میں بندہ کی توفیق خیر اور ہدایت کا ارادہ فرمائے، اور آخرت میں حسن ثواب اور کرامت بے حساب عطا فرمائے۔ اور خدا کے ساتھ بندے کی محبت یہ ہے خدا کی اطاعت کرتا رہے اور اسکی نافرمانی سے بچتا رہے۔

اہل طریقت کے نزدیک بندہ کے ساتھ خدا کی محبت یہ ہے کہ بندہ کو اپنی درگاہ کے قریب اور نزدیک کرلے اور خدا کے ساتھ بندے کی محبت یہ ہے کہ خدا کے واسطے غیر خدا سے اپنے دل کو خالص کرلے۔

سابقہ آیات میں کہا گیا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ، اسلئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور ہم خیال ہیں، لیکن تمہارے دشمن ہیں۔۔ اور۔۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

تمہارے دوست صرف اللہ و رسول اور وہ ہیں جو ایمان لاچکے، قائم کریں

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾

نماز کو اور دیں زکوٰۃ کو اور وہ جھکے ہیں●

(تمہارے دوست صرف اللہ) تعالیٰ (و) اسکے (رسول اور وہ ہیں جو ایمان لاچکے)۔ انکی شان یہ ہے کہ (قائم کریں) یعنی کماحقہ دائمی طور پر ادا کرتے رہیں (نماز کو) اور صاحب نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آنے پر (دیں زکوٰۃ کو، اور) نمار پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے وقت انکا حال یہ ہے، کہ (وہ) اللہ تعالیٰ کے حضور میں خشوع اور خضوع کرنے والے ہیں، اور سراپا نیاز ہوکر بارگاہِ الٰہی میں (جھکے ہیں)۔

اس سے مومن مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز مطلوب ہے، تاکہ معلوم ہو کہ پر اخلاص کون ہے

اور منافق کون؟ اسلئے کہ نماز و زکوٰۃ کی مواظبت کرنے سے اور انھیں خشوع اور رضائے الٰہی کیلئے ادا کرنے سے اخلاص اور منافقت کا پتہ چلے گا۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ

اور جو دوست بنائے اللہ اور اس کے رسول اور ان کو جو ایمان لا چکے، تو بے شک

حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

اللہ کا گروہ ہی غالب ہے●

(اور) یاد رکھو کہ (جو دوست بنائے اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول اور انکو جو ایمان لا چکے) یعنی مہاجرین وانصار کو، (تو بیشک) وہ اللہ تعالیٰ کے گروہ میں شامل ہو گیا، تو وہ جان لے کہ ہر حال میں اور ہر دور میں (اللہ) تعالیٰ (کا گروہ ہی غالب ہے)، جسے کوئی حقیقی طور پر مغلوب نہیں کرسکتا۔

کیا ہی عزت افزائی ہے اس ایمان والے کی، جو اللہ ورسول اور مومنین سے محبت رکھتے ہوئے فرائض اسلامی کی ادائیگی کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکو اپنا گروہ ارشاد فرما رہا ہے۔ اسی طرح کس قدر بدنصیب ہے وہ، جو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک اور مومنین کے غیر سے محبت کرتا ہے، اور اسطرح وہ شیطانی گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔۔۔ تو مسلمانو! تمہاری دوستی کسی ایسے سے نہ ہونی چاہئے جو دین کا مدعی ہو کر، خواہش نفسانی پر عمل کر کے، حق اور صواب کی تحریف میں لگا رہتا ہے، جیسے کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ۔۔ یا۔۔ وہ کسی دین کا بھی پابند نہ ہو، جیسے مشرکین۔۔ الحاصل۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا

اے ایمان والو! جنھوں نے بنا لیا ہے تمہارے دین کو ہنسی

وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ

کھیل، جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور کافر لوگ، انھیں نہ بناؤ دوست۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ سے ڈرو اگر اس پر ایمان رکھتے ہو●

(اے ایمان والو!) اچھی طرح خیال رہے کہ (جنھوں نے بنا لیا تمہارے دین کو ہنسی کھیل)

کہ وہ زبان سے اسلام کا دم بھریں لیکن دل میں کفر چھپائے رکھیں، ان لوگوں میں سے (جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور) انکے سوا دوسرے (کافر لوگ)، تو (انھیں) ہرگز (نہ بناؤ) اپنا (دوست اور) رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث جو اسلام کا اظہار کرنے کے بعد منافق ہو گئے۔۔نیز۔۔ان جیسے دوسرے کافروں کو اپنا دوست وہمراز بنانے سے (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو، اگر اس پر) سچا (ایمان رکھتے ہو)۔

۔۔الغرض۔۔اگر تم سچے ایمان والے ہو، تو ایسوں کو دوست بنا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر انکی دوستی اور یاری سے بچو۔ اسلئے کہ ایمان تقوٰی کا مقتضی ہے۔ ذرا غور تو کرو، کہ جو تمہارے دین کے ساتھ ٹھٹھا کرتا ہے، وہ تو اس لائق ہے کہ اس سے دشمنی کی جائے، نہ کہ اس سے دوستی اور یاری کا دم بھرا جائے۔ ذرا ان کتابیوں کا طرزِ عمل تو دیکھو کہ جب رسولِ کریم کے مؤذن اذان دیتے، تو وہ آپس میں ہنستے اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے، تو انکی سفاہت و بیوقوفی کی طرف اشارہ کرکے ہنسی کھیل کرتے اور کہتے کہ انکی جہالت کا حال دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں۔ اس سے انکا صرف اہلِ اسلام سے نفرت دلانا مقصود تھا، اور چاہتے تھے کہ انکے لوگ دائمی طور پر اسلام سے متنفر ہو جائیں۔۔۔

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ

اور جب تم نے اذان دی نماز کے لیے تو انھوں نے بنالیا ہنسی کھیل۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ۝۵۸

یہ اس لیے کہ وہ قوم عقل نہیں رکھتی●

(اور) اسی لئے اے ایمان والو! جب (جب تم نے اذان دی نماز کیلئے، تو انھوں نے بنالیا ہنسی کھیل)۔

۔۔چنانچہ۔۔جب مسلمان لوگ اذان سن کر نماز کیلئے اٹھتے، تو یہود لوگ آپس میں کہتے:

"قَامُوْا لَا قَامُوْا صَلُّوْا لَا صَلُّوْا" یہ کہتے اور قہقہہ لگاتے۔

انکا (یہ) استہزاء کرنا صرف (اسلئے) ہے (کہ وہ قوم عقل نہیں رکھتی) ہے۔ اور وہ نرے بے عقل لوگ ہیں، ورنہ اگر انھیں عقل ہوتی، تو ایسے اعلیٰ ترین عمل پر ہنسی مذاق کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

ان یہودیوں کی دشمنی اور بدکلامی کا عالم یہ تھا، کہ ایک بار ابویاسر بن اخطب اور رافع بن

ابی رافع نے چند یہودیوں کے ساتھ آ کے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ پیغمبروں میں سے تم کس پر ایمان رکھتے ہو۔آپ نے فرمایا میں خدا پر اور اپنے او پر نازل شدہ قرآن کریم پر اور ان تمام آسمانی کتابوں پر جو انبیاء سابقین پر نازل فرمائی گئی ہیں۔

حضرات انبیاء کے ناموں کے ساتھ حضرت عیسیٰ کا بھی نام مذکور ہوا، تو ان لوگوں نے انکی نبوت کا انکار کر دیا اور بولے قسم خدا کی تمہارے دین سے بدتر کوئی دین ہم نہیں جانتے۔ اور کسی دین والے کو تم لوگوں سے زیادہ دنیا و آخرت میں کم نصیب ہم نہیں جانتے۔۔الغرض ۔۔ یہ یہودی ایسا چڑھ گئے کہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔تو اے محبوب! ان چڑھنے والوں سے۔۔۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

کہو، اے اہل کتاب کیا نہیں چڑھے تم ہم سے مگر اس لیے کہ ہم نے مان لیا اللہ کو، اور جو کچھ اتارا گیا

اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ہماری طرف، اور جو اتارا گیا پہلے۔اور بے شک تم میں زیادہ لوگ نافرمان ہیں●

(کہو) کہ (اے اہل کتاب! کیا نہیں چڑھے تم ہم سے مگر اسلئے کہ ہم نے مان لیا اللہ) تعالیٰ (کو، اور جو کچھ اتارا گیا ہماری طرف) یعنی قرآنِ کریم کو، (اور جو) کچھ (اتارا گیا پہلے) آنے والے انبیاء کرام کی طرف، یعنی توریت وزبور وانجیل وغیرہ کو۔(اور) سن لو اے کتابیو! تم میں جو یہ چڑھ پیدا ہوئی ہے، اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ (بیشک تم میں زیادہ لوگ نافرمان ہیں)، یعنی اکثر تمہارے سرکش اور مذکورہ امور پر ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے خارج از اسلام ہیں۔

اگر وہ ہماری کتاب کی تصدیق خود اپنی کتاب سے ایمان داری کے ساتھ کر لیتے، تو لامحالہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔ چونکہ ان میں اکثر تمرد وفساد میں یکتا تھے اور دوسرے انکے تابعدار تھے، اسلئے خصوصیت کے ساتھ اکثر کا ذکر کر دیا گیا، ویسے تو وہ سب کے سب فاسق تھے۔۔الحاصل۔۔اے یہودیو! ہم سے تمہارے چڑھنے کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم مومن ہیں اور تم خارج از ایمان ہو۔

اے محبوب! اگر یہ یہودی یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ بدتر کون ہے؟ اور کم نصیب کون ہے؟ تو ان سے صاف صاف لفظوں میں۔۔۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ

کہدو کہ کیا میں بتادوں جو اس سے برا درجہ ہے اللہ کے نزدیک، وہ جس کو مردود کردیا اللہ نے اور غضب

عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ

نازل کیا اس پر، اور بنادیا ان میں سے بندر، اور سور، اور پوجا شیطان کو۔

أُولٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۶۰﴾

وہ ہیں برے درجہ والے، اور سیدھی راہ سے بہت بہکے ہوئے●

(کہدو کہ) اے یہودیو! (کیا میں بتادوں جو اس سے برا درجہ ہے اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک)، تو کان کھول کر سن لو کہ بدتر اور کم نصیب بلکہ بے نصیب (وہ) ہے (جسکو مردود کردیا اللہ) تعالیٰ (نے، اور غضب نازل کیا اسپر)، یعنی اپنی رحمت سے دور فرمادیا اور انکے کفر کی وجہ سے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

آیاتِ الٰہیہ کے علم وخبر کے باوجود معاصی میں منہمک رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں دھتکارا۔

---(اور بنادیا ان میں سے) بعض کو حضرت داوٗد کے عہد میں (بندر)۔

جب انھوں نے ہفتے کے متعلق حد سے تجاوز کیا، اور اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال سمجھا، اس پر حضرت داوٗد نے ان پر دعائے قہر فرمادی تو وہ بندر بنادیئے گئے۔

(اور) حضرت عیسیٰ کے زمانے میں (سور) کی صورت تبدیل ہوئے، جبکہ انھوں نے نازل شدہ مائدہ سے کھا کر نافرمانی کی۔

--المختصر-- جو جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود کفر پر تلے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے ناراض ہوکر انکی شکلیں تبدیل کردیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ دونوں مسخ ہفتہ والوں میں واقع ہوئے، اسلئے نوجوانوں کی شکلیں بندروں کی اور بوڑھوں کی خنزیروں کی سی ہوگئیں۔

ان لوگوں سے وہ سرکشی (اور) نافرمانی جس وجہ سے انھیں بندر و سور اور ملعون و مردود بنادیا، یہ تھی، کہ انھوں نے (پوجا شیطان کو)، یعنی غیر خدا کی پرستش میں شیطان کی اطاعت کی اور اس نے ہی انھیں ان امور پر ابھارا۔ تو اے کتابیو! سن لو (وہ)، یعنی جنکے قبائح وفضائح بیان کئے گئے ہیں، یہی لوگ (ہیں برے) اور بدترین (درجہ والے)۔

معلوم ہوا کہ انکا دین بہت برا تھا، اسلئے انھیں یہ سخت سزا اسی وجہ سے ملی۔

(اور) وہ (سیدھی راہ سے بہت بھٹکے ہوئے) اور حق سے بعید تھے۔

اسلئے کہ اگر وہ برے نہ ہوتے، اور حق سے بعید تر نہ ہوتے، تو اس برے دین کو نہ اپناتے۔

اب دریافت کروان کتابیوں سے کہ جنکے قبائح وفضائح اوپر مذکور ہوئے ہیں، وہ تمہارے ہی تو مورثین تھے، جنکی اتباع کو تم نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ اب جواب دو کہ تمہارے خانہ ساز دین سے بدتر اور تم سے زیادہ بدنصیب کون ہے؟۔۔۔ یہ منافقین یہود۔۔یا۔۔دوسرے اہل نفاق کس قدر اخروی نقصان اٹھانے والے بدنصیب و بدقسمت ہیں کہ یہ جب آپکے اور آپکے صحابہ کے سامنے نہیں ہوتے، تو انکی بولی کچھ اور ہوتی ہے۔۔۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ

اور جب آئے تمہارے پاس تو بولے کہ ہم ایمان لاچکے، حالانکہ آئے کفر کے ساتھ اور نکلے کفر کے ساتھ۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے تھے●

(اور جب آئے تمہارے) یعنی آپ اور آپکے صحابہ کے **(پاس، تو بولے کہ ہم ایمان لاچکے)** ہم تو تمہاری ہی طرح مومن ہیں۔ **(حالانکہ)** انکا ایمان سے کیا واسطہ، یہ تو **(آئے کفر کے ساتھ)** اور آپکی خدمت میں بیٹھے، آپکی باتیں سنیں، مگر آپکی تقریر کا انھوں نے کچھ اثر قبول نہیں کیا، تو جیسے آئے، ویسے ہی بیٹھے رہے۔ **(اور)** پھر ویسے ہی **(نکلے کفر کے ساتھ)**، یعنی کفر انکے ساتھ ہی رہتا ہے، آتے وقت بھی اور جاتے وقت بھی۔

اگر چہ انکی ممکنہ کوشش یہی رہتی ہے کہ انکی منافقت کا راز کھلنے نہ پائے، تو حتی الامکان وہ اپنے نفاق کو چھپاتے تھے۔

(اور اللہ) تعالیٰ **(خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے تھے)**، حضور ﷺ بھی انکی منافقت سے باخبر تھے، جیسا کہ انکی منافقت کی علامات بتاتے تھے، لیکن آپ صرف اس انتظار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ انکی منافقت کے اظہار کا حکم کب عطا فرماتا ہے۔۔اے محبوب! یہ یہود و منافقین گناہ و سرکشی، کذب وفریب اور حرام خوری و حرام کاری کی کسی ایک حد پر پہنچ کر ٹھہر نہیں گئے تھے۔ چنانچہ۔۔آپ ملاحظہ فرماؤ گے۔۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ

اور دیکھو گے ان میں بہتوں کو کہ لپکتے ہیں گناہ میں، زیادتی کرنے میں، اور حرام خوری میں۔

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

بے شک برا ہے جو وہ کرتے رہے●

(اور دیکھو گے ان میں بہتوں کو) کہ انکا حال یہ ہے (کہ لپکتے ہیں گناہ) کا ارتکاب کرنے (میں)، اور ظلم و (زیادتی کرنے میں، اور حرام خوری میں) یعنی گناہ وظلم وزیادتی اور حرام خوری کے نچلے درجہ سے انکے اوپر کے درجہ تک پہنچنے کیلئے، سرعت وتیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ (بیشک برا ہے جو وہ کرتے رہے)، یعنی انکے وہ اعمال بہت برے ہیں جنکا وہ ارتکاب کرتے رہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ یہود ومنافقین جو کچھ کرتے رہے، وہ تو کرتے ہی رہے، آخر انکے مذہبی رہنماؤں کو کیا ہو گیا ہے؟۔۔ آخر۔۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ

ان کو روکتے کیوں نہیں؟ پادری اور علم والا طبقہ گناہ کی بات کرنے اور حرام خوری سے۔

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

بے شک برا ہے جو کرتے رہے●

(انکو) ان اعمالِ قبیحہ سے (روکتے کیوں نہیں) انکے (پادری اور) انکے علماء، یعنی انکا (علم والا طبقہ گناہ کی بات کرنے اور حرام خوری سے)۔۔ الحاصل۔۔ 'نہی عن المنکر' جن پر فرض ہے، وہ اپنا فریضہ کیوں نہیں ادا کرتے؟ جبکہ 'نہی عن المنکر' واجب ہو، ایسی صورت میں اپنے لوگوں کو ان برے افعال کے ارتکاب سے نہ روکنا، اور انھیں منع کرنے میں مشغول نہ ہونا، (بیشک) یہ اس سے بھی زیادہ (برا ہے جو) وہ (کرتے رہے)۔

اسلئے اسکی تعبیر بجائے مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کے مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ سے فرمائی گئی ہے۔

اس میں راز یہ ہے کہ 'صنعت'، 'عمل' سے قوی تر ہے، کیونکہ 'عمل' اس وقت 'صنعت' سے موصوف ہوتا ہے جب بندہ اس عمل میں ماہر اور راسخ ہو جائے اور اسے اسکا پورے طور پر کمال حاصل ہو۔۔ المختصر۔۔ اِثم وَ عُدْوَانُ اور اَكْلِ حَرَامُ کو 'ذنب غیر راسخ' اور 'نہی

عن المنکر' کے ترک کو 'ذنب راسخ' کہا گیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'نہی عن المنکر' کا ترک، عنداللہ، بہت بڑا جرم ہے۔

یہودیوں کی بداعمالیوں کے ساتھ ساتھ انکی بدکلامی اور بیہودہ گوئی بھی ترقی کرتی رہی --چنانچہ-- جب انھوں نے رسولِ عربی ﷺ کی تکذیب ومخالفت کی، تو انکی روزی سے برکت اٹھالی گئی، جسکی وجہ سے انکی خوشحالی ختم ہوگئی، انکے عیش وآرام میں فرق آگیا، پھر وہ دولت وسرمایہ سے اپنی تہی دستی کو دیکھ کر بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے فخاص نامی ایک شخص نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہے۔یعنی معاذ اللہ وہ رزق دینے اور خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے۔اسکے اس قول پر کسی یہودی نے منع نہیں کیا، بلکہ راضی رہے۔اسی لئے ان سب کا مقولہ قرار دیکر فرمایا گیا، کہ گستاخ---

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ

اور یہود بکنے لگے کہ اللہ کی مٹھی بندھی ہے۔باندھے جائیں انکے ہاتھ، اور ایسا بولنے والوں پر خدا کی مار---بلکہ اللہ کے

يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ

دونوں ہاتھ کھلے ہیں، لٹائے جیسے چاہے۔اور ضرور بڑھتی رہے گی ان میں سے بہتوں کی شرارت وانکار کہ جو اتارا گیا

إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ

تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے۔اور ڈال دیا ہم نے ان میں دشمنی اور

الْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ

کینہ قیامت تک۔جب انھوں نے جلائی جنگ کی آگ، بجھادے اللہ۔

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

اور لگے ہیں زمین میں فساد مچانے کو۔اور اللہ نہیں پسند فرماتا فسادیوں کو●

(اور) بدلگام (یہود بکنے لگے کہ اللہ) تعالیٰ (کی مٹھی بندھی ہے) یعنی اسکا ہاتھ قبض کیا اور روکا ہوا ہے عطا سے۔یہ فقرہ بخل کی طرف اشارہ ہے، یعنی حق تعالیٰ ہمیں کچھ نہیں دیتا اور ہم پر روزی تنگ کرتا ہے، اسی لئے وہ رزق دینے میں بخل سے کام لے رہا ہے۔ایسوں کیلئے بددعا کی گئی کہ (باندھے جائیں انکے ہاتھ) کہ ان سے کسی طرح کا عمل خیر وخیرات ہونا سکے، اور قیامت تک بخل وامساک میں مبتلا رہیں--الغرض--انکے ہاتھ خرچ کرنے سے رک جائیں اور وہ دائمی طور پر بخیل رہیں۔

--چنانچہ--دیکھا جارہا ہے کہ اس دنیا میں یہودیوں سے بڑھ کر کوئی بخیل نہیں۔(اور ایسا) واھیات کلمہ (بولنے والوں پر خدا کی مار) اور خدا کی لعنت، اور وہ بھی ایسی کہ ہمیشہ کیلئے خدا کی رحمت سے دور کردیئے گئے۔ بکنے والوں نے جو بکا، وہ بالکل غلط ہے (بلکہ) صحیح اور حق بات یہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، لٹائے جیسے چاہے) اسکا جودو کرم بہت ہی بڑا ہے۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے کہ ہاتھ خدا کی ذاتی صفتوں سے ایک صفت ہے، جیسے کہ سمع، بصر اور وجہ۔ ہمارے لئے ان صفات پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اور اسکی کیفیت میں دخل دینا درست نہیں۔ یہ متشابہات سے ہے اور متشابہات کی تفسیر ظاہر میں نہ کرنا چاہئے، بلکہ اسکے معنی اسی کے حکم کے موافق ادا کرنا چاہئے۔

--چنانچہ--اس محل پر یہ تمام کلام کمالِ جودو بخشش پر دلالت کرتا ہے اس واسطے کہ عطا کرنا ایک ہاتھ سے ہوتا ہے، یہاں پر عطا کو جو دونوں ہاتھوں کی طرف نسبت فرمائی ہے، یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اسکی عطا بے حد اور بے شمار ہے، اور وہ روزی دیتا ہے جس طرح چاہتا ہے اپنی مشیت وحکمت کے موافق۔

رہ گیا یہود (اور) نصاریٰ کا معاملہ تو (ضرور بڑھتی رہے گی ان میں سے بہتوں کی شرارت و انکار) بہ سبب اسکے (کہ جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے)، یعنی قرآنِ کریم۔ اگرچہ قرآنِ کریم کفر ونافرمانی کو دفع کرنے کیلئے ہے، مگر اسے سن کر انکی سرکشی اور بڑھ جاتی ہے اور یہ کفر وطغیان اور نافرمانی اور سرکشی پر اتر آتے ہیں، جیسے صحیح اور تندرست لوگوں کو جو غذا مفید ہے، اس سے بیماروں کی بیماری بڑھ جاتی ہے۔

اس مقام پر یہ خیال آسکتا ہے کہ جب یہ ایسے شریر وفسادی اور سرکش ہیں، تو یہ سب مجتمع ہوکر اہل اسلام کو نقصان پہنچاسکتے ہیں۔ اس خیال کا ازالہ یوں ہوجاتا ہے کہ انکا آپس میں مجتمع ہونا ناممکن---

(اور) نہ ہوسکنے والی بات ہے۔ اسلئے کہ (ڈال دیا ہم نے ان میں دشمنی اور کینہ قیامت تک) کیلئے۔ انھیں یہودیوں کے دو قبیلے ۱--بنو قریظہ ۲--بنو نضیر--کے درمیان بغض وعداوت کی ایسی خلیج پیدا کردی گئی ہے، جسکی وجہ سے یہ دونوں اکٹھا ہو ہی نہیں سکتے۔ قیامت تک انکے دلوں میں موافقت اور باتوں میں مطابقت نہ رہے گی۔--چنانچہ--اہل اسلام کے خلاف جب (جب انھوں نے جلائی

جنگ کی آگ) تو اسکو روشن ہونے سے پہلے ہی (بجھادے اللہ) تعالیٰ انھیں میں آپس میں منازعت ڈالکر، جسکی وجہ سے وہ دوسری طرف مشغول ہی نہ ہوسکے۔

۔۔بایں ہمہ۔۔اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے (اور) انکا شیرازہ منتشر کرنے کیلئے وہ سب کے سب (لگے ہیں) اور پورے طور پر تیار ہیں (زمین میں فساد مچانے کو)، تاکہ اہل اسلام کو پچھاڑ دیں اور انکے مابین ایسا شر پھیلائیں کہ انکے درمیان آپس میں پھوٹ پڑ جائے۔ (اور) صورت حال یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا فسادیوں کو) اسی لئے انکے شر اور فساد کو خاک میں ملا کر الٹا انھیں مصائب و آلام میں مبتلا فرمادیتا ہے۔

ان یہودیوں نے غلط روش اختیار کی اور اسلام کی مخالفت اور رسولِ عربی کی دشمنی پر اتر آئے، اسلئے دنیا ہی میں مبتلائے آفات ہوگئے اور آخرت کی بھی کسی بھلائی کے مستحق نہ رہ گئے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے، اور اللہ سے ڈرتے، تو ہم اتار دیتے ان سے ان کے گناہ

وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾

اور ضرور ہم داخل کرتے ان کو عیش کے باغوں میں●

(اور اگر) بالفرض ایسا ہوتا کہ (اہل کتاب) محمد ﷺ پر (ایمان لاتے اور اللہ) تعالیٰ (سے ڈرتے)، یعنی یہودیت و نصرانیت سے توبہ کر کے گناہوں سے پرہیز کرتے، (تو ہم اتار دیتے ان) کے سر (سے انکے گناہ) کا بوجھ (اور ضرور ہم داخل) کرنے کا حکم (کرتے انکو) ناز اور نعمتوں والے (عیش کے باغوں میں) جہاں صرف عیش ہی عیش ہے اور رنج و کلفت کا گزر نہیں۔

اس مقام پر تنبیہ ہوگئی کہ اسلام سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں، خواہ وہ گناہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل کتاب بہشت میں نہیں داخل ہوسکتے جب تک کہ اسلام قبول نہ کریں۔ یہ تو ایسے بدنصیب ہیں کہ خود اپنی آسمانی کتابوں پر کما حقہ عمل نہ کرسکے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور اگر انھوں نے قائم رکھا ہوتا توریت اور انجیل کو، اور جو اتارا گیا ان کی طرف ان کے پروردگار کی طرف سے،

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ

توضرور کھاتے سر کے اوپر اور پاؤں کے نیچے سے۔ کچھ ان میں معتدل ہیں،

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ؀

اور زیادہ ہیں جن کے کرتوت برے ہیں●

(اور اگر انھوں نے قائم رکھا ہوتا توریت اور انجیل کو) اور انکے احکام ومضامین پر عمل کرتے۔۔مثلاً: ان میں ہے کہ حضور ﷺ کی تصدیق کرو اور اللہ تعالیٰ کے تمام معاہدوں کا ایفاء کرو **(اور)** قائم رہتے اس پر **(جو اتارا گیا انکی طرف انکے پروردگار کی طرف سے)**، وہ قرآنِ کریم ہے جس نے انکی کتابوں کی تصدیق فرمائی، **(تو ضرور)** اپنے لئے رزق کثیر کا مشاہدہ کرتے اور حسب ضرورت بارش ہونے اور کھیتی اگنے کے سبب۔۔نیز۔۔بہ کثرت میووں اور پھلوں کی پیداوار کی وجہ سے **(کھاتے سر کے اوپر)** درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کو **(اور پاؤں کے نیچے سے)** زمین پر ٹپک پڑنے والے پھلوں کو۔۔الغرض۔۔آسمان وزمین کی برکات سے انھیں نوازا جاتا، بارش نازل کر کے اور میوے وغیرہ پیدا فرما کر۔اور انھیں جو پریشانی اور معاشی تنگی ہوئی، وہ انکی اپنی شامت اعمال تھی، نہ کے اس کریم نے اپنی طرف سے کچھ کمی فرمائی۔

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سب کے سب ایمان وتقویٰ اور اقامت تورات وانجیل سے عاری تھے۔

بلکہ **(کچھ ان میں)** حضرت عبداللہ بن سلام اور انکے دو عدد ساتھی جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے **(معتدل ہیں)**، جو دینی امور میں نہ کوتاہی کرنے والے ہیں اور نہ ہی غلو کرنے والے۔ **(اور)** انکے سوا دوسرے بہت **(زیادہ ہیں جنکے کرتوت برے ہیں)** اور جو عناد، مکابرہ، تحریفِ حق اور اعراض عن الحق کے پیکر ہیں۔

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ وطہارت اور نیک اعمال وسعت رزق کا سبب ہیں اور اس سے ہی دنیا وآخرت کے امور کامیابی وکامرانی سے سرانجام پاتے ہیں۔۔۔سابقہ آیتوں میں یہود ونصاریٰ کے خبیث عقائد اور انکے باطل اقوال، دین میں انکی تحریفات اور انکی بداعمالیاں بیان کی گئی تھیں۔اس طرح مشرکوں کی خرابیوں کو بھی بیان کیا گیا تھا اور مشرکوں کے متعلق آیات نازل ہوئی تھیں۔اب آگے کے ارشاد میں آپ سے فرمایا جارہا

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ

بیشک مسلمان، یہودی، اور ستارہ پرست، اور نصرانی میں سے، جو مان ہی جائے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ کو اور پچھلے دن کو، اور کیا اچھے کام، تو نہ کوئی ڈر ہے ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں●

(**بیشک مسلمان**) جو صرف زبانی ایمان لائے ہیں اور (**یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی میں سے جو مان ہی جائے**) صاف دل اور خالص نیت سے (**اللہ**) تعالیٰ (**کو اور پچھلے دن کو**) یعنی یوم آخرت کو، (**اور**) ایمان کے مقتضیٰ پر (**کیا اچھے کام تو**) وہ بالکل کامیاب اور فلاح یافتہ ہیں۔۔۔اور (**نہ کوئی ڈر ہے ان پر**) ہجوم عذاب کا (**اور نہ**) ہی (**وہ رنجیدہ**) وغمگین (**ہوتے ہیں**) فوت ثواب سے۔

یہ ذہن نشین رہے کہ آخرت میں اہل ایمان کو جو خوف وحزن ہوگا وہ عارضی ہوگا، اس کے بعد زائل ہوکر دائمی خوشی اور راحت وفرحت ہوگی۔ اسلئے نصوص میں کہیں کسی کیلئے اسکے اسی عارضی حزن وملال کا بیان ہے اور کہیں کسی کیلئے اسی کی نفی ہے۔۔۔آخرت کی صلاح و فلاح اور نجات ومغفرت کیلئے جن جن چیزوں پر دل کی سچائی کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے، اسکے تعلق سے عہد و پیمان لیا جاتا رہا اور لوگوں کو راہِ ہدایت دکھانے کا اہتمام ہوتا رہا ۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ ربانی ہے کہ۔۔۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا

البتہ بے شک ہم نے مضبوط عہد لیا آلِ یعقوب کا، اور بھیجا ان کی طرف کئی رسول۔

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾

جب آیا ان کے پاس کوئی رسول وہ لے کر جس کی خواہش ان کے نفس کو نہیں، تو کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو قتل کریں●

(**البتہ بیشک ہم نے مضبوط عہد لیا آلِ یعقوب کا**) توحید اور محمد ﷺ پر ایمان لانے کے باب میں، (**اور**) اسی عہد و پیمان کو حاصل کرنے کیلئے (**بھیجا انکی طرف کئی رسول**)۔

یعنی متعدد پیغمبر جن میں حضرت موسیٰ اور آخری حضرت عیسیٰ تھے۔

ان پیغمبروں کے پیغام کے تعلق سے ان بنواسرائیلیوں کی روش یہ تھی کہ (**جب آیا انکے پاس کوئی رسول وہ لے کر جسکی خواہش انکے نفس کو نہیں**)۔

یعنی جب انبیاء کرام انکے پاس شرعی احکام، مشقت طلب ارشادات، لائے جو انکے

نفسوں کے خلاف تھے، تو وہ ان پیغمبروں کی نافرمانی کر بیٹھے اور سرکشی پر اتر آئے۔

۔۔۔(تو کچھ کو جھٹلایا)

جیسے حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی آخر الزماں کی تکذیب کی۔

(اور کچھ کو) جھٹلانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے کرلیا کہ انھیں (قتل کریں)۔

۔۔چنانچہ۔۔انھیں یعنی حضرت زکریا، حضرت یحیٰ اور حضرت شعیب کو شہید کردیا۔ یہ سارے پیغمبر اسی لئے آتے رہے کہ انھیں دین کی باتیں بتائیں اور انکی آسمانی کتاب میں جن امورِ دینیہ کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرلینے کی ہدایت کی گئی ہے، اسکی یاددہانی کراتے رہیں، مگر ان لوگوں نے انبیاء کرام کی ہدایت کو نظر انداز کردیا اور ان پر ایمان لانے کی بجائے انکی تکذیب، بلکہ بعض کو شہید بھی کردیا، پھر اس خام خیالی میں رہے۔۔۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور گمان کیا کہ کچھ گڑبڑ نہ ہوگی۔ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے، پھر اللہ نے انکی توبہ قبول کی،

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے بہتیرے، اور اللہ دیکھنے والا ہے ان کے کرتوت کو ●

(اور گمان کیا کہ) پیغمبروں کی تکذیب اور انکے قتل کرنے کی وجہ سے (کچھ گڑبڑ نہ ہوگی) اور ان پر کسی طرح کی کوئی بلا نازل نہ ہوگی، کیونکہ انکا اپنے تعلق سے یہ عقیدہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اسکے محب ہیں، اسلئے عذاب میں مبتلا نہ ہونگے۔

اگرچہ دل سے مانتے تھے کہ ہم خطاکار ہیں اور انبیاء کرام کے قتل اور انکی تکذیب میں غلطی پر ہیں، مگر اسکے باوجود ہمیں عذاب اسلئے نہیں ہوگا کہ ہمارے آباء واسلاف کی نبوت ہمیں عذاب سے بچالیگی، اگرچہ ہم قتل وتکذیب کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں۔

۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائے (پھر) شرارت وفساد کے فتون میں منہمک ہوکر (اندھے ہوگئے) اور راہِ حق دیکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے (اور بہرے ہوگئے)، یعنی حق بات سننے کی بھی صلاحیت نہ رہ گئی۔

حضرت موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو مبعوث فرما کر انکو توبہ وایمان کی دعوت دی۔

تو وہ اپنے کرتوتوں سے باز آئے اور توبہ کی، **(پھر اللہ)** تعالیٰ **(نے انکی توبہ قبول کی پھر)** جب آخری نبی کا عہد آیا، تو آپکی نبوت کا انکار کر کے دوبارہ **(اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے بہتیرے)**۔

ان سعادتمند نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں کے سوا جو نبی آخر الزماں کی نبوت پر ایمان لائے، حق کو پہچانا، حق سنا اور حق دیکھا اور اسے قبول کیا اور اندھے اور بہرے ہونے سے محفوظ رہے۔

ان اندھوں کو معلوم ہونا چاہئے **(اور)** اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(دیکھنے والا ہے انکے)** ہر ہر **(کرتوت کو)** کیا ان اندھوں اور بہروں کو اسکا بھی شعور نہیں کہ۔۔۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ

بے شک کفر کیا جنھوں نے کہا کہ "اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں۔" اور مسیح نے کہا کہ

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ

"اے بنی اسرائیل پوجو اللہ کو، میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار۔" بے شک جو شرک کرے اللہ سے، تو بے شک

حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾

حرام کر دیا اللہ نے اس پر جنت کو، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں●

(بیشک کفر کیا جنھوں نے) اپنی جہالت اور بے بصیرتی کی وجہ سے **(کہا کہ اللہ)** تعالیٰ **(مسیح ابن مریم ہی ہیں)**۔ یہ تو رہی ایک طرف انکی بکواس **(اور)** دوسری طرف خود حضرت مسیح کا مبارک ارشاد ۔۔چنانچہ۔۔ حضرت **(مسیح نے کہا)** اور ہدایت فرمائی **(کہ اے بنی اسرائیل پوجو اللہ)** تعالیٰ **(کو)** جو **(میرا پروردگار)** ہے **(اور تمہارا)** بھی **(پالنہار)** ہے۔

یعنی میں تمہاری طرح مخلوق اور مربوب ہوں، جو پیدا کیا گیا اور پالا گیا، تو عبادت خالق اور رب کی چاہئے، مخلوق اور مربوب کی نہیں۔

اور جان لو کہ **(بیشک جو شرک کرے اللہ)** تعالیٰ **(سے)** یعنی کسی غیر خدا کو اسکی ذات وصفات اور اسکی عبادت میں شریک ٹھہرائے **(تو بیشک حرام کر دیا اللہ)** تعالیٰ **(نے اس پر جنت کو)**، اس میں اسکو ہرگز داخل نہیں ہونے دیگا۔۔الغرض۔۔ بہشت صرف مومنین کیلئے تیار کی گئی ہے، جو مشرک نہیں بلکہ موحد ہیں۔ **(اور اس)** مشرک **(کا ٹھکانہ جہنم ہے)** جس میں ہمیشہ انھیں رہنا ہے **(اور)** ان **(ظالموں کا کوئی مددگار نہیں)** جو انھیں جہنم سے بچا کر انکی مدد کر سکے، غلبہ پا کر۔۔یا۔۔ شفاعت کر کے۔۔۔

اوپر کے بیان میں نصرانیوں کے جس فرقے کا ذکر ہے، اسکو 'یعقوبیہ' کہتے ہیں اور اب آگے

انکے دوسرے فرقوں کے عقیدوں کو بیان کیا جارہا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ

بے شک ضرور کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے۔۔۔۔ کوئی معبود نہیں مگر ایک

وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ

معبود۔ اور اگر توبہ نہ کی اپنی اس بکواس سے، تو ضرور پہنچے گا ان میں جنھوں نے

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

یہ کفر کیا، دکھ دینے والا عذاب●

(بیشک) ان لوگوں نے بھی (ضرور کفر کیا) اپنی نادانی کی وجہ سے (جنھوں نے کہا کہ اللہ) تعالیٰ (تین کا تیسرا ہے)۔

ان کہنے والوں کا اعتقاد یہ تھا کہ 'الوہیت' مشترک ہے خدا، عیسیٰ اور مریم کے درمیان۔ اور تینوں میں سے ہر ایک 'الٰہ' ہے۔ تو خدا بھی ان تینوں 'الٰہ' میں سے ایک 'الٰہ' ہے۔

جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ (کوئی معبود نہیں مگر ایک معبود) یعنی صرف خدائے یگانہ ہی معبود ہے جو وحدانیت سے موصوف ہے اور 'توہم شرکت' سے برتر ہے۔ اسکے سوا دوسرا کوئی، نہ تو اپنی ذات و صفات میں 'مستقل بالذات' اور 'واجب الوجود' ہے، اور نہ ہی کوئی مستحق عبادت ہے۔ ان تمام بکواس کرنے والوں کو سمجھ لینا چاہئے (اور) یقین کر لینا چاہئے کہ (اگر) انھوں نے (توبہ نہ کی اپنی اس) مشرکانہ (بکواس سے)، اور باز نہ آئے اپنے اس کفر سے، (تو ضرور پہنچے گا ان میں جنھوں نے یہ کفر کیا) ایسا (دکھ دینے والا عذاب) جسکا دل پر گہرا اثر پڑیگا اور اسکا صدمہ ہمیشہ ہوگا۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

تو کیوں نہیں توبہ کر ڈالتے اللہ سے اور اس کی مغفرت مانگتے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔●

(تو) کیا اب بھی انھیں ہوش نہیں آیا، آخر وہ (کیوں نہیں توبہ کر ڈالتے اللہ) تعالیٰ (سے)، تثلیث سے منکر ہو کر (اور) کیوں نہیں (اسکی مغفرت مانگتے) توحید کے معتقد ہو کر۔ کیا وہ نہیں جانتے اور) انھیں معلوم نہیں کہ (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے، بخشنے والا ہے توبہ کرنے والوں کو اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے مغفرت چاہنے والوں پر۔ لوگو! عقل و ہوش سے کام لو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ۔۔۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

مسیح ابن مریم رسول ہی ہیں۔ بے شک گزرے ان کے پہلے بہت سے رسول۔

وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ

اور اس کی ماں صدیقہ ہیں۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو کہ ہم کس طرح صاف بتائے دیتے ہیں

لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۷۵﴾

ان کو نشانیاں، پھر دیکھو کہ وہ کیسے اوندھے کئے جاتے ہیں●

(مسیح ابن مریم) اللہ تعالیٰ کے (رسول ہی ہیں) اور یہ کوئی پہلے رسول نہیں بلکہ (بیشک گزرے انکے پہلے) بھی (بہت سے رسول)۔

یہ 'صفت رسالت' اگرچہ ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ اعلیٰ وارفع ہے کوئی مخلوق جو 'صفت رسالت' سے متصف نہ ہو، وہ اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتی، لیکن 'صفت الٰہیت والوہیت' اس 'صفت رسالت' سے بھی کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے اور بے انتہا بلند وبالا ہے۔ تو کوئی بھی خواہ وہ کتنا ہی بلند مرتبہ والا رسول ہو، اپنی 'صفت رسالت' سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ہاں۔۔ ہر رسول کو رب کی طرف سے معجزات عطا فرمائے جاتے ہیں، جو انکی نبوت کی دلیل ہوتے ہیں۔

۔۔ چنانچہ۔۔ جس طرح حضرت مسیح کو معجزات عطا فرمائے گئے کہ انکی پھونک سے مردہ زندہ کیا گیا، تو ان سے پہلے حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں عصا اژدہا ہو گیا تھا۔ اور عصا کا اژدہا ہونا نسبتاً بڑے تعجب کی بات ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے، تو حضرت آدم بے ماں باپ کے پیدا ہوئے اور یہ اس سے زیادہ عجیب بات ہے۔ ۔الحاصل۔۔ انبیاء کرام کے معجزات انبیاء کرام کو بندہ سے خدا نہیں کردیتے۔

(اور) یاد رکھو کہ (اس) صاحب کمال رسول، یعنی حضرت مسیح (کی ماں صدیقہ ہیں) جو بڑی ہی راست گو ہیں۔ صدق وصفا میں مداومت رکھنے والی، اپنا معاملہ صحیح اور درست رکھنے والی ہیں۔ ان سے ایسی بات کبھی سرزد نہیں ہوئی، جو انکی عبودیت اور اطاعت الٰہی کے منافی ہو۔ ماں بیٹے (دونوں) بشری تقاضوں کے تحت (کھانا) بھی (کھاتے تھے)۔۔ الغرض۔۔ دونوں کو دوسرے ذی روح مخلوقات کی طرح غذا کی حاجت تھی اور ظاہر ہے کہ جو صاحب احتیاج ہو، وہ رب نہیں ہو سکتا۔ دیکھنے والو (دیکھو کہ ہم کس طرح) صاف (صاف بتائے دیتے ہیں ان کو) توحید کی (نشانیاں) اور اسکی دلیلیں، یعنی

انکوایسے روشن دلائل دکھاتے ہیں، جن سے ان کو یقین ہوسکتا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔

(پھر دیکھو کہ وہ کیسے اوندھے کئے جاتے ہیں) یعنی نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ ہی اس میں غور وفکر کرتے ہیں، بلکہ بے تکی اور اوندھی باتیں کرتے ہیں اور انھیں حق بات سمجھنے اور قبول کرنے سے کیونکر پھیر دیتے ہیں، اور وہ کہاں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اگرچہ ہماری آیات کا بیان کرنا بھی عجیب ہے، لیکن انکا اس سے انکار کرنا عجیب تر، جبکہ انکے سامنے ایسے روشن دلائل و براہین کھل کر آ گئے ہیں، کہ اگر غور وفکر کریں تو انھیں انکار کرنے کی گنجائش بھی نہ ہو۔ اے محبوب! ان نصرانیوں اور انکے سوا ان لوگوں سے۔۔۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ

کہو کہ کیا پوجتے ہو اللہ کو چھوڑ کر اسے جو نہ کچھ بگاڑ سکے نہ بنا سکے؟

وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾

اور اللہ سننے والا علم والا ہے●

(کہو) جوانکے طریقے پر غیر اللہ کو معبود بناتے ہیں (کہ کیا پوجتے ہو اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر اسے جو) بذاتِ خود (نہ کچھ) تمہارا (بگاڑ سکے) اور (نہ) ہی (بنا سکے)، یعنی جو اپنی ذات سے تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت عیسیٰ کو ایسا تصرف حاصل نہیں تھا، کہ خدا کے مانند کسی کو بلا اور مفلسی میں مبتلا کر کے نقصان پہنچائیں۔۔یا۔۔صحت وتونگری عطا فرما کر نفع بخشیں۔ انکے جو فضائل وکمالات اور اختیارات ہیں، وہ سب کے سب عطائی ہیں، ایک بھی ذاتی نہیں، جو سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ ہیں۔

کیا تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آئی کہ جو خود صاحب احتیاج ہو، اور اپنے معبودِ برحق کی بارگاہ میں سربہ سجود ہو، اسی کو پوجنے لگنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ تمہاری واہیات اور باطل باتیں (سننے والا) ہے اور تمہارے فاسد عقائد کا (علم) رکھنے (والا ہے) تو وہ تمہارے انھیں اقوال وعقائد کی جزا دیگا۔ اگر اچھے ہیں تو نیک جزا، ورنہ سخت سزا۔ اے محبوب! کتابیوں سے۔۔۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ

کہو کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، اور اس

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾

ع ۱۱ ۱۴

قوم کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو، جو خود پہلے سے گمراہ ہوگئے اور بہتوں کو گمراہ کرڈالا، اور سیدھی راہ سے بہک گئے●

(**کہو کہ اے اہل کتاب!**) ہوش سے کام لو اور (**اپنے دین**) اور اپنے نظریات (**میں ناحق غلو نہ کرو**)، یعنی نہ تو نصاریٰ کی طرح حضرت مسیح کی 'الوہیت' کا دعویٰ کرو اور انکو انکی 'حد رسالت' سے اوپر اٹھا دو اور نہ ہی یہودیوں کی طرح انکی شان گھٹاؤ، کہ انکے لئے رشد و ہدایت بھی نہ مانو۔۔الغرض۔۔ حضرت مسیح کے تعلق سے نصاریٰ کی افراط اور یہودیوں کی تفریط سے اپنے کو بچاؤ۔ (**اور**) اس سلسلے میں (**اس قوم کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو**) اور انکی تابعداری نہ کرو (**جو خود**) تم سے (**پہلے سے گمراہ ہوگئے**)، یعنی تمہارے وہ گمراہ لیڈر اور مذہبی لوگ جو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے گزرے ہیں، جو خود تو گمراہ ہی تھے (**اور بہتوں کو گمراہ کرڈالا**)، جو انکی بدعات اور گمراہیوں کی اتباع کرتے تھے۔ (**اور**) پھر یہ سارے کے سارے گمراہ ہونے والے اور گمراہ کرنے والے، نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی تکذیب کرکے۔۔نیز۔۔آپ سے بغاوت اور حسد کرکے اسلام کی (**سیدھی راہ سے بہک گئے**)۔

بعثت رسول سے پہلے بھی اپنی سرکشیوں اور نافرمانیوں کے سبب یہودی کفار ہمیشہ مستحق لعنت ہی رہے۔۔چنانچہ۔۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ

لعنت بھیجی گئی ان پر جنھوں نے کفر کیا اولاد اسرائیل سے زبان پر داؤد

وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾

وعیسیٰ ابن مریم کے۔ یہ کیونکہ گناہ کرچکے تھے اور سرکشی کرتے تھے●

(**لعنت بھیجی گئی ان پر جنھوں نے کفر کیا اولادِ اسرائیل سے**)، یعنی یہود، (**زبان پر داؤد عیسیٰ ابن مریم کے**)۔

یعنی حضرت داوٗد اور حضرت عیسیٰ نے اپنے اپنے عہد کے یہودیوں پر انکی نافرمانیوں کے سبب اپنی اپنی مبارک زبان سے لعنت بھیجی۔۔چنانچہ۔۔حضرت داوٗد نے 'اہل ایلہ' پر لعنت بھیجی، جبکہ انھوں نے سنیچر کے مسئلے میں تجاوز کیا، تو حضرت داوٗد علیہ السلام نے دعا کی:

'اے اللہ تعالیٰ انھیں لعنتی بنادے اور اس سے اپنی مخلوق کیلئے عبرت اور مثال قائم فرما'

پس حضرت داوٗد کی دعا سے وہ لوگ بندر بن گئے۔ یونہی حضرت عیسیٰ کی دعا سے 'اصحاب مائدہ' ملعون ہوئے، جنکے لئے آپ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ معروضہ پیش کیا کہ:

'اے اللہ تعالیٰ انھیں سنیچر والوں کی طرح لعنتی بنادے اور انھیں اپنی مخلوق کیلئے مثال بنا'

۔۔چنانچہ۔۔وہ اسی وقت خنزیر کی شکلوں میں مسخ ہوگئے۔ وہ اس وقت پانچ ہزار مرد تھے، جن میں نہ کوئی عورت تھی اور نہ کوئی لڑکا۔ اب رہا یہ سوال کہ اتنی بڑی سزا انھیں کیوں ملی؟

اسکا جواب یہ ہے کہ (یہ) لوگ اپنے کو اس لعنت کا مستحق بنا چکے تھے (کیونکہ گناہ کر چکے تھے اور سرکشی کرتے تھے)۔۔چنانچہ۔۔یہ انکی نافرمانی حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرنے کا نتیجہ ہے۔

ان میں سے خاص کر کے وہ لوگ اور بھی لعنت کے مستحق ہوگئے جو برائیوں سے روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود۔۔۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹

کسی کو منع نہیں کرتے تھے جو کرگزرتے کوئی برائی۔ بے شک برا تھا جو وہ کرتے تھے ●

(کسی کو منع نہیں کرتے تھے) یعنی وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہ روکتے تھے۔اور (جو) لوگ (کرگزرتے کوئی برائی) تو دوسروں نے انکی برائیوں کو دیکھ کر 'نہی عن المنکر' کا فریضہ نہ ادا کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ (بیشک برا تھا جو وہ کرتے تھے)۔

اس آیت میں بڑی تہدید ہے، ان لوگوں کیلئے جو منع کرسکتے ہیں، پھر بھی بری باتوں سے منع نہیں کرتے۔

اے محبوب! تم کھلی آنکھوں سے۔۔۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

اُن کے بہتیروں کو دیکھوگے کہ دوستی کرتے ہیں ان سے جو کافر ہو چکے۔ بیشک برا ہے جو پہلے کر چکے

لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

ان کے نفس، یہ کہ غضب فرمایا اللہ نے ان پر، اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(انکے بہتیروں کو دیکھو گے) کہ مسلمانوں سے کمالِ حسد کی وجہ سے (دوستی کرتے ہیں ان سے جو) اپنے کافرانہ نظریات واقوال وافعال کی وجہ سے (کافر ہو چکے)۔

جیسے کعب بن اشرف جو کہ بدر کبریٰ کی لڑائی کے بعد مکہ کو گیا اور مشرکوں کو مسلمانوں سے لڑنے کی ترغیب دی اور انکے ساتھ خود اپنی قوم کے شریک جنگ ہونے اور ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔

ان سرکش لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ (بیشک برا کیا جو پہلے کر چکے) اور پہلے ہی بھیج چکے اپنے لئے (انکے نفس)، اسلئے کہ قیامت میں اس برے عمل کا نتیجہ انھیں بھگتنا ہوگا اور وہ (یہ کہ) خود ان پر قیامت کے دن ظاہر ہو جائیگا کہ (غضب فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ان پر اور) انکے لئے جہنم کے دائمی عذاب کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ لہٰذا جہنم کے (عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں) جس سے انھیں نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ

اور اگر مان جاتے اللہ کو، اور نبی اسلام کو، اور جو نازل کیا گیا اسکی طرف، تو نہ بناتے ان کو

اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

دوست، لیکن ان کی اکثریت نافرمان ہے●

(اور اگر) ایسا ہوتا کہ وہ اہل کتاب جو مشرکین سے دوستی جوڑتے ہیں (مان جاتے) دل کی سچائی کے ساتھ (اللہ) تعالیٰ (کو اور نبی اسلام کو)، آپکے مبعوث ہونے کے بعد۔۔یا۔۔آپکے مبعوث ہونے سے پہلے اپنے پیغمبر کو، (اور جو نازل کیا گیا اس) پیغمبر (کی طرف) بعثت رسولِ عربی سے پہلے، یعنی توریت وانجیل۔۔یا۔۔بعثت رسولِ عربی کے بعد، یعنی قرآنِ کریم، جسے آخری نبی پر نازل فرمایا گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے سارے پیغمبروں اور ان پر نازل شدہ کتابوں پر دل کی سچائی کے ساتھ ایمان لاتے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر یہ صورت حال ہوتی، (تو) وہ ہرگز ہرگز (نہ بناتے ان) مشرکین (کو) اپنا

(دوست)، اسلئے کہ مشرکین کی دوستی کی تحریم اور حرام ہونے کی صراحت سابقہ انبیاء کرام کی شریعتوں میں بھی ہے اور انکی کتابوں میں بھی ان مشرکین کی دوستی کو صاف لفظوں میں حرام قرار دیا گیا ہے۔۔الختصر ۔۔اگر یہودی اپنے پیغمبروں کے احکام کا پاس ولحاظ رکھتے۔۔یا۔۔منافقین نبی آخر الزماں کے حکم کا خیال رکھتے، تو ہرگز ہرگز مشرکین سے دوستی نہ کرتے، (لیکن ان) یہودیوں (کی اکثریت) اور منافقین کی پوری جماعت (نافرمان) ہوکر دین وایمان کے دائرے سے خارج (ہے)۔اے محبوب!۔۔۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

ضرور پاؤ گے سب سے بڑھ کر دشمن مسلمانوں کا، یہودیوں کو اور مشرکوں کو۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ

اور ضرور پاؤ گے سب سے زیادہ نزدیک دوستی میں مسلمانوں کے، جنھوں نے کہا کہ ہم نصرانی ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ

یہ اس لیے کہ ان میں بعض علم دوست، اور درویش منش ہیں، اور وہ

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

غرور نہیں کرتے●

(ضرور پاؤ گے سب سے بڑھ کر دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو) اسی لئے آپ کی مخالفت میں یہ دونوں موافق ہیں۔(اور) انکے برخلاف (ضرور پاؤ گے سب سے زیادہ نزدیک دوستی میں مسلمانوں کے، جنھوں نے کہا کہ ہم نصرانی ہیں)۔کیونکہ انکے دل یہود کے دلوں سے بہت نرم ہیں اور یہ مشرکوں کی دوستی پر اعتماد نہیں رکھتے۔اور (یہ اسلئے) بھی (کہ ان میں بعض علم دوست اور درویش منش ہیں) سچے، عبادت گزار، آخرت کی بھلائی پر نظر رکھنے والے گوشہ نشین ہیں، (اور وہ غرور نہیں کرتے) یعنی حق بات ماننے میں تکبر نہیں کرتے۔

اوپر جن نصاریٰ کا ذکر کیا گیا ہے اور جنکی خوبیوں کو بیان کیا گیا، وہ خاص کر کے حبشہ کے نصاریٰ ہیں، ورنہ نصرانیوں میں بھی ایک گروہ ایسا ہے، جو مسلمانوں کے قتل اور انکے شہر کو خراب کرنے اور مسجد ڈھانے میں یہودیوں سے کم نہیں۔۔۔مگر حبشہ کے نصاریٰ، کہ انھوں نے جب حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی زبان سے قرآن شریف سنا، تو انکے دل مسلمانوں کی طرف مائل ہوگئے اور نجاشی ان میں سے بہت لوگوں کے ساتھ ایمان لایا۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت جعفر ملک حبشہ سے واپس ہوئے تو نجاشی نے اپنے ملک کے ستر ۷۰ عالم آنحضرت ﷺ کی خدمت سراپا ہدایت میں بھیجے۔ جب وہ علماء آستانہء حضرت رسالت پناہ ﷺ پر حاضر ہوئے، تو حضرت ﷺ نے انکے سامنے سورۃ یٰسین پڑھی۔ وہ سن کر بہت روئے اور اسلام وایمان کے احکام کو قبول کر کے باہم کہنے لگے، قرآن شریف پوری مشابہت رکھتا ہے، اس کتاب کے ساتھ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اور **اِنَّا نَصٰرٰی** کہنے والوں سے یہی علماء مراد ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہودیوں میں بھی حضرت عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب کی طرح بہت سے یہودی ہدایت پر تھے۔۔نیز۔۔عابد شب زندہ دار، اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے، اور کمالِ ایمان والے تھے۔ لیکن چونکہ وہ بکثرت نہیں تھے، بلکہ معدودے چند تھے، اسلئے یہ حکم صرف نصاریٰ کی طرف منسوب ہوا، انکی طرف نہیں ہوا۔

تشریحِ لغات

-- ﴿ ا ﴾ --

احترازی: احتراز سے متعلق: پرہیز۔۔کنارہ کشی۔۔علیحدگی۔
اختلاط: ایک چیز کا دوسری چیز سے مل جانا۔۔خلط ملط ہوجانا۔۔ مکس ہوجانا۔
اخیافی: وہ بھائی بہن جن کے باپ الگ الگ اور ماں ایک ہو۔
ادیان: دین کی جمع۔۔مذاہب۔
اذن: حکم۔۔اجازت۔
ارتداد: پھر جانا۔۔مرتد ہوجانا۔
ازلی وابدی: ہمیشہ سے، ہمیشہ تک۔۔جسکی ابتداء اور انتہا نہ ہو۔
استادگی: کھڑا ہونا۔
استبراء: (فقہی اصطلاح) یہ یقین کر لینا کہ عورت حاملہ نہیں ہے۔
استحقاق: سزاوار ہونا۔۔مستحق ہونا۔
استدراج: خلاف معمول کام کرنا۔
استراحت: آرام۔
استعجاب: تعجب۔۔حیرانی۔۔حیرت۔
استعمار: نوآبادی قائم کرنا۔۔کسی آزاد ملک کو غلام بنالینا۔
استفادہ: فائدہ حاصل کرنا۔۔نفع اٹھانا۔
استفاضہ: فیض پانا۔۔فائدہ اٹھانا۔
استقرار: ٹھہرنا۔۔قرار پکڑنا۔۔قائم ہونا۔
استلزام: لازم ہونا۔۔ضروری ہوجانا۔
اشتباہ: مشابہ ہونا۔۔دو چیزوں کا اسطرح ہم شکل ہونا کہ دھوکہ ہو جائے۔
اصابت: صحیح نتیجے پر پہنچنا۔
اظہر من الشمس: سورج سے زیادہ ظاہر۔۔سورج کی طرح ظاہر۔
اعتصام: مضبوطی سے پکڑنا۔۔(۲) پرہیزگار رہنا۔۔ اپنے آپ کو گناہ سے بچانا۔
افترا: بہتان۔۔جھوٹا الزام۔۔اپنی طرف سے گڑھی ہوئی بات۔
اقرب: بہت نزدیک۔
التفات: متوجہ ہونا۔
القاء: غیب سے دل میں ڈالنا۔۔وہ بات جو خدا دل میں ڈالدے۔
امرونہی: حکم اور روکنا۔
آمریت: کل اختیار واقتدار۔
امساک: کنجوسی۔
انانیت: خودبینی۔۔خودستائی۔۔مطلق العنانی۔
انتفاع: فائدہ اٹھانا۔۔نفع پانا۔
انحراف: انکار۔۔مخالفت۔۔نافرمانی۔
اندوہ گیں: رنجیدہ۔۔مغموم۔
انسب: زیادہ مناسب۔۔بہت ٹھیک۔
انقطاع: کٹ جانا۔۔ختم ہوجانا۔۔منقطع ہوجانا۔
ایجاب وقبول: قبول ومنظور۔۔نکاح کے وقت دولہا دلہن کی میاں بیوی بننے کی منظوری۔۔دولہا دلہن کا ایک دوسرے کو قبول کرنا۔

-- ﴿ ب ﴾ --

باندی: لونڈی۔۔کنیز۔۔چھوکری۔
باندیوں: باندی کی جمع۔
برانگیختہ: آمادہ کرنا۔
بعث ونشر: جس روز انسان قبروں سے اٹھائے جائینگے اور پھر پھیلا دیئے جائینگے۔
بعید از قیاس: قیاس کے خلاف۔۔سوچ کے خلاف۔
بہ گمانِ خود: اپنے خیال میں۔
بہ گمانِ خویش: اپنے خیال میں۔

بطیب خاطر: خوشی خوشی۔

بہ نظر استحسان: بھلائی کی نظر سے۔

بیع وشراء: خرید وفروخت۔۔لینا اور بیچنا۔

بینہ: روشن دلیل۔۔گواہ۔۔(جمع) بینات۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پاداش: نتیجہ۔۔سزا۔۔بدلہ۔۔مکافات۔

پدری: باپ کی۔۔والد کی۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تادیبا: تنبیہ کیلئے۔۔نظم وضبط کیلئے۔۔اصلاح کے واسطے۔

تارک: چھوڑنے والا۔۔ترک کرنے والا۔

تاویل: شرح۔۔بیان۔۔(۲) ظاہری مطلب سے کسی بات کو پھیر دینا۔

تبرع: بخشنا۔۔دینا۔۔کسی کو ذاتی منفعت کی امید کے بغیر دینا۔

تحریص: حرص دلانا۔۔ترغیب۔۔لالچ۔

تحریف: بدل دینا۔۔تحریر میں اصل الفاظ بدل کر کچھ اور لکھ دینا۔۔ ترجمہ کرنے میں ارادۃً اصل معنی سے مختلف معنی کرنا۔

تحریم: حرام کرنا۔۔حرمت۔

تخصیص: خصوصیت۔

تخفیف: کمی۔۔گھٹاؤ۔۔(۲) ہلکا کرنا۔۔

تدریجی: درجہ بدرجہ۔۔زینہ بہ زینہ۔۔رفتہ رفتہ۔

تساوی: برابری۔۔ہمسری۔۔مطابقت۔۔یکسانیت۔

تشابہ: شبہ ہونا۔

تشریعی: جیسے حضور کے تشریعی اختیارات۔۔یعنی شرع وضع کرنے کے اختیارات۔

تصدق: صدقہ دینا۔۔قربانی۔۔صدقہ۔۔خیرات۔۔

تضرع: رونا۔۔گڑگڑانا۔۔آہ وزاری۔

تعدد: کثرت۔

تعدی: ظلم وستم۔۔جور۔۔جفا۔۔(۲) ناانصافی۔

تعریض: چھیڑنا۔۔(۲) اعتراض کرنا۔

تفاضل: قدر و قیمت بڑھانا۔۔ایک کا دوسرے سے افضل ہونا۔

تفاوت: فاصلہ۔۔دوری۔۔فرق۔

تفوق: برتری۔۔فوقیت۔۔فضیلت۔۔بڑائی۔

تقدیس: پاکیزگی۔۔پاکی۔۔تقدس۔

تقیہ: ڈر کی وجہ سے حق پوشی کرنا۔

تکرار: بار بار کہنا۔۔دہرانا۔

تکوین: پیدا کرنا۔۔وجود میں لانا۔

تمثیل: مثال۔

تمرد: سرکشی۔۔بغاوت۔۔گستاخی۔۔نافرمانی۔

تناقض: ایک دوسرے کی ضد یا مخالف ہونا۔

تنزیہہ: عیب سے پاک ہونا۔

تنوع: قسم قسم کا ہونا۔

تواضع: خاطر مدارات۔۔آؤ بھگت۔۔مہمان داری۔

تونگر: دولت مند۔۔امیر۔۔مالدار۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جبت: شیطان۔

جزع: بے صبری۔۔اضطراب۔۔گھبراہٹ۔

جماع: مرد کا عورت سے صحبت کرنا۔۔ہم بستر ہونا۔۔مباشرت

-- ﴿ ح ﴾ --

حادث: نئی چیز جو پہلے نہ ہو۔۔(۲) فانی۔

حجج: دلیل۔

حد: سزا جو شریعت اسلامیہ کے مطابق دی جائے۔

حزن: رنج۔۔ملال۔۔غم۔

حضر: ایک جگہ قیام۔۔پڑاؤ۔۔اقامت۔۔سفر کی ضد۔

حسنات الابرار سیئات المقربین: قربت والوں کی معمولی لغزشیں اور نیکوں کی نیکیاں۔

حکم: ثالث۔۔پنچ۔۔فیصلہ کرنے والا۔۔منصف۔

حل: حدودِ حرم سے باہر کی جگہ۔
حلت: حلال ہونا۔۔روا ہونا۔۔مباح ہونا۔۔حرمت کی ضد۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خاطی: جس سے کوئی خطا ہو جائے۔
خساست: کنجوسی۔
خسران: نقصان۔۔گھاٹا۔۔زیاں۔
خصائل قبیحہ: بری عادتیں۔۔نازیبا سیرت۔۔معیوب عادتیں۔
خصومت: عداوت۔۔دشمنی۔۔(۲) جھگڑا۔
خفیف الحرکاتیوں: اوچھی حرکتیں۔۔کم ظرفی۔
خلوت: تنہائی۔۔علیحدگی۔۔عزلت۔۔گوشہ نشینی۔
خلوت صحیحہ: بیوی خاوند کا ہم بستری کیلئے تنہا ہونا۔۔
جائز جنسی تعلقات۔

-- ﴿ د ﴾ --

درخور اعتنا: توجہ کے قابل۔
دعاوی: دعویٰ کی جمع۔
دلیل قطعی: حتمی ثبوت۔۔کامل حجت۔
دیت: خون بہا۔۔خون کی قیمت۔۔وہ نقدی جو مقتول کے
وارث قاتل سے لیں۔

-- ﴿ ذ ﴾ --

ذم: مذمت۔۔ہجو۔۔برائی۔
ذنوب: ذنب کی جمع۔۔گناہ۔۔قصور۔۔جرم۔۔برا کام۔
ذوالوجھین: جسکے دو پہلو ہوں۔۔جس بات کے دو رخ ہوں۔
ذوی العقول: عقلمند لوگ۔۔دانا۔
ذوی الارحام: رحموں والے۔۔وہ رشتہ دار جو باپ کی طرف
منسوب نہ ہوں، ماں، بہن، بیوی یا لڑکیوں کی
طرف منسوب ہوں۔
ذوی الفروض: شرعی وارث جن کے حصے مقرر ہیں۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجح: قابل ترجیح۔۔بہتر۔۔غالب۔۔فائق۔۔پسندیدہ۔
راست: سچ۔۔ٹھیک۔۔درست۔
راسخ: پکا۔۔مضبوط۔۔اٹل۔
رفع: دور کرنا۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زجر و توبیخ: ڈانٹ ڈپٹ۔
زلت: قدم کا بہک جانا۔
زوجین: میاں بیوی۔۔زن و شوہر۔

-- ﴿ س ﴾ --

سالک: راہ چلنے والا۔۔راہِ سلوک کا مسافر۔
سب و شتم: لعن طعن۔۔گالی گلوچ۔۔برا بھلا۔
ستودہ صفات: جس میں قابل تعریف خوبیاں ہوں۔۔
اچھے اوصاف والا۔
سدرمق: قلیل۔۔تھوڑی۔
سرایت: تاثیر کرنا۔۔سما جانا۔۔نفوذ کرنا۔
سرعت: جلدی۔۔پھرتی۔
سرقہ: چوری۔
سفاہت: بیوقوفی کرنا۔
سیئات: برائیاں۔۔بدیاں۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شدائد و مصائب: سختیاں۔۔تکلیفیں۔۔مصیبتیں۔
شرع: سیدھا راستہ۔۔قانونِ محمدی جو قرآن کے مطابق ہے۔۔
شرعاً: قانونِ اسلام کے مطابق۔
شہود: حاضر ہونا۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صامت: چپ۔۔خاموش۔۔(۲) بے جان۔
صانع: بنانے والا۔۔(۲) پیدا کرنے والا۔۔خالق۔
صحبت: ہم بستری۔
صراحۃً: صاف طور پر۔
صریح: ظاہر۔۔آشکار۔۔صاف۔۔علانیہ۔
صنادید: سردار۔
صولت: دبدبہ۔۔ہیبت۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طرفین: فریقین۔۔دونوں جانب۔۔مدعی ومدعا علیہ۔
طغیان: بڑی زیادتی۔۔ظلم۔۔نافرمانی۔۔سرکشی۔
طمع: لالچ۔۔حرص۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظن: وہم۔۔گمان۔۔شبہ۔۔خیال۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عار: شرم۔
عبد: بندہ۔۔غلام۔
عزم صمیم: سچا ارادہ۔۔خالص نیت۔
عزیمت: عزم کرنا۔۔تیار ہونا۔۔ارادہ۔
عسرت: تنگی۔۔مفلسی۔۔دشواری۔
عصبات: شرعی وارثوں کو وراثت ملنے کے بعد بقیہ پورے مال کا وارث۔
عفت: پارسائی۔۔پاک دامنی۔
عقاب: دکھ۔۔تکلیف۔۔عذاب۔۔سزا۔
عقوبت: عذاب۔۔سزا۔
علاتی: سوتیلے بہن بھائی جنکا باپ ایک ہو اور ماں الگ الگ۔

-- ﴿ غ ﴾ --

غلو: حد سے گزر جانا۔۔بہت زیادہ مبالغہ۔
غیر محرف: جس میں کوئی تحریف یعنی تبدیلی نہ کی گئی ہو۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فتون: فتنے میں ڈالنا۔فتنوں میں۔
فدیہ: نقد معاوضہ۔۔(۲) خون بہا۔۔(۳) مال یا روپیہ جسے دیکر قیدی رہا ہو۔۔یا چھٹکارا ملے۔
فرض عین: خاص فرض۔۔ضروری فرض۔
فرض کفایہ: وہ فرض جو چند آدمیوں کے کرنے سے سب کے سر سے اتر جائیگا، جیسے نمازِ جنازہ۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قبائح وفضائح: بری خصلتیں۔۔نیچ حرکتیں۔
قبیح: معیوب۔۔برا۔۔نازیبا۔۔شرمناک۔
قدح: مدح کی ضد۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کبائر: کبیرہ کی جمع۔۔بڑے۔
کتر بیونت: کاٹ چھانٹ۔
کٹ حجتی: بے جاہ حجت۔
کثافت: غلاظت۔۔نجاست۔
کلفت: تکلیف۔۔مصیبت۔
کوتاہ فکری: کم فہمی۔۔کم عقلی۔

-- ﴿ ل ﴾ --

لاہوت: ایک عالم کا فرضی نام۔
لطائف: لطیفہ کی جمع۔۔اچھی چیز۔

-- ﴿ م ﴾ --

مانع: منع کرنے والا۔۔روکنے والا۔۔سدِراہ۔۔

(۲)ممانعت۔۔روک۔۔اٹکاؤ۔

مباشرت: عورت مرد کی ہم بستری۔۔جماع۔۔صحبت۔

مبالغہ: کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔۔حد سے زیادہ تعریف یا برائی کرنا۔۔حد سے زیادہ بڑھانا۔۔(۲) زیادہ گوئی۔۔(۳) کسی کام میں سخت کوشش کرنا۔

مبدا: آغاز۔

مبرا: پاک۔۔بے عیب۔۔صاف۔۔منزہ۔

مبسوط: پھیلا ہوا۔۔کشادہ۔۔فراخ۔

مبصرات: دیکھے جانے والی چیزیں۔

مبغوض: قابل نفرت۔

متابعت: پیروی۔۔(۲) فرمانبرداری۔۔اطاعت۔

متحیر: متعجب۔۔حیرت زدہ۔۔حیران۔

متخاصمین: طرفین جو جھگڑا کریں۔۔فریقین۔۔باہم مخالف۔

متدین: قائم ہو جانے والے۔۔پکے ہو جانے والے۔۔پکڑ لینے والے۔

متردد: تردد کرنے والا۔۔پس و پیش کرنے والا۔۔سوچ میں پڑ جانے والا۔۔(۲) پریشان۔۔مضطرب۔

متعذر: مشکل۔۔دشوار۔۔محال کے قریب۔

مجازاً: فرضاً۔۔مراداً۔

محاکمہ: فیصلہ کرانے کیلئے حاکم کے پاس جانا۔۔انصاف طلبی۔۔

محال: غیر ممکن۔۔ناممکن۔۔جو ہو ہی نہ سکتا ہو۔

محالاتِ خرد: عقل کیلئے ناممکن باتیں۔۔وہ چیزیں جنکا ہونا ازروئے عقل دشوار ہو۔

محامد: اچھائیاں۔۔عمدہ اوصاف۔

محرف: تحریف کیا گیا۔۔مطلب سے پھیرا ہوا۔۔(۲) بدلا ہوا۔

محرمات: وہ باتیں جن سے روکا گیا ہو۔۔منع کی ہوئی چیزیں۔

مخادنت: دوستی کرنا۔۔ساتھی بنانا۔

مداومت: ہمیشگی۔۔ثبات۔۔دوام۔

مدح: تعریف۔۔توصیف۔

مراجعت: واپسی۔۔واپس ہونا۔۔لوٹنا۔۔رجوع۔

مربوب: پروردہ۔۔بندہ۔۔مملوک۔

مرضیہ: پسندیدہ۔

مروج: رواج دیا گیا۔۔رائج کیا گیا۔۔چلایا گیا۔۔جاری۔

مزعومات: دیکھئے اگلا لفظ مزعومہ۔

مزعومہ: گمان کیا ہوا۔

مزید برآں: اسکے سوا۔۔اس سے بڑھ کر۔

مستغنی: آزاد۔۔بری۔۔بے پرواہ۔

متکبر: اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا۔

مستلزم: لازم کرنے والا۔

مستنکف: انکار کرنے والا۔۔حکم عدولی کرنے والا۔۔غرور کرنے والا۔

مسموع: سنا گیا۔۔سنی ہوئی بات۔

مسموعات: سنائی دینے والی چیزیں یا باتیں۔

مشتق: نکلا ہوا۔۔وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہے۔۔وہ صیغہ جو مصدر سے بنا ہو۔

مشروع: شرع کے موافق۔۔جائز کیا گیا۔

مصائب وآلام: مصیبت ورنج ودکھ درد۔

مصدر: نحو میں وہ کلمہ جس سے فعل اور صیغے مشتق ہوں۔

مصنوع: صنعت کیا ہوا۔۔بنایا ہوا۔

مضطرب: بے چین۔۔بے قرار۔

مضمحل: آزردہ۔۔سست۔

مطاع: اطاعت کیا گیا۔۔وہ شخص جسکی اطاعت کی جائے۔

مطعومات: خوراک۔

مطیع: اطاعت کرنے والا۔۔فرمانبردار۔۔تابع۔۔حکم بردار۔

مطیعین: اطاعت کرنے والے۔۔فرمانبردار۔۔تابع۔۔حکم بردار۔

معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔۔واپس جانے کا مقام۔۔(۲) عقبیٰ۔۔آخرت۔۔قیامت۔۔حشر۔

معارضہ: نزاع۔۔مخالفت۔۔رکاوٹ۔۔مقابلہ کرنا۔

معاصی: معصیت کی جمع۔۔گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔پاپ۔

معراء: خالی۔۔(۲) پاک وصاف۔
معصیت: گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔نافرمانی۔۔انحراف۔
معمول: وہ بات جو روزمرہ کی جائے۔۔روٹین۔
مفاخرت: بڑائی۔۔شیخی۔۔ڈینگ۔۔فخر۔۔ناز۔۔گھمنڈ۔
مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔
مفضول: فضیلت دیا گیا شخص۔۔فضیلت دی گئی چیز۔
مفلس: غریب۔۔کنگال۔۔محتاج۔۔نادار۔۔فقیر۔۔بے زر۔
مقتضی: تقاضہ کرنے والا۔
مقر: اقرار کرنے والا۔۔اقراری۔۔معترف۔۔اعتراف کرنے والا۔۔ماننے والا۔۔تسلیم کرنے والا۔
مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہو۔
مقید: قید کیا گیا۔۔قیدی۔
مکافات: بدلہ۔۔(۲) پاداش۔۔سزا۔
مکلفین: تکلیف دیا گیا۔۔عاقل۔۔بالغ۔
ملتبس: پوشیدہ کیا گیا۔۔مبہم۔۔غیر واضح۔
ملتفت: متوجہ۔۔توجہ کرنا۔
مملوکیت: بادشاہت۔۔حکومت۔۔کسی چیز کا ملکیت میں ہونا۔۔مالک ہونا۔
منازعت: جھگڑا۔
منزہ: پاک۔۔مبرا۔
منعم: نعمت دینے والا۔
منہمک: کسی کام میں بہت مصروف۔
منہیات: منہی کی جمع۔۔منع کی گئی۔۔ممانعت کی گئی۔
مواضع: موضع کی جمع۔۔گاؤں۔۔جگہ۔
مواظبت: ایک کام ہمیشہ کئے جانا۔
موحد: خدا کو ایک ماننے والا۔۔(۲) پکا مسلمان۔۔سچا مسلمان۔
مؤخر: آخر کیا گیا۔۔آخری۔۔اخیر کا۔
مودت: دوستی۔
موشگافیوں: بال کی کھال اتارنا۔۔تنقید کرنا۔۔نکتہ چینی کرنا۔
مؤکد: تاکید کیا گیا۔
مہلک: ہلاک کرنے والا۔۔سخت ضرر رساں۔

۔۔﴿ ن ﴾۔۔

ناسوت: ایک عالم کا فرضی نام۔
نافلہ: وہ فعل یا عبادت جو فرض نہ ہو بلکہ برائے حصولِ ثواب انجام دیا جائے۔
نزاع: تنازعہ۔
نزاھت: بری باتوں سے دوری۔۔(۲) عیب سے پاک ہونا۔
نسخ: منسوخی۔۔تنسیخ۔
نفائس: نفیسہ کی جمع۔۔نفیس چیزیں۔
نقباء: نقیب کی جمع۔۔قائد۔۔رئیس۔
ننگ وعار: غیرت۔۔شرم۔

۔۔﴿ و ﴾۔۔

وراثت: ورثہ۔۔میراث۔۔ترکہ۔
وسائط: واسطہ کی جمع۔
وصف: خوبی۔۔اچھائی۔۔عمدگی۔۔
وصی: وہ شخص جسکو وصیت کی گئی۔۔(۲) وصیت پر عمل کرنے والا۔
وعید: سزا دینے کی دھمکی۔۔(۲) سزا دینے کا وعدہ۔

۔۔﴿ ھ ﴾۔۔

ھبہ: عطا۔
ہزیمت: شکست۔۔ہار۔
ہویت: ہونا۔

۔۔﴿ ی ﴾۔۔

یمین: قسم۔۔حلف۔
یمین شرعی: وہ قسم یا حلف جو اسلامی شرع کے مطابق ہو۔

گلوبل اسلامک مشن کی دیگر مطبوعات

اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،

'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'سید تفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد اوّل﴾ ۴۴۸ صفحات

مفسر اوّل: الٓمّٓ ۱ محدث اعظم ہند، حضرت علامہ سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہ

مفسر دوم: سیقول ۲ تلک الرسل ۳ شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

'مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۲۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰صفحات﴾
('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالاتِ شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲صفحات﴾
'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہء دعوت وتبلیغ' ﴿۳۶صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد دوم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفیکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔ کتاب ھٰذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

المصدق

فقط

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
سید محمد عظمت علی نوری محکمہ اوقاف سندھ کراچی

ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی